گل قریش

ماہنامہ پاکیزہ کا مقبول ترین ناول
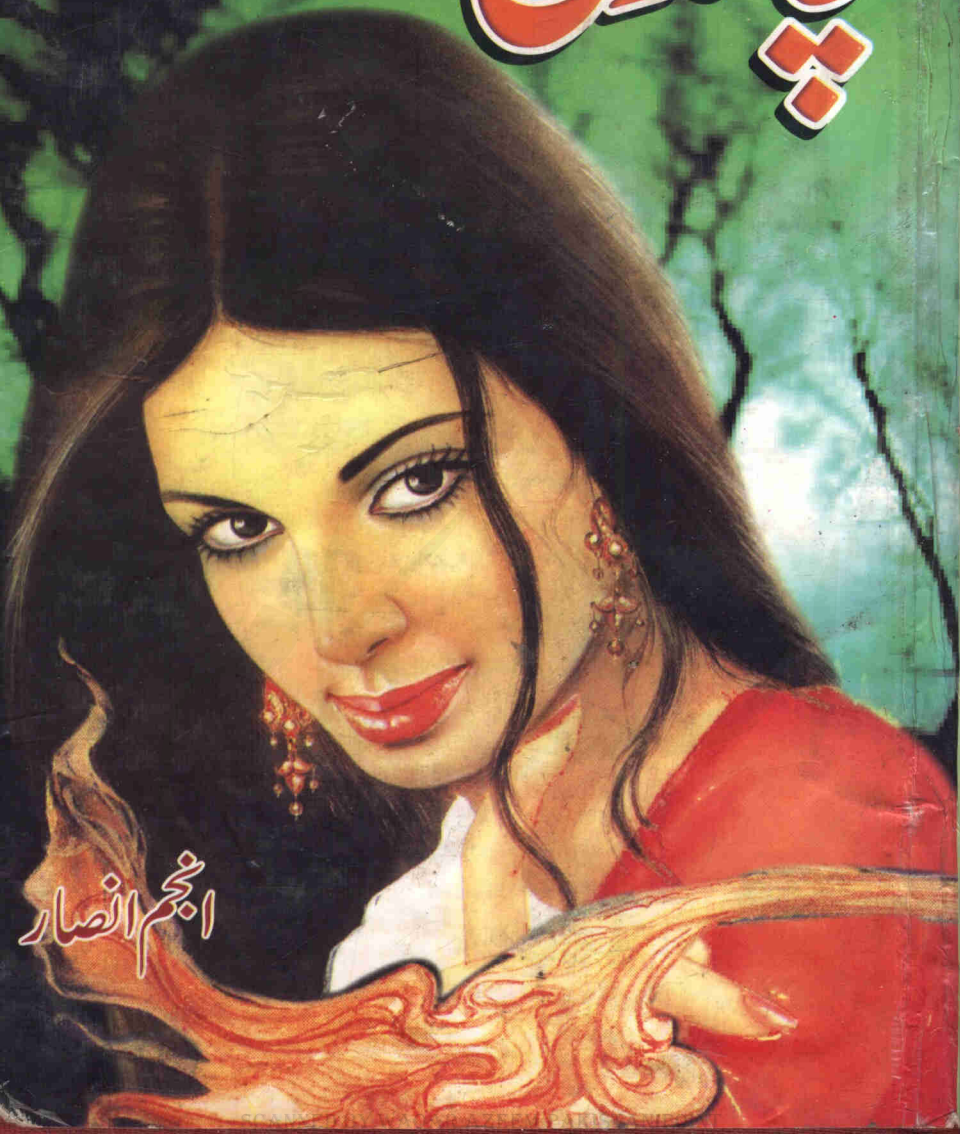
چاندنی

انجم انصار

احوالِ واقعی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قارئین کرام!

اسلام علیکم رحمۃ اللہ برکاتہ۔ ناول ''چاندنی'' کے دوسرے ایڈیشن کے ساتھ حاضر ہوں۔ اس کا پہلا ایڈیشن جس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہے۔ اس کے لئے میں اللہ تعالیٰ کے بعد آپ سب کی مشکور ہوں، کہ میری کتاوں کو آپ ذوق وشوق سے خریدتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔

ناول چاندنی کی کہانی ایک سچی کہانی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ سچ اپنے اندر بے حد مقناطیست رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول کے کردار آپ کو جانے پہچانے اور اپنے اپنے سے لگیں گے، یوں بھی یہ لڑکیوں کی کہانی ہے ہر وہ لڑکی جو چمکتی ہوئی چیز سے متاثر ہو جاتی ہے کہیں نہ کہیں زِک ضرور اٹھاتی ہے اور یہی اس ناول کا مرکزی خیال بھی ہے۔

ان دنوں میں اس ناول کی ڈرامائی تشکیل بھی کر رہی ہوں جو ''راستے دل کے'' نام سے ریڈیو پاکستان کراچی سے نشر ہوگا۔

''چاندنی'' اکیس ماہ ماہنامہ پاکیزہ میں قسط وار شائع ہوا اور ہمارے قارئین نے اس ناول کو پڑھنے میں جتنی دلچسپی لی، یہ میرے لئے انتہائی حوصلہ افزا بات تھی۔

میرے **فینز** مجھ سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ انجم باجی آپ دوسرا ناول کب لکھیں گی......؟ تو میں یہ سوچتی ہوں کہ دوسرا ناول ایسا تو ہو جو چاندنی کی جگہ لے سکے...... **بفضلِ خدا** کتابیں تو میری آٹھ شائع ہو چکی ہیں مگر میرا دوسرا ناول انشاء اللہ جلد آنے والا ہے کہ ایک سچی کہانی میری گرفت میں آ چکی ہے اور میں ان دنوں اسی کی نوک پلک سنوار رہی ہوں۔

مبین خٹک کے حوالے سے میری یہ پہلی کتاب شائع ہو رہی ہے۔ آپ کو کیسی لگی......؟ اب اپنی آراء سے مجھے مطلع ضرور کیجیئے گا۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ناول چاندنی اپنی نئی کمپوزنگ اور نئے گیٹ اپ کے ساتھ اپنے پرانے ریکارڈ بھی توڑ دے گا.........! کیا واقعی......؟

دعا گو آپ کی اپنی بہن

انجم انصار

''اللہ! نہیں......آہستہ......'' یکبارگی میرے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔
''بس ڈر گئیں، اتنی ہی ہمت ہے تمہاری!'' اُس نے میرا مذاق اُڑایا۔
''ڈرنے کی بات نہیں ہے، ایسے چلاتے ہیں بائیک پاگلوں کی طرح۔'' میں نے مُنہ پر اڑتے بال ایک ہاتھ سے سنوارتے ہوئے کہا۔
''ہاں، ماہم...... مابدولت تو ایسے ہی چلاتے ہیں، پورے شہر میں کوئی ثانی نہیں ہے ہمارا۔'' اُس نے اسکوٹر کی اسپیڈ مزید بڑھادی۔
اب ہر شے مجھے پیچھے بھاگتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ درخت، مکان، آدمی، گاڑیاں...... میرا دوپٹا اڑ کر اُس کے بازوؤں پر لپٹ رہا تھا مگر اسکوٹر کی رفتار بڑھتی چلی جا رہی تھی۔
''کیا ہو گیا ہے یہ تمہیں! شہری! کیا زیادہ ہی اِترانے لگے ہو تم......؟ بائیک چلا رہے ہو یا ہوائی جہاز اُڑا رہے ہو؟'' میں اُس کے کان کے قریب منمنائی۔
''آج تو یہ ایسے ہی چلے گی۔'' اُس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بے فکری سے قہقہہ لگایا۔
''شہری پلیز، خدا کے لیے آہستہ چلاؤ۔'' بائیک پر لگے ہوئے اسپیئر وھیل سے میرا ہاتھ خود بخود ہی اُس کے شانے تک آ گیا۔
''کیوں، ڈر گئیں؟ مان لو کہ مارے خوف کے گھگی بندھ رہی ہے۔'' اُس نے تیزی سے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔
''اتراؤ مت، مجھے واقعی یوں لگ رہا ہے کہ تم موت کے کنوئیں میں بائیک چلا رہے ہو۔'' اُس کے شانے پر رکھا ہاتھ میری گود میں آ گیا۔
''اچھا، ابھی بھی ڈائیلاگ......'' وہ خود سے بڑبڑایا۔
''یاہو۔'' اُس کی ایک لاأبالی چیخ کے ساتھ بائیک اب صرف پچھلے پہیے پر دوڑ رہی تھی۔
میں لُڑھک کر اُس کی کمر سے لگ گئی تھی۔ مارے ڈر کے دونوں آنکھیں بند کر لی تھیں؛ دونوں کپکپاتے بازو اُس کے گلے کا ہار بن چکے تھے۔

''ماہم، کیسا لگ رہا ہے......؟'' وہ بے خوفی سے قہقہے کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

''پلیز شہری، آہستہ چلاؤ نا......اگر میں مر گئی تو۔'' میں آنکھیں میچے اُس سے کہہ رہی تھی۔ لہجہ جیسے خوشامد سے لبالب ہو گیا تھا۔

''نہیں ماہم، مرنا کیسا، یہ تھرل ہی تو اصل زندگی ہے۔'' اُس کا لہجہ آسودگی سے مزیّن تھا۔

''شہری، پلیز، مجھے واقعی ڈر لگ رہا ہے۔'' میرے جسم سے پسینے کے قطرے واقعی اب اُس کی کمر کو بھگو رہے تھے۔

''اچھا! تمہیں ڈر بھی لگتا ہے۔'' وہ لفظ اچھا کو چبا کر بولا۔

''ہاں شہری، میری جان نکلی جا رہی ہے۔'' میں اُس کی کمر سے لگے لگے آہستہ سے چیخی۔ آنکھیں کھول کر دیکھنے کی اب بھی ہمت نہیں تھی۔

''اچھا، تم بھی کیا یاد کرو گی۔'' بائیک کا دوسرا پہیہ ایک جھٹکے سے متوازی ہوا، اب وہ اکلوتے پہیے پر گاڑی بھگانے کی بجائے دونوں پہیوں پر بائیک چلا رہا تھا، مگر رفتار اب بھی تیز تھی۔

''اُف، میری توبہ! اب میں تمہارے بائیک پر جو بیٹھوں۔ بائیک چلاتے ہو یا راکٹ، اگر میں گر جاتی تو ہڈّی پسلی ایک ہو جاتی۔'' گھر کے سامنے اُترتے ہوئے میں نے اُسے شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''ایسے ہوتے ہیں، احسان فراموش لوگ، ایک تو محترمہ کو گھر تک چھوڑا، بجائے شکریہ ادا کرنے کے، باتیں سنا رہی ہیں۔'' وہ جواباً گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ماموں جان کو پتا ہے کہ تم سرکس والوں کی طرح بائیک چلاتے ہو؟''

''ہاں، ہاں، سب کو پتا ہے کہ میں جی داری سے بائیک چلاتا ہوں۔'' وہ زور سے کِک لگا کر بائیک اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

''اے گھر میں چلو نا......میں فرسٹ کلاس چائے بنا کر پلاتی ہوں۔'' اس کا باہر ہی باہر سے چلا جانا مجھے کچھ اچھا نہیں لگا۔

''چائے، پایوں کی طرح نہیں پکنی چاہیے، نفاست بنانا، ورنہ تم لوگوں کے ہاں بھی زبیدہ پھپھو کے گھر کی طرح خاصی رو رو کر چائے بنتی ہے۔'' وہ اسکوٹر لاک کر کے میرے پیچھے ہی چلا آیا۔

''اب آ رہی ہو کالج سے......'' اماں برہمی کی ایک نظر مجھ پر ڈال کر شہری کو دیکھ کر مزید کچھ کہنے سے باز رہیں۔

''ماموں جان کے ہاں چلی گئی تھی۔'' میرا انداز بے پروائی لیے ہوئے تھا۔

''بتا کر تو جاتیں، میں سارا دن ہَولتی رہی۔'' امّاں کے لہجے سے خفگی نمایاں تھی۔

''واقعی آپ بہت بھلکّڑ ہو گئی ہیں، رات کو میں نے کہا تو تھا کہ ماموں جان کے ہاں گئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔'' میں نے اُنھیں یاد دلایا۔

''مگر یہ تو نہیں کہہ کر گئی تھی کہ کالج سے واپسی پر ماموں جان کے ہاں چلی جاؤں گی۔'' اُن کی خفگی تا حال قائم تھی۔

''امّاں جانی! میرا مطلب تو یہی تھا مگر آپ سمجھ نہیں سکیں۔'' میں نے بے پروائی سے شانے اُچکائے۔

''ماہم، اب تم بچی نہیں ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ گھر میں آنے اور جانے کے کیا اوقات ہیں؟'' امّاں کا خفگی بھرا لہجہ پاش پاش ہونے کو تیار تھا۔

''اللہ امّاں۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟ میں جاتی کہاں ہوں آخر......؟ زیادہ سے زیادہ ماموں، چچا یا پھپھو کے ہاں، خدا سمجھے فرحت خالہ کو، انھوں نے بھی ہمارے محلّے میں مکان بنا لیا، اُن کے گھر جانے کا سارا چارم ہی ختم ہو گیا ہے۔''

''ماہم! یہ بات نہیں ہے؟'' امّاں آج شہری کی موجودگی کا بھی لحاظ نہیں کر رہی تھیں۔

''پلیز امّاں جانی، آپ خواہ مخواہ گھبرا جاتی ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جانا آپ کی طبیعت کا اہم حصّہ ہے اور بس۔'' میں نے اُن کو دونوں شانوں سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے اُن کی پیشانی کا بوسہ لے ڈالا۔

''پھپھو! ٹھنڈا پانی پیجیے، آج گرمی بھی بہت ہے۔'' شہری فریج سے بوتل نکال کر گلاس میں پانی انڈیل کر انھیں دیتے ہوئے بولا۔

''شہری، چائے بناؤں یا شربت، گرمی واقعی بے حد ہو رہی ہے۔'' امّاں کو پان کھاتے دیکھ کر میں اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''اگر آج کی تاریخ میں چائے بن جائے تو بہتر ہے، ورنہ میں چلتا ہوں۔''

''مغرب ہونے والی ہے، کھانا کھا کر جانا۔'' امّاں نے پان کے ساتھ تمام خدشات بھی سٹک لیے تھے۔ وہ شہری کو کھانے پر بڑی محبت سے روک رہی تھیں۔

''نہیں پھپھو! پھر کبھی سہی، آج میں نے اپنے ایک نئے اور خاص دوست کو ٹائم دے رکھا ہے۔'' وہ میری جانب اترا کر دیکھتے ہوئے امّاں سے کہہ رہا تھا۔

''اُونہہ، خاص دوست۔'' میں نے اپنی چھوٹی سی ناک اوپر چڑھائی۔

''کیوں، بے یقینی کی کیا بات ہے؟ میرا کوئی خاص دوست نہیں ہو سکتا کیا؟'' وہ اپنے جوگرز کے فیتے ٹائٹ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''دیکھ رکھے ہیں، سب تمہارے دوست، ایک سے ایک بے ڈھنگا۔'' میں نے تمسخر سے اُسے چھیڑا۔

''اُسے نہیں دیکھا تم نے۔'' وہ جھوم کر بولا۔

''نہ سہی۔ مگر تمہارے سارے دوست ایک ہی کیٹیگری کے ہیں، بے ڈھنگے اور لا اُبالی سے۔'' میں نے اُسے چڑایا۔

''ماہم، لینگویج پلیز، میرے دوستوں کی شان میں گستاخی نہیں چلے گی، اگر صفی کی صرف کار ہی دیکھ لی جائے تو ایک درجن لڑکیاں صرف گاڑی کا ماڈل دیکھ کر ہی صفی پر عاشق ہو جائیں۔''

''ہُشت، کیا بکواس ہے......؟'' میں ایک دم سُرخ پڑ گئی۔

''لال پیلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے دیکھو گی تو میری بات پر ایمان لے آؤ گی۔''

''تمہاری یہی تو باتیں ہیں جنھیں سُن کر تمہاری شکل دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔'' میں نے دانت پیسے۔

''اپنے اقوالِ زریں پھر آئندہ سُنائیں گے۔ اس وقت ہمیں بھی جانے کی جلدی ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''چائے نہیں پیو گے؟'' میں نے آلکس سے پوچھا۔ ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ چلا جائے۔

''آج چائے چڑھا دو، دو چار دن میں بن جائے گی، پھر آ کر پی لوں گا۔'' وہ چین انگلی میں گھماتا ہوا باہر نکل گیا۔

اور میں دھم سے وہیں امّاں کے پاس تخت پر لیٹ گئی۔

''میرا تو آج سارا دن ہی ہولتے ہوئے گزرا ہے، تمہارے ساتھ ساتھ ارتقاء کی فکر بھی لگی رہی۔'' امّاں کا ناراض لہجہ پھر پنپنے لگا۔

''ارتقاء باجی کہاں چلی گئی تھیں؟'' میں نے اپنا سر امّاں کے گھٹنے پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اُس نے کہاں جانا تھا۔ اُس دُکھیا کو تو یونیورسٹی ہی میں دیر ہو جاتی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ پوائنٹ نکل گیا تھا، دوسری بس دیر سے چلی، اس لیے دیر ہو گئی، مگر تو، تو خیال کیا کر اپنی امّاں کا۔ ذرا بھی دیر ہو جاتی ہے تو میرا دل بے قابو ہو جاتا ہے۔''

"اچھا، امّاں، اب بتا کر جایا کروں گی۔" میں نے اپنے دونوں ہاتھ امّاں کے گلے میں ڈال دیے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیں۔

♥♥♥

فہیم احمد کا گھرانہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ فہیم احمد ریلوے میں گارڈ تھے اس لیے اُن کا زیادہ تر وقت ریل کے ساتھ آنے اور جانے میں صرف ہوا کرتا تھا۔

تنخواہ تو اتنی خاص نہ تھی مگر دیگر الاؤنسز ملنے کے سبب ٹھیک ٹھاک گزارہ ہو جاتا تھا۔ اُن کے چار بچے تھے۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں۔ دونوں لڑکے برسرِ روزگار تھے۔ ظہیر بڑے تھے۔ کسی سرکاری دفتر میں کلرک تھے۔ ضمیر اُن سے چھوٹے تھے۔ وہ کسی پرائیویٹ کمپنی میں کام کے بعد کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ ملک کا بہترین کرکٹر بننا اُن کا خواب تھا۔

ارتقاء اور ماہم، دونوں بہنیں بھائیوں سے چھوٹی تھیں۔ ارتقاء یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی جبکہ ماہم مقامی کالج میں انٹر کی طالبہ تھی۔ یوں تو چاروں، بہن بھائی ہی اپنے اپنے مشاغل میں مست تھے مگر ماہم کے لاڈ، گھر میں سب سے زیادہ اٹھتے تھے۔ فہیم احمد کی چاہت تو سب سے جدا تھی۔

"میری ماہم بہت قسمت والی ہے۔ میری بیٹی کا وجود میرے گھر میں چاندنی سے کم نہیں۔ جب سے پیدا ہوئی ہے۔ میرے معاشی مسائل ختم ہو گئے۔ اتنی خوبصورت اور بخت آور بیٹی کو تو کسی بادشاہ کے ہاں پیدا ہونا چاہیے تھا۔" (یہ اُن کی اپنی سوچ تھی)۔

"تم کیا کسی بادشاہ سے کم ہو!" نگہت آرا شوہر کو شوخی سے چھیڑا کرتیں۔

"پھر بھی، میری چاندنی کو وہ آسائشیں نہیں مل رہیں جو اُسے ملنی چاہئیں۔" وہ تردّد سے کہتے۔

"اس قدر تو آسائشیں حاصل ہیں اُسے۔ جب بھی ایکسپریس کے ساتھ جاتے ہو، واپسی پر اُس کے لیے ڈھیروں ڈھیر کپڑے لاتے ہو۔ شاید ہی کسی بچّے کے اتنے کپڑے بنے ہوں جتنے ماہم بناتی ہے۔ اب تو میں نے سوچ لیا ہے کہ آئندہ ہرگز نئے جوڑے نہیں بنانے دوں گی۔ آخر ارتقاء بڑی بہن ہے، اُس کے جہیز کے لیے بھی تو جمع کرنا ہے۔"

"نہیں بیگم، میری چاندنی کو کبھی منع مت کرنا۔ کیسا پھول سا معصوم چہرہ ہے اُس کا، میں اُس کو کملایا ہوا ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔"

"آپ کے اسی لاڈ پیار نے تو اُس کا دماغ خراب کر دیا ہے جو دل میں آتا ہے، کرتی ہے۔"

"میری پیاری سی چھوٹی سی بیٹی ہے، کس قدر سعادت مند ہے، مجال ہے کہ کبھی کسی کام سے انکار کر دے جبکہ ارتقاء سے کسی کام کا کہو تو اُس کو نہ کرنے کے دس بہانے ڈھونڈتی ہے!" فہیم احمد نے مسکرا کر بیوی سے کہا۔

"آپ تو زیادہ گھر سے باہر رہتے ہیں بچوں کو لاابالی بننا ہی تھا۔ گھر کی ساری ذمّے داری میرے اوپر ہے آپ کی لاڈلی چاندنی تو میرے گلے میں باہیں ڈال کر اپنی بات منوا لیتی ہے۔"

"نگہت آرا، آخر آپ اس گھر کی وزیراعظم ہیں۔ ذمے داری تو آپ پر ہی ہونی چاہیے۔" فہم احمد بیوی کی بات پر ہنستے ہوئے بولے۔

"جی ہاں، بادشاہ سلامت، آپ بجا فرما رہے ہیں۔ آپ راج دھانی میں بیٹھنے کی بجائے ایکسپریس اور تیز گام کے ساتھ گشت پر ہی رہا کریں۔" نگہت آرا نے بھی شوہر کے مذاق میں شریک ہو کر کہا۔

"فہیم احمد کا یہ گھرانا ریلوے کوارٹر میں رہائش پذیر ہونے کے بجائے اپنے ذاتی مکان میں مقیم تھا۔ جو چھوٹا تو ضرور تھا مگر نگہت آرا نے اپنی سلیقہ مندی سے اُسے خاصا سنوار کر رکھا ہوا تھا۔

ویسے یہ دوسری بات تھی کہ اُس گھر میں رہنے والے ہر شخص کے عزائم خوب بڑے بڑے تھے جنھیں وہ سب گھڑی کی چوتھائی میں پورا کرنا چاہتے تھے

♥♥♥

"اتنے دنوں بعد یونیورسٹی کھلی تھی، آپ نے جانے بھی نہیں دیا۔" ارتقاء باجی کا لہجہ ملال آمیز تھا۔

"سب کہہ رہے تھے کہ آج ہڑتال ہو گئی، اگر ہو جاتی تو، بسیں ایک دم بند ہو جاتیں، تو کیسے گھر آتی.....؟" امّاں نے اچھا خاصا لتاڑ دیا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا، یہ ہڑتالیں تو اب روزمرہ کا معمول ہیں۔" ارتقاء باجی کی افسردگی بدستور قائم تھی۔

"اپنے دل کا کیا کروں، کسی کے آنے میں ذرا سی تاخیر ہو جاتی ہے تو لگتا ہے کہ یہ دل گھبرا کر یوں ہی دم دے دے گا۔"

"آپ کو تو خواہ مخواہ گھبرانے کی عادت ہے۔"

"ہاں بھئی، ہمارا دل نہیں ہے اتنا مضبوط۔ پہلے اخبار بھی پڑھ لیا کرتی تھی مگر جب سے ان اخبار والوں نے صرف ڈاکے، قتل و غارت اور ہنگاموں کی خبریں بھرنی شروع کی ہیں، اخبار پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے، کل اچانک اخبار پر نظر پڑی تو واضح لکھا تھا کہ شہر میں ہڑتال ضرور ہو گی۔" امّاں نے آرام سے سمجھایا۔

"کم بخت ہڑتال بھی تو نہیں ہوئی..... ہو جاتی تو اچھا تھا..... سب آئے ہوں گے..... بس صرف میں ہی نہیں گئی!"

ارتقاء رنج سے بولی۔

"ارے چندا! کیسے بھیج دیتی۔ تمہیں تو اچھی طرح پتا ہے کہ ان ہنگاموں سے اب مجھے ہول ہونے لگا ہے یاد ہے، تمہاری سہیلی شاہدہ کی ٹانگ انھی ہنگاموں میں ٹوٹی تھی۔ باقر کی بیٹی رضیہ، بسیں بند ہونے کے باعث پندرہ میل پیدل چل کر گھر آئی تھی۔ کیسا بخار چڑھا تھا، ہفتے بھر اُسے کچھ یاد نہیں ہے، سطوت کی نند کی چوڑیاں اسی ہنگامے میں کسی بدمعاش نے اُتاری تھیں۔"

"کمال کرتی ہیں، امّاں آپ بھی۔ ایسے واقعات تو بغیر ہنگامے کے بھی ہو جاتے ہیں۔ کچھ نہیں ہوتا ہنگاموں سے..... اب یہ ہنگامے، کراچی میں تو کم از کم زندگی کا حصّہ بن گئے ہیں۔ پہلے لوگ، ذرا سی بھگدڑ کے نام سے بھی ڈر جایا کرتے تھے، اب انتہائی ٹینشن کے عالم میں بھی کاروبارِ حیات چلتا رہتا ہے۔ اب نہیں رہی، ہنگاموں کی اتنی ویلیو..... جیسے پہلے بھی ہوتی تھی کہ پورا شہر سائیں سائیں کرنے لگتا تھا۔ لوگ دبک کر بیٹھ جاتے تھے۔"

"ہو گئی تقریر ختم، یا ابھی باقی ہے.....!"

"کیا میں غلط کہہ رہی ہوں.....؟ کیا اب ایسا نہیں ہوتا.....؟ کہ شہر میں دس جگہ کرفیو لگا رہتا ہے اور بیس جگہ زندگی پوری روانی کے ساتھ رواں دواں ہوتی ہے۔"

"بات غلط یا صحیح ہونے کی نہیں، اپنے دل کی ہے۔" امّاں نے ایک تند سی نظر ڈال کر کہا۔

آپ کے دل نے تو میرا نقصان کرا دیا۔ ارتقاء صاف ستھرے صوفے کو خواہ مخواہ جھاڑن سے جھاڑتے ہوئے بولی

"اری، کل چلی جائیو، ایک دن میں بھلا کیا افلاطون بن جاتی۔" امّاں نے ترکاری کاٹتے ہوئے ارمان سے کہا۔ (ویسے بھی وہ ارتقاء کی کچر کچر سے ہمیشہ کی عاجز تھیں)۔

"آپ کو کیا پتا.....؟ گھر میں بیٹھ کر کس قدر بوریت ہوتی ہے۔ اتنی ڈھیر لگا دی دھو کر رکھ دی ہے مگر دن ہے کہ پھر بھی نہیں گزر رہا۔"

"کوئی اور کام کر لو.....!"

"بس، اب میں تھک گئی۔" ارتقاء کا لہجہ تنکا ہوا تھا۔

’’حیرت ہے، آپ پر کہ گھر میں بیٹھ کر دل نہیں لگتا۔ مجھے تو گھر میں بیٹھنا اس قدر اچھا لگتا ہے کہ کیا بتاؤں۔‘‘ میں نے کیری پر نمک مرچ لگا کر کھاتے ہوئے کہا۔

’’میرا تمہارا کیا مقابلہ ماہم......‘‘ ارتقاء باجی اب خواہ مخواہ ڈریسنگ ٹیبل کو جھاڑ رہی تھیں۔

’’مقابلے کی بات نہیں ہے باجی! سچی سچی کہہ رہی ہوں کہ میرا دل تو کالج روز جانے کو بھی نہیں چاہتا۔‘‘ میں نے انھیں ہنس کر سنایا۔

’’تب تم اُن لوگوں میں سے ہو، جو ہنگاموں کی افواہ سُن کر آرام کیا کرتے ہیں۔‘‘

’’نہیں باجی، یہ بات نہیں ہے۔‘‘ میں نے ایک آنکھ میچ کر کیری چبائی۔

’’بالکل یہی بات ہے کہ ذراسی گڑبڑ سنی اور گھر میں پھیل گئے۔‘‘

’’بھئی میرا تو امن و امان کے دنوں میں بھی باقاعدگی سے کالج جانے کو دل نہیں کرتا۔‘‘ میں نے کیری کی دوسری پھانک چوستے ہوئے کہا۔ ’’ایمان سے گھر میں بیٹھ کر اس قدر مزہ آتا ہے کہ کیا بتاؤں اور ایک آپ ہیں کہ ایک دن یونیورسٹی نہیں گئیں تو اس قدر صدمہ کر رہی ہیں کہ توبہ بھلی......!‘‘

’’کام کرنے والوں اور کام چوروں میں بس یہی فرق ہوتا ہے......!‘‘ انھوں نے دانت پیس کر مجھے دیکھا

’’کیا مطلب ہے آپ کا! کیا میں کام چور ہوں......؟ گھر کا سارا کام میں کرتی ہوں یا آپ کرتی ہیں، کبھی آپ نے سوچا؟‘‘

’’نہیں نہیں......اس سارے گھر کا دھندا محترمہ ماہم صاحبہ ہی تو کرتی ہیں۔‘‘ وہ انتہائی غصے سے بولیں۔

’’اس میں کیا شک ہے۔‘‘

کیری ختم ہونے کے بعد، نمک مرچ کی چٹکی میں نے داڑھ میں دبائی۔

’’افوہ......اس قدر جھوٹ! دیکھ رہی ہیں امّاں، آپ ماہم کو......‘‘ ارتقاء باجی نے مدد کے لیے امّاں کو پکارا

’’مجھے نہیں فرصت فیصلے کرانے کی تم آپ ہی نمٹو۔‘‘ وہ ترکاری چڑھانے باورچی خانے میں جاتے ہوئے بولیں۔

’’حد ہوگئیں، بڑی بہن گھر میں ہے اور امّاں سالن پکار ہی ہیں۔‘‘ میں نے انھیں شرم دلائی۔

’’میں کون سی، اس وقت روز گھر پر ہوتی ہوں۔ وہ روز ہی پکاتی ہیں۔‘‘

’’مگر، جب آپ گھر پر ہوا کریں، تب امّاں کو کام نہیں کرنا چاہیے۔‘‘

’’تم کون سی ایسی چھوٹی ہو، تم کیوں نہیں، باورچی خانے کے کام میں امّاں کی مدد کرتیں۔‘‘

’’ارتقاء باجی......یہی تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں کام چور نہیں ہوں۔ امّاں کے ساتھ ہر ممکن طرح ہاتھ بٹھاتی ہوں۔ آپ تو شام تک آتی ہیں یونیورسٹی سے......! آپ کو کیا پتا کہ گھر میں کتنے کام ہوتے ہیں

’’ہاں، ہاں بہت کام کرتی ہیں آپ۔ آپ کے سارے اینگے بینگے کام میری نظر میں ہیں۔ کل بھائی جان نے اس وجہ سے کھانا نہیں کھایا کہ محترمہ نے انتہائی کڑوے زہر کریلے پکا کر رکھ دیے تھے۔‘‘

’’حیرت ہے باجی کہ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں، بھائی جان، کل باہر سے کھانا کھا کر آئے تھے۔ اور ویسے بھی وہ کریلے کھاتے ہی نہیں، اس میں میری کوتاہی کا کہاں سے ذکر آ گیا۔ آپ اپنے آپ کو نہیں دیکھتیں کہ گھر کے کسی کام کی جانب آپ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی ہیں۔‘‘

’’یہ اتنے سارے کپڑوں کی دھلائی کیا تم نے کی ہے......؟‘‘ وہ بھی مقابلہ کرنے کے زبردست موڈ میں تھی۔

’’آپ نے میرے کپڑے دھوئے یا امّاں نے......یا ان کپڑوں میں بھائی صاحب اور بھائی جان کے کپڑے شامل ہیں؟‘‘ ارتقاء باجی کی کڑوی کسیلی باتیں سُن کر میرا لہجہ بھی خود ہی تمسخر آمیز ہو گیا۔

’’کام تو کیا نا.........! آخر پلنگ تو نہیں توڑ رہی تھی میں......؟‘‘ اُن کا جلال دیکھنے کے قابل تھا۔

’’آپ پلنگ پر آرام بھی فرمائیں، تب بھی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔‘‘

’’تم کیا کر رہی ہو، سوائے کیریاں چبانے کے، دوسروں پر نظر رکھتی ہیں، اپنے آپ کو نہیں دیکھتیں......انھوں نے نخوت سے کہا۔

’’آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دوپہر کی روٹی میں پکا چکی ہوں۔ دال چاول بھی پکا لیے ہیں۔ امّاں نے ترکاری از خود مجھے پکانے نہیں دی۔‘‘

’’یہ بھی امّاں نے کہا ہوگا کہ چٹنی کے لیے رکھی ہوئی کیریاں نمک مرچ ڈال کر چبا لو۔‘ وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

’’یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں جانوں یا اماں، شاید انھوں نے ایسا کہا بھی ہو......‘‘ میں نے کیری کی آخری پھانک کو پرچ میں رکھتے ہوئے نمک مرچ میں لتھیڑ کر مُنہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

’’ایسی ہوتی ہیں چھوٹی بہنیں کہ بڑی بہن سے یوں تڑتڑ زبان چلائی جاتی ہے۔‘‘ ارتقاء باجی کا غصہ ایک دم سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

’’ہاں ہوتی ہیں کچھ مجھ جیسی بھی، جو صاف اور سچی بات فوراً کہہ دیتی ہیں، جس سے کچھ لوگوں کو تکلیف ہو جاتی ہے۔‘‘

’’امّاں دیکھ رہی آپ......؟ ماہم کو، کس قدر بدتمیز ہوگئی ہے یہ!‘‘ ارتقاء باجی نے چیخ کر امّاں سے کہا۔

’’گھر میں بیٹھ کر چیخ پکار مت مچاؤ۔ آزو بازو سب برادری کے لوگوں کے مکانات ہیں۔ کوئی سُنے گا۔ تو جنم میں تھوکے گا۔‘‘ امّاں نے اُلٹا ارتقاء باجی کو لتاڑ دیا۔

’’امّاں، یہ سارا قصور آپ ہی کا ہے۔ یہ ماہم، اتنی بڑی لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی ہے۔ مجال ہے کہ کبھی اسے ڈانٹ پھٹکار دیں۔ جب ہی تو اسے چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ جو منہ میں آئے بک دیتی ہے۔‘‘ ارتقاء باجی نے انتہائی برہمی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ارتقاء باجی......! بات آپ نے بڑھائی تھی...... چلیے‘‘ میں ختم کیے دیتی ہوں! ویسے یہ بات راز ہی میں رہے کہ......میں آپ کی بے حد عزت کرتی ہوں......اور بے حد مداح ہوں! آپ کی پیاری سی شخصیت کی......!‘‘ میں نے ہنس کر کہا۔

ارے تم کیا کسی کی عزّت کرو گی! کیا کسی کو سمجھو گی......! زمانے بھر کی کور ذوق تو تم ہی ہو......!‘‘ اُن کی برہمی ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی۔

’’اب میرے ذوق آپ سے میچ نہیں کرتے تو اُس میں میرا کیا قصور......؟ مگر یہ بات آپس کی ہے، میں اپنی سہیلیوں میں خاصی مقبول ہوں......اور میرے خیال سے......آپ سے زیادہ......!‘‘ آخری الفاظ میں نے کھنکار کر کہے۔‘‘ کیونکہ وہ خاموش ہوتی نظر آ رہی تھیں) اور میرا خیال قطعی درست تھا۔

میرا یہ جملہ سُن کر وہ خاصی آگ بگولا ہو گئیں۔

باجی سے اس طرح چونچیں لڑانا‘ میری پارٹ ٹائم ہابی تھی ورنہ اُن سے زیادہ دوستی شاید ہی کسی سے رہی ہو۔

’’ماہم، تم صرف انٹر کی طالبہ ہو۔‘‘ اُن کی پھٹکار دیکھنے والی تھی۔

’’جی ہاں، آپ کی اطلاع قطعی درست ہے۔‘‘

’’ہنگاموں کے باعث، امتحان کی ڈیٹ بڑھتی چلی جا رہی ہے......ورنہ اب تک میں امتحان دے کر کب کی فارغ بھی ہو چکی ہوتی......تمہیں پتا ہے کہ میں، بی ایس، سی پارٹ ون کی طالبہ ہوں۔‘‘ اُن کا لہجہ احساس برتری سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

’’جی ہاں، بالکل پتا ہے......یونیورسٹی میں داخلہ جن مشکلوں سے ہوا تھا، اُس کا بھی احساس ہے......مجھے یاد ہے کہ آپ نے دو تین من آنسو بہائے تھے، بیکار میں......! ورنہ پرائیویٹ پڑھنا یا ریگولر

پڑھنے میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔" میں نے بات کو قطعی دوسرا رُخ دینے کی کوشش کی......!

"اُفوہ! زمین سے نکلی نہیں ہیں...... اور کرنے چلی ہیں، میرا مقابلہ......!"

"ارتقاء باجی! یہ کوئی اتنا زیادہ فرق تو نہیں ہے...... دو تین سال بعد میں بھی یورنیوسٹی میں آجاؤں گی۔"

"اوہ نو۔" انھوں نے ہونٹ سکوڑ کر مجھے دیکھا...... "اوّل تو ایسا ممکن نہیں ہے...... تمہاری ذہانت اور محنت میرے سامنے ہے...... جب ہی تو کہہ رہی ہوں کہ یونیورسٹی میں آنا، تمہارے لیے ناممکنات میں سے ہوگا...... اور اگر بالفرض یہ معجزہ ہو بھی گیا (جس کی اُمید نہیں) تب تک میں یورنیوسٹی کو خیر باد کہہ چکی ہوں گی۔"

"امّاں، دیکھ رہی ہیں آپ باجی کو! کس قدر بڑے بڑے بول رہی ہیں!" میں نے گلوگیر آواز میں امّاں کو پکارا باجی سے دُوبدو لڑائیاں، میری شرارتوں کا بھی دم توڑ دیا کرتی تھیں۔

"خدا کے لیے ماہم، اب رونا مت شروع کر دینا۔ (میری ریں ریں مشکل سے ہی بند ہوتی تھی) آج صبح سے ہی سر میں درد ہے میرے...... اور تم دونوں بہنیں یوں لڑتی ہوں کہ دماغ پچی ہو کر رہ جاتا ہے۔" امّاں نے کلس کر کہا۔ "آنے دو تمہارے باوا کو پشاور سے، بتاؤں گی انھیں۔"

"کاش! میں آج یونیورسٹی چلی جاتی! اس بک بک سے تو نجات ملتی...... چھوٹی بہن ہیں مگر اس قدر مقابلے پر آتی رہتی ہیں کہ خدا کی پناہ! خدا ایسی بہن دشمن کو بھی نہ دے۔"

"میں نے کیا، کہا ہے آخر......؟"

"ہاں، ہاں تم نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھی ہو، تمہیں تو اپنی بڑی بہن تک کا لحاظ نہیں......"

"حد ہوگئی ہے! اتنی دیر سے آپ خود ہی نہ جانے کیا کیا کہہ رہی ہیں مجھے...... واقعی بڑے بوڑھے ٹھیک کہتے ہیں، خدا کسی کو چھوٹا بھائی، بہن نہ بنائے، بے شک جانور بنا دے۔" میں نے آنسوؤں کی قطار، آنکھوں کی دہلیز تک لاتے ہوئے کہا۔

"تم تو یہ چاہتی ہو، کہ تمہیں بدتمیزی پر بھی نہ ڈانٹا جائے...... امّاں تمہیں سر چڑھا سکتی ہیں، مگر اب میں نہیں اُٹھا سکتی تمہارے یہ ناز...... بہت اُٹھا لیے، تمہارے لاڈ اب تمیز سے رہو......" باجی سفاکی سے بولیں۔

"ہاں، میں بدتمیز ہوں...... آپ کی عزت نہیں کرتی...... اب آپ مجھ سے بات نہ کریں...... بلکہ کوئی بھی نہ کرے......"

میرا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔

اور میں چادر اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

عموماً ایسی لڑائیوں کے بعد، میں چادر تان کر اپنے بستر پر دراز ہو جایا کرتی تھی۔

"اری اب اٹوائی کھٹوائی لے کر مٹ پڑ جائیو......" امّاں کی آواز مجھے اپنے کمرے تک سُنائی دی۔

"اب کوئی نہ بولے مجھ سے......" کروٹ لیتے ہوئے میں نے امّاں کو جواب دیا۔

باجی سے لڑائی کے بعد، میں گھر کے کسی بھی فرد سے بات نہیں کرتی تھی، تاوقتیکہ باجی مجھے منا نہ لیں۔ (یہ عادت میری شروع ہی سے تھی)

چادر اوڑھ کر ابھی لیٹی ہی تھی کہ پڑوس کی دیوار سے پیچھے سے ٹھکا ٹھک ہونے لگی۔

اُونہہ...... اب یہ رابعہ آپا، سونے تھوڑی دیں گی۔

میں نے اپنا مُنہ بھی چادر میں کر لیا۔

ٹھک، ٹھک، ٹھک

دیوار پر لگنے والی ضربیں، مجھے اپنے سر پر محسوس ہونے لگیں۔

پڑوس کا گھر، فاخرہ خالہ کا تھا۔

اُن کی بیٹی رابعہ، جب ہنگامی طور پر ہمیں طلب کرتی تو دیوار پر کفگیر سے ایسی ہی ضربیں لگایا کرتی تھی۔

آج کتنا ہی بجالو کفگیر، میں تو پوچھوں گی بھی نہیں......" میں نے آدھا تکیہ اپنے مُنہ پر بھی کر لیا۔"

ٹھک، ٹھک، ٹھک...... کفگیر کی ضربیں بڑھتی ہی چلی گئیں۔

"دیکھو ارتقاء...... یہ رابعہ کیا کہہ رہی ہے......؟ اب یہ ماہم تو اٹھے گی نہیں۔"

"کیا بات ہے......؟" باجی نے روشن دان سے پوچھا۔

"جلدی سے آجاؤ! صفدر بھائی آئے ہوئے ہیں۔" رابعہ کی شوخ آواز ابھری۔

"ایمان سے!" باجی نے چپکے سے پوچھا۔

"ہاں بھئی! ابھی آئے ہیں۔ خوب بن ٹھن کے، آج تو شاید نہائے بھی وہ پرفیوم سے ہی ہیں۔ اُن کے آتے ہی سارا گھر مہک اٹھا ہے۔" رابعہ آپا نے چھوٹے چھوٹے قہقہوں میں بتایا۔

"ٹھیک ہے، ابھی آتے ہیں۔"

باجی کی شوخ آواز، میں نے اپنے بستر پر لیٹے لیٹے سنی۔

اور دوسرے ہی لمحے ارتقاء باجی میرے پاس کھڑی تھیں۔

"چلو ماہم، رابعہ باجی کے ہاں چلتے ہیں۔" انھوں نے اپنی چُٹیا کے بل کھول کر، کنگھا ڈھونڈتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جا رہی......!" میرے لہجے میں بدستور خفگی رچی ہوئی تھی۔

"پیاری بہن نہیں ہے میری......!" انھوں نے منانے کی ابتدا کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں......!"

"میری چندا، میرا گڑیا نہیں ہے......؟"

"نہیں......!

"اچھا، میری پارو تو ہے نا......"

"بالکل نہیں......!"

"میری رانی بہن...... سب سے پیاری پیاری سی......" انھوں نے اپنے بھیگے لب، میری پیشانی پر رکھ کر اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔

اور میں جوابی طور پر، اُن کی فراخ پیشانی کو چومنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ اس سے زیادہ خفا رہنے کی مجھ میں سکت بھی نہیں تھی۔

"اب تو ناراض نہیں ہے نا......" وہ مسکراتے لبوں سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں......" میرا دل بھی صاف ہو چکا تھا۔

"چل نا پھر رابعہ کے ہاں! اتنا مزہ آئے گا۔"

وہ بھی کوئی بات دل میں رکھنے کی قائل نہیں تھیں۔

"ایمان سے، میرا دل نہیں چاہ رہا......!"

"اب زیادہ اترا مت۔ سیدھی سیدھی چل، میرے ساتھ!"

"کیا مزہ آتا ہے، آپ لوگوں کو صفدر بھائی کا مذاق اُڑانے میں۔" میں تنک کر بولی۔

''اے لو! ہم کیا اُن کا مذاق اڑائیں گے......؟ وہ تو بنے بنائے کاٹھ کے اُلو ہیں...... خود ہی اپنی گت بنوانے آجاتے ہیں تو ہم کیا کریں۔''

''آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے اُن کو چھیڑنے کی، بھاڑ میں جائیں وہ اور رابعہ آپا......!''

''کیا بات ہے ماہم، اس وقت بہت تپّی ہو رہی ہو......؟ ورنہ تو اکثر چلتی ہو، میرے ساتھ!'' انھوں نے میری پیشانی کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''آپ مجھے کھینچ کھانچ کر اپنے ساتھ ضرور لے جاتی ہیں...... مگر کبھی آپ نے غور کیا کہ میں نے اُن کا کبھی کوئی مذاق نہیں اُڑایا۔''

''تم بھی اُڑا لو، اُن کا کیا بگڑے گا بھلا۔'' باجی کو ہنسی آگئی۔

''بس مجھے اچھا نہیں لگتا کہ خواہ مخواہ کسی پر ہنسا جائے۔''

''چلو، مت اُڑانا مذاق، مسکراتے سامعین میں تو بیٹھ سکتی ہو، مگر میرے ساتھ تو چلو۔'' وہ الماری میں سے میرا لان کا گلابی سوٹ نکالتے ہوئے بولیں۔''...... فٹافٹ پہن لو، تمہارے کپڑے ملگجے ہو رہے ہیں۔''

امّاں چونکہ آپا کو محلے میں اکیلا، کہیں آنے جانے نہیں دیتی تھیں۔

اس لیے آپا!

مجھے ساتھ لے جانے کے لیے بے قرار نظر آرہی تھیں۔

''آپ اکیلی چلی جائیے نا......!

میں نے جان بوجھ کر انھیں ستایا......!

''ذلیل، چلی چل......'' انھوں نے محبت سے مجھے آنکھیں دکھائیں۔

''میں کیا کروں گی، جا کر......؟''

''تجھے پتا ہے نا...... میں تیرے بغیر کہیں نہیں جاتی۔''

''پلیز باجی! میرا موڈ نہیں ہو رہا...... آج آپ چلی جائیے۔'' میں نے کروٹ بدل لی۔

''یار ماہم، دیکھ بور نہ کر۔'' انھوں نے میری چادر کھینچی...... ''ویسے ہی آج بوریت عروج پر ہے...... تجھے معلوم ہے کہ اماں...... تیرے بغیر نہیں جانے دیں گی......!''

''کیوں بھئی، کیا میں آپ کی چوکیدار ہوں...... جو آپ کے ساتھ چلوں! آخر آپ یونیورسٹی بھی تو اکیلی جاتی ہیں......''

''پتا نہیں، یونیورسٹی جانے کی اجازت کس طرح مل گئی ہے، ابھی تک حیرت ہے! تو چل رہی ہے یا نہیں...... میں آخری بار پوچھ رہی ہوں۔''

(یہ انداز اُن کی فائنل دھمکی کا ہوا کرتا تھا)

''اچھا آپ اپنا نیلا دوپٹا دیں، میں چل رہی ہوں۔''

''لے مر۔'' انھوں نے اپنا نیلا کڑھا ہوا دوپٹا، میرے مُنہ پر دے مارا۔ جسے صبح ہی استری کر کے، بڑے پریم سے ہینگر میں ڈال کر لٹکایا تھا۔

''اے ہے، یہ کہاں چل دیں، تم دونوں مُنہ اٹھا کر...... ابھی تو لڑ رہی تھیں'' ...... امّاں پان کھا کر تمبا کو کا پھنکار کر بولیں۔

''ذرا رابعہ بُلا رہی ہے...... ابھی آتے ہیں......'' ارتقاء باجی نے کہا۔

''رابعہ کو کوئی کام نہیں ہے اپنے گھر میں......! ہر وقت دیوار پر ٹھنا ٹھن کر کے بلاتی رہتی ہے۔''

''امّاں پلیز، بس ابھی آئے...... اگر ابا جان آگئے تو گھر سے نکلنا بھی نہیں ہوگا۔''

''کیا صفدر آیا ہوا ہے، رابعہ کے ہاں...... امّاں نے اندازے سے کہا۔

''پتا نہیں، شاید آئے ہوں......'' باجی کا جواب گول مول تھا۔

''نگوڑے صفدر کا مذاق اُڑانے مت بیٹھ جانا، وہ تو ہے ہی کم بخت، پاگل سا، اور اس کے مُنہ لگنے والے اُس سے زیادہ پاگل۔''

''ارے نہیں امّاں قسم لے لو جو ہم نے کبھی صفدر بھائی کا مذاق اُڑایا ہو...... اور ہم کیوں کسی کا مذاق اُڑائیں گے بھلا۔'' ارتقاء باجی نے اپنی آتی ہوئی ہنسی ہونٹوں تلے دباتے ہوئے مجھے کہنی ماری۔

''اچھا کرتی ہو، جو اُس کا مذاق نہیں اڑاتیں......! جوان جہان لڑکا ہے...... اگر اُس کے مُنہ سے ایسا ویسا جواب نکل جائے تو کیا عزت رہ جائے گی تمہاری...... امّاں نے سوچ کر کہا۔

''اور کیا...... میں نے یہی بات کتنی دفعہ رابعہ آپا سے کہی ہے......'' میں چمک کر بولی۔

''کیوں، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں ارتقاء۔'' امّاں کی نظریں اب باجی پر تھیں۔

''بالکل ٹھیک، سو فی صد ٹھیک......'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر، باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

❤ ❤ ❤

رابعہ کے ہاں صفدر تخت پر بیٹھے تھے۔

کچھ اکڑے ہوئے کچھ اترائے ہوئے۔

عورتوں میں بیٹھ کر، اُن کی گردن میں از خود کلف آجاتا تھا۔

بات خواہ کالے چور کی ہوتی مگر ہر بات کا جواب اپنی دائمی مسکراہٹ کے ساتھ دیتے۔

رابعہ اپنی بھابھی کے ساتھ انڈین فلمی فنکاراؤں کی تصویریں صفدر بھائی کو دکھا رہی تھیں۔

''یہ سب کون ہیں......؟'' وہ انتہائی ہونق چہرے سے پوچھ رہے تھے۔

''یہ سب میری سہلیاں ہیں...... میرے ساتھ کالج میں پڑھتی ہیں۔''

''اور یہ کون ہے......؟'' انھوں نے ایک چہکتی ہوئی تصویر کی پنڈلی پر ہاتھ دھرا۔

''یہ جیا ہے، میری فاسٹ فرینڈ! رابعہ آپا نے باجی کو آنکھ مارتے ہوئے صفدر بھائی کو بتایا ہے۔

''اچھا تو یہ جیاء ہیں......'' وہ اپنے آپ سے بولے۔

''ہاں، ہم دونوں ساتھ کالج جاتے ہیں۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ یہ محترمہ، آپ کے گھر کے قریب ہی رہتی ہیں۔''

''ہاں، ہاں بالکل...... ہیں، مین روڈ سے پنواری والی گلی میں آجاتی ہوں، اور وہ گوشت والے کی دوکان چھوڑ کر، نالے سے پہلے والی گلی میں مڑ جاتی ہے۔''

''آپ کی یہ سہلیاں کچھ زیادہ ماڈرن نہیں ہیں؟'' انھوں نے جیاء پر ادا کے کُھلے گریبان والی تصویر پر نیچی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہیں، صفدر بھائی، ایسا تو نہیں ہے۔

''تصویر میں تو بہت ایڈوانس نظر آرہی ہیں......'' انھوں نے تھوک لگا کر اپنے چشمے کا شیشہ صاف کر کے دوبارہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بہت سیدھی سادی ہیں۔ بس کپڑوں کی حد تک ماڈرن ہیں۔''

''آپ یہ دوسری تصویر دیکھیے جیاء کی۔ کس قدر ڈھیر برتن دھو رہی ہے بے چاری۔ سارے گھر کا کام کرتی ہے غریب......'' میں نے اچانک ہی اس کی تصویر کھینچ لی تھی کہ آپ کو دکھاؤں گی۔

''کیا سوتیلی ماں کا چکر ہے......؟'' وہ تصویر اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھ رہے تھے۔

"ہاں، بالکل، یہی بات ہے! نہ صرف سوتیلی ماں ہے، بلکہ سوتیلا باپ بھی......" رابعہ روانی میں آ گئی تو کہے چلی گئی۔

"کیا مطلب......؟" انھوں نے رابعہ کو گھورا۔

"جی، میں نے کچھ غلط کہا......!" رابعہ گڑبڑائیں۔

"ایسا ویسا غلط......" انھوں نے اپنی آنکھیں رابعہ کے چہرے پر نکال کر رکھ دیں۔

"رابعہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سگا باپ اور سوتیلی ماں تھیں......باپ کا انتقال ہو گیا تو ماں نے دوسری شادی کر لی......یوں باپ بھی سوتیلا ہو گیا......" ارتقاء باجی فوراً رابعہ کی مدد کو پہنچ گئیں۔

"تو گویا آپ جانتی ہیں ان خاتون کو......" انھوں نے چشمے کی اوٹ سے ارتقاء باجی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"صفدر بھائی! یہ جیاء تو ہم سب کی مشترکہ دوست ہے۔"

"حیرت ہے کہ آپ کیسی دوست ہیں کہ ذرا خیال نہیں......!" وہ بلغمی لہجے میں ڈائیلاگ بولے!

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟" رابعہ آپا اور ارتقاء باجی کے مُنہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آپ دونوں جیاء کی دوست ہو کر بھی اُن کی پریشانی دور نہیں کر سکتیں......یہ تو آپ کی دوستی پر آنچ آ گئی۔" اُن کا لہجہ اب چلتے پنے کی غمازی کر رہا تھا۔

"آپ کو کیا پتا، ہم لوگ اکثر اُس کی مدد کرتے رہتے ہیں۔" رابعہ آپا اترا کر بولیں۔

"روپے، پیسے سے آپ لوگ اُن کی مدد کرتی ہیں......؟"

"نہیں، اب اتنے اچھے بھی ہمارے جیب خرچ کے حالات نہیں ہیں کہ ہم اس نہج پر کسی کی مدد کر سکیں۔"

"پھر آپ کی مدد کی صورت کیا ہوتی ہیں، لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

"ہم اکثر، اُس کے ساتھ برتن منجھوا کر آ جاتے ہیں۔

"چلیں، یہ تو اچھا کرتی ہیں، اُن کا کچھ تو کام سہل ہو جاتا ہوگا۔" اب وہ جیاء کی ہمدردی کی لاڈ اٹھانے کی حد تک کر رہے تھے جیسے وہ اُن کی نہ جانے کتنی سگی ہوں۔

"مگر جیاء کے ماں باپ، اتنے ظالم ہیں کہ کیا بتائیں......؟" رابعہ نے اپنا لہجہ گلوگیر کر لیا۔

"واقعی، لعنت ہے ایسے ماں باپ پر ایسے والدین سے، تو بغیر والدین کے بھلے......بلکہ تو میں یہ کہتا ہوں کہ جن کے والدین ظالم ہوں۔

ایسے، بچوں کے والدین......پیدا ہی نہیں ہونے چاہیں۔"

"کاش! کوئی آپ کے انداز میں سوچ لے، تو کتنے بکھیڑے آپ ہی آپ کم ہو جاتیں!" رابعہ آپا نے انھیں ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میری بات آپ کے دل کو لگی۔" وہ ارتقاء باجی کو کانی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے جو اپنی بہتی ہوئی مسکراہٹ پر بند باندھ رہی تھیں۔

"ارے آپ کی باتیں تو، ٹھاہ کر کے لگتی ہیں......" رابعہ آپا مسکرائیں۔

"اور ڈھاہ کر کے نکلتی ہیں......" ارتقاء باجی زیر لب بولیں۔

"خاندان والوں کو چاہیے کہ مسماۃ جیاء کی شادی کروا دیں......" وہ لوٹ پھر کر اسی موضوع پر آ گئے۔

"ارے صفدر بھائی! اس یتیم و یسیر بچی کو کون پوچھے گا......" رابعہ نے ایک آہ کھینچ کر یوں کہا، جیسے اُس سے زیادہ بدقسمت لڑکی کوئی دوسری نہ ہو......!

"آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں، اللہ مسبب الاسباب ہے" وہ قرأت سے بولے۔

"پھر بھی غریب کی بچی مشکل سے اُٹھتی ہے۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی یہ پریشانی ضرور دور کرے گا" اُن کے لہجے میں بے چینی واضطراب ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"صفدر بھائی! ہم نے تو آج آپ کو، جیاء کی تصویریں اس وجہ سے دکھائیں کہ شاید آپ کو پسند آ جائیں۔ مگر لگتا ہے، آپ نے بھی اُس دکھیا کو فیل کر دیا۔" رابعہ مکاری سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟

میں ان جیاء صاحبہ سے،

یعنی، میں،

جیاء سے......وہ......وہ۔"

صفدر بھائی ہکلا کر بھی اپنا مفہوم پورا نہ کر پائے اور ٹھنڈے پانی کے کئی گلاس چڑھا گئے۔

"دیکھا، میں نہ کہتی تھی کہ یہ صفدر بھائی جیاء کو ناپسند کر دیں گے۔"

"آج کل سب کو جہیز چاہیے......! غریب بچی پر کون ہاتھ دھرتا ہے......" ارتقاء باجی طنز آمیز لہجے میں رابعہ سے بولیں۔

"میں اور جیاء۔

جیا اور میں......!

صفدر بھائی......نہ جانے کن سپنوں میں الجھ کر رہ گئے تھے۔

"ارے صفدر بھائی، ٹالیے مٹ......! ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے کہ جیاء آپ کے معیار پر پوری نہیں اُترتی خیر کوئی بات نہیں، ہم نے بھی سوچ لیا ہے کہ ہم اپنی دوست کی شادی کروا کے دم لیں گے۔ چاہے، اس کے لیے ہمیں اخبار میں کیوں نہ اشتہار دینا پڑے۔"

"ارے......رے......ایسا ہرگز نہ کیجیے گا......" وہ گھبرائے......

"کیوں بھئی، کیا اشتہار کی مدد سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے؟"

"مقصد تو شاید آپ کا پورا ہو جائے مگر جیاء کو شاید ساتھی بہتر نہ مل پائے!"

"ارے جائیے......آج کل ایسے ایسے شاندار رشتے اخبارات میں کوڑیوں کے مول مل جاتے ہیں کہ پوچھو نہیں کنوارا، کروڑ پتی نوجوان، جس کی بے شمار فیکٹریاں، کوٹھیاں موجود ہوتی ہیں......وہ مطلقہ بیوہ تک کو ترجیح دیتا ہے، ذات پات کی قید نہیں لگاتا۔ تعلیم کی شرط نہیں ہوتی۔ بیوی چاہے گجراتی بولے یا بنگالی، مارواڑی بولے یا چینی، اُسے کسی بھی بات سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔"

"محض بکواس ہوتے ہیں ایسے سارے اشتہار، سادہ لوح لوگوں کو پھانسنے کا مہذب طریقہ ہے۔ لاکھوں کی آبادی والے شہر میں اگر پچاس بندے بھی پھنس گئے تو وہ خاصا کما لیتے ہیں۔ دھندا بنا لیا ہے لوگوں نے۔" صفدر بھائی طیش سے بولے۔

"اب ایسا بھی نہیں ہے، ہم نے کئی اچھی شادیاں ہوتے دیکھی ہیں۔" رابعہ نے چڑ کر کہا۔

"چند لوگ ان میں نیک بھی ہیں جو یہ کام خلوصِ نیت سے کر رہے ہیں مگر چھیانوے فی صد فراڈی لوگ یہ دھندا سنبھالے ہوئے ہیں۔"

"تو پھر جیاء سے آپ شادی کر لیجیے نا......" رابعہ نے انتہائی خوشامدانہ لہجے میں اُن سے کہا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں......؟ آپ کا خیال ہے کہ ہمیں جیاء پسند نہیں آتیں......ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔

"ھُرا!" رابعہ آپا نے خوشی سے نعرہ لگایا۔
"آپ میری پوری بات تو سنیے......!"
"اب کیا آپ کی بات سنیں، آپ نے ہامی تو بھر لی......!"
"افوہ! کمال کرتی ہیں آپ...... بغیر اماں کے دیکھے، ہم عقد کی رضامندی بھلا کیسے دے سکتے ہیں......؟" اُن کا چہرہ مارے شرم کے گلنار ہو گیا۔
"آپ شادی کرنے کی ہامی تو بھر لیجیے، ہم تائی اماں کو منا لیں گے۔"
"اچھا، ایک دفعہ آپ اُن کی تصویر، ذرا دوبارہ دکھایئے......!"
"کون سی والی، برتن دھوتے ہوئے یا...... کالج کے فنکشن میں ڈانس کرتے ہوئے۔" رابعہ نے ہونٹ دبا کر کہا۔
"ڈانس والی دکھا دیں......" اب ان کی آنکھیں بھی شرماہٹ کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ اُن کا سانولا چہرہ مارے خوشی کے سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔
اور جب جیاء پرادا کی ڈفلی پکڑ کر ناچتے ہوئے تصویر اُنھوں نے دیکھی تو اُن کا ناتواں وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔
"دبّو۔ میں یہ تصویریں ساتھ لے جاؤں۔" اُن کا لہجہ خوشامد سے پُر تھا۔
رابعہ آپا اور ارتقاء باجی اُن کے کھلجے انداز پر اپنے قہقہے اپنے سینے میں ہی گھونٹ رہی تھیں۔
"نہیں صفدر بھائی، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا......!"
"آخر، کیوں......؟" اُن کا انداز کسی خودسر بچے کی طرح تھا۔ جو اپنا پسندیدہ کھلونا لیے بغیر دُکان سے ایک قدم آگے بڑھنے کو تیار نہیں تھا۔
"شریف لڑکی کی تصویر اگر کسی اجنبی لڑکے کے پاس چلی گئی تو وہ بے چاری بدنام ہو جائے گی۔" رابعہ نے اُنھیں سمجھایا (بھید کھلنے کا بھی ڈر تھا)
"اب ہم اجنبی کہاں رہے......؟ وہ لب کاٹ کر بولے۔
تب ارتقاء باجی کو ہنستے ہنستے اچھو ہو گیا۔
"اُنھیں کیا ہوا......؟" وہ حیرت سے باجی کو دیکھ رہے تھے۔
"شادی مرگ......" رابعہ دانت نکوس کر بولی۔
"آپ بے فکر رہیے، ہم یتیم بچی کو یوں ظلم وستم کا نشانہ بننے نہیں دیں گے۔ اُس کے مسئلے کو حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔" وہ ہنسے۔
"بھئی مستقبل کے صیغے مت بولیے۔ آپ نے کیا کرنا ہے۔ یہ بتائیں۔ ہماری سہیلی ہر روز آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے اور ایک آپ ہیں کہ مستقبل بعید کے پروگرام بنا رہے ہیں۔ اس اثناء میں اگر وہ بے چاری مر مرا گئی تو پھر......؟"
"خدا نہ کرے مریں اُن کے دشمن......" وہ گڑبڑا کر بولے۔
"پھر، میں کیا کہوں اُس سے جا کر......" رابعہ نے ارتقاء کو کہنی ماری۔
"دبّو بہن، ان معاملوں میں اتنی جلدی نہیں ہوتی، آپ یقین رکھیں کہ ہوگا وہی جو آپ چاہتی ہیں۔"
"آپ نہیں چاہتے کیا......؟" رابعہ نے ناز سے آنکھیں دکھائیں۔
"ہاں، ہاں۔ ہم بھی چاہتے ہیں آپ کی خاطر۔"
"تو پھر......؟"

"ہم اماں کو بھیجیں گے...... آپ اُن کی یہ تصویر دکھا دیجیے گا اور انشاء اللہ پسند آنے کی صورت میں بالمشافہ ملاقات بھی کرا دیجیے گا...... اگلے مہینے چاند کی چودہ تاریخ مناسب رہے گی۔" وہ کچھ سوچ کر بولے
"صفدر بھائی! آپ مٹھائی نہیں کھلائیں گے......؟"
"ہاں، ہاں، کیوں نہیں" انھوں نے جیب سے دس کا نوٹ ڈھونڈ ڈھانڈ کر نکالا۔
"صرف دس روپے......" رابعہ نے بُرا سا منہ بنایا۔
"اس وقت اسی کی کھا لو...... بات پکی ہونے کے بعد زیادہ کی کھلا دوں گا۔"
اُس دن صفدر خاصے ہشاش بشاش اپنے گھر گئے تھے۔
اُن کے جانے کے بعد بہت دیر تک رابعہ اور ارتقاء کے قہقہے رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔
"باولا، کم بخت، جیا پرادا پر رحم کھا کر شادی کر رہا تھا۔"
"یہ بھی دل میں سوچ رہے ہوں کہ شادی کے بعد صبح وشام احسان علیحدہ رکھا کریں گے۔
"بیگم، یہ ہم ہی تھے جنھوں نے تم سے شادی کر لی۔ ورنہ دن رات اپنے سوتیلے والدین کی ماما گیری کرتیں!" رابعہ نے صفدر کے انداز میں نقل اُتاری۔
"کسی اشتہاری شادی میں پھنس جاتیں تو آٹھ آٹھ آنسو روتیں شکر ہے کہ تمہاری شادی ہم سے ہوئی۔"
رابعہ کی شرارت ختم نہیں ہوتی تھی۔
"ہاں بھئی! آپ جیسا لاٹ صاحب کوئی دوسرا تھوڑی ہو سکتا تھا۔" ارتقاء ہنسیں۔
"رابعہ آپا، کیا آپ تائی کو بھی یہی تصویریں دکھائیں گی، تائی تو جھٹ پسند کر لیں گی، بلکہ اپنے گھر لے جانے کی بھی خواہش کریں گے...... اُن کی لڑکیاں خواہ کتنی ہی باؤلی حد تک سیدھی ہوں مگر فلمی معلومات انھیں "الف سے یے" تک ازبر ہیں دومنٹ میں پول کھل جائے گا آپ کا۔" اس معاملے میں پہلی دفعہ بولی۔
نہیں بھئی اتنے باؤلے نہیں ہیں ہم............ ان کو دکھانے کے لیے ٹن ٹن کی تصویریں رکھی ہیں۔
ایک میں وہ بارہ من کی دھوبن برتن دھو رہی ہے۔
اور ایک جگہ ورزش کر رہی ہے۔"
حمیدہ تائی وہ تصویریں دیکھ کر ایسی سرپٹ بھاگیں گی کہ کئی مہینے ادھر کا رُخ نہیں کریں گی۔"
اور بے چارے صفدر بھائی، ماں کی ناپسندیدگی کا ماتم کئی مہینے تک کرتے رہیں گے......"
اور پھر واقعی، ہوا بھی یہی......
جیاء سے شادی نہ ہونے کا سوگ، صفدر بھائی نے تین مہینے منایا۔

♥♥♥

"ایمان سے......" میں نے آنکھیں پھاڑ کر انھیں دیکھا۔
"ہوں......" انھوں نے شرما کر ٹھوڑی ہلائی۔
"کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟"
میں پلنگ سے چھلانگ لگا کر، اُن کے پاس نیچے دری پر آ بیٹھی۔
"بھئی میں صحیح کہہ رہی ہوں......" وہ میری حالت دیکھ کر ہنسیں۔
"باجی! کہیں مذاق تو نہیں کر رہی ہیں آپ......؟"
مجھے واقعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ ارتقاء باجی اتنی گہری نکلیں گی!
"ایک تو بتا دیا پھر بھی یقین نہیں کر رہی ہو۔" وہ ناز سے بولیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟" میرے مُنہ سے جملے بھی ادھورے اور کٹے پھٹے نکل رہے تھے۔
"بس وہی، جو تم نے پوچھا......" وہ پھر اترائیں۔
"مگر وہ ہے کون ذات شریف......؟
مجھے حیرت تھی کہ میں اب تک لاعلم کیسے ہوں......!
"تم ہی بتاؤ کہ ہمارے معیار کا کون ہو سکتا ہے......؟" ارتقاء باجی نے آنکھیں بند کر کے گنگناتے ہوئے کہا:

ہم تم ہوں گے بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا

"پلیز باجی! گنگنایئے گا بعد میں، اپنے معیار کی حدِ فاصل تو کھینچیے......" میں اُن کے گُلگوں چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔
"حیرت ہے کہ ایک پلنگ پر ایک تکیے پر سر رکھ کر میرے ساتھ سوتی ہو، پھر بھی اندازہ نہیں کہ میرا معیار کیسا ہو سکتا ہے......؟
"ان معاملوں میں اندازے لگانا، بے حد مشکل کام ہے...... مجھے کیا معلوم کہ ایک تکیے پر سر رکھ کر سونے کے باوجود آپ کا ذہن کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہوتا ہے۔"
"پھر بھی، کچھ تو کہو...... ہمارے گھر کی تو تم عقل مند بو بو کہلائی جاتی ہو۔" انھوں نے مجھے چھیڑا۔
"کوئی خاندان کا فرد......؟" میں نے کہا (میرا خیال تھا کہ پچھلے دنوں زبیر بھائی اور فاروق بھائی ہمارے گھر کے خاصے چکر لگا رہے تھے)
"خدا نہ کرے" باجی نے میری سوچ کی دھجیاں اُڑا دیں۔
"مگر کیوں بھئی......؟" اب حیرت زدہ ہونے کی میری باری تھی۔
"اپنے خاندان میں سوائے منحوس شکلوں اور ذلیل چہروں کے سوا کوئی گھر آیا ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولیں۔
"کوئی پاس پڑوس کا......" باجی کی رابعہ آپا سے دوستی گہری تھی اور رابعہ آپا کے بڑے بھائی اپنی دوکان سے واپس آ کر سارا وقت اپنے گھر میں ہی گزراتے تھے۔
"کیا کہہ رہی ہو تم......؟" انھوں نے انتہائی کھرتل پنے سے پوچھا۔
"یہی کہ عشق کی واردات، یہیں اسی محلے میں تو نہیں ہوئی......؟" میں نے گہری نظروں سے انھیں ٹٹولنے کی کوشش کی۔
"خدا نہ کرے......" انھوں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
"کیوں بھئی یہاں انسان نہیں رہتے......" مجھے ان کے اندازِ فکر پر ہنسی آئی۔
"جی نہیں، مجھے اپنے گھر کا ایک سو بیس گز کا مکان ہی پسند نہیں ہے، تو کیا خیال ہے کہ میں آئندہ بھی ایسے ہی ڈربے میں زندگی بسر کروں گی۔"
"کیا بات ہے......؟ کیا بہت پیسے والے ہیں یہ حضرت......؟"
میرا تجسس عروج پر تھا۔
"ہاں، یہ تو ہے۔" وہ آسودگی سے ہنسیں۔
"مگر وہ ہیں کون جناب......؟ کچھ اتا پتا تو بتایئے کہ موصوف کہاں پائے جاتے ہیں......؟" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"بس ہار گئیں......" انھوں نے شرارت سے مجھے دیکھا۔
"ہاں، یہی سمجھ لیجیے آپ......"
"پھر کیا بتاؤں...... جب تم بوجھ ہی نہیں سکیں......؟"
"ارتقاء باجی، پلیز بتایئے نا...... کیا ہے اُن کا نام......؟ کس طرح تاراج کیا انھوں نے آپ کا دل"
میں اپنے دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے لگا کر یوں بیٹھ گئی جیسے کسی خوبصورت کہانی کا آغاز میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔
"یونیورسٹی میں پڑھتا ہے......وہ"! انھوں نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی۔
"اچھا...... یہ بات ہے......!"
"تب ہی ہنگاموں میں بھی یونیورسٹی جانے کو دل کرتا ہے......!
اور جب نہیں جاتیں تو دل بھر کر مجھ سے لڑائیاں کرتی ہیں۔"
"ہاں، یہی بات ہے......" وہ رضامندی کی ہنسی ہنس دیں۔
"کیسے ہیں وہ......؟ ہمارے ہونے والے جیجا جی......!"
"بہت خوبصورت...... اتنے وجیہہ کی شاید اُن جیسا کوئی نہ ہو......" انھوں نے کیف سے آنکھیں مُوند کر مجھے بتایا۔
"آپ سے بھی زیادہ خوبصورت......!"
"شاید ہاں......شاید نہیں......"
"یہ کیا بات ہوئی بھلا......؟" باجی کی دوغلی بات پر مجھے ہنسی آ گئی۔
"وہ اس طرح مائی ڈیئر:
کہ مجھے باسط سے بڑھ کر کوئی وجیہہ انسان نظر ہی نہیں آیا۔
مگر اُن کا کہنا ہے کہ اس پوری یونیورسٹی میں، کوئی لڑکی بھی، میری جتنی حسین نہیں ہے۔"
"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ دونوں ہی جھوٹے ہوں......" میں شرارت سے بولی۔
اور پھر ارتقاء باجی کا حسن ایسا بھی خاکستر کر دینے والا نہیں تھا کہ اُنھیں دیکھ کر آدمی دیوانہ ہو جائے۔
"نہیں ماہم...... ایسا ہرگز نہیں ہے...... میں باسط کے لیے بے حد سیریس ہوں۔"
"اور اُن حضرت کے بارے میں کیا خیال ہے......؟"
"ایمان ہے، اُن کی باتوں پر......" وہ مسحور سے لہجے میں بولیں۔
"کہیں وہ حضرت دل لگی تو نہیں کر رہے......؟"
"تم اُن کے بارے میں گمان بھی نہیں کر سکتیں" (نشہ خاصا گہرا تھا)
"باجی! یہ یاد رہے کہ اکثر لاابالی، دولت مند لڑکے، عشق کے کھلیان ہرے کرنے کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیتے ہیں۔"
"لیتے ہوں گے، مجھے اس سے کیا......" اُن کا لہجہ نخوت بھرا تھا۔
"موصوف کو چھان پھٹک کر بھی دیکھا ہے یا بس یونہی......!"
"کیا خیال ہے......؟ میں امتحان لیتی اُن کے...... ٹیسٹ لیا کرتی" مجھے تمسخر سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں......
"کیا مضائقہ ہے اگر ناتا جوڑنے سے پہلے بندے کو پرکھ بھی لیا جائے......" میں بدستور اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

''تم باسط کو اوباش قسم کا چھوکرا سمجھ رہی ہو......'' وہ جھنجلائیں۔

''میں کسی بھی شخص کے بارے میں فوری رائے قائم کرنے سے گریز کرتی ہوں۔ تاوقتیکہ اُسے پرکھ نہ لوں۔

''جس نہج پر تم سوچ رہی ہو، وہ راستہ باسط تک نہیں جاتا......!''

''کیا پھولوں والی پگڈنڈی جا رہی ہے، آپ کے عاشق نامدار تک'' مجھے ہنسی آئی۔

''آف کورس......''

''باجی...... میں آپ کو سمجھا تو نہیں سکتی، مگر مشورہ ضرور دے سکتی ہوں کہ پھولوں کی لطافت محسوس کرتے ہوئے آپ کانٹوں کا بھی خیال رکھیں۔''

''ماہم...... تم ابھی چھوٹی ہو...... تمہارے ذہن کی رسائی اتنی نہیں ہے...... جیسا کہ میں سوچ سکتی ہوں باسط ایک نہایت عمدہ شخصیت کا نام ہے...... جسے چاہا جا سکتا ہے......'' اُن کا لہجہ وثوق سے مضبوط تھا۔

''کیسا خاندان ہے اُن کا......؟

کچھ پتا بھی ہے......؟

یا اُن کی اونچی شان سے ذات کے بھی اندازے کر لیے۔''

''بہت اونچی ذات والے ہیں......!'' وہ اترائیں۔

''اچھا، تو وہ بدذات نہیں ہیں......'' میں نے شرارت سے چھیڑا۔

''انھیں دیکھے گی تو میری ہر بات پر یقین کرے گی...... بہت پیسے والے لوگ ہیں، اتنے امیر وکبیر ہیں کہ اُن کے مقابل، ہمارے خاندان میں کوئی نہیں......'' ارتقاء باجی نے فخر سے بتایا۔

''آپ کے باسط صاحب نے عشق کی پینگیں بڑھاتے ہوئے یہ بھی سوچا ہے کہ ان کے گھر والے اپنی گاڑی نکڑ پر چھوڑ کر دو گلی پیدل چل کر، آپ کا رشتہ لینے اس ایک سو بیس گز کے گھر میں آجائیں گے۔

''ہاں، آجائیں گے...... آئیں گے کیوں نہیں بھلا......؟''

''یہ تو آپ کا خیال ہے، میں اُن لوگوں کے بارے میں پوچھ رہی ہوں کہ آیا وہ بھی اس معاملے میں آپ کے ہم خیال ہیں یا نہیں۔''

''باسط کہتا ہے کہ اُس کے خاندان والے خاصے براڈ مائینڈڈ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے مابین ایسا کوئی مسئلہ سر نہیں اٹھائے گا۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو'' میں نے صدق دل سے دُعا کی۔

''انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا...... تم دیکھنا کہ میں کیسے ٹھاٹ سے اور کس قدر چاہت بھری زندگی بسر کروں گی......'' اُن کی آنکھوں میں خواب لہرائے۔

''باجی! یہ سب تو ٹھیک ہے، مگر اور بھی کچھ سوچا آپ نے......؟'' میرا دل سوچ سوچ کر دہلا جا رہا تھا۔

''اب بھلا سوچنے کے لیے کیا رہ گیا ہے......؟'' اُن کی لاپروائی پر مجھے حیرت ہوئی۔

''اماں مان جائیں گی......! ابا جان اور بھائی صاحب آپ کی پسند کو قبول کر لیں گے......! بھائی جان کا غصیلا مزاج، اس راہ میں کوئی روڑے تو نہیں اٹکائے گا......''

میں نے اپنے دل کی بات ارتقاء باجی کے سامنے رکھ دی۔

''کیا خیال ہے......؟ یہ سب لوگ اس سے بہتر رشتہ میرے لیے ڈھونڈ سکتے تھے......؟''

وہ یوں ہنس دیں، جیسے میرے ساتھ اُن سب کا بھی مذاق اُڑا رہی ہوں کہ دیکھو، میں نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے، جس کی بابت تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

''چپ کیوں ہو گئیں، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں......؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، کیا صحیح ہے یا غلط...... اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا۔''

''ارے ماہم...... لفظ غلط کو تو، حرفِ غلط کی طرح مٹا دے۔ باسط کی ہمراہی میں، میرا ہر مسئلہ نہ صرف سہل ہوگا بلکہ وہ صحیح بھی ہوگا...... اماں، جو منہ بھر کر مجھے کم عقلی کا طعنہ دیتی ہیں ناں، وہ بھی میری عقل مندی پر ایمان لے آئیں گی۔''

''کام تو آپ نے واقعی، اپنی بساط سے بڑھ کر کیا ہے۔'' میں مسکرائی۔

''ارے چاندنی...... اچھے گھرانے میں نقب لگاتے ہوئے میں نے تیرے لیے بھی سوچا ہے......!''

''میرے لیے، اس معاملے سے میرا کیا سروکار......'' میں نے حیرت سے انھیں دیکھا۔

''چندا...... تو ہی تو میری بہن ہے......

چھوٹی سی پیاری سی ایک بہن......

تیرے لیے میں نہیں سوچوں گی تو بھلا اور کون سوچے گا''

اُن کی سوچ، اس قدر تھرڈ کلاس بھی ہو سکتی ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

شہری آیا، تو میں نے اُسے بھی کوئی لفٹ نہ دی۔

''ماہم! چائے تو پلا دو، کافی دن پہلے چڑھائی تھی، شاید گل گئی ہوگی۔''

اُس نے میرے ہاتھ سے رسالہ چھینتے ہوئے کہا، جسے میں یونہی ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔

''یہ چائے پینے کا وقت ہے......؟'' میں نے اُسے گھورا۔

''ہاں، اس وقت چائے کی بڑی ''پیاس'' لگ رہی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''چائے پیے بغیر، جاؤ گے نہیں؟'' میرا لہجہ مصالحت آمیز تھا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ میرے پاس نیچے دری پر ہی بیٹھ گیا۔

''اگر چائے کی اس قدر ''پیاس'' ہے تو پلیز ارتقاء باجی سے کہہ دو، میرا اس وقت کچن میں جانے کو بالکل دل نہیں کر رہا، وہ چائے بے حد اچھی بناتی ہیں......'' میں نے اُسے ٹالا۔

''اُف، کس قدر کام چور ہو تم، ماہم!'' اُس نے مجھے گھورا۔

''کیوں پیتے ہو چائے! خواہ مخواہ کا کھڑاگ ہے۔ آئس کریم کھایا کرو اور بس......!'' میں نے مشورہ دے کر دوبارہ رسالہ مُنہ سے لگا لیا۔

باجی کی باتیں سیسے کے ٹکڑے بن کر میرے دماغ پر ضربیں لگا رہی تھیں......

'اف، کس قدر سطحی و چھچھوری باتیں کرنے لگی ہیں یہ باجی بھی۔

اُن کی باتیں، میرے دل میں کتنا ملال پیدا کر گئی تھیں۔

اس کا شاید وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔'

''اے، یہ تم منہ سجائے کیوں بیٹھی ہو......؟'' شہری نے مجھے پھر مخاطب کیا۔

''خواہ مخواہ ہی......'' میں زبردستی کی ہنسی ہنس دی۔

''موسم اتنا پیارا ہو رہا ہے...... ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی ہے...... مگر تمہارے چہرے پر چلچلاتی دھوپ پھیلی ہوئی ہے......'' اُس نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تم چہرہ شناس کب سے بن گئے؟'' میں نے تمسخر سے پوچھا۔

''غلط کہہ رہا ہوں، میں......'' وہ گہرے لہجے میں بولا۔

''سو فی صد غلط۔'' میں زبردستی مسکرائی۔

''مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم جھوٹی بھی ہو!'' وہ از خود بڑبڑایا۔

"کیا کہہ رہے ہو......؟"

"کچھ نہیں، ویسے بھی، تم سے کچھ کہہ کر اپنا بھیجا تھوڑی خالی کرانا ہے۔" وہ ہنسا۔

"ارے چاندنی، اچھے گھرانے میں نقب لگاتے ہوئے میں نے تیرے لیے بھی سوچا ہے"...... باجی کا گھٹیا جملہ پھر مجھے کسی کھائی کی طرف کھینچنے لگا۔

یکبارگی، میرا چہرہ زرد سا پڑ گیا، خفت اور خجالت کے احساس سے ہونٹ نیلے پڑ گئے۔

"کیا ہوا......؟ ماہم تجھے......!" اماں نے پاندان کا ڈھکنا بند کر کے مجھے دیکھا تو گھبرا سی گئیں۔

"کچھ نہیں، بس گھبراہٹ سی ہو رہی ہے، آج کھانا بھی تو زیادہ کھا لیا نا......" میں نے مسکرا کر انھیں تسلی دی۔

"ارے، تمہارے تو پسینے چھوٹ رہے ہیں۔" شہری دوزانو بیٹھا ہوا مجھے بغور دیکھتا ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں میں کچھ نہیں ہوا مجھے۔" اس کے پریشان لہجے سے مجھے مزید گھبراہٹ ہونے لگی۔

"کولڈ ڈرنک پیو گی؟ اسکوٹر پر ایک چکر بھی لگا کر آتے ہیں، باہر نکلو گی تو طبیعت فریش ہو جائے گی" شہری نے میرے زرد ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نا بابا نا، میں تمہارے ساتھ اسکوٹر پر کبھی نہ بیٹھوں۔ پاگلوں کی طرح اسکوٹر چلاتے ہو کہ خواہ بندے کا ڈیپریشن بڑھ جائے۔" میں نے باہر جانے سے صاف انکار کر دیا۔

"یوں کہو کہ اس دن ڈر گئی تھیں۔" وہ اترایا۔

"جی نہیں، میں ڈرتی کسی سے نہیں ہوں۔"

"پھر کیوں نہیں بیٹھ رہیں اسکوٹر پر۔" وہ تمسخر سے ہنسا۔

"صرف اس لیے کہ اندھا دھند راکٹ سمجھ کر اسکوٹر چلانے والے مجھے خر دماغ لگتے ہیں۔"

"چلو تیز نہیں چلاؤں گا، یہ وعدہ ہے......" وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

امّاں میں چلی جاؤں، شہری کے ساتھ کولڈ ڈرنک پینے؟" میں نے اپنے دونوں بازو امّاں کے گلے میں ڈال کر اُن کے کان میں آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں، ہاں چلی جاؤ......" اماں کو میرے اجازت لینے پر ہنسی سی آ گئی۔

شہری درمیانی رفتار سے بائیک چلا رہا تھا، ہلکی ہلکی بوندا باندی اچھی لگ رہی تھی۔

"کہاں سے پیو گی۔" وہ مین روڈ پر آ کر بولا۔

"پہلے ایک لمبا سا چکر لگا لو۔ ہلکی ہلکی پھوار میں بھیگنا اچھا لگ رہا ہے واپسی پر پی لیں گے۔"

"بیمار پڑھنے کا ارادہ ہے کیا......؟" وہ بائیک بڑھاتا ہوا بولا۔

"جی نہیں، برسات میں بھیگنے سے تو طبیعت فریش ہو جاتی ہے۔"

"ہاں لگتا ہے کہ آج طبیعت زیادہ ہی فریش ہو جائے گی۔"

ابھی ہم بڑی مارکیٹ تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ بارش ایک دم تیز ہو گئی آس پاس سے گزرتی ہوئی گاڑیاں، تیزی سے چھینٹے اُڑاتے ہوئے گزرنے لگیں۔

"لگتا ہے، گھر جاتے جاتے، بالکل بھگ جائیں گے۔"

"واپس موڑ لو۔" میں نے دوپٹہ سر پر اچھی طرح جماتے ہوئے کہا۔

"ارے صفی، رُکو......قریب سے نئی نسان سنی تیزی سے گزری، تو اُسے دیکھ کر شہری پُر جوش لہجے میں پکار اٹھا۔

"کون صفی......؟" میں حیران تھی۔

"میرا نیا دوست۔" شہری نے بائیک کی رفتار تیز کر دی۔

اور پھر وہ واقعی برق رفتاری سے بائیک اڑائے جا رہا تھا۔

"شہری پلیز، اتنی تیز بارش میں تمہاری بائیک سلپ بھی ہو سکتی ہے، آہستہ چلاؤ۔"

"وہ صفی گیا ہے، ابھی......؟"

"جانے دو" میں نے اسے سمجھایا۔

"دیکھنا، میں اگلے چوک تک اُسے پکڑ لوں گا۔" اُس کے بائیک کی آواز مجھے کسی جہاز کی چنگھاڑ سے کم نہیں لگی۔

تیز بارش نے میرے حواس معطل کر دیے تھے اور پھر بائیک کی برق رفتاری نے مجھے مزید حواس باختہ کر دیا تھا۔

گرجتے سیاہ بادلوں سے ایک دم اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ سڑک پر چلنے والی گاڑیوں نے اپنی ہیڈ لائٹس بھی روشن کر دی تھیں۔

"ہُرا" وہ رہی صفی کی گاڑی......" شہری سرشار لہجے میں بولا۔

اسکوٹر کی رفتار مزید تیز ہوئی اور اسی تیز رفتاری سے اُس نے موڑ کاٹا۔

"شہری دیکھو، سامنے ٹرک آ رہا ہے......" میں ہذیانی انداز میں چیخی۔

مگر اس سے پہلے کہ میری چیخ، شہری کے کانوں میں جاتی، ایک زبردست دھماکا ہو چکا تھا۔

"ماہم، اٹھو ناں۔" شہری میرے کان کے پاس ممنایا۔

"آہ، میں نہیں اٹھ سکتی، بے حد چوٹ آئی ہے میرے۔" میں نے بند آنکھوں سے جواب دیا۔

ٹرک کی خوفناک دہاڑ ابھی تک میرے کانوں میں تھی۔

"اُفوہ، اب اٹھ بھی چکو، ورنہ تمہارے چاروں طرف مجمع لگ جائے گا۔"

"کیا ایمبولینس آ گئی ہے؟" میرا لہجہ بھی زخموں سے چور چور تھا۔

"نہیں، تمام ڈاکٹرز از خود قطار باندھے آ گئے ہیں، تمہیں دیکھنے کے لیے۔" وہ جز بز ہو کر بولا۔

"مجھے کتنی چوٹ آئی ہے، کچھ بتاؤ تو سہی، اس وقت تازہ چوٹ ہے، کچھ احساس ہی نہیں ہو رہا" میرا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"پلیز ماہم، یہ تمہارے کالج کا اسٹیج نہیں ہے، فٹ پاتھ ہے فٹ پاتھ۔"

"شہری کے بچے، صرف تمہاری وجہ سے میری نہ جانے کون کون سی ہڈی ٹوٹ گئی ہو گی۔" میں نے ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا جو بے پروائی سے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے مجھے گھور رہا تھا۔

"اب کتنی دیر قیام کرنے کا ارادہ ہے تمہارا، مجھے بتا دو، میں اتنے اپنے دو چار کام نمٹا آتا ہوں، فرحین تو میرا انتظار کرتے کرتے سُوکھ گئی ہو گی۔ اور ٹینا تو شاید اب کوسنوں پر اتر آئی ہو گی۔" وہ اپنی گھڑی کو پُرتشویش نظروں سے دیکھتے ہوئے جھنجلایا۔

"شہری کے بچے، ایک تو مجھے بائیک سے گرایا، اوپر سے نخرے دکھا رہے ہوں۔"
میں نے بیٹھنے کی کوشش کی اور آرام سے بیٹھتی چلی گئی۔
"شاباش کھڑی ہو جاؤ فوراً۔" اُس نے ایک ہاتھ پکڑ کر مجھے اس تیزی سے کھینچا کہ لہرا کر میں اُس کے اوپر گرتے گرتے بچی۔
"بس بس سنبھل کر کھڑی ہو جاؤ۔" اُس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ "کچھ نہیں ہوا تمہیں، بس ذرا بائیک سے لڑھک گئی تھیں۔" وہ مجھے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہنسا۔
"اور وہ چیختا چلاتا ٹرک کہاں چلا گیا!" میں اپنے ہاتھ اُس کے ہاتھوں سے آزاد کراتے ہوئے بولی، جنھیں وہ نادانستگی میں تھامے کھڑا تھا۔
"ارے یار! تم نے شاید آنکھیں بند کر لی ہوں گی، ورنہ وہ خوبصورت منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ جب میں نے "یاھو!" کہہ کر پچھلے پہیے پر گاڑی اس تیزی سے چلائی کہ سامنے آتی کار کے اوپر سے لے گیا اور وہ ٹرک تو ایک دہاڑ آمیز بریک کے ساتھ وہیں رک گیا، اُسے شاید گمان بھی نہیں تھا کہ میں گاڑی صرف چلاتا ہی نہیں، اُڑا بھی سکتا ہوں، فرحین دیکھتی تو عش عش کر اُٹھتی میرے اس اسٹائل پر۔" شہری کا لہجہ فخر و انبساط سے اترایا ہوا تھا۔
"عش عش نہ سہی، تُف تُف تو میں بھی کر رہی ہوں تم پر، خدا کا شکر ہے کہ تمہیں کچھ نہیں ہوا، ورنہ میری تو جان ہی نکل گئی تھی کہ ماموں جان کا اکلوتا، نکما، نا ہنجار سپوت، جان سے بھی گیا۔" میں نے تمسخر سے اُسے دیکھتے ہوئے چلنے کے لیے پیش قدمی کی!
"مگر صفی کی گاڑی تو نکل گئی۔" وہ تاسف سے یوں بولا جیسے بائیک کو جمپ لگا کر بچانا اور میرا بائیک سے گرنا، کوئی اہم بات ہی نہ ہو۔
"بھاڑ میں جائے صفی، اس کی گاڑی اور تمہاری تمام لا اُبالی حرکتیں۔ ممانی جان بے وجہ تم سے نالاں نہیں ہیں۔ ذرا سوچو تو، اگر ذرا سی بھی تاخیر ہو جاتی تو تمام ہڈیاں سُرمہ بن جاتی تھیں! ایسے چلاتے ہیں بائیک کہ جناب کو یہ پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ بھری شاہراہ سے گزر رہے ہیں یا سنسان سڑک پر۔"
"فرحین اور بیٹا تو مجھ سے ہی سیکھ رہی ہیں، بائیک چلانا۔" اُس نے فخریہ اطلاع دی۔
"اس شہر میں تم جیسے عقل کے دشمنوں کی کمی تو نہیں ہو سکتی ناں۔" میں ہنسی۔
"ماہم جی، یہ میرا بائیک ہے پھوپھا جان کی عوامی ٹرین نہیں ہے جو سوچ سوچ کر اور ٹہل ٹہل کر چلتی ہے لوگ بے چارے منزل مقصود تک نہیں پہنچ پاتے، ریں ریں کرتے ہوئے سفر سے وہ سوچنے لگتے ہیں کہ جیسے ریل میں ہی پیدا ہوئے تھے، یہیں پرورش پائی اور شاید مستقبل بھی یہیں گزرے گا۔" اُس نے "کی چین" فضاء میں اچھالتے ہوئے مذاق اُڑایا۔
"ہاں، شاید تم ڈی سی ٹین اُڑاتے ہو، کہ بائیک بھی اُڑانے لگے۔"
"ارے بھئی! جی دار لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، آدھے شہر کی لڑکیاں بے وجہ ہم پر فخر نہیں کرتیں۔" وہ ایک ٹھوکر سے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔
"کروں گی بچو۔" تمہاری ماموں جان سے شکایت، کہ چھین لیں چابی تم سے، واقعی بہت بگڑ گئے ہو تم۔"
"ابو دی گریٹ کچھ نہیں کہتے، سوائے نصیحتوں کے۔" وہ ہنسا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی!
میرا ہاتھ خود بخود اس کے شانے پر ٹک گیا۔ نہ جانے کیوں میں اس کے ساتھ بوتل پینے نکل کھڑی ہوئی تھی، جب کہ معلوم تھا کہ وہ کبھی آہستہ بائیک نہیں چلاتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوسا!
"بوتل پینی ہے تو بتا دو ویسے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔" وہ برق رفتاری سے موڑ کاٹتے ہوئے بولا، جیسے

مجھ پر کوئی احسان کر رہا ہو، کمینہ کہیں کا، اُس کی یہی حرکتیں تو مجھے زہر لگا کرتی تھیں۔
"اے گونگی ہو گئی ہو کیا، جلدی سے جواب دو، ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔" وہ مزید اتراہٹ بھرے لہجے میں بولا، جیسے میں اُس کی خوشامد کروں گی۔
"بھاڑ میں جائے بوتل اور تم! کیا تم دھیمی رفتار سے بائیک چلا کر مجھے گھر تک نہیں چھوڑ سکتے!"
"اوہ، کیا پھر ڈر گئیں تم، بھئی اب تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے آخر کتنی دفعہ میرے جیٹ پر بیٹھ چکی ہو۔" اُس نے مزید رفتار بڑھاتے ہوئے تمسخر سے کہا۔
"ڈرتی ہے میری جوتی۔" میرے لہجے میں حقارت خود ہی چمک آئی!
"اچھا۔ تو پھر نہیں ڈرتیں تم۔" اُس نے سیٹی بجائی اور اب اسکوٹر اُڑتی ہوئی چل رہی تھی۔ میرا سارا وجود لرز کر رہ گیا۔ وہ کم بخت آہستہ چلانے کا وعدہ کیسا فراموش کر رہا تھا۔
"مجھے اچھی طرح پکڑ لو۔ ورنہ بے ہوش ہو جاؤ گی۔" وہ ہنسا۔
"جی نہیں۔" اُس کے شانے پر رکھا ہاتھ پیچھے کیریئر پر اسٹینڈ پر چلا گیا۔
حالت یہ تھی کہ اب گری کہ تب گری۔ مگر میں آنکھیں بند کیے سر جھکائے یوں بیٹھی تھی جیسے مجھے میخیں ٹھونک کر بٹھایا گیا ہو۔
بارش کی جھڑی کچھ ہلکی ہو گئی تھی مگر میرے سارے مساموں سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ شہری کی یہ لا اُبالی حرکتیں، اکثر میری ذہنی کوفت کا سبب بنا کرتی تھیں۔
"اے اُترنا نہیں ہے کیا......؟ یونہی بیٹھی رہو گی۔" وہ گھر کے سامنے اسکوٹر روکے دانت نکال رہا تھا۔ جیسے اُس نے کوئی کارنامہ انجام دے دیا ہو۔
میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ خدا کا شکر کہ صحیح سلامت گھر پہنچ گئی تھی۔
"شکریہ ادا نہیں کرو گی کیا......؟" اُس کی شوخ آواز میرے کانوں میں زہر بھر گئی۔
اس سے قبل کہ میں دو چار گرما گرم صلواتیں سُنا کر اُس کی طبیعت صاف کرتی، وہ ایک ساعت میں اپنا بائیک لے کر ہوا ہو گیا۔

❤❤❤

"اے باجی، گنگنانا چھوڑیے، پہلے آپ یہ بتائیے کہ وارداتِ عشق کب ہوئی، جس کی کہ آپ نے خاصی رازداری برتی۔" انھیں خوشگوار موڈ میں دیکھ کر میں نے پوچھا۔
"دو سال پرانی بات ہے۔" وہ کچھ سوچ کر یوں ہنسیں کہ آنکھوں میں رنگ سے بھر گئے۔
"ایمان سے! حیرت ہے آپ کی رازداری پر۔" میں نے آنکھیں پھاڑ کر انھیں دیکھا۔
"ہاں، جب میں ایف ایس سی کا امتحان دے رہی تھی اُس وقت ٹکرائے تھے موصوف شاید مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔" وہ اترا کر بولیں۔
"اوہ، یہ بات تھی...... کیا وہ امتحان ہال میں پانی پلانے والے بن کر آئے تھے یا نقل کروانے والے نگراں کا روپ دھارا تھا یا پھر حل شدہ کاپی پکڑا دی تھی کہ یہ نازک انگلیاں صرف تارِ محبت چھیڑنے کے لیے بنی ہیں۔ بتائیے نا کیا بات تھی......؟ چھوٹی بہن تو سہیلی کی طرح ہوتی ہے اُس سے کہیں حالِ دل چھپانا چاہیے جبکہ آپ نے ایک عرصے تک چھپایا۔" مجھے باجی کی یہ رازداری بالکل نہیں بھائی تھی۔
"ماہم، تم بہت چالاک ہو، یاد ہے ایک دن تم چھوٹی بہن کو جانور سے تشبیہ دے رہی تھیں اور اب سہیلی بن رہی ہو۔" انھوں نے میری آنکھوں میں جھانکا۔
"ارتقاء باجی، کمال کرتی ہیں آپ بھی، لڑائی خواہ مُنہ زبانی ہی کیوں نہ ہو، ہر ذی روح کے احساسات

ہرگز وہ نہیں رہتے ہو جو زمانہ دوستی میں ہوتے ہیں۔'' میں نے ذاتی فلسفہ گھڑا۔
''اچھا چندا، اب ایسی کیا خاص بات ہوگئی؟'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولیں۔
''اب بات ہو رہی ہے رنگین احساسات کی، احساسات جب رنگین ہو جائیں تب بات چیت میں ایسے ایسے رنگ اُمڈ آتے ہیں جو زندگی میں کبھی دیکھے ہی نہیں تھے اور میں چاہ رہی ہوں کہ وہ سب رنگ آج ہی دیکھ لوں۔''
''اوہو، بڑے تجربات ہیں تمہارے، بڑی علامہ نظر آ رہی ہوں۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجا کر رہ گئیں۔
''ہاں، ہر ذہین ہستی، اونچے خیالات کی دولت سے مالا مال ضرور ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے میں کیا میرے تجربات کیا! ہاں تو آپ بتا رہی تھیں کہ دورانِ امتحان وہ حضرت آپ سے ٹکرائے تھے...... کہاں ٹکرائے؟ کیوں ٹکرائے اور کیسے......؟'' میں نے شرارت سے کئی سوال کر ڈالے۔
''اب میری کتھا سن کر اماں سے مت جڑ دینا۔'' انھوں نے پر تشویش نظروں سے مجھے گھورا۔
''آج تک کبھی کوئی بات، میں نے اماں کو بتائی ہے۔'' میں بُرا مان گئی۔
''مگر آج تک کبھی ایسی کوئی بات ہوئی کہاں تھی۔'' وہ ہنسیں۔
''پھر کیسے ہوگئی۔ آپ تو عشق، محبت، رومانس کو باؤلا پن کہا کرتی تھیں...... آخر کیونکر ہار گئیں......؟'' میں نے انھیں چھیڑا۔
''پتا نہیں، ایسا کیونکر ہوگیا، میں تو اب بھی سوچتی ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔''
''بُرا وقت شاید کہہ کر نہیں آتا۔'' میں شرارت سے بولی۔
''لگاؤں گی ایک ہاتھ، اگر ایسی ویسی بات کی۔''
''پھر بتاتی کیوں نہیں ہیں، اپنی رام کہانی...... کہ کب عشق کا روگ لگا......؟''
''اس دن شاید پہیہ جام ہڑتال ہوگئی تھی، میں پرچہ دے کر نکلی تو سڑک پر کوئی بس، ٹیکسی نظر ہی نہیں آ رہی تھی......'' ارتقاء باجی دور کہیں سوچتے ہوئے بولیں۔
''پھر باسط صاحب نظر آگئے اور آپ ان کی چم چم کرتی کار دیکھ کر پھسل گئیں۔ اور وہ ہیرو گنگناتے ہوئے آپ کو گھر چھوڑنے آئے تو اپنا دل آپ کے چرنوں میں ہار بیٹھے۔'' میں نے پچھتر فی صد افسانوں میں لکھی جانے والی سچویشن اُن کو بتائی۔
''دماغ خراب ہے تمہارا لگتا ہے اُلٹے سیدھے افسانوں کا اثر کچھ زیادہ ہی چڑھ گیا ہے تم پر۔'' ارتقاء باجی کو ہنسی آگئی۔
''کیوں، کیا آپ کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا......؟'' مجھے حیرانی ہوئی۔
''جی نہیں، بالکل نہیں۔'' وہ مزید اترانے کے لیے پر تولنے لگیں۔
''تو پھر پرچے میں اُن کے متعلق سوال آیا ہوگا جس کو بُوجھ کر وہ بطور انعام آپ کو ملے۔'' میں نے ایک آنکھ میچ کر انھیں دیکھا۔
''ماہم رانی، یہ سب مقدر کے کھیل ہوتے ہیں، جس کے نصیب میں جو لکھا ہوتا ہے، وہ اُسے ہر صورت میں ملتا ہے۔ میں تو اپنی دوست رخشندہ کے ہمراہ پیدل آ رہی تھی۔ سخت گرمی اور تیز دھوپ کی وجہ سے رخشندہ چکرکھا کر زمین پر بیٹھ گئی۔''
''بس، بس، آگے کی اسٹوری کلیئر ہوگئی۔ اُدھر رخشندہ دھم سے زمین پر گریں، اسی اثنا میں باسط کا وہاں سے گزر ہوا، آپ چھم سے اُن کے سامنے آگئیں۔ انھوں نے پریشان صورت حال، لال لال گال غور سے دیکھے، خوشی خوشی لفٹ دی، رخشندہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے، پہلے اُسے گھر چھوڑا ہوگا اور بعد

میں آپ کو۔ اور اگلے دن کالج لینے پھر آگئے ہوں گے کہ اوہ گرمی بہت ہے۔'' میں نے شرارت سے چبا چبا کر کہا اور وہ شرم سے سُرخ پڑ گئیں۔
''نہیں، اُس دن تو ہمارا آخری پرچہ تھا۔ ہاں اگلے دن میں رخشندہ کے ہاں جا رہی تھی تو اُن سے راستے میں ملاقات ہوگئی، تب وہ رخشندہ کے ہاں چھوڑتے چلے گئے۔''
''گویا عشق کا آغاز اچھی خاصی ڈرائیوری سے ہوا ہے۔ کیا خیال ہے اُن کا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد، اپنی ٹیکسی چلائیں گے۔ مگر آپ کے لیے تو یہ بات باعث تشویش ہونی چاہیے کہ موصوف صنفِ نازک کو فری میں بٹھایا کریں گے بلکہ بائیس سال سے کم عمر والیوں کو تو خوشامد کر کے بٹھائیں گے۔ رونا دھونا کر کے شاید پیروں میں بھی گر جائیں۔''
''ایک ہاتھ لگاؤں گی۔'' وہ جھینپ کر بولیں۔
''سچ کہہ رہی ہوں باجی، بندہ کچھ دل پھینک قسم کا نہیں ہے؟ آپ تنہائی میں بیٹھ کر غور کیجیے گا کہیں بھی اچھے قسم کے صفدر بھائی ٹائپ آدمی ہوں۔'' میں نے گہری نظروں سے انھیں دیکھتے ہوئے کہا۔
''پاگل تو نہیں ہو، کہاں صفدر اور کہاں باسط......؟ زمین و آسمان کا فرق ہے ان دونوں کے درمیان......!'' وہ صفدر بھائی کا نام حقارت سے لیتے ہوئے بولیں۔
''کمال کرتی ہیں آپ بھی، صفدر بھائی کا ذکر یوں کر رہی ہیں جیسے خدانخواستہ وہ انسان ہونے کے زمرے میں ہی نہ آتے ہوں۔ صفدر بھائی میں سوائے عاشقی کی رگ زیادہ ہونے کے بُرائی ہی کیا ہے؟''
''وہ تو باؤلا ہے کم بخت، پورا کا پورا۔ لگتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی دل میں شادی کا ارمان لے کر جوان ہوا ہے مگر باسط ایسے نہیں ہیں۔''
''کیسی باتیں کرتی ہیں باجی آپ بھی، شادی کا ارمان دل میں رکھنا، کوئی باؤلے پن کی علامت تو نہیں۔ یہ تو آج کل کے بے روزگار لڑکے بھی ارمان بھرے ٹھاٹھیں مارتے سمندر اپنے دل میں موجزن رکھتے ہیں، اور باسط ایسے کیوں نہیں ہیں......؟ کیا وہ آپ سے عشق نہیں کرتے......؟''
''ہاں کرتے ہیں۔'' جواب میں پندار ناک کی طرح اونچا تھا۔
''کیا وہ آپ سے شادی کے خواہش مند نہیں ہیں؟'' میں نے کسی وکیل کی طرح جرح کی۔
''بالکل ہیں۔'' ارتقاء باجی، فخریہ شرماہٹ لا کر بولیں۔
''کیا خیال ہے آپ کا، اگر آپ کے ایسے ہی احساسات صفدر بھائی کے بھی ہو جائیں تو اُن میں اور باسط صاحب میں کیا فرق ہوگا......؟'' ''شاید کچھ بھی نہیں۔''
''سر نہیں توڑ دوں گی، میں اُس کم بخت کا......؟'' اُن کا منہ بن گیا۔
''مگر کیوں بھئی...... ایک انسان ہونے کے ناتے وہ ایسے احساسات اپنے دل میں رکھنے کا حق رکھتے ہیں۔''
''مجھ سے پوچھے بغیر......'' وہ لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں...... ''اوقات دیکھی ہے کم بخت نے اپنی، منہ نہیں توڑ دوں گی اُس سُور کا'' ...... اُن کا جلال دیکھنے کے قابل تھا...... ''منحوس کے پاس دھیلا ہے نہیں، کرے گا مجھ سے عشق، لعنت ہے ایسے لوگوں پر، جو اپنی دو کوڑی کی اوقات بھی بھلا بیٹھیں۔''
''ٹھیک کہا باجی آپ نے، صفدر بھائی کے ساتھ یہ مسئلہ تو ضرور ہے کہ وہ غریب ہیں، غربت کی بناء پر نہ اُن کی شخصیت میں چار چاند لگ سکتے ہیں اور نہ ہی شخصیت قد آور بن سکتی ہے، مگر یہ محبت کسی سے اجازت وغیرہ نہیں لیتی، نہ اپنے آپ کو دیکھتی ہے نہ دوسرے کو، یہ تو منہ زور اور تلاطم خیز ندی کی طرح اندر ہی اندر بڑھتی چلی جاتی ہے۔

"خدا کے لیے ماہم، میرے سامنے صفدر کا نام بھی نہ لو۔ تم باسط کو دیکھو گی تو میرے انتخاب کو یقیناً سراہو گی کہ کتنے اچھے ہیں وہ۔ مجھے اُن کی چاہت پر فخر ہے یونیورسٹی میں اُن کا آخری سال ہے اس کے بعد وہ اپنے والد کا کروڑوں کا بزنس سنبھالیں گے۔"

"کیا بہت پیسہ ہے اُن کے پاس......؟" میرا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

"ہاں، بہت ہے، شاید اتنا کہ ہم نے خواب میں نہ دیکھا ہو۔ دولت ایک لونڈی کی طرح اُن کے آستانے پر سر جھکائے کھڑی رہتی ہے۔"

"مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ باسط صاحب اس قدر دولت مند ہیں پھر بھی انہوں نے اپنے سرکل کی کسی لڑکی کو منتخب نہیں کیا، اُن کی نظرِ انتخاب آپ پر ہی کیوں ٹھہری، اس بارے میں بھی کچھ سوچا آپ نے"

"سوچنے کی کیا بات ہے، سب قسمت کی بات ہوتی ہے۔" ارتقاء باجی کو میری بات خاصی ناگوار گزری۔

"پلیز باجی بُرا نہ مانیں، مگر یہ تو سوچیں کہ اُن کے خاندان اور حلقۂ احباب میں سینکڑوں لڑکیاں ہوں گی جو کہ اُن کے قرب کی خواہش مند بھی ہوں گی تو پھر آپ ہی کیوں......؟ کبھی پوچھا؟ تسلی بخش جواب بھی مل سکا یا وہ بھی کرنسی کے نوٹوں تلے چھپ گیا......" نہ جانے کیوں میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"ہاں پوچھا تھا، انھوں نے کہا کہ میں ایک ہی نظر میں ان کو بھا گئی تھی۔" ارتقاء باجی دھیمی مسکان کے ساتھ بولیں جیسے اپنی خوش نصیبی پر خود ہی رشک کر رہی ہوں۔

"اوہ! یہ بات ہے تو آپ پہلی نظر کی محبت ہیں۔ اُس دل پھینک شہزادے سے مجھے بھی تو ملوایئے تاکہ میں بھی تو جائزہ لوں کہ وہ حضرت کتنے پانی میں ہیں۔"

"ہاں، ہاں میں ضرور اُن سے تمہیں ملواؤں گی، وہ خود بھی کہہ رہے تھے۔"

"گویا غائبانہ تعارف کرا رکھا ہے ہمارا۔"

"بالکل"

"ابا جان کے بارے میں بھی بتایا یا نہیں کہ ریلوے میں گارڈ ہیں اور دونوں معمولی بھائی معمولی ملازم ہیں۔ صرف اماں کے سلیقے پر گھر چل رہا ہے۔"

"ہاں ہاں، غائبانہ تعارف سب کا کرا رکھا ہے۔"

"جب ہی موصوف کبھی گھر نہیں آئے ورنہ خوب خوش ہو کر ہمارے گھر سے جاتے کہ کن لوگوں میں پھنس گیا۔"

"تم نے ابھی باسط کو نہیں دیکھا، انھیں دیکھو گی تو اپنی رائے فوراً بدل دو گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر اپنی رائے بدل دیں کہ کیسی بہن ہے۔"

"ماہم، تو کچھ نہیں جانتی کہ میرا اقدم صحیح ہے یا غلط اس کی آگاہی مجھے تجھ سے زیادہ ہے۔ باسط جیسی شخصیت کی ہمراہی کسی خوش قسمت لڑکی کو ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ دیکھنا تجھے ایک دن میری ہر بات سچی لگے گی۔

♥♥♥

"یہ میری چھوٹی بہن ماہم ہے۔" یونیورسٹی کیفے میں ارتقاء باجی نے میرا تعارف باسط سے کراتے ہوئے کہا آج وہ مجھے زبردستی یونیورسٹی کھینچ لائی تھیں۔

"آداب۔" میں نے قدرے جھک کر کہا۔

"جیتی رہو جیتی رہو۔" انداز بزرگی لیے ہوئے تھا۔

بھاری بدن کے، گہرے سانولے سے باسط مجھے کسی صورت خوبصورت نظر نہیں آئے، ہاں، اُن کے مقابل ارتقاء باجی بے حد حسین لگ رہی تھیں۔ یوں تو باسط سیدھے اور عام فہم انداز میں بات چیت کر رہے تھے بظاہر باتوں میں تکبرانہ بُو باس نہیں تھی۔ باجی کو ایسی چہیتی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ مجھے اپنا

وجود وہاں حائل سا محسوس ہو رہا تھا۔

"ماہم، کبھی ہمارے گھر آؤ نا، ممی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔"

"پہلے آپ اپنی ممی کو ہمارے گھر لایئے۔" میں نے ذو معنی بات کی۔

"میں تو کہتا ہوں مگر یہ ارتقاء مانتی ہی نہیں ہیں، ان صاحبہ کی ابھی نہیں، ابھی نہیں کی ضد ہی ختم نہیں ہو رہی۔ میں تو خود مشکل میں پھنس گیا ہوں۔"

"باجی مان جائیں گی، آپ اپنی ممی کو لایئے تو سہی۔"

"نہیں بھئی...... بہت ضدی ہیں آپ کی باجی جان...... ہرگز نہیں مانیں گی، اس معاملے میں تو خاصا پریشان ہو گیا ہوں، کیوں ارتقاء کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" اُن کی چہیتی نظریں **پھوار** بن کر باجی کے چہرے پر برسنے لگیں۔

"باجی کی ضد کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" میرا لہجہ دوٹوک تھا۔

"کیا واقعی......؟ اس معاملے میں جلدی ہو سکتی ہے......" اُن کا لہجہ وفورِ شوق سے مالا مال تھا۔

"آف کورس"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے آس تو دلائی، ورنہ یہ ارتقاء بیگم تو وسوسوں پر زندگی کٹوا رہی تھیں ہماری۔" اُن کی نظریں پھر بے لگام ہو گئیں۔

"اچھا تو پھر، کب آ رہے ہیں آپ، ہمارے گھر۔" میں کھنکاری۔

"ارتقاء امتحان سے فارغ ہو لیں، میں انشاء اللہ بہت جلد آپ کے گھر آؤں گا۔"

"مجھے انتظار رہے گا، اس اچھے وقت کا۔" میں مسکرائی۔

'ارتقاء تم سے زیادہ عقل مند تو یہ اپنی ماہم نکلیں، انھیں احساس تو ہوا کہ محبت کرنے والوں کو، یوں جدا جدا رہنا ٹھیک نہیں ہوتا، اور ایک تم ہو کہ اپنی محبت کو خود ہی سزا دے رہی ہو اور مجھے بھی تنہائی کی آگ میں جلا رہی ہو۔ خود ہی سوچو کیا محبت کرنے والے ایسے کٹھور ہوتے ہیں۔' باسط نے اچھے خاصے ڈائیلاگ میرے سامنے ہی بول دیے۔

"حد ہے آپ کی جلد بازی کی بھی، یہ نہیں دیکھتے کہ حالات اور وقت کو بھی دیکھنا پڑتا ہے، ہمارے گھر میں اس معاملے کی بابت سوائے ماہم کے اور کسی کے کان میں بھنک تک نہیں پڑی۔ اب ماہم پہلے امی کو بتائے گی پھر اماں، ابا جان اور بھائیوں کی رائے اس معاملے میں ہموار کریں گی، ان تمام معاملات میں آخر کچھ وقت تو لگے گا ہی......" باجی نے انھیں سمجھایا۔

"حیرت ہے، اتنے اچھے گھرانے میں تم بیاہ کر جاؤ گی، تمہارے گھر کے لوگ کیونکر مخالفت کریں گے......" وہ اس زعم سے بولے جیسے اُن کو ریجکیٹ کرنا انتہائی ناممکن ہو۔

"باسط بھائی! حسب نسب میں ہم لوگ بھی کم تر نہیں ہیں۔ رہی بات پیسے کی تو وہ آنی جانی شے ہے۔ آج آپ کے پاس تو کل ہمارے پاس۔" باسط کو مخاطب کرتے ہوئے میرا لہجہ بھی کسیلا ہو گیا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا، جو تم سمجھی ہو!" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے جزبز سے تھے۔

"میں تو آپ کو بھی نہیں سمجھا رہی اور نہ ہی خود سمجھ پائی ہوں۔ میں نے تو ایک عام سی بات کہی ہے۔ معاف کیجیے گا، میں کوئی بھی بات اپنے دل میں رکھنے کی قائل نہیں ہوں، جو بات ہوتی ہے، وہ کھٹاک سے کہہ دیتی ہوں۔ میری اس عادت سے اکثر ارتقاء باجی بھی خفا ہو جاتی ہیں......اور......لگتا ہے کہ آج آپ بھی!

"اوہ نو" وہ مسکرائے۔

"تھینکس گاڈ۔" میں باجی کی جانب دیکھ کر شرارت سے ہنسی۔

"ماہم، کیا تم یقین کرو گی کہ میں ارتقاء کے سوا کسی دوسری لڑکی کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"ہاں، باجی کا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے آپ کے بارے میں۔" میں گرما گرم ایک رول کیچپ سے لگا کر کھاتے ہوئے بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔" وہ مجھے سر جھکائے کھاتا دیکھ کر کچھ وقفے سے بولے۔

"نہیں جناب، میں یہ کب کہہ رہی ہوں، آپ یقیناً درست کہہ رہے ہوں گے، حالات جب یہاں تک پہنچ جائیں تو آپ کی ممی کو جلد از جلد ہمارے گھر آنا چاہیے......" میں نے گرم چائے کا مگ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مجھے تم سے پورا اتفاق ہے، ممی آپ لوگوں کے ہاں بہت جلد آئیں گی، میری ارتقاء کے لیے۔" وہ محبت کی گہری نظریں اُن پر جماتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

اور باجی کا چہرہ کسی خوش رنگ پھول کی طرح مہک رہا تھا۔

♥ ♥ ♥

صباحت سے باجی کی دوستی بچپن سی تھی۔ اُن کا مکان ہمارے گھر کے بالکل سامنے تھا۔

مگر جب سے اُس کے تین بھائی سعودی عرب چلے گئے تھے اُس کے والدین نے پاپوش کا مکان چھوڑ کر ڈیفنس میں گھر لے لیا تھا۔

صباحت کی امّاں غرارے چھوڑ کر ساڑیاں پہننے لگی تھیں۔ بھاوجوں نے بال کٹوا لیے تھے۔

گھر کے عمدہ فرنیچر نے غربت کی ہر نشانی مٹا ڈالی تھی۔

شروع شروع میں تو وہ پاپوش نگر کے پُرانے پڑوسیوں سے ملنے آتی رہیں۔ اُن کی یاد آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی تھی (اُن کا یہی کہنا تھا) پھر رفتہ رفتہ انھوں نے ملنا بھی چھوڑ دیا (تب مل کر آنسو آجاتے تھے)

صباحت کی دوستی اسکول سے نکل کر کالج اور پھر یونیورسٹی تک آئی تھی۔ باجی کی خداداد ذہانت اور اچھی شکل نے اُن کا حلقۂ دوستی ہمیشہ وسیع رکھا تھا اس لیے ان دونوں کے ملنے میں فرق نہیں آیا۔

یوں نہ باجی بھی صباحت کے گھر گئی تھیں اور نہ ہی صباحت ہمارے گھر آئیں۔

تعلیمی ادارے میں روز کی ملاقات ہی اُن کی دوستی کی نشوونما کرتی رہی۔

اب صباحت کی شادی، اُس کے بھائی کسی دولت مند شخص سے کر رہے تھے جس کی روداد وہ سب کو فخر سے بتا رہی تھی۔

صباحت کی شادی کا کارڈ گھر میں آیا تھا۔ یوں تو بلاوا سب کا تھا مگر شادی میں جانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہو رہا تھا۔

"امّاں پلیز آپ مجھے اور ماہم کو بھیج دیجیے...... میری سہیلیاں آئیں گی۔" باجی نے امّاں کی خوشامد کی۔

"آج کل کی براتیں، آدھی آدھی رات کو آتی ہیں...... سحر کے وقت دلہن رخصت ہوگی...... کس طرح گھر آؤ گی؟ نہیں بھئی، میں نہیں بھیج سکتی، تمہارے ابا بھی گھر پر ہیں کیا کہیں گے وہ کہ میں تھکا ہارا گھر آیا ہوں۔ بچیوں کو پروا ہی نہیں اور پھر اتنا دل نہیں ہے میرا......" امّاں نے صفا چٹ انکار کر دیا۔

"پلیز امّاں...... صباحت میری اتنی گہری دوست ہے میرے نہ جانے سے یہ ہی سمجھے گی کہ میں تحفہ نہ دینے کی وجہ سے غائب ہوئی ہوں۔"

"تحفہ بعد میں بھی دیا جا سکتا ہے۔" وہ اپنے فیصلے پر قائم تھیں۔

"حیرت ہے! صباحت کی امّاں سے پہلے آپ سب کی اتنی دوستی تھی۔ اب اُن کے ہاں یہی شادی ہے تو ہمارے گھر میں سے کسی کا جانے کو دل تک نہیں چاہ رہا......" ارتقاء باجی نے دوسری چال چلی۔

"ہاں، دوستی تھی...... دوستی ہے نہیں...... نہ جانے بُلا کیسے لیا مگر دیکھ کر ہرگز خوش نہیں ہوں گی اور نہ ہی ہمارے سو پچاس روپے اُن کی سمجھ میں آئیں گے۔"

"مگر صباحت تو مجھے دیکھ کر خوش ہوگی، میری سہیلی ہے وہ...... پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک کا ساتھ ہے۔ اگر اُس کی شادی میں نہیں گئی، تو مجھے بڑا ملال ہوگا۔" ارتقاء باجی کی آنکھیں بھر آئیں۔

"شادی کہاں ہو رہی ہے۔" بھائی جان نے اپنے کمرے سے نکل کر پوچھا (شاید ساری کتھا انھوں نے سُن لی تھی)

"نارتھ ناظم آباد کے میرج ہالز میں سے ایک ہے......" میں نے بتایا۔

"وہ تو نہیں جس کے پیچھے زبیدہ پھپھو کا فلیٹ بھی ہے۔"

باجی کارڈ کھول کر چلائیں...... "ہاں بھائی جان...... بالکل وہی......!"

"ٹھیک ہے چلی جاؤ...... ماہم کو ساتھ لے کر، میں پھپھو کے ہاں فون کر دیتا ہوں کہ آج رات ماہم اور ارتقاء آپ کے ہاں رکیں گی۔"

"بھائی جان زندہ باد......" باجی نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

اور میں الماری میں کپڑے ٹٹولنے چل دی...... کہ کیا پہن کر جاؤں......؟

کسی تقریب کے حساب سے کپڑے پہننا میرے لیے سب سے مشکل مسئلہ تھا......!

اماں نے تقریب میں شرکت کرنے کے لیے ایک لال جوڑا بنا کر رکھ دیا تھا...... جسے بادل ناخواستہ ایک دفعہ پہن کر میں نے رکھ دیا تھا...... الماری کھولی تو سب سے پہلے وہی ہاتھ آیا۔

"اونہہ...... ہرگز نہیں...... میں نے چھوٹی شہ بنا کر سیف میں رکھ دیا...... اب یہیں پڑے رہو!

براؤن جالی وکر کرتا...... ہاتھ میں لے کر کچھ سوچا...... نہیں بھئی...... گرمی میں بے حد کاٹے گا (میں نے اسے سب سے نیچے گھسیڑ دیا)

سلک کا دھانی سوٹ ہاتھ میں آیا تو طبیعت کھل سی گئیں دوپٹے پر بنے ہوئے شاکنگ پنک پھول بے حد غضب کے لگ رہے تھے۔ امّاں نے یہ سوٹ خاندان کی کسی خاص تقریب میں شرکت کرنے کے لیے رکھا تھا (ہرگز اجازت نہیں دیں گی، پہننے کی)

"امّاں، میں آج، پہن لوں، یہ سوٹ......!"

"اس کے علاوہ کوئی اور کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس" انھیں غصہ ہی تو آ گیا۔

"اچھے نہیں ہیں......" میں منمنائی۔

"غیروں کی شادی میں اتنے بڑھیا سوٹ کا ناس کرنے کا فائدہ؟" انھوں نے پاندان گھسیٹ کر تمباکو کا پھنکا مارا۔

"میں کوئی بچی ہوں، سالن گرا کر آؤں گی کپڑوں پر...... آ کر استری کر کے رکھ دوں گی......!"

"کپڑے کی آب شرم سے کم تر ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ہی میں ختم ہو جاتی ہے......" انھوں نے فلسفہ گھڑا۔

"پھر نہیں پہنوں اسے......" میں نے اُس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لجاجت سے پوچھا۔

نہ جانے میرا انداز کیسا گھگھیایا ہوا تھا، یا امّاں کے موڈ میں طوفانی تبدیلی آ چکی تھی۔

"جا...... کیا یاد کرے گی، پہن لے......" انھوں نے رسان سے کہا۔

اور میں سوٹ لے کر یوں چمپت ہوگئی کہ ذرا بھی رُکی تو امّاں اپنا فیصلہ فوراً بدل دیں گی۔

♥ ♥ ♥

پھٹ پھٹ کرتے رکشے سے ہم میرج ہال سے کوئی پچاس گز پہلے ہی اُتر گئے تھے۔

جگمگاتی روشنیوں سے تمام میرج ہالز نہائے کھڑے تھے۔

''اب پتا چلا کہ ملک میں لوڈ شیڈنگ کی اصل وجہ میرج ہالز کی روشنیاں ہیں۔' (میں نے سرگوشی کی)

''یہ نہیں سوچتی کہ جو دس پندرہ ہزار لوگ ان میرج ہالز میں موجود ہیں وہ اپنے گھروں کی بتیاں بند کر کے آئے ہوں گے۔'' ارتقاء باجی نے اپنی علمیت جھاڑی......

''ہاں جیسے ہم بند کر کے آئے ہیں......'' مجھے ہنسی آ گئی۔

''تو یہ ہے...... رکشے نے چول چول ہلا دی جسم کی، کھانا کیا خاک کھایا جائے گا...... باسط سے شادی ہو جائے تو میں بھی ایسی چمکتی دمکتی کار میں کہیں آیا جایا کروں گی۔''

ارتقاء باجی نے گاڑیوں کی لمبی قطار کو دیکھتے ہوئے ایک سفید کار پر مزید نظر ڈالی۔

''باجی پلیز، آہستہ بولیں، یوں گلا پھاڑ کر نہیں۔ پیسے والوں کے فنکشن میں بندہ بے شک اپنا خیال رکھے یا نہ رکھے مگر ایٹی کیٹس کا ضرور خیال رکھے۔'

''کاش باسط، شادی سے پہلے ایک گاڑی گفت کر دیتے تو آنے جانے کی کتنی آسانی رہتی۔ اب کیسے چوروں کی طرح میرج ہال میں داخل ہوں گے......!''

''توبہ ہے باجی...... کیسی باتیں کرتی ہیں آپ...... ابھی تو یہ دُعا کیجیے، خدا ہمارے ابا جان اور بھائیوں کو یہ تمام آسائشیں دے کیا لڑکیوں کو باپ بھائیوں کی گاڑی میں بیٹھ کر اتنی خوشی نہیں ہوتی......؟''

''ہمارے درمیان بڑا فرق ہے۔ ابا جان اور بھائی جان لاکھ محنت کریں' اُن کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔! یہ زمین اور آسمان آخر کیسے مل سکتے ہیں......، مجھے باجی کی اس ذہنی حالت پر ترس آیا۔ اس لیے اپنی بات اپنے حلق میں گھونٹ لی۔ باجی میرج ہال کے عین سامنے کھڑی ہوئی کار سے لگ کر اپنا دوپٹہ یوں کھینچ کر رہی تھیں کہ جیسے ابھی اس کار سے اُتری ہوں۔

''جلدی چلیے اندر، کہیں گاڑی کے مالک نے آپ کو دیکھ لیا تو خواہ مخواہ میلی نظریں ڈالے گا۔'' میں نے اُن کے کہنی مارتے ہوئے اندر کی جانب قدر بڑھایا۔

صدر دروازے پر ہمیں صباحت کی بڑی بھابھی اور اُن کی باجی نے ریسیو کیا۔

رسمی سے علیک سلیک ہوئی اور ہم لوگ ہال میں آ گئے۔

شادی کا منظر شاید ہر جگہ ہی ایک جیسا ہوتا ہے۔

ایک رنگ و بو کا سیلاب تھا جو ہر جانب اُمڈ رہا تھا۔ برات ابھی نہیں آئی تھی۔

پندرہ بیس شوخ و چنچل لڑکیاں باراتیوں کے لیے پھولوں کے کنگن لیے کھڑی تھیں۔ قسم قسم کے پرفیوم کی مہک نے پورے ہال کو معطر کر دیا تھا عورتیں اور بچے والیاں کرسیوں پر بیٹھی تھیں جبکہ جوان لڑکیاں گروپ بنائے گھوم رہی تھی......!

''ہیلو ارتقاء...... ہم ادھر ہیں......'' لڑکیوں کے ایک جھرمٹ سے آواز آئی۔

اور باجی نے وہیں دوڑ لگا دی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ میں بھی اُن کے ساتھ آئی تھی اور میں بوریت سے بیزار ہو کر اکتائی ہوئی نظروں سے مہمانوں کا جائزہ لینے لگی۔ ڈیک پر لگے ہوئے میوزک نے عجیب شور سا کر رکھا تھا۔ تقریباً سب ہی مہمان میرے لیے اجنبی تھے۔

میرے آس پاس بہت سی عورتیں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

گفتگو کا موضوع مہنگائی، بچوں کی نااہلی اور سسرال والوں کی سفلی حرکتیں تھیں۔

میں نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کی گفتگو سُن رہی تھی۔ جیسے اسی مقصد کے لیے شرکت کی ہو۔

''سُنا تم نے......؟'' ایک سرگوشی ابھری۔

''کیا بھئی......؟'' تجسس سے پوچھا گیا۔

''سلمٰی آپا کی بیٹی کے لیے بہت اچھا رشتہ آیا تھا۔''

''پھر......؟''

''انھوں نے اپنے بھائی سے لڑکے کی بابت معلوم کرنے کو کہا۔''

''معلومات کر کے کیا بتایا ہے......؟''

''لڑکا بہت بُرا ہے، لُچا، لفنگا، بدمعاش ہے!''

''ہائے، پھر کیا ہوا؟''

''ظاہر ہے، سلمٰی آپا نے وہ رشتہ نامنظور کر دیا۔''

''اچھا کیا۔ اپنی بیٹی کو، کوئی کنوئیں میں تھوڑی دھکیلتا ہے اور وہ تو پھر یتیم بچی ہے۔''

''خاص بات تو رہ ہی گئیں......!''

''اب کیا بات رہ گئی......؟''

''سلمٰی آپا کے بھائی نے صرف پندرہ دن بعد اپنی لڑکی کی شادی اسی لڑکے سے کر دی۔''

''خدا کی شان، اب کوئی اس قابل بھی نہیں رہا کہ کسی کے کام آئے یا مشورہ لیا جائے......''

دونوں سرگوشیوں میں۔ ایک کے بعد ایک واقعات کا تجزیہ اس انداز میں کر رہی تھیں جیسے اُن کی آمد صرف اسی مقصد کے لیے ہوئی ہو۔

اچانک شور اُٹھا کہ برات آ گئی۔

ایک ہلچل سی جو مچ گئی۔

اُن دونوں خواتین پر ایک ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے میں بالکونی میں آ گئی...... یہاں ہال کے مقابلے میں خاصا سکون تھا۔

سامنے سے دولہا...... اپنے دوستوں کے جھرمٹ میں گردن اکڑائے آ رہے تھے...... انداز ایسا تھا جیسے ساری دنیا کو فتح کر لیا ہو...... دولہا کے سبھی دوست سرشاری کے عالم میں خوش گپّیاں کرتے ہوئے اندر داخل ہو رہے تھے مگر اُن میں براؤن سوٹ میں ملبوس، لمبا سا ایک لڑکا کچھ زیادہ ہی شوخیاں دکھا رہا تھا۔

دلہن کے بھائیوں نے راہ روکی تھی کہ بغیر کچھ لیے اندر نہیں جانے دیں گے۔

اور اُس نے سُرخ نوٹوں کی ایک گڈی اپنی جیب سے فوراً نکال کر دے دی تھی۔

اور جب دولہا اندر آ گیا، تب یہ راز فاش ہوا کہ سوائے ایک نوٹ کے بقیہ سب نقلی نوٹ تھے۔ جن پر عید مبارک چھپا ہوا تھا۔

باجی اپنی سہیلیوں کے ساتھ زینہ اُتر کر برات کو دیکھ رہی تھیں۔ اور میں برات آتے ہی واپس اپنی جگہ پر آ گئی۔

بعض دفعہ چپ چاپ بیٹھنا یوں لگتا ہے، جیسے جیل میں بیٹھے ہوں۔ آج یہی صورت حال میرے ساتھ تھی۔ واقعی آج بھری محفل میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہی تھیں۔ باجی ہنستی کھلکھلاتی اپنے جھرمٹ کے سنگ نظر آئیں تو میں نے اشارہ کیا...... ''خدا کے لیے مجھے مزید بور مت کرو۔'' میں چلائی!

''ہائے تو اکیلی بیٹھی ہے......'' انھوں نے بے سوچے سمجھے کہا۔

''یہاں میرے بہت سارے رشتے دار اور احباب تھے، جو میرے ساتھ بیٹھتے......!'' لہجہ یقیناً تمسخر آمیز تھا۔

''ماہم...... ادھر آ۔'' انھوں نے علیحدہ بلایا۔

"کیا میں زبیدہ پھپھو کے ہاں چلی جاؤں......؟" میں یہی سمجھی۔

"بات تو سن...... برات کے ساتھ باسط بھائی بھی آئے ہیں۔" انھوں نے خوشی سے لبریز لہجے میں بتایا۔

"اچھا تو یہ پلان تھا آپ کا......؟ اس لیے شادی میں شرکت ضروری سمجھی جا رہی تھی......؟"

"ایمان سے مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا اُن کی دراصل لڑکے والوں کے ساتھ کچھ رشتے داری بھی ہوتی ہے......!"

"اخاہ...... پھر تو یہ آپ کی پوری سسرال آئی بیٹھی ہے۔" میں نے شرارت سے انھیں چھیڑا۔

"کمینی، آہستہ بول اگر کسی نے سن لیا، پھر......"

"سن لے تو بے شک کوئی سن لے، مجھے پروا نہیں ہے۔"

"اچھا تو تھوڑی دیر بیٹھ، میں ابھی باسط بھائی سے مل کر آتی ہوں......" انھوں نے التجا کی......

"جائیے جائیے...... ہم تو آئے ہی یہاں بور ہونے کے لیے ہیں۔"

میں کرسی، بالکونی کے پاس ڈال کر تنہا ہی بیٹھ گئی۔

باہر کا منظر اچھا معلوم ہو رہا تھا۔

یہاں عورتوں کا وہ شور شرابا نہیں تھا جس کی وجہ سے کان پھٹے جا رہے تھے۔

اچانک مجھے محسوس ہوا، جیسے میں کسی کی آنکھوں کی رینج میں ہوں۔ ذرا سی گردن موڑ کر میں نے اپنے عقبی جانب دیکھا تو وہ براؤن سوٹ والا، دولہا کا دوست بظاہر کسی خاتون سے باتیں کر رہا تھا مگر اُس کی تمام تر توجہ میری جانب تھی۔

میں نے ایک اُچٹتی سی نظر اُس پر ڈالی۔ وہ انتہائی ڈھٹائی سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔

"حد ہے کمینے پن کی، کوئی اچھی لڑکی نظر آئی اور لگے اُسے تکنے۔"

میں نے زیر لب بڑبڑا کر اپنی کرسی اُس کی جانب سے ترچھی کر لی۔

یہ خوبصورت لڑکے، شاید اپنی شاندار پرسنالٹی اسی طرح کیش کرتے پھرتے ہیں، میری سوچ کو ایک دھارا مل گیا تھا۔

میں چپ چاپ خاموش، اس بابت سوچے چلی جا رہی تھی۔

کھانے کا شور ہوا، تب بھی میں اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔

میں اپنی سوچوں میں گم نہ جانے کب تک بیٹھی رہتی کہ ارتقاء باجی اور باسط کے مشترکہ قہقہے نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے دیکھا، وہ اب وہاں نہیں تھا، بلکہ سارا ٹیرس خالی ہو چکا تھا۔

"ماہم، کیا آج یہیں رہنے کا ارادہ ہے......" باجی مسکرائیں۔

"کیا بہت دیر ہو گئی ہے۔" میں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"رخصتی ہونے والی ہے، ہمیں زبیدہ خالہ کے ہاں بھی جانا ہے!"

"لگتا ہے، آج یہاں آ کر، خاصی بور ہوئی ہیں......" باسط نے مجھ سے کہا۔

"جی ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے......" میں دھیمے سے ہنسی۔

"اور ارتقاء...... تم......!" انھوں نے باجی کو پُرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ (جیسے اُن کو یقین ہو کہ اُن کا جواب منفی ہرگز نہیں ہو سکتا)

"میں نے تو بہت انجوائے کیا......" وہ لہک کر بولیں۔

"تم نے کھانا بھی کھایا، میں اور ارتقاء تو کھا چکے......" اچانک باسط کو خیال آیا۔

"آپ لوگوں کے ساتھ کھایا ہوگا تو کھایا ہوگا ورنہ میں گھر میں بھی اکیلے نہیں کھاتی۔" میں نے تمسخر آمیز

لہجے میں کہا۔

"چلو آؤ میرے ساتھ، میں تمہیں کھانا کھلا کر لاتی ہوں۔" باجی کی خواہرانہ رگ پھڑکی۔

"نہیں باجی، اب گھر جا کر سوئیں گے، ذرا بھی خواہش نہیں ہے......! اس قدر نیند آ رہی ہے......" میں نے جمائی لی۔ "شاید ایک بج گیا ہے۔"

"آپ کی آنٹی کے گھر تک میں ڈراپ کر دوں گا...... ورنہ اتنی رات میں آپ کو پیدل گھوم کر جانا پڑے گا۔" باسط نے پیشکش کی جسے ارتقاء باجی نے فوراً منظور کر لیا۔

کیمرے کی لائٹس اور بھاگم دوڑ سے انداز ہوا کہ رخصتی ہو رہی ہے۔ باسط اور ارتقاء باجی کے ساتھ میں بھی نیچے اُتر آئی۔

نیچے کا ہال بھی خالی ہو چکا تھا دونوں ہی جانب کے انتہائی قریبی رشتے دار یا خاص الخاص دوست موجود تھے۔

اب لوگ تقریبات میں شرکت صرف کھانے کے لیے کرتے ہیں......، مجھے اپنی سوچ پر خود ہی ہنسی آئی،

"آج کل لوگ، خود بخود بھی ہنستے ہیں۔ بات بے بات......" کوئی میری پشت پر کہہ رہا تھا۔

میں نے مڑ کر دیکھا، وہی براؤن سوٹ والا لڑکا، شاید اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔

مگر دوست کی پوری توجہ، دولہا دلہن کی طرف مبذول تھیں جنھیں ساتھ کھڑا کر کے مووی بنائی جا رہی تھی۔ لیکن وہ براؤن سوٹ والا، اُس وقت بھی صرف مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اونہہ...... چھچھورے کم بخت...... بات چیت کا صرف بہانا چاہیے......" میں پھر بڑبڑائی۔

"ارتقاء...... کل ولیمے میں آؤ گی......؟" باسط خاص عاشقوں کی طرح باجی سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں بھئی، آج بھی اجازت بہت مشکلوں سے ملی ہے اور پھر ولیمے میں ہمارا بلاوا بھی نہیں ہے۔"

"چلو، بلاوا میری جانب سے۔" وہ مسکرائے۔

"کیوں بھئی، آپ کے کیا بھائی کی شادی ہو رہی ہے......؟" میں نے کہا۔

"بھائی کی شادی بھی ہو جائے گی، آپ بے فکر رہیئے......" براؤن سوٹ والا خواہ مخواہ دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

"ادریس میرا فرسٹ کزن ہے اور میرا بہت پیارا دوست بھی۔ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اپنے دو چار دوستوں کو مدعو کر سکوں......" باسط وضاحت کر رہے تھے۔

"مگر مجھے، اچھا نہیں لگے گا......" باجی شرما رہی تھیں۔

"مجھے تو اچھا لگے گا......" وہ بلند آواز سے بولے

اور میں نے باسط بھائی کی جانب سے پشت کر لی۔

اف، ان دونوں کو اپنے سامنے ڈائیلاگ بولتے دیکھ کر میرا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔

ٹشو پیپر سے ماتھے کا پسینہ پونچھا تو...... وہی...... ہیرو اپنے سینے پر ہاتھ باندھے...... مجھے آنکھوں کے راستے جذب کر رہے تھے۔

"کیا بات ہے بھئی......؟" مارے طیش کے، میں اُس کے پاس چلی آئی (آخر میں اپنے کالج کی بولڈ ترین لڑکی تھی)

"کچھ بھی نہیں......" وہ مسکراہٹ بدستور اُس کے لبوں پر سجی ہوئی تھی......

"لگتا ہے شاید آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے......؟" میں نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"ہاں، ہنسی کم بخت کی۔ خاصی دلفریب تھی۔

"آپ کہیں، تو میں آپ کی غلط فہمی دور کر دوں......" میرا لہجہ خاصا سفاک تھا (ان معاملات میں، میں کسی کی بھی حوصلہ افزائی کرنے کے لی تیار نہیں تھی)

''نہیں، رہنے دیجیے......'' وہ ادا سے جھک کر بولا۔
پرفیوم کی ایک تیز مہک میرے نتھنوں میں گھس گئی۔
''ان بے تکی حرکتوں کا...... اگر کچھ حاصل ہے، تو مجھے ضرور بتایئے......'' اُس کا تھرڈ کلاس عاشقوں والا انداز مجھے سخت زہر لگ رہا تھا......!
''بے بی، بات یہ ہے......'' وہ لفظ ''بے بی'' کو چبا کر بولا۔
''میرا نام ''ماہم'' ہے......'' اُس کا بے بی کہنا سُلگا ہی گیا۔
''اچھا تو ''چاندنی'' صاحبہ، عرض یہ ہے......''
''عجیب بے وقوف آدمی ہیں آپ، میں نے آپ کو بتایا ناں کہ میرا نام ''ماہم'' ہے ''ماہم'' کے معنی چاند کے ہیں مگر ''چاندنی'' کے ہرگز نہیں۔''
''چاند کی روشنی کو کیا کہتے ہیں...... یہ آپ کو معلوم ہے......'' اُس کا انداز کسی پروفیسر سے کم نہیں تھا۔
''چاندنی......'' یکبارگی میرے مُنہ سے نکلا......
''جی ہاں، قطعی درست فرمایا، آپ نے...... آپ بے شک چاند بی بی ہوں، مگر آپ کی چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے...... خاص طور پر آج اس میرج ہال میں صرف آپ کی ہی چاندنی ہے...... اور کچھ بھی نہیں ہے......'' ذلیل نے انتہائی بے باکی سے کہا۔
''ہُشت......'' میں کانوں تک سُرخ پڑ گئی۔
اس سے قبل کہ میں اس کی بات کا کوئی سخت اور ترش جواب دیتی، باجی نے میرا ہاتھ کھینچ کر بطورِ خاص دکھایا...... ''ذرا دیکھو تو سہی، یہ مووی والے دلہن کے رونے کے سین کیسے پکچرائز کر رہے ہیں۔''
گھر کا ایک ایک بندہ، دلہن سے آ کر گلے سے مل رہا تھا اور دلہن صاحبہ، آنسو بہانے کے بجائے چھوٹی چھوٹی چیخیں مار کر رخصتی کے سین میں ڈرامائی تاثر پیش کر رہی تھیں۔
میں نے دولہا کی جانب ایک نظر ڈالی۔ موصوف کھلے دل سے ہنس رہے تھے۔ چہرے پر فاتح کی سی شان غرور بن کر چھائی ہوئی تھی۔
ارتقاء باجی خاصی افسردہ کھڑی ہوئی تھیں۔ میں ان کے پاس آئی تو آنسوؤں کی لڑیاں، موتیوں کی طرح ایک ایک کر کے اُن کی آنکھوں سے گر رہی تھیں۔
''آپ خواہ مخواہ ہی رونے بیٹھ گئیں......'' میں ہنسی۔
''سوچ رہی ہوں کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔'' باسط چہکے۔
''دلہن تو رو نہیں رہی، آپ کو ہلکان ہونے کا فائدہ......! آج کل دلہنیں روتی کہاں ہیں، صرف پوز کرتی ہیں۔'' براؤن سوٹ والا خواہ مخواہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولا۔
''آپ سے پوچھا ہے، کسی نے......'' میں ایڑی پر گھوم کر فوراً ہی بولی۔
''مس چاندنی...... یہ سب میری ذاتی رائے ہے......'' وہ شوخی سے بولتا ہوا، باسط کی موجودگی سے بھی خوف زدہ نہیں تھا۔
''مسٹر......'' میں نے دانت پیسے......
اس سے قبل کہ میں اُس کی طبیعت اچھی طرح صاف کرتی، باسط درمیان میں آ کر بولے۔
''ماہم، معاف کرنا...... میں تمہارا تعارف کرانا ہی بھول گیا...... یہ میرے چھوٹے بھائی آصف ہیں...... پاپا کے بزنس میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں اور شوقیہ طور پر اسٹیج بھی پلے کرتے ہیں...... بھئی خاصا معروف ہے یہ آصف میں تو سمجھا تھا کہ تم پہچان گئی ہوگی......!''

''میں اسٹیج پلے نہیں دیکھتی......'' چہرے پر آیا ہوا غصہ میں بمشکل پیتے ہوئے بولی۔
''بھائی جان، آپ نے تعارف بھی کرایا تو ادھورا۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ یہ محترمہ ہیں کون؟'' وہ اب بھی وفورِ شوق سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
''بھئی...... یہ ارتقاء کی چھوٹی بہن ہیں، ''ماہم'' اور ارتقاء سے تو تمہارا تعارف ہو ہی چکا ہے۔''
''آپ صاف صاف کہیے ناں کہ یہ بھی ہماری مستقبل قریب کی رشتہ دار ہیں......!''
''آف کورس......'' باسط خوشی سے بولے۔
ارتقاء باجی...... شرمانے میں مصروف ہو گئیں۔
دلہن کی گاڑی پر ریزگاری سے بوچھاڑ ہوئی...... تو سب ہی چونک گئے۔
''چلو ارتقاء...... اب چلیں......'' باسط خالص شوہروں والے انداز میں باجی سے کہہ رہے تھے۔
''کیا یہ ہمارے گھر چلیں گی......'' آصف گھبرا کر بولا۔
''نہیں بھئی...... ابھی وہ وقت کہاں آیا ہے، یہاں قریب ہی ان کی پھوپھی کا گھر ہے ہم لوگ ڈراپ کرتے ہوئے گھر چلے جائیں گے......''
''آئی سی......'' آصف نے سیٹی بجائی!
اور مجھے آصف کے متوحش انداز پر ہنسی آ گئی۔
''شکر خدا کا...... لبوں سے سنجیدگی کا کرفیو تو ختم ہوا......'' وہ کان کے پاس دھیرے سے بڑبڑایا۔
میں ہونٹ کاٹ کر باجی کے پیچھے ہو گئی۔
ڈرائیونگ سیٹ پر آصف تھا اور اُن کے برابر باسط بیٹھے ہوئے تھے جبکہ پیچھے میں اور باجی تھے۔
میرے بیٹھتے ہی...... آصف نے سائیڈ مرر اس انداز میں سیٹ کر لیا کہ...... میں نگاہ بھی اٹھاؤں تو گنار گار اور وہ مجھے جب تک دل چاہے، بے ایمانی سے دیکھتا رہے......!
'بدمعاش، کم بخت......' میں نے دل میں سوچا...... 'پانچ لاکھ کی گاڑی میں بیٹھ کر اترا رہا ہے، منحوس......! سمجھ رہا ہوگا کہ...... مڈل کلاس کی لڑکی، اُن کی شو شا سے ریجھ جائے گی......!'
میرے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، ایک رنگ جا رہا تھا...... میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُس کے بال اپنی مٹھی میں پکڑ کر کہوں کہ!
'اے اوباش چھوکرے، اس سائیڈ مرر سے کیوں مجھے دیکھے جا رہا ہے۔'
میں سامنے دیکھنے کے بجائے باہر ہی دیکھ رہی تھی، اسپیڈ بریکر کی وجہ سے گاڑی اچھلی تو اچانک میری نظر سامنے پڑی وہ بھی شاید اسی انتظار میں تھا کہ میں اُسے دیکھوں۔
غیر ارادی طور پر میری نظر مرر پر پڑی اور مارے غصے کے میری چیخ نکلتی چلی گئی۔

چلتی ہو گاڑی میں، میری غصے کی چیخ اضطراری نہیں تھی۔ مرر (شیشے) پر نظریں ملتے ہی آصف نے فضائی بوسہ اُچھالا تھا یہ رکیک حرکت میری برداشت سے باہر تھی۔

"آصف گاڑی روکو۔" باسط نے پیچھے مڑ کر پریشانی سے مجھے دیکھا۔

"کیا ہوا ماہم......؟" باجی نے میری سرد انگلیوں کو تھام لیا۔

تب آصف کی آنکھیں خوشامد پر اُتر آئیں، بال ٹھیک کرنے کے بہانے اپنے دونوں کان تک چھو لیے۔

"بتاؤ ناں ماہم، کیا ہوا......؟" باسط شفقت بھرے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"گاڑی کے سامنے بلی آگئی تھی۔" میں نے سرزنشی آنکھوں سے آصف کو دیکھتے ہوئے کہا جو میری بات سُن کر آسودگی سے گہرے سانس لے رہا تھا مسکراہٹ بدستور اُس کے لبوں کا احاطہ کیے تھی۔

"بس اتنی سی بات" باسط ہنس دیے۔

"یہ اتنی سی بات تھی......اگر اُسے کچھ ہو جاتا تو......؟"

"ارے نہیں ماہم، اپنا آصف تیز ڈرائیونگ ضرور کرتا ہے مگر گاڑی بڑی مہارت سے چلاتا ہے۔"

"سوری مس، میں آئندہ مزید محتاط رہوں گا۔" آصف مُرر میں سے مجھے تاڑتے ہوئے مہذب لہجے میں بولا۔" مگر اس کا یہ انداز التفات میرے ذہن میں انگارے سے بھر گیا۔

گاڑی سے اترتے وقت اُس نے قصداً میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اُترتے سمے میرا پلو بھی اس نے تھام لیا تھا۔

مگر انداز یوں بے پروائی لیے ہوئے تھا جیسے یہ نادانستگی میں ہوا ہو۔

میں نے تنبیہی نظروں سے اُسے دیکھا تو ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پلو بھی چھوڑ دیا۔

ارتقاء باجی ان دونوں کا شکریہ ادا کر رہی تھیں اور میں چپ چاپ یوں کھڑی تھی جیسے مجھے کہنا ہی نہ ہو۔

"آپ لوگ میرا ڈراما دیکھیں گی، ہاشو آڈیٹوریم میں ہو رہا ہے۔" چلتے سمے وہ باجی سے کہہ رہا تھا مگر نظریں مجھ پر یوں مرکوز تھیں جیسے اصرار کر رہا ہو۔

"اس سمسٹر سے فارغ ہولیں پھر دیکھیں گے۔" باجی نے گھر والوں کے بہانے کے بجائے اچھا خاصا تعلیمی جواز پیش کیا۔

"آپ تو فارغ ہیں ناں، مس چاندنی" لہجے میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"میرا نام چاندنی نہیں ہے۔" میرا لہجہ از خود اکھڑ ہو گیا۔

"سوری چاند میاں، مجھے یاد ہی نہیں رہتا۔"

"کیا کہا آپ نے؟" اُس کا مسخرانہ انداز مجھے بالکل نہیں بھایا۔

"سوری مس، آج ذرا ذہن ٹھکانے پر نہیں ہے میں کہہ رہا تھا کہ اگر آپ فارغ ہوں تو مجھ ناچیز کا ڈراما دیکھیے، بڑا ہٹ، جا رہا ہے۔" وہ اترا رہا تھا۔

"ہمیں شوق نہیں ہے "پلے" دیکھنے کا!" میرا لہجہ سپاٹ سا تھا۔

"پلیز، آپ دیکھیے تو سہی، شاید آپ کو اندازہ ہو جائے کہ میں بہت اچھا اداکار بھی ہوں۔" اس کا لہجہ زعم سے لبالب تھا۔

"اس کا اندازہ تو مجھے اس مختصر سی ملاقات میں ہو گیا تھا کہ آپ عام زندگی میں بھی اچھی خاصی اداکاری کر لیتے ہیں۔"

"تو مس، یہ تو آپ کی بڑی زیادتی ہے۔ لمحے دو لمحے میں اندازے لگانا قطعی غلط ہے۔" (وہ آنکھوں میں گھسا چلا آیا)

"اس بارے میں کیا خیال ہے کہ بعض لوگ لمحہ بھر میں پرکھ لیے جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو زندگی بھر

نہیں سمجھا جاتا۔"

"آزمائش شرط ہے قبل از وقت کچھ کہنے سے گریز کریں۔" اُس کی آنکھیں مزید شوخ ہو گئیں جیسے میری برہمی کو سمجھ رہی ہوں۔

"آصف یار، مانا کہ تم بھی ڈبیٹر ہو اور ادھر ماہم بھی۔ مگر کیا یہ ضروری ہے کہ رات کا یہ آخری پہر سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر گزرے۔"

باسط، ارتقاء باجی سے الوداعی گفتگو کے بعد بھائی کی جانب متوجہ ہوئے۔

"میں تو آپ دونوں کو مصروف دیکھ کر رکا ہوا تھا۔" اُس نے بدلہ لیا۔

"خدا حافظ آصف!" ارتقاء باجی گاڑی اسٹارٹ ہوتے دیکھ کر محبت سے بولیں۔

"خدا حافظ بھابھی جان۔" وہ شرارت سے بولا۔ باجی شرم سے گلنار ہو گئیں اور باسط کے چہرے پر مسکراہٹ جگنو کی طرح پھیل گئی۔

"خدا حافظ چاندنی!" اور گاڑی زن سے ہوا ہو گئی اور میں صرف دانت پیس کر ہی رہ گئی۔

جاتے جاڑوں کی یہ سرد شب آہستہ آہستہ بیت رہی تھی کرسی پر بیٹھے بیٹھے میرے پاؤں شل ہو گئے جب بیٹھنا دوبھر ہو گیا تو میں باجی کے پاس آکر لیٹ گئی باجی کے لب سوتے میں مسکرا رہے تھے (شاید خواب خاصا سہانا تھا) سونے کے لیے میں نے آنکھیں بند کیں تو اسی بے ایمان کا چہرہ آنکھوں میں چلا آیا" چاند کی روشنی کو چاندنی ہی تو کہتے ہیں۔" "ہُشت۔" مارے خجالت کے میں نے آنکھیں کھول دیں۔

ارتقاء باجی کا معصوم چہرہ، سوتے میں بے حد حسین لگ رہا تھا۔ گھنی پلکوں کی جھالریں، رخساروں پر ایک سایہ سا کر رہی تھیں۔ میں نے کروٹ بدل کر سونا چاہا مگر نیند کسی شاعر کی محبوبہ کی طرح غائب تھی...... بار بار کی کروٹوں سے ارتقاء باجی ڈسٹرب ہوتیں تو میں آہستہ سے بیڈ سے اُتر کر پھر دریچے میں چلی آئی۔ باہر کا موسم اندر کے مقابلے میں بہت خوشگوار تھا۔ میں نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر اپنا پورا چہرہ باہر کر لیا ہوا کی نمی مجھے بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ ساری فضاء پر ایک جمود سا طاری تھا۔ یوں جیسے کائنات کی ہر شے محوِ خواب ہو میں نے ایک لمبا سانس لے کر پھولوں کی ملی جلی خوشبو اپنے اندر اتار لی۔

خوشبو من میں اتر کر کتنے رنگ بکھیری دیتی ہے اس کی آگاہی مجھے آج ہو رہی تھی...... آسمان پر ایک نظر ڈالی، تو وہ روز سے زیادہ خوبصورت نظر آیا۔

موتیوں بھرا تھا، روپہلی افشاں کی دمک، اور بے حد حسین دوشیزہ کے آنچل کی طرح نیلے آکاش پر ان گنت ستارے آنکھیں چکا چوند کر رہے تھے ستاروں کے جھرمٹ میں گھرا ہوا چاند اپنی پوری آب و تاب سے نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

'یہ چاند کتنا خوبصورت ہے، یہ احساس پہلی دفعہ میرے من میں جاگا، لاکھوں کروڑوں ستاروں میں کتنا واضح اور کتنا منفرد ہے یہ چاند......' میں نے ایک پل کے لیے سوچا۔

اور پھر نہ جانے کیوں، مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ چاند آصف کا چہرہ اختیار کر گیا ہو۔

اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ روشنیوں کے ہالے میں دمکنے لگا۔

تب میں چاند کی چاندنی میں جیسے نہا سی گئیں۔

میں ٹکٹکی باندھے چاند کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے پہلی دفعہ دیکھ کر دل میں ہُمک سی پیدا ہوئی ہو۔

آصف کی روشن آنکھیں، جن میں شوخی اور شرارت موجود تھی، چاند کی سطح پر دمکتی ہوء۔

مجھے مسکرا مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔

مجھے چھیڑ رہی تھیں۔

مجھے ستا رہی تھیں کہ اب بتاؤ، ہم سے بچ کر کہاں جاؤ گی۔
''یا خدا...... یہ کیا ہو گیا ہے مجھے......؟'' (شاید میرا چہرہ بھی گلنار ہو گیا تھا)
میں اپنی دیوانگی پر بوکھلا سی گئی۔
آج میرے اور نیند کے درمیان صدیوں کے فاصلے نظر آ رہے تھے۔
''اگر میں موصوف کی طبیعت ''کلین'' کر دیتی تو آج کی شب چین سے سوتی'' یکبارگی میرے ذہن میں خیال ابھرا۔
''ماہم...... کیا تم ابھی تک جاگ رہی ہو......؟''
ارتقاء باجی کا نیند میں ڈوبا لہجہ میری سماعت سے ٹکرایا تو سوچوں کی تند و تیز لہروں پر ڈولتی ہوئی، میں چونک سی گئی۔
''ہاں، باجی۔ بالکل بھی نہیں نہیں آ رہی۔'' میں نے وہیں سے کہا۔
''ارے تو ہمیشہ سے نیند کی پکی ہے۔ بیٹھے بیٹھے سو جاتی ہے، آج تجھے نیند نہیں آ رہی!'' انھوں نے ایک آنکھ کھول کر مجھے دیکھا۔ ''مجھے تو اپنا پلنگ یاد آ رہا ہے، اپنے تکیے کے بغیر میں ہرگز نہیں سو سکتی۔''
''کیا خیال ہے یونہی بیٹھے بیٹھے رات گزارو گی۔'' باجی بستر پر بیٹھ کر مجھے مندی مندی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔
''آج تو یونہی لگ رہا ہے۔'' میں ہنسی۔
''ادھر آ، میرے پاس، میں تیرے سر میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیروں گی تو دیکھنا کتنی اچھی نیند آتی ہے۔'' انھوں نے محبت سے کہا۔
''باجی کھڑکی کھلی رہنے دوں؟'' میں نے منہ باہر نکال کر پھولوں کی مہک اپنے اندر اتارتے ہوئے پوچھا۔
''خدا کی بندی، نورا بند کر دے، ٹھنڈی یخ ہوا سے میری کپکپی بندھی جا رہی ہے۔'' انھں نے کمبل اپنے سینے تک پھیلا لیا۔
تب کھڑکی کے پٹ بند کر کے، میں باجی کے پاس آ کر لیٹ گئی۔
''میں تو آتے ہی سو گئی۔'' باجی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔
''آپ نے تو خواب دیکھنے تھے۔ نیند تو آنی ہی تھی۔'' میں نے چھیڑا۔
''کیوں، تجھے کون سے صحرا میں جانا تھا جو نیند روٹھ گئی۔''
اب میں باجی سے کیا کہتی کہ اپنے سوچ کے الاؤ میں ہی میرے تلوے اتنے جل گئے کہ کیا کسی کے صحرا میں چلنے سے آبلے پڑیں گے۔
''چپ کیوں ہے، آنکھیں بند کرے گی تو نیند آ جائے گی۔''
''آنکھیں بند کر لینے سے کیا نیند آ جاتی ہے......؟'' باجی کی بات پر مجھے ہنسی آ گئی۔
''سوئے گی نہیں تو صبح کالج کیسے جائے گی؟'' انھوں نے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
''نئی جگہ سونا، کتنا عذاب ہوتا ہے۔'' میں نے تکیے پر سر پٹختے ہوئے کہا۔
''پاگل۔ ہے تو بھی، نئی جگہ کہاں سے ہو گئی۔ اپنی پھوپھو کا گھر ہے جہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔''
''مگر رات کو رہنے کا اتفاق تو پہلی دفعہ ہوا ہے، خواہ مخواہ ہی آپ کے ساتھ آ گئی، اپنے گھر میں ہوتی تو کب کی سو گئی ہوتی۔''
''ابھی آ جاتی ہے نیند بھی۔'' باجی نے میرے بندھے بالوں کی دراز چوٹی کھول ڈالی اور پھر باجی کی

ملائم انگلیاں میرے سر میں گردش کرنے لگیں آسودگی کا احساس اتنا قوی تر ہو گیا کہ میری پلکیں جھپکنے لگیں۔
اور وہ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ آنکھوں کو سپنوں سمیت نیند بخش گیا۔

♥♥♥

''ماہم، تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اماں نے فکرمندی سے پوچھا۔
''ہاں، ٹھیک ہوں...... مجھے کیا ہونا ہے......'' (میں دل میں سہم سی ہو گئی)
''آج تو کالج کیوں نہیں گئی؟ تیرے امتحان سر پر ہیں۔''
''بس صبح اٹھا ہی نہیں گیا۔'' میں نے آلکس سے کہا۔
''یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیوں نہیں اٹھا گیا، تو نے تو صبح سویرے اٹھنے کی عادی ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تیری۔ لگتا ہے نیند پوری نہیں ہوئی، اس لیے اٹھا ہی نہیں گیا۔''
''آج کی فجر کی نماز قضا پڑھی ہے طبیعت تو میری بالکل ٹھیک ہے۔''
''حیرت ہے، کل زبیدہ کے ہاں سے آ کر سارا دن سوئی ہے۔ رات کو پھر سوئی۔ پھر بھی نیند پوری نہیں ہوئی۔''
''ہاں اماں...... آج کل نیند بھی خالص کہاں رہی ہے...... گھنٹوں تکیے پر سر پٹختے رہو۔ آتی ہی نہیں۔ اور کبھی آتی ہے تو اس قدر بے ایمانی سے آتی ہے کہ سونے کے باوجود طبیعت فریش نہیں ہوتی بعض دفعہ یوں لگتا ہے جیسے سوئے ہی نہیں......''
''جب کھانے کو خالص چیزیں نہ ملیں تو اُس کے اثرات ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' اُن کے لہجے میں خاصا تردد تھا۔ ''دودھ دوں تجھے، سر کی خشکی کم ہو جائے گی......'' انھوں نے محبت سے پوچھا۔
''نہیں اماں، آپ کو پتا ہے کہ دودھ دیکھ کر متلی ہونے لگتی ہے، میں پی ہی نہیں سکتی......''
''پھر ساری زندگی دُبلی ہی رہو...... اتنا اچھا باڑے کا دودھ آ رہا ہے اگر روز ایک گلاس پی لے تو کچھ بوٹی چڑھے تیرے ابا کو علیحدہ ہول ہوتی ہے، جب وہ تجھے یوں سینک سلائی سا دیکھتے ہیں اس دفعہ تو پشاور سے آتے ہوئے تیرے لیے خالص شہد بھی لائے ہیں۔ غضب خدا کا اس گھر کی سب سے چھوٹی اولاد اور کھانے پینے کی اتنی چور کہ دوسرا دیکھنے والا سوتیلی اولاد خیال کرے۔''
''اُفوہ...... آپ لوگ تو مجھے پہلوان بنانا چاہتے ہیں۔ میرا جسم اس قدر متناسب ہے کہ تمام کالج کی لڑکیاں مجھے دیکھ کر رشک کرتی ہیں۔''
''مگر تو کھاتی کہاں ہے......؟'' اُن کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔
''آپ بے فکر رہیے میں جو کچھ بھی کھاتی ہوں وہ مجھ پر خوب لگتا ہے...... ارتقاء باجی کہاں ہیں......؟ نظر نہیں آ رہیں......؟ رات کو کہہ رہی تھیں کہ یونیورسٹی نہیں جاؤں گی......!''
''رات کو وہ میرے بہلاوے کے لیے کہہ رہی تھیں...... جب کہ اخبار میں بھی صاف صاف لکھا ہے کہ آج...... ہڑتال ہونے کا خدشہ ہے۔ مگر وہ پھر بھی یونیورسٹی چلی گئی۔'' اماں کا لہجہ ناراضگی لیے ہوئے تھا)
''اماں آپ کو کیا پتا؟ یونیورسٹی کی چھٹی کرنے سے ان کا خاصا حرج ہوتا ہے......'' میں مسکرائی۔
''ایسی بھی کیا پڑھائی کہ جان سولی پہ لٹکی رہے...... آنے دو آج ارتقاء کو، نہ باوا سے جھاڑ پلوائی تو دیکھنا'' اماں کا غصہ عروج پر تھا (انتہائی غصے کے عالم میں وہ ابا جان کی ڈانٹ پھٹکار کے حوالے ضرور دے کر ڈراتی تھیں۔
''اماں پلیز، آپ باجی کو کچھ نہ کہیے...... وہ بے حد محنت کر رہی ہیں، آپ کو پتا تو ہے کہ پہلے سمسٹر میں

وہ فیل ہو گئی تھیں ......" باجی کی وکالت کرتے ہوئے مجھے ہنسی بھی آ گئی ...... !

"بھاڑ میں ڈالیں پڑھائی کو...... آخر کون سی نوکری کریں گی ...... کرنا تو انھیں چولھا چکی ہی ہے خواہ مخواہ جان سوزی کا فائدہ جس سے کچھ حاصل بھی نہ ہو۔"

"جب تک شادی نہیں ہوتی، اُس وقت تک پڑھنے دیں، بعد میں کون پڑھا کرتا ہے......" اماں کو سمجھانے کا یہ آسان طریقہ تھا جو اس وقت میری سمجھ میں آیا تھا...... ورنہ ذہن اتنا بوجھل سا ہو رہا تھا کہ کوئی بات بھی کسی سے کرنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔

اور جب کوئی بات دماغ میں کھلبلی سی مچا رہی ہو تو اس کا پورا اثر انسانی جسم پر پڑتا ہے سارے اعضاء جامد سے ہو جاتے ہیں...... کام کرنے کو دل نہیں کرتا۔ اب اماں سالن چڑھانے کی ذمے داری مجھے سونپ کر پڑوس میں فاخرہ خالہ کے ہاں گئی تھیں اور جب وہ آئیں تو ہنڈیا کا حشر دیکھ کر انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"ماہم تجھے ہوا کیا ہے؟"

"کیا ہوا اماں ہے؟" اماں کی جرح پر میں سفید سی پڑ گئی (یوں جیسے انھوں نے میری چوری پکڑ لی ہو)

"یہ نرگسی کوفتے پکائے ہیں تم نے...... دیکھو تو ذرا ایسے پکتے ہیں......؟ سارے انڈے کوفتوں سے باہر نکلے پڑے ہیں، آج دوپہر کو تمہاری چچی بھی کھانا یہیں کھائیں گی۔ کیا کہیں گی وہ...... نرگس علیحدہ پڑی ہے اور کوفتے علیحدہ......! شہری بھی کل شام کو نرگسی کوفتوں کی فرمائش کر کے گیا تھا۔ وہ کیا کہے گا......؟"

"بس، اماں خراب ہو گئے مجھ سے......" میں نے ایک گہرا آسودگی کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میری چندا...... تو تو کئی دفعہ پکا چکی ہے اور ہمیشہ بہترین پکائے ہیں...... آج کیا ہوا"

اماں...... یہ کوفتے پکانا سب سے مشکل کام ہے...... اور پھر اس میں انڈوں کو بھی قید کرو۔ انڈے بڑے زیادہ تھے وہ شور مچا کر باہر نکل آئے۔"

"تو گھر کی صفائی دیکھ، میں کر لیتی ہوں کچھ۔" اماں کو میرا تبصرہ کچھ بھایا نہیں تھا...... میں بستر پر بیٹھ کر پھر کھو سی گئی......!

"ماہم...... یہ صفائی کی ہے تو نے...... دیکھ تو سہی بستروں کی چادریں ملگجی ہو رہی ہیں......" انھوں نے حیرانی سے مجھے دیکھا...... "باپ بھائیوں کے شلوار کرتے، کرسیوں پر پڑے ہیں۔ گیلا تولیا یونہی میز پر پھیلا پڑا ہے (آج مجھے کیا ہو گیا ہے)

"اماں، اس قدر تو بکھیڑا پھیلا رہتا ہے ہر طرف، کہاں تک سنگواؤں...... تھک جاتی ہوں میں...... ضمیر بھائی مجال ہے کہ اپنے کپڑے کھونٹی پر ٹانگ کر جائیں، اور یہی حال بھائی صاحب کا ہے۔"

"آج تو پہلی دفعہ صفائی کر رہی ہے گھر کی......! یہ پھیلاوا تو روز کا ہوتا ہے اور روز کالج سے آ کر ساری صفائی کرتی ہے آج چھٹی پر بھی ہے پھر بھی کام نہیں ہو رہا۔"

تب میرا دل چاہا کہ میں چیخ چیخ کر کہوں کہ میرے اعصاب پر اس قدر بوجھ ہے کہ مجھ سے کوئی کام نہیں کیا جا رہا...... میں جب تک آصف کو ایک بات کے جواب میں دس باتیں نہیں سناؤں گی میری ذہنی کیفیت نارمل نہیں ہو سکتی۔ بدمعاش کہیں کا۔

"ہر لڑکی کو اپنی ننگی آنکھوں سے دیکھتا ہو گا...... کم بخت......" میں دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"ارے کس سوچ میں پڑ گئی تو...... میں کر لوں صفائی۔" اماں نے جھاڑو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اماں، آپ تخت پر بیٹھیے...... میں کرتی ہوں ایک منٹ میں......"

اپنا سر جھٹک کر، دوپٹہ کمر پر کسا اور پائپ نل سے لگا کر برآمدہ دھونا شروع کیا۔

میلا گندہ پانی موری میں گر رہا تھا اور پانی کے ساتھ ساتھ، میں آصف کو بھی اپنے ذہن سے دھکیلے دے رہی تھی۔

❤❤❤

باسط کی ممی کو باہر سے آئے پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ اُن کو لے کر ہمارے ہاں نہیں آئے تھے۔

"باجی! وہ آپ کے عاشق نامدار، ابھی تک اپنی ممی کو لے کر کیوں نہیں آئے؟ ایک دن ممی نے اُن سے پوچھا

"کہہ رہے تھے کہ آج کل اُن کا 'بلڈ پریشر لو' ہے۔"

"ارے صاف بہانہ ہے۔" میں تمسخر سے ہنسی۔

"کیوں بہانے کی کیا بات ہے، کیا دولت مند لوگ بیمار نہیں ہوتے کیا؟" باجی کو میری ہنسی بُری لگی۔

"ارے باجی...... آپ کہاں کی باتیں کر رہی ہیں۔ ایسی ایسی سیکنڑوں بیماریاں تو ان پیسے والی خواتین میں بطور فیشن کے اپنائی جاتی ہیں...... اُن کے بیڈروم کا ائیر کنڈیشن خراب ہو جائے تو اُن کا بلڈ پریشر لو ہو جاتا ہے۔ اُن کی کوئی دوست ان کے مقابلے میں زیادہ شاندار کسی تقریب کا انعقاد کر دے، تو ایسی بیگمات جل کر رہ جاتی ہیں، کمتری کا احساس اُن کے بلڈ پریشر کو ہائی کر دیتا ہے۔"

"ماہم...... مڈل کلاس کی یہ افسانوی تہمتیں ہر ایک پر فٹ نہیں ہوتیں اور پھر باسط مجھ سے ہرگز جھوٹ نہیں بولتے۔"

"باجی...... مجھے تو لگتا ہے کہ آپ اُن پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرتی ہیں...... جو انھوں نے کہہ دیا، وہ آپ کے لیے آمنا صدقنا ہو گیا" (ایسا بھی کیا اعتماد......؟)

"پھر میں کیا کہتی بھلا...... باسط، آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" باجی میری باتوں پر روہانسی ہو گئیں۔

"اور کیا صاف کہہ دینا چاہیے تھا، کہ تاویلیں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے...... اگر آپ کی ممی، ہمارے چھوٹے سے گھر میں آنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو صاف صاف بتا دیں۔"

"مگر وہ تو ہمیشہ سے یہی کہتے تھے۔ کہ میں ممی کو لانا چاہتا ہوں' انکار تو میں کر دیا کرتی تھی۔"

"واہ باجی واہ...... آپ تو اتنی عقل مند بنتی ہیں، مگر باسط صاحب کو قطعی نہیں پہچان پائیں۔"

"یہ کیسے کہہ سکتی ہو تم......" وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئیں۔

"آپ اگر غور کریں تو سارا معاملہ پانی کی طرح رواں نظر آ رہا ہے۔ انھیں جب یہ احساس تھا کہ آپ اس معاملے میں خود تاخیر چاہ رہی ہیں تو وہ اصرار کرتے رہے۔ اور جب معاملہ اس کے برعکس ہو گیا تو وہ تاویلیں ڈھونڈنے لگے...... مجھے تو لگتا ہے کہ چھوٹے بھائی کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی بھی اچھے بڑے اداکار ہیں۔ عام زندگی میں بھی اچھے بھلے "پلٹے" کر لیتے ہیں...... جو "ہٹ" جاتے ہیں۔"

"ایسا نہ کہو تم باسط کو بالکل نہیں جانتیں، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں مجھے اُن پر پورا اعتماد اور بھروسا ہے۔" یہ کہتے ہوئے باجی کی آواز صرف گلوگیر ہو گئی، بلکہ آنکھوں میں ستارے بھی ٹمٹمانے لگے تھے۔

"باجی! خدا کرے کہ ایسا ہی ہو، جیسا کہ آپ سوچتی ہیں۔ مگر خدارا یہ بھی سوچیے کہ کسی پر بھی آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کیا جا سکتا......"

"مگر...... وہ ایسے نہیں ہیں......!"

ارتقا باجی کی سوئی پھر ریکارڈ پر اٹک گئی۔

"ہاں، "وہ" ہوں گے...... یقیناً آپ کے خیالی محبوب جیسے...... مگر حقیقت میں وہ، جس طرح آپ سے داؤ پیچ کھیل رہے ہیں، آپ کو ان سے بھی باخبر رہنا چاہیے...... آج کل خالص غذا نہیں ملتی...... تو خالص محبتیں کیونکر دستیاب ہونے لگیں......" میں نے اپنا ذاتی فلسفہ جھاڑا۔

"ماہم...... میرا دل نہیں مانتا......" (آنکھوں کے ستارے، پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے)

"پیاری باجی۔ یہ دل ہی تو سب سے زیادہ خانہ خراب ہے۔ ساری گڑبڑ اسی دل سے شروع ہوتی ہے اور سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی یہ دل...... صرف اور صرف اپنی مرضی کی تعبیر لینا پسند کرتا ہے۔"

"پھر میں، کیا کروں......؟" انھوں نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔

"بلایئے اُن موصوف کو، کہ اپنی ممی کو ہمارے ہاں بھیجیں، بعد کے معاملات بھی سنوارتے سنوارتے خاصا وقت بیت جائے گا۔"

"آجائیں گی، ابھی ایسی کون سی جلدی ہے...... یہ بات تو میں ان سے کہہ ہی چکی ہوں، کیا بار بار کہوں...... نہیں بھئی، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔" (کیا سمجھیں گے وہ، کیا میں ایسی گری پڑی ہوں؟)

"حیرت ہے، یہ آپ کہہ رہی ہیں......؟" مجھے غصہ ہی تو آگیا......!

"کیوں، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں......!"

"ہاں، بالکل غلط......!"

"مگر کیوں......؟"

"وہ اس لیے کہ کل اماں رات کے کھانے کے بعد ابا سے کہہ رہی تھیں کہ احسان بھائی کی طرف چکر لگائیں"

"اس سے، اس معاملے کا کیا تعلق......؟"

مجھے اُن کی اس سادہ لوحی پر غصہ ہی تو آگیا۔

"تعلق بن سکتا ہے اسی وجہ سے تو آپ کو بتا رہی ہوں۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"ایمان سے مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔" (ان کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا)

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ باسط کی ذات میں اتنی گم ہوں گی کہ گھر کے حالات سے قطعی لاعلم ہوں گی۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"ایک مرتبہ احسان بھائی نے بھائی صاحب سے اپنے چھوٹے بھائی کے لیے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔"

"میرا......!" وہ سینہ تھام کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں...... نہ صرف وہ بلکہ اُن کا پورا گھرانا نعمان بھائی کے لیے آپ کے رشتے کا خواستگار ہے۔"

"ایمان سے......" ان کا چہرہ یک دم زرد ہوگیا۔

"مجھے اس معاملے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ اُن کی ماں بہنیں یقین مانیے ایک آدھ دفعہ ہمارے گھر بھی آئی ہیں اور اماں بھی ان کے ہاں جا چکی ہیں۔"

"اللہ۔ ماہم...... اب کیا ہوگا......؟ وہ دور کہیں سوچتے ہوئے بولیں۔

"یہی ہوگا کہ آپ پاپوش نگر سے بیاہ کر دستگیر سوسائٹی چلی جائیں گی...... اور اپنے چیاؤں میاؤں کو پالتے وقت ایک دفعہ بھی آپ کو باسط کا خیال نہیں آئے گا کیونکہ مشرقی عورت کا یہ وصف سب سے پیارا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مجازی خدا کے ساتھ منافقت کا رشتہ ہرگز استوار نہیں کرتی۔"

"پاگل ہوگئی ہے تو......؟"

"کیوں بھئی......؟" میں ہنسی۔

"دماغ خراب ہے احسان بھائی کا، اُن کے اس قدر ناٹے قد کے بھائی سے میں شادی کروں گی۔" وہ سیخ پا ہو کر بولیں۔

"کیوں، کیا چھوٹے قد کے آدمیوں کی اس دنیا میں شادیاں نہیں ہوتیں......؟" باجی کی باتیں سن کر

میری ہنسی چھوٹی پڑ رہی تھی۔

"ہوتی ہوں گی مگر مجھے چھوٹے قد سے انتہائی نفرت ہے۔"

"خوبصورت تو آپ کے باسط صاحب بھی نہیں ہیں......" میں نے انھیں کھری کھری سنائیں۔

"وہ کس قدر...... قد آور ہیں، کبھی غور سے بھی دیکھا ہے......!"

"قد تو اپنے صفدر بھائی کا بھی بہت لمبا ہے۔ شاید آپ کے باسط صاحب سے بھی زیادہ لمبا ہے۔"

"ہوگا لمبا...... میں نے تو باسط کے سوا کسی کو نظر بھر کے بھی نہیں دیکھا۔"

"یہی تو بے ایمانی کی بات ہے......" مجھے ہنسی آگئی۔

"ماہم، تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا ہے، اگر بھائی صاحب، ابا جان کو لے کر احسان بھائی (چچازاد بھائی) کے ہاں چلے گئے تو......؟"

"ظاہر ہے، قرعۂ فال نعمان بھائی کا نکل آئے گا۔"

"میں زہر کھالوں گی، مگر کبھی نعمان سے شادی نہیں کروں گی۔"

"یہ سب افسانوی باتیں ہیں...... نہ کہیں سے آپ کو زہر ملے گا، نہ ہی آپ زہر کھائیں گی (اسکے لیے بھی بڑا حوصلہ چاہیے) اور بالفرض کھا بھی لیا تو، مریں گی تب بھی نہیں...... وہ اس لیے کہ آج کل ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔ خالص زہر، سوائے باتوں کے، کہیں دستیاب نہیں۔ سارا زہر اپنے سقراط ہی پی گئے تھے، تو کہاں سے بچتا۔"

"کیسی بہن ہے تو......؟ جلائے چلی جا رہی ہے۔" (لہجہ گلوگیر کرنے میں تو وہ ماہر تھیں)

"باجی، صاف اور کھری بات، برداشت کرنا سیکھیے......!"

"اللہ ماہم، کوئی طریقہ سوچ ناں......!"

"نعمان بھائی کو زہر دے دوں......" میں ہنسی۔

"یہ میں کب کہہ رہی ہوں......" (کھسیاہٹ سے خجل ہوگئیں)

"باسط کی ممی کو کڈنیپ کر کے اپنے گھر لے آؤں اور اُن کے سینے پر کلاشنکوف رکھ کر کہوں۔

"اوئے ممی، ٹمی......! سیدھی طرح ہماری بہن کی شادی، اپنے بیٹے کے ساتھ بناتا ہے یا دباؤں ٹرائیگر......؟" میں نے لہجہ بنا کر کہا۔

"یہ ڈرامے بازی تو اپنے کالج میں کیا کر، مانا کہ بہترین اداکارہ کا تجھے خطاب ملا ہے...... مگر اس وقت ہماری جان پر بنی ہوئی ہے...... اور تیری رگ اداکاری پھڑک رہی ہے......!" وہ خاصا بُرا مان گئی تھیں۔

"پھر میں کیا کروں......؟" میں تکیہ لے کر نیچے اوندھی لیٹ گئی۔

"تو ایسی ترکیب لڑا، کہ یہ بھائی صاحب، احسان بھائی (چچازاد بھائی) کے ہاں نہیں جائیں۔" ارتقاء باجی خوشامدانہ انداز میں بولیں۔

"حد کرتی ہیں باجی، آپ بھی...... کیا میں اور کیا میری اوقات؟ اب بھائی صاحب، ابا جان اور ضمیر بھائی مجھ سے مشورہ کریں گے...... ارے ماہم...... تم ہمیں بتاؤ کہ ہم احسان بھائی کے ہاں رشتے کے سلسلے میں جائیں یا نہ جائیں۔" (میں ہنس کر بولی)

"پھر بھی، یہ تو کہہ سکتی ہو کہ نعمان کا اور میرا کوئی جوڑ نہیں۔"

"جب بھائی صاحب نے آپ کا کسی اور کے ساتھ جوڑ مناسب سمجھا، تب ہی تو کچھ کہوں گی۔"

"بکنا کیا چاہتی ہو بکو......" انھیں غصہ ہی آگیا۔

"بس یہی کہ وہ اگر نعمان بھائی کے بجائے صفدر بھائی کو لے آئے، تب ہی تو کچھ بول سکوں گی......

خواہ مخواہ ایک اچھے بھلے انسان میں، کیڑے نکالنے سے حاصل......" یہ سن کر وہ کچھ کہنا تو چاہتی تھیں مگر جانے کیا سوچ کر خاموش رہیں۔ میں نے کہا نعمان بھائی کی ہمراہی کا خواب ہمارے خاندان کی دو درجن لڑکیاں دیکھ رہی ہوں گی...... اتنے اچھے اخلاق کے ہیں وہ...... اتنی تمیز اور تہذیب والے ہیں اور پھر ہیں بھی بہت سوبر......"

"ماہم کی بچی...... مت کوس مجھے...... بے حد ہلکا خون ہے میرا......" وہ ہونٹ کاٹ کر کچکچائیں۔

"میں تو ایک بات کہہ رہی تھیں، آپ کو بُری لگی، چلیے نہیں کہتی......"

"بھاڑ میں جائے صفدر، اور چولہے میں جلیں نعمان......" وہ منہ پھیر کر قمیض بدلتے ہوئے بولیں۔

"پیاری باجی، غلطی آپ کی بھی ہے...... آپ کا سارا وقت باسط کی تعریفیں کرنے میں گزرتا ہے...... مجھ سے آپ خوب دھڑلے سے لڑ لیتی ہیں۔ مگر اپنے باسط سے ایک دفعہ گرم لہجے میں بھی بات نہیں کر سکتیں کہ اپنی ممی کو لانے میں کیوں دیر کر رہے ہو۔

اگر گھر والوں نے کچھ فیصلہ کر لیا تو کسی صورت میں اس کو نہیں تبدیل کریں گے۔ کیا آپ کو احساس نہیں کہ ہمارے ہاں زبان کی کس قدر اہمیت ہوتی ہے۔ پھر ابا جان اور بھائی صاحب کس قدر ضدی ہیں اپنی بات پر اڑ جانے والے لوگ ہیں۔ تیز گام آہستہ چل سکتی ہے مگر ابا جان کے ارادے بہت تیز چلتے ہیں پلے سے نقصان برداشت کر لیتے ہیں مگر اپنی بات نیچی نہیں ہونے دیتے......"

"تو کیا چاہتی ہے کہ شادی سے پہلے ہی میں ذرا ذرا سی بات پر باسط سے لڑنے بھی لگوں۔ کیا سوچیں گے وہ میرے بارے میں......؟"

"یہ آپ کے لیے ذرا سی بات ہے کیا......؟" میری آنکھیں شاک سے باہر نکل آئیں۔

"بالکل، میں تو کوئی اہمیت نہیں دیتی......!"

"تو پھر جان جائیے کہ آپ کے باسط صاحب، آپ کے ساتھ یونہی وقت پاس کر رہے ہیں۔" میں نے بھی کلس کر کہا۔

"تم یونہی جلتی رہو......"

"واہ...... میں کیوں جلنے لگی......!"

"وہ اس لیے کہ ایسے مواقع، تمہیں زندگی بھر نصیب نہیں ہو سکتے۔"

"خدا نہ کرے کہ میں اس انداز میں زندگی کے دکھ سمیٹوں......"

"ہونا، نری جاہل جب ہی تو...... یوں کہہ رہی ہو...... اگر بات تمہاری اور آصف کی ہوتی پھر میں دیکھتی۔

(اور میرا کلیجا دھک سے رہ گیا باجی کی بات پر...... یہ کیا کہہ دیا تھا، باجی نے)

"کیوں، اب کیوں ہوئی سٹی گم......" وہ مجھے خاموش ہوتا دیکھ کر پھر لڑنے کے لیے پر تولنے لگیں۔

"پلیز باجی، بات کو غلط رنگ نہ دیں......!"

"غلط رنگ، میں دے رہی ہوں یا تم......"

"بات آپ کی ہو رہی تھی، مجھے گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی......؟"

"کیا میں غلط کہہ رہی ہوں......" وہ ٹھسے سے ہنسیں۔

"بالکل۔ سو فی صد غلط......" میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"آصف جیسی شخصیت ہے کوئی اپنے خاندان میں......؟" انھوں نے تاک کر جملہ پھینکا۔

"نہ ہو، اس سے کیا فرق پڑتا ہے......!"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہوں......؟"

"وہ ہیں کیا چیز......؟ مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتے شُہدے سے......!" میں نے زبردستی منہ بنا کر کہا۔

"ماہم رانی...... عقل کی آنکھ سے پرکھو...... ہمارے خاندان کے سارے لڑکے، آصف کے سامنے، اتنی بے وزن شخصیت کے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی جرم میں انھیں جیل میں بجھوا دوں، کہ نہ ہوں اور نہ ہی نظر آئیں۔"

"خواہ مخواہ میں ہی...... اُن بے چاروں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا......" مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ خاندان والوں کی شکلوں سے ہی مجھے کم وحشت نہیں ہوتی تھی کہ اب تم بھی اس انداز اور اس لہجے میں باتیں کر جاتی ہو کہ دل جل کر رہ جاتا ہے۔"

"میری توبہ......! اب آئندہ اس موضوع پر آپ سے بات بھی کروں...... باسط کی ممی اگر آپ کا رشتہ مانگنے ہمارے گھر نہیں آئیں، تو میری جوتی سے...... بھائی صاحب اگر احسان بھائی کے گھر، اُن کو یاد دہانی کے لیے جاتے ہیں تو میری بلا سے......" میں ارتقاء باجی سے سچ مچ ناراض ہو گئی تھی۔

"ماہم! میری بات سنو......" باجی نے لاڈ سے مجھے پکارا۔

"بس، اب آپ مجھ سے بات نہ کریں......" میں نے اُن کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ایک ہی تو میری بہن ہے، اس سے بھی بات نہ کروں......؟"

"نہیں، ہرگز نہیں......" اُن کی منافقت پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔

"ناراض ہو گئی، میری گڑیا۔"

"ہاں......!"

"چل چھڈ یار، ان باتوں کو، دوستی کر لے......" انھوں نے گدگدایا۔

"اُوہوں......" میں نے اپنی مسکراہٹ ہونٹوں تلے دبائی۔

"کھانے کے بعد آئس کریم پکی...... کیوں استاد......؟"

تب میں باجی کی لااُبالی باتیں سن کر ہنس پڑی۔

"غصہ فنشڈ (Finshed)۔" انھون نے پیار سے پوچھا۔

"ہاں ختم......" مجھے ان کے انداز دیکھ کر ابھی تک ہنسی آ رہی تھی۔

"ماہم...... اصل بات بتاؤں......" سنجیدی کا چولا ایک دم انھوں نے پہن لیا۔

"ہوں...... کہیے......" میں اُن کے تفکر آمیز چہرے پر غور کر رہی تھی۔

"میں کیا کروں......؟ کئی دفعہ باسط سے کہہ چکی ہوں مگر مجھے یوں لگتا ہے کہ وہ اپنی ممی کو ہمارے ہاں لانے سے پہلے، اپنے گھر مجھے لے جانا چاہتے ہیں......"

"آپ، باسط کے گھر کبھی نہیں گئیں......؟"

"قسم لے لے، جو کبھی ان کے ہاں قدم بھی رکھا ہو!"

"قسما قسمی کی ضرورت نہیں، مجھے یقین ہے۔" میں ہنسی۔

"میں ان کے ہاں جاؤں یا نہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں......؟ عجیب تذبذب میں ہوں......؟"

"دل کیا کہتا ہے آپ کا......؟ اسی سے پوچھ لیں......!"

اس دل کا کیا کروں، کبھی ڈھنگ کا جواب نہیں دیتا...... کبھی ڈراتا ہے کبھی جانے کے لیے اُکساتا ہے۔"

"جانے میں تو کوئی مضائقہ نہیں......" میں نے انھیں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو چل میرے ساتھ، اُن کے گھر......"

"کیوں بھئی......؟"

”اکیلی جاتی کیا اچھی لگوں گی......؟ تو رہے گی ساتھ تو ڈھارس رہے گی۔“

”نہ بابا نہ...... ایسا تو کبھی نہیں ہوسکتا......“ میں نے کان پکڑ کر کہا۔

”ماہم، تجھے خدا سمجھے...... مجال ہے کہ کبھی بُرے وقت میں کام آجائے......“ انھوں نے دانت پیسے۔

”یہ بُرا وقت خود آپ کا پیدا کردہ ہے......“ میں نے انگوٹھا دکھایا۔

”ماہم...... میری پیاری بہن......!“

”جی۔ فرمایئے......“

”بہن نہیں ہے، میری پیاری سی سندر سندر سی......“ انھوں نے اپنے لاڈ میں مکھن آمیزی شروع کردی۔

”بہن ہوں جبھی تو کہہ رہی ہوں کہ میرا اس طرح آپ کے ساتھ جانا قطعی مناسب نہیں ہے۔“

”میں جو کہہ رہی ہوں......“

”آپ غلط کہہ رہی ہیں باجی...... میرا آپ کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہوگا۔“

”تو میں چلی جاتی ہوں، باسط کے ساتھ۔“ انداز خود کلامی لیے ہوئے تھا۔

”ہاں، چلی جایئے...... مگر بہت محتاط ہو کر گفتگو کیجیے گا...... کہ صرف یونیورسٹی فیلو ہونے کی وجہ سے آپ باسط کے ہمراہ اُن کی ممی سے ملنے آئی ہیں۔“

”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں روز روز ان کے ہاں جاؤں گی......؟“

”قبل از وقت میں کیا کہہ سکتی ہوں، آپ کے پروگرامز سے تو میں ویسے ہی بے خبر رہتی ہوں۔“

”کپڑے کون سے پہن کر جاؤں......؟“ ان کا لہجہ وفورِ شوق سے مالا مال تھا۔

”حد ہوگئی ہے باجی...... آپ مجھ سے پورے پانچ سال بڑی ہیں مگر آپ کی باتیں بعض اوقات چھوٹے بچوں کی طرح ہوتی ہیں......“

”کیوں، اس میں کون سی بچکانی بات ہوگئی، تجھ سے صرف یہی تو رائے لی ہے کہ مجھے کس قسم کے ڈریس میں باسط کے گھر جانا چاہیے؟۔“

”سرخ غرارہ پہن کر چلی جایئے سر جھکا کر آداب کرتی ہوئی باسط کی ممی کے پہلو میں بیٹھ جایئے گا...... ممی جانی۔ ہم آگئے ہیں۔ آپ کے بیٹے کی گھر والی بن کر۔ بلاؤ قاضی، دکھاؤ ہمارا کمرہ، کہاں ہم قیام کریں گے......!“ میں نے خوب چبا چبا کر کہا۔

”بے شرم، کیسی باتیں کرتی ہے......؟ میرا مطلب یہ تھوڑی ہے......“ وہ شرمائیں!

”سو فی صد، یہی مطلب تھا آپ کا...... یقین کریں...... آپ کا انگ انگ یہی کہہ رہا ہے......“

”لگاؤں گی ایک ہاتھ، میں......!“ میری بات سن کر وہ خاصی کھسیا سی گئیں۔

”مائی سوئیٹ باجی جان......! آپ کا مطلب خواہ کچھ بھی ہو مگر آپ یہ ہر صورت چاہتی ہیں کہ اس انداز میں جائیں کہ باسط کی ممی کو پسند آجائیں......“

”ہاں، یہ بات تو ہے......“ انھوں نے شرما کر ہامی بھری۔

”ارتقاء باجی! ماشاء اللہ تعالیٰ آپ اتنی پیاری سی ہیں کہ آپ کسی بھی سادہ لباس میں اُن کے ہاں چلی جائیں...... وہ آپ کی شکل و صورت سے ہر حال میں متاثر ہوں گی......!“

”اچھا، پنک سوٹ پہن جاؤں؟ نیا ہے بالکل، سلا بھی اچھا ہے۔“ وہ انتہائی معصومیت سے پوچھ رہی تھیں

”ہاں، پہن لیں، مگر آپ جائیں گی کب......؟“

”میں کل یونیورسٹی میں باسط سے کہوں گی تو شاید پرسوں جانا ہو......!“

”نروس مت ہو جایئے گا......!“ میں نے سمجھایا۔

”شرم تو بہر حال آئے گی ہی!“

”کوئی ضرورت نہیں شرمانے کی......!“

”پاگل ہے تو......!“

”کون سی آپ رخصت ہو کر جا رہی ہیں جو وہاں شرماہٹ کے مظاہرے کرنے ہوں گے......!“

”سیٹ پہن لوں......؟“

”کوئی ضرورت نہیں......!“

”پھر تیری چاند بالیاں اور خالی چین پہن لوں گی۔“

”باجی! حیرت ہو رہی ہے مجھے آپ پر...... جس طرح اور جس انداز میں آپ روز یونیورسٹی جاتی ہیں، اسی طرح جایئے۔ آپ سونے کا ہلکا سا سیٹ پہنیں یا بھاری، وہ آپ کی شخصیت کو وزن دار بنانے میں، کسی صورت بھی معاون نہیں ہوگا۔“

”باسط ایسے نہیں ہیں......“ اُن کا دماغ پھر خراب ہوا۔

”باسط بھائی اور انکے گھر والے ایک جیسی خصلتوں کے تو ہونے سے رہے۔“

”ہاں، یہ تو ہے، ملنے سے قبل کیا کہا جا سکتا ہے۔“

”یہی تو میں سمجھا رہی ہوں آپ کو......!“

”ماہم...... اگر ان کی ممی، ایسی ویسی نکلیں تب......؟“ باجی کا لہجہ سراسیمہ سا ہونے لگا۔

”بیکار کی باتیں سوچ کر اپنے آپ کو ہولایئے نہیں۔“

”ایمان سے ڈر لگ رہا ہے مجھے......!“ لہجے میں گھبراہٹ رچی تھی۔

”امتحان دینے جا رہی ہیں نا......؟“ مجھے ان کے امتحانی طوار یاد تھے۔

”کیا، یہ امتحان سے کم ہے......؟ کچھ پتا نہیں، کون سا سوال آئے گا۔

”مائی سوئیٹ باجی جان، حوصلہ رکھیے حوصلہ“ میں نے اُن کے لمبے بالوں کی چوٹی میں بل دیتے ہوئے کہا۔

❤ ❤ ❤

”ممی، یہ ارتقاء ہیں۔“ باسط نے سہمی ہوئی ارتقاء کو ممی کے پاس لے جا کر کہا۔

”کون ارتقاء......؟“ وہ تیوری پر بل ڈال کر بے ساختہ بولیں۔

”میں نے آپ سے ذکر تو کیا تھا......“ باسط کھسیائے۔

”کب کیا تھا، آپ نے ذکر......؟ ڈارلنگ، مجھے تو کچھ یاد نہیں آرہا کہ ارتقاء کون ہیں؟“ وہ قصداً ہنسیں۔

”یہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں ہیں۔“ وہ ارتقاء کی موجودگی میں کھل کر کچھ بتا بھی نہیں پا رہے تھے۔

”حد کرتے ہیں آپ بھی، یہ کہیے نا کہ یہ آپ کی کلاس فیلو ہیں......“ ممی نے اجنبی انداز میں ارتقاء کو یوں دیکھا، جیسے اس سے زیادہ وہ انھیں دیکھنا ہی نہیں چاہتی ہوں!

”نو ممی، یہ مجھ سے جونیئر ہیں......“

اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہیں تو آپ کی یونیورسٹی فیلو۔“ اُن کا لہجہ انتہائی اجنبی اور رسمی سا تھا۔

”یس ممی، ساتھی تو ہیں، یہ میری۔“ باسط اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے ارتقاء کو دیکھ کر ہنسے۔

”بیٹھو، ارتقاء کھڑی کیوں ہو تم......؟“ ممی نے پہلی دفعہ ارتقاء کو مخاطب کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔

”آپ کہاں جا رہی ہیں ممی......؟ بیٹھیے ناں، ارتقاء آپ ہی کے پاس تو آئی ہیں۔“

”باسط بیٹے، میری اس وقت مسز شیرازی کے ساتھ اپائنمنٹ ہے، جانا بہت ضروری ہے۔ تم اپنی

دوست کو چائے وائے پلاؤ......"

"ممی پلیز تھوڑی دیر تو بیٹھیے......" باسط گھگیائے۔

"میں ضرور رُکتی، مگر میں واقعی بہت لیٹ ہو چکی ہوں۔" وہ ایک نظر اپنی گھڑی پر ڈال کر چل دیں۔ ارتقاء کی جانب دیکھے بغیر۔

الوداعی اسلام ارتقاء کے گلے میں پھنس کر رہ گیا...... اپنی یوں بے وقعتی پر اُس کا جی کٹ سا گیا۔

'اُف، میں اس لیے یہاں آئی تھی کہ باسط کی ممی نے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا۔" اُس کی سوچ نے اُسے شرمسار سا کیا۔

اُس کا دل چاہا کہ باسط کو جھنجھوڑ کر پوچھے کہ کیا اس لیے مجھے اپنے گھر لائے تھے......؟ مگر اس کے لب یوں ساکت تھے جیسے جامد ہو چکے ہوں۔

ارتقاء چپ چاپ بت بنی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ باسط کے محل نما گھر کی دہشت اور اُن کی ممی کے سرد لہجے کی بے اعتنائی نے اُن کے پور پور میں گھبراہٹ سمودی تھی۔ ممی کا اندازِ بے گانگی اُن کے سینے میں کچھ توڑ سا گیا تھا۔

اپنا آپ، کب ہلکا محسوس ہوتا ہے......؟ اس کا اندازہ انھیں وہاں بیٹھ کر ہو رہا تھا۔ اب چلیں......"

"نہیں، ایسے کیسے......؟ پہلی دفعہ تو تم آئی ہو......!"

"پہلی اور آخری دفعہ کہیے......" لہجہ گلوگیر ہو چلا تھا۔

"ہشت، یوں نہیں کہتے...... بنا کھائے پیئے جاؤ گی کیا......؟"

"بس دل نہیں چاہ رہا......؟"

"کیوں بھئی...... یونیورسٹی سے چلتے وقت تو تمہاری آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں......؟" باسط نے اُس کا موڈ اپنی شگفتہ باتوں سے بحال کرنا چاہا۔

"ہاں، اس وقت بھوک لگ رہی تھی، مگر اب نہیں......" وہ کرسی سے کھڑی ہو گئی...... چلیے ناں......؟"

"ارتقاء...... بیٹھو بھئی...... اتنی جلدی کیوں ہے آخر......؟"

"پھر کبھی سہی...... میں تو آپ کی ممی سے ملنے آئی تھی، اب وہی نہیں ہیں تو بیٹھنے سے کیا حاصل؟ آپ سے تو روز یونیورسٹی میں ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔"

"دراصل، ممی کو یاد ہی نہیں رہا کہ میں اُن سے تمہارا تذکرہ کر چکا ہوں......" باسط واقعی کھسیا سے گئے تھے۔

"غیر اہم لوگ کسی کو بھی یاد نہیں رہتے......!"

"اُفوہ...... کیسی باتیں کر رہی ہو تم......؟"

"کیوں، غلط کہا ہے میں نے......؟"

"جی ہاں...... بالکل غلط......!" باسط نے کھنکار کر کہا۔

"اس کے باوجود...... آپ کی ممی مجھے پہچان بھی نہیں سکیں......؟" لہجے کی تلخی لبوں تک آ ہی گئی۔

"ارتقاء رانی...... ممی نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا ہے بھول چوک تو ہو ہی سکتی ہے......!"

"مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ وہ آپ سے کہہ دفعہ کہہ چکی ہیں کہ ارتقاء کو لے کر آؤ......"

"ہاں، کہا تو تھا، انھوں نے......!" باسط نے بے چارگی سے شانے اُچکائے۔

"باسط ایک بات کہوں......؟"

"ہوں، کہو......"

"آپ سچ سچ بتایئے...... کیا ممی کا انداز ایسا نہیں تھا کہ جیسے ارتقاء کا نام انھوں نے پہلی دفعہ سنا

ہو......؟"

"غلط فہمی ہے جان تمہاری......" باسط ہنسے......!

"یہ آپ سچ کہہ رہے ہیں......" ارتقاء کا انداز ناراضگی لیے تھا۔

"بھول گئی ہوں گی...... اب اتنا اچھا حافظہ تو نہیں ان کا......" باسط نے ماں کی طرف داری کی۔

"نہیں باسط، یہ بات نہیں ہے......" ارتقاء کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"اُفوہ...... تم نہ جانے کیا سوچنے لگی ہو......! ناحق پریشان ہو رہی ہو......!"

"آپ کی ممی مجھے پہچان ضرور گئی تھی، مگر پہچاننا نہیں چاہ رہی تھیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا......؟ میری تو سمجھ میں نہیں آئی......" باسط نے قصداً شانے اچکائے!

"آپ نے ممی کو بتایا تھا کہ میں کہاں رہتی ہوں......؟"

"ہاں پاپوش کا ذکر کیا تھا، میں نے......" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"بس یہی بات ہے کہ سارا معاملہ "کلاس" کا ہے......" ارتقاء تمسخر سے ہنسیں۔

"ارتقاء...... اس معاملے میں ایسا سوچنا بھی نہیں...... اور یہ بات ہرگز نہیں ہو سکتی......"

"بات تو یہی ہے مگر...... شاید آپ سمجھنا نہیں چاہ رہے......!"

"اگر میں تمہاری بات پر یقین بھی کر لوں، تو بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"کیا نہیں ہو سکتا......؟ ارتقاء آنکھوں میں آئے آنسو پی کر بولی۔

"جان...... یہ باسط خان، اپنے ارادے سے پھرنے والا مرد نہیں ہے۔" انھوں نے اپنا سینہ ٹھونکا۔

"ممی نہیں مانیں گی تو کیا کورٹ میرج کریں گے......؟"

"اول تو ممی مان جائیں گی...... ہمارے خاندان میں، اولاد کی پسند ناپسند کا خیال پہلے رکھا جاتا ہے۔"

(رکھا جاتا ہوگا...... ارتقاء دل میں ہنسیں)

"بالفرض...... اگر وہ نہ مانیں......؟"

"تو دوسری صورت بھی کچھ ایسی بُری نہیں......" وہ ہنسے۔

"باسط، تمہارے لیے نہ ہو...... مگر میرے لیے باعث شرم ہو گی...... میں جس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں، وہاں لڑکیوں کا از خود کورٹ میرج کرنا، انتہائی بُرا سمجھا جاتا ہے......"

"جاں...... ! کیا تم مجھ سے الگ رہنے کا تصور کر سکتی ہو......؟" باسط نے ارتقاء کا ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"میری زندگی میں نہ جانے کیا لکھا ہے......؟" ضبط کیے ہوئے آنسو، پلکوں کی منڈیر توڑ کر چلے آئے۔

"جان......! میری زندگی تم سے عبارت ہو گی......" تمام آنسو، باسط نے اپنے رومال میں جذب کرتے ہوئے لگاوٹ سے کہا۔

"قبل از وقت کچھ کہنا بے کار ہوگا......" ارتقاء نے نچلا ہونٹ کاٹ کر سسکی بھری۔

"حد ہو گی ہے...... تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں......" باسط نے اس کی چوٹی اپنے ہاتھ پر لپیٹی۔

"مجھے حالات کچھ سازگار نظر نہیں آ رہے۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے......!"

"مگر میں آپ کو کسی پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی۔"

"حد ہو گئی ہے، میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تم اتنی کم ہمت اور بے وقوف ہو گئی......!"

"کیوں......؟ ایسی کیا بات کہہ دی، میں نے......؟" ارتقاء نے گلابی ڈوروں سے سجی، آنکھیں

اٹھائیں۔

"میری رفاقت بھی چاہتی ہو اور مجھے کچھ کرنے بھی نہیں دو گی۔"

"اگر میں ممی کو ناپسند ہوئی، تو آپ کے سامنے بھی نہیں آؤں گی۔" ارتقاء نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"یہ ہے آپ کی محبت...... کہ راہ کی ذرا سی دشواری دیکھی تو ہاتھ پاؤں پھول گئے...... اسی دن کے لیے مجھ سے ٹکرائی تھیں......" باسط کا لہجہ شوخ ہو گیا۔

"میں ٹکرائی تھی، آپ سے......؟"

"اور کیا اپنی سہیلی کے بے ہوش ہونے کا ناٹک کر کے...... کون سڑک پر ہر کار کو اشارے سے روک رہا تھا؟"

"میں نے تو نہیں روکا تھا آپ کو......؟"

"سڑک پر، آپ کے جمناسٹک کے مظاہرے تو دیکھ لیے تھے، رکتا نہیں تو بھلا کیا کرتا......!"

"اترائیے نہیں، ابتدا تو آپ کی طرف سے ہوئی تھی۔" ارتقاء روہانسی ہو گئیں۔

"مگر انتہا تک تو آپ نے پہنچا دیا اور اب دھوکا دینے کے لیے پر تول رہی ہو......!"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ، یہ فیصلہ شاید حالات کا ہو گا......"

"میں نہیں مانتا، ان بے وقوفی کی باتوں کو......!"

"باسط، میں ایک چھوٹے گھرانے کی، انتہائی چھوٹے دل و دماغ کی لڑکی ہوں، مجھ سے کسی بہادرانہ فیصلے کی اُمید ہرگز مت رکھیے گا......"

"مگر، تم یہ کیوں بھول رہی ہوں کہ تم باسط جیسی چٹان شخصیت کی محبت ہو...... اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔"

"آپ کیا کر لیں گے بھلا......؟" آنسوؤں سے تر آواز میں پوچھا گیا۔

"میں اپنی محبت کی راہ میں کسی کو بھی حائل نہیں ہونے دوں گا۔" اُن کا لہجہ فولادی نظر آ رہا تھا۔

"کسی کو بھی نہیں......" ارتقاء نے اُن کا جملہ دہرایا۔

"ہاں، جان۔ میری بات پر یقین رکھنا......!" باسط نے چوٹی کو کھینچا۔

اور ارتقاء...... کسی پکے ہوئے پھل کی طرح اُن کے سینے سے آ لگی۔

"تم بدگمان نہ ہونا......" وہ اس کے معطر بالوں پر اپنے لب رکھے دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

♥ ♥ ♥

میں کالج سے آ کر پائپ لے کر برآمدہ اور صحن دھو رہی تھی۔ ٹوٹے ہوئے پائپ نے میرے سارے کپڑے بھگو دیے تھے شلوار اور پر اُڑسی ہوئی تھی دوپٹہ اندر دروازے پر لٹک رہا تھا۔ اچانک صحن کا بھرا ہوا دروازہ کھول کر صفدر اندر چلے آئے......! میں ان کو دیکھ کر ایسی مجحوب ہوئی کہ پائپ کا سارا پانی، صفدر کے منہ کی طرف ہو گیا۔

"ماہم، یہ کیا کر رہی ہو......" انھوں نے اپنا رومال منہ پر رکھا۔

"اوہ، کچھ نہیں......" پائپ صحن میں چھوڑ کر میں دوپٹہ لینے اندر لپکی۔

"آج دو منٹ میں ہی صحن ڈھل گیا......" اماں ہنسیں۔

"صحن دھلا بھی نہیں اور دھلے گا بھی نہیں......"

"کیوں بھئی......؟"

"یہ صفدر بھائی جو آ گئے ہیں......" میں نے دانت پیسے۔

"برآمدے میں بٹھا اس کو......" انھوں نے سلیپر ڈھونڈتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی بٹھائیے...... میرے کپڑے گیلے ہو رہے ہیں......"

اور جب کپڑے بدل کر آئی تو وہ نل بند کر کے پائپ کا گچھا بنا کر امرود کے درخت پر لٹکا چکے تھے۔

"آپ کے ہاں پانی کا بل تو بہت آتا ہو گا...... یونہی نل کھلا چھوڑ گئیں......" انھوں نے تنبیہی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ صرف بل ہی تو بھرتے ہیں......" اکتاہٹ میرے لہجے میں رچی ہوئی تھی)

"کوئی پانی بھرتا ہے......

کوئی دم بھرتا ہے......

کوئی آہ بھرتا ہے...... اور کوئی بل بھرتا ہے......" وہ کھی کھی کر کے ہنس رہے تھے...... اور چھوٹی چھوٹی بے ایمان نظریں میرے وجود کے آر پار جا رہی تھیں۔

خدا کرے مرو، تمہارے لچھن ہی کمینوں کے سے ہیں......" میں نے اُن کی جانب سے پیٹھ موڑتے ہوئے دل میں کہا۔

حد تھی اُن کے دیکھنے کی...... چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے شرارے لپکتے تھے۔

اور میں کہاں تک اُن کی آنکھوں کے انار کو اپنے آپ پر پھلجھڑیاں بنتے دیکھتی۔

اماں کو بولنے کا ہمیشہ کا مراق...... صفدر سے دنیا جہان کی باتیں کرتیں۔

"محلے میں کونڈے اکیس رجب کو ہوں گے، مگر میں اپنے ہاں ستائیس رجب کو کروں گی۔ تم بھی آنا۔"

"ہاں چچی...... میں کونڈے کھانے ضرور آؤں گا......"

وہ مسکرا کر مجھے دیکھتے...... اور میرا دل چاہتا کہ میں اُن کی مسکراہٹ نوچ کر پھینک دوں۔

"ارے صفدر، اب کی جمعرات کو ضمیر کرائے پر وی سی آر لائے گا، اگر فلم دیکھنی ہو تو آ جانا۔"

اماں فلم دکھانا بھی دعوت کے زمرے میں سمجھتی تھیں۔ (مجھے شرمندگی سی ہوئی)

"اگر ریکھا کی ہوئی تو ضرور آؤں گا۔" اُن کی آنکھیں میرے سراپے میں الجھ گئیں...... (اُن کے دیکھنے کا انداز کمینہ پن لیے ہوئے تھا جس کا احساس اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔ واقعی رابعہ آپا نے ان کے ساتھ ٹھیک سلوک کیا۔ چولی بھر کے عاشق تھے اور وہ تھے ہی اس قابل کہ ان کے لیے اپنے گھر کے دروازے بند کر لیے جاتے)

"اس سے قبل بھی تو، تم نے ریکھا کی فلم دیکھی تھی......" اماں جنھیں فلم اور فنکاروں کے بارے میں کوئی شد بد نہ ہوتی، بڑی دھڑلے سے کہتیں۔

غلط اندازہ لگانے کی تو وہ ہمیشہ سے ماہر تھیں۔

"نہیں چچی جان، وہ تو سونم کی تھی۔ ریکھا کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"مجھے کلی یقین تھا کہ یہ سب باتیں وہ سنی سنائی ہوئی مجھے سنا رہے تھے نہ وہ فلمیں دیکھتے تھے اور نہ ہی کسی اداکارہ کو پہچانتے تھے۔ بس سنی سنائی معلومات سے مجھ پر رعب گانٹھ رہے تھے۔ نہ جانے کس نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ ریکھا بھی اچھی اداکارہ ہے...... ورنہ مجھے پورا یقین تھا کہ ریکھا کی تصویر تو کیا فلم دیکھ کر بھی وہ اُسے دوبارہ پہچان نہیں سکتے تھے۔

"اے ہے، اس نگوڑی میں کیا لال ٹنکے ہیں" ایسے میں اماں کی ہنسی بھی مجھے سخت ناگوار معلوم ہو رہی تھی۔

اور وہ اپنی کمینی آنکھوں سے مجھے تاڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

چچی جان! بعض شخصیات اتنی قاتل ہوتی ہیں کہ انھیں دیکھ کر حواس قابو میں نہیں رہتے۔" ٹھنڈا سانس بھر کر کہا گیا۔

''ارے بیٹا! یہ کوئی اچھی بات تو نہیں، انسان کو اپنے حواس میں رہنا چاہیے۔'' سادہ لوحی کی حد تھی۔
''چچی جان، اپنی پسندیدہ ہستی دیکھ کر، اپنے آپ پر قابو پانا بے حد مشکل ہوتا ہے......'' وہ تیسرے درجے کی اداکاری کرتے ہوئے اپنے سینے پر دوہتڑ مار کر بولے۔
اور میرا دل چاہا کہ اُن کے چہرے پر تھوک دوں۔
اُس دن، شاید ضرور کچھ ہو جاتا (کاش ہو جاتا، تو ہمیشہ کا ٹنٹا کب کا ختم ہو چکا ہوتا)
مگر وہ بھی شاید میری تیوریوں کی زبان سمجھ چکے تھے۔ فوراً موضوع کو ڈراپ کرتے ہوئے اماں سے معصومیت بھرے لہجے میں بولے۔
''چچی جان! آج کیا شربت، چائے...... کچھ نہیں ملے گا۔''
''چل ماہم...... پہلے صفدر بھائی کے لیے شربت بنا، پھر چائے بنا کر پلا بھائی کو......''
''مجھ سے نہیں بن رہی چائے، میرے ٹیسٹ ہو رہے ہیں......'' میں نے کتاب منہ سے لگا کر تنک کر کہا۔
''ارے، تیرے تو سارا سال ٹیسٹ ہوتے رہتے ہیں...... اتنا پڑھتی ہے وہ بھی بے کار...... کون سی، تو اس دفعہ بھی پاس ہو گی...... دیکھیو، تو اس دفعہ بھی روٹی دھوتی آئے گی......'' اماں کسی بھی بات میں پردہ رکھنے کی قائل نہیں تھیں اور میں صفدر بھائی کے سامنے پسینے پسینے ہو گئی
''کیا بات ہے......؟ کیا ماہم، اپنے مضامین میں کمزور ہیں......؟'' صفدر کا لہجہ پر تشویش ہو گیا۔ (جیسے ان سا ہمدرد کوئی اور نہ ہو)
''اور مضامین کا تو پتا نہیں، ہاں ناس پلیٹی انگریزی اُس کے حلق سے نہیں اترتی۔'' اماں کی صاف گوئی نے کلیجا چیر کر رکھ دیا تھا)
''پچھلے مہینے بھی فیل ہوئی تھی اور اس سے پہلے بھی...... اور اب کالج کے امتحان قریب ہیں، یہ انگریزی نہ جانے اب کیا گل کھلائے گی......'' وہ میری کارکردگی کی تفصیل بڑے شوق سے سنا رہی تھیں۔
''اُفوہ...... ماہم، یہ تو بہت بُری بات ہے...... چچ چچ......'' وہ اماں کے سامنے غم زدہ چہرے کو مزید ماتمی بنا کر، اپنی مندی مندی آنکھوں سے آم کے درخت کو یوں گھور رہے تھے جیسے اس پر امرود لگے ہوں۔
''اسلام علیکم......!'' ارتقاء باجی یونیورسٹی سے آئیں تو صفدر بھائی کو دیکھ کر کلس ہی گئیں۔
''ارے ارتقاء...... کہاں ہوتی ہو آج کل......'' وہ باجی کو دیکھ کر چہکے۔ (میرا تعلیمی مسئلہ خود ہی پس پردہ چلا گیا)
''بس یہیں ہوتی ہوں...... ماہم میرا کھانا، میرے کمرے میں لے آؤ......'' اور میرا وہاں سے کھسکنے کا مسئلہ آسان ترین ہو گیا۔
''بھنڈی کی ترکاری اچھی پکائی ہے......'' وہ چٹخارہ لیتے ہوئے بولیں۔
''کوئی خاص بات ہوئی یونیورسٹی میں؟ (مجھے اچھی طرح معلوم تھا، باجی بھنڈیاں کبھی شوق سے نہیں کھاتی ہیں)
''آج آصف آیا تھا، یونیورسٹی......'' وہ ہنستی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولیں۔
''کون آصف......؟'' جھوٹ بولتے ہوئے بھی میرا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
''میرا ہونے والا دیور......'' وہ ڈھٹائی سے ہنسیں......!
''کیوں آیا تھا......؟'' میرا دل دھڑکا......!
''اپنے 'پلے' کی ٹکٹیں دے کر گیا ہے...... خوشامدیں کر رہا تھا کہ میں اور تم اس کا پلے ضرور دیکھیں!''

''دماغ تو خراب نہیں ہو گیا کیا...... رات کے وقت کبھی جانے کی اجازت ملی ہے......!''
''ہفتے کو گیارہ بجے خصوصی شو ہو گا۔ دو بجے ختم ہو جائے گا۔ یونیورسٹی سے میں ویسے بھی تین بجے تک آتی ہوں...... ہفتے کو تم بھی چھٹی کر لینا۔''
''میں کس خوشی میں چھٹی کر لوں......؟'' ''بھئی، میرے ساتھ یونیورسٹی چلنا، وہاں سے آصف کا ڈراما دیکھتے ہوئے گھر آ جائیں گے، کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''
''آپ کچھ زیادہ بہادر نہیں ہو گئیں......؟''
''کیوں، اس میں بہادری کی کیا بات ہوئی؟ ڈراما ہی تو دیکھنے جا رہے ہیں، ڈراما کرنے تو نہیں جا رہے......'' وہ ہنسیں......!
''باسط بھائی بھی ساتھ ہوں گے؟'' میں نے پوچھا۔
''ہاں، وہ تو ہوں گے......'' باجی کے چہرے پر دھنک سی پھیل گئی۔
''پھر آپ چلی جایئے، میں جا کر کیا کروں گی......؟'' میں نے اوپری دل سے انکار کیا۔
''پاگل ہے تو وہ تیری وجہ سے تو کہہ کر گیا ہے، ورنہ مجھے کہاں شوق ہے ڈراما دیکھنے کا۔''
''میری وجہ سے......!'' میرا سانس پھول سا گیا۔
''ہاں، میں نے آصف کو بتایا تھا کہ 'ماہم' کو اداکاری کا بے حد شوق تھا۔ اپنے اسکول میں واحد لڑکی تھی جسے ہر ڈرامے میں انعام ملا کرتا تھا اور اب کالج میں بھی ڈرامیٹک سوسائٹی میں خوب آگے آگے ہے؟''
''کیا ضرورت تھی، یہ سب کہنے کی......؟''
''وہ جو اتنا اترا رہا تھا۔ اپنی اداکاری کے اتنے جھنڈے گاڑ رہا تھا...... تو کیا میں کچھ بھی نہ کہتی......!''
''کہنے سے ہی کیا فرق پڑا ہو گا......؟'' میں سامنے رکھا ہوا پانی کا گلاس چڑھا کر بولی۔
''ارے واہ، کیوں فرق کیوں نہیں پڑا۔ موصوف آنکھیں پھاڑے میری باتیں سن رہے تھے۔ لگتا ہے کہ رعب پڑ گیا ہے تیری اداکاری کا......!'' باجی ہنسیں۔
''کمال کرتی ہیں آپ بھی، آصف اسٹیج کا اتنا معروف فنکار ہے اور میں اسکول، کالج کی غیر معروف سی ہستی۔ اسکا میرا کیا مقابلہ......؟'' میں زبردستی کی ہنسی ہنسی......!

♥♥♥

اور جب باسط کی گاڑی سے میں اور ارتقاء باجی اترے تو وہ کھڑا تھا شاید انتظار کر رہا تھا۔
''مجھے پورا یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گی۔'' اس کی آنکھوں میں قندیلیں سی روشن تھیں۔
''میرا تو ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا مگر باجی زبردستی لے آئیں۔''
''کیسے ہی سہی...... پر آئی تو ہیں......'' لہجہ خاصا مخمور تھا۔
''ہاں، آ تو گئے۔'' میں پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔
''مجھے پورا یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب آپ آتی رہیں گی'' اب وہ میرے شانے سے شانہ ہلا کر چل رہا تھا۔
ارتقاء باجی، باسط بھائی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ میں نے سیڑھی پر قدم رکھنے سے قبل اُسے دیکھا۔
''اوپر تو چڑھنا ہی ہو گا......'' وہ برق رفتاری سے میرا ہاتھ تھام کر سیڑھیوں پر تیزی سے چڑھا۔
''میں اتنی تیزی سے سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی......'' یکبارگی میں رک سی گئی۔
''آج بہت اچھی لگ رہی ہو چاندنی۔'' وہ میرے کانوں میں ممنایا۔

"جی......؟" میں نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

"ایمان سے بڑی آفت۔" اس نے ہولے سے میرا ہاتھ دبایا۔

"آصف صاحب؟" مجھے اپنا لہجہ خود بے ایمان سا لگا۔

'چاندنی! آج گاڑی کے سامنے کوئی بلی نہیں آئے گی' وہ شرارت سے ہنس پڑا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

باسط بھائی اور ارتقاء باجی شاید اوپر پہنچ چکے تھے وہ دوسرے ٹرن سے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

"چاندنی، کیا ہر سیڑھی پر سوچ سوچ کر قدم دھرو گی......" آصف پھر میرے قریب ہو گیا، اتنا قریب کہ میں اس کی سانسوں کا لمس اپنی گردن پر محسوس کر رہی تھی۔"

سیڑھی پر چڑھتے ہوئے ایک نوجوان نے مجھے دیکھ کر اپنے ساتھی کو کہنی ماری اور آصف کی طرف اشارہ کیا۔

جانے شرمندگی کا احساس غالب آ گیا تھا یا ارتقاء باجی کی سینڈل کی اونچی ہیل سنبھالی نہیں گئی، دفعتاً میرا پیر رپٹا اور سیڑھی کی ریلنگ سے ہاتھ چھوٹ گیا۔ اس سے قبل میں کہ دو چار سیڑھیاں لڑھکتی، آصف میرے بے قابو ہوتے ہوئے وجود کو اپنے بازوؤں میں تھام چکا تھا۔

"کیا ہوا چاندنی......؟" وہ میرا سراپا ابھی تک اپنے سینے سے لگائے ہجوم میں کھڑا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں ہکلائی۔

"بتاؤ ناں چاندنی......" مخمور لہجے میرے کانوں میں امرت بن کر اترنے لگا۔

"بس ذرا پیر مڑ گیا تھا۔" میں نے اس کے ہاتھ پر زبردستی ہٹائے۔

"میرے ساتھ بھی پیر مڑ گیا......؟" آصف کا دایاں ہاتھ میری کمر میں حمائل ہو گیا اور شاید اُس کا چہرہ میرے بالوں پر آ گیا۔ میں لرز کر رہ گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے کنوارے بدن میں برقی رو دوڑ رہی ہو جسم کے روئیں روئیں میں ایک عجیب سنسناہٹ سی تھی۔ لوگوں کی دھیمی مسکراہٹ مجھے مجوب بنا رہی تھی میں نے اُن کے ہاتھ ہٹائے...... "پلیز فاصلے سے چلیے" میں نے رومال سے پسینہ پونچھا۔

"اگر پیر پھر مڑ گیا تو کون سنبھالے گا......؟" وہ شرارت سے ہنسا۔

"اب نہیں مڑے گا......" میں نے آخری سیڑھی پر جست لگائی۔

"تو پھر لاؤ ہاتھ......" آصف نے ازخود میرا نازک سا دودھیا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا)

لوگوں کی ہنسی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے نظر اٹھائی تو سامنے شہری اپنے دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ "یار صفی، کب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا......!" شہری مجھے نظر انداز کرتے ہوئے آصف سے کہہ رہا تھا۔

اور میں آنکھیں پھاڑے شہری کو دیکھ رہی تھی، جو میرا ہاتھ آصف کے ہاتھ میں دیکھ کر طیش میں بھی نہیں آیا تھا۔

"آج آئے ہو، میرا پلے دیکھنے......؟" آصف، شہری سے ہاتھ ملاتے ہوئے لاڈ بھری خفگی سے بولے۔ "یار صفی! بس مصروفیت رہی، اور آج بھی یہی کہنے آیا ہوں کہ تمہارا، پلے جمعرات کو دیکھوں گا۔"

"اب ہی آ گئے ہو تو دیکھ لو، کل فون پر تو بڑے شکوے کر رہے تھے۔" آصف بڑی محبت سے بولے۔

"نہیں صفی، آج دیکھنا مشکل ہوگا، ہاں انشاء اللہ جمعرات کا وعدہ پکا رہا۔" شہری نے ایک اُچٹتی سی نظر

مجھ پر ڈالی اور ہاتھ ملا کر کھٹا کھٹ سیڑھیاں اتر گیا۔

میں جو قدرے رخ موڑے کھڑی تھی اس کو جاتے دیکھ کر سانس میں سانس آئی، ورنہ میں تو اس تصور سے پسینے پسینے ہو رہی تھی کہ اگر شہری رک گیا تو کیا ہوگا؟ یہ بھی اچھا تھا کہ اُس نے مجھے نظر انداز کر دیا تھا اگر کہیں آصف کو پتا چل جاتا ہے کہ شہری میرا کزن ہے تو جانے میرے بارے میں وہ کیا سوچتا۔

شہری مجھے کیا سمجھ رہا ہوگا۔ اس خیال سے مجھے وحشت ہو رہی تھی۔ آصف صفی کے روپ میں، شہری کے دوست نکل آئیں گے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ شہری سے میرا آمنا سامنا اس انداز میں ہوگا، میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ مارے خفت کے میں پانی پانی ہوتی جا رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔ اتنی نروس کیوں ہو رہی ہو؟" آصف میرے پاس کھڑا حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں، بس گرمی زیادہ ہو رہی ہے۔" میں نے رومال سے اپنا پسینہ خشک کیا۔

"کولڈ ڈرنکس چلے گی؟"

"نہیں، ہال میں چلتے ہیں، وہاں باجی اکیلی بور ہو رہی ہوں گی۔"

"جی نہیں! وہ باسط بھائی کے ساتھ بور نہیں ہو سکتیں۔" آصف شرارت سے بولا۔

"افوہ، آپ بات کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔" میں ہنسی!

"کیوں، غلط کہہ رہا ہوں میں؟"

"مجھے نہیں پتا۔"

"پھر جانتی کیا ہو تم......" وہ بدستور اسی موڈ میں تھا۔

"شاید کچھ بھی نہیں۔" میں نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

ابھی ڈراما شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ آصف ہمارے پاس ہی آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی قربت سے میرا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا۔

"کس ٹائپ کا ڈراما ہے تمہارا......؟" ارتقاء باجی نے پوچھا۔

"عام ڈراموں سے کافی مختلف لگے گا۔" وہ مسکرایا۔

"پھر تو بڑا عجیب سا ہوگا، شاید بوریت بھی ہو؟" میں نے جان بوجھ کر ستانے والے انداز میں کہا۔

"کیوں عجیب سا ہوگا؟" اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"وہ اس لیے جناب کہ ہم تو ایسے ڈرامے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں جن میں فقرے سے فقرہ ٹکراتا ہو...... شاید اسٹیج پلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"ہمارا انداز کچھ اور ہی ہے محترمہ۔" اُس نے اپنی گہری براؤن آنکھیں میرے چہرے پر یوں گاڑ دیں...... جیسے میرے قلبی احساسات کا اندازہ لگا رہی ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ڈراما شروع ہو گیا اور آصف میرے برابر صوفے پر یونہی بیٹھا میری محویت کو تاڑتا رہا۔

ارے جائیے ناں آپ دیکھیے ڈراما شروع ہو گیا ہے" میں نے حیرت سے اسے دیکھا وہ میرے برابر انتہائی سکون سے بیٹھا تھا۔

"موڈ نہیں ہو رہا، اداکاری کرنے کا۔ دل چاہ رہا ہے کہ بس یونہی بیٹھا رہوں اور وقت گزرتا چلا جائے۔"

"اچھا تو آپ نے ناٹک رچایا تھا۔" میں نے تیوری تانی۔

"ناٹک......؟ کس قسم کا ناٹک......؟" اب حیران ہونے کی اُس کی باری تھی۔

"ہمیں بلانے کے لیے جال پھیلایا تھا۔" میرے نتھنے پھڑکنے لگے۔

''وہ کیوں بھلا......؟'' وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر مسکرایا۔
''میں تو ہرگز نہ آتی! یہ آپ جانتے تھے۔''
''اس وقت آپ کس سلسلے میں آئی ہیں......'' اس کے لبوں پر شرارت ناچ رہی تھی۔
''آپ کا ڈراما دیکھنے آئے تھے۔ ہمیں کیا پتا تھا کہ اس میں آپ کام نہیں کر رہے۔''
''کسی دوسرے آرٹسٹ کا ڈراما دیکھنا آپ کو گوارا نہیں؟'' وہ ہنسا۔
''ٹائم کہاں ہے ہمارے پاس، امتحان ویسے ہی ہیں سر پر......وہ تو بس ارتقاء باجی لے آئیں، مجھے کیا پتا تھا کہ میں......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر باجی کو دیکھا جو باسط بھائی کے کسی جملے پر گلابی ہوئی جا رہی تھیں۔
''اے خدا، لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں۔'' آصف نے انھیں حسرت سے دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔
''کیا آپ یہ ڈراما نہیں دیکھیں گے۔ بور ہے کیا؟'' اُسے جاتے دیکھ کر میں نے پوچھا۔
''بور، یا دلچسپ کا تو آپ سے بعد میں پوچھوں گا، فی الوقت میں جا رہا ہوں۔ ڈرامے میں میری انٹری شروع ہونے والی ہے۔'' اگلے لمحے وہ ڈگ بھرتا اسٹیج سے ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔
ڈراما خالص رومانی تھا ایک لڑکی جو اپنے آئیڈیل کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہے، اُسے سرِ راہ ایک ایسا نوجوان نظر آتا ہے جس میں اُسے اپنے آئیڈیل کا پورا عکس نظر آنے لگتا ہے مگر وہ شخص کسی صورت میں بھی اُس لڑکی سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتا لڑکی کی والہانہ چاہتیں اور لڑکے کے گریز کے مناظر ڈرامے میں سپنس اور دلچسپ صورت حال پیدا کر دی تھی۔ آصف ہیرو کا رول ڈاکٹر کے روپ میں بہت خوبصورت انداز میں ادا کر رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تمام مناظر بالکل سچ ہوں ہیروئن کا کردار شہر کی مشہور ماڈل گرل مس ماہیا کے حصے میں آیا تھا۔ وہ سین تو واقعی غضب کا تھا جب ہیروئن نے جھوٹی موٹی بیماری کا بہانہ کر کے ہیرو کو بلایا تھا۔
''آپ کو تکلیف کیا ہے مس؟'' آصف روکھے انداز میں پوچھ رہا تھا۔
''سینے میں سخت درد ہے ڈاکٹر صاحب۔'' ہیروئن نے چہرے پر تکلیف کی شدت کی علامتیں پیدا کرتے ہوئے کہا۔
آصف نے اپنا اسٹیتھسکوپ ہیروئن کے سینے پر رکھا اور ایک بھرپور نظر مجھ پر ڈالی تب مجھے یوں لگا جیسے وہ آلہ میرے سینے پر رکھا ہو اور ہیروئن میں ہوں۔ چند ہی لمحوں میں میرا پورا وجود پسینے میں بھیگ گیا۔
اس کے بعد ڈرامے میں کیا ہوا؟
ہیرو کی ہیروئن سے شادی ہوئی یا نہیں......اس بابت مجھے کچھ نہیں معلوم۔ معلوم تھا تو بس یہی کہ آصف مجھے اپنی گہری اور بھرپور نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
اُس کا ڈاکٹری آلہ میرے سینے پر رکھا تھا۔ میرا پورا وجود شاید تحلیل ہو گیا تھا۔
ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی تالیوں سے میں چونکی۔ ڈراما ختم ہو چکا تھا۔
تمام فنکار، ایک قطار بنائے، روشنیوں کے جھماکے میں نہائے ہوئے کھڑے تھے لوگوں کو جاتا دیکھ میں بھی کھڑی ہو گئی اب لڑکیاں اپنی آٹوگراف بکس لے کر آصف کی طرف لپک رہی تھیں۔ آصف انتہائی متانت سے سب کو آٹوگراف دے رہا تھا۔
''باجی، چلیے ناں، بہت دیر ہو گئی ہیں۔'' میں نے کلائی پر بندھی ہوئی اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔
''یہ ہیرو، ذرا فارغ ہو لیں تو چلتے ہیں۔'' باسط بھائی خوش دلی سے بولے۔
''وہ تو نہ جانے کب فارغ ہوں۔ ہمیں تو دیر ہو جائے گی باجی پلیز چلیے۔'' میں نے باجی کو ٹہوکا دیا آصف کے پاس لڑکیوں کا ہجوم بڑھتا چلا جا رہا تھا لڑکیوں کی وارفتگی دیکھ کر مجھے جلن محسوس ہو رہی تھی اسی

لمحے ہی آصف نے ہماری جانب دیکھا۔
باسط بھائی نے ہاتھ سے الوداعی اشارہ کیا اور جانے کے لیے قدم بڑھائے ابھی ہم دس گز بھی نہیں گئے ہوں گے کہ وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا ہمارے پاس بھاگتا ہوا آیا۔
''آپ لوگ جا رہے ہیں......؟'' وہ ارتقاء باجی سے مخاطب تھا۔ مگر اُس کی نظریں مجھ پر تھیں۔
''اب ہم اتنے زیادہ فالتو بھی نہیں ہیں کہ تمہارے ڈرامے کے دوسرے شو کا انتظار کریں۔'' باسط بھائی نے شوخی سے آصف کو چھیڑا۔
''کیا بہت بور ہوئے آپ لوگ......؟'' وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔
''بس تھوڑا سا ہوئے۔'' میں نے دانستہ اسے تنگ کرنا چاہا۔
''مجھے اس کا افسوس ہے۔'' اس کا منہ کسی چھوٹے بچے کی طرف لٹک گیا۔
''ہاں بوریت اسی وقت تک رہی تھی جب تک کہ آپ کی انٹری نہیں ہوئی تھی۔'' میں نے کھلے دل سے تعریف کی۔
''واقعی......'' اُس کی آنکھوں میں قندیلیں سی روشن ہو گئیں۔
ہاں۔ آپ بہت اچھے اداکار ہیں۔'' میرا لہجہ خود ہی ذو معنی سا ہو گیا۔
''ڈاکٹر بن کر کیسا لگا......؟'' وہ میرے جملے کی کاٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔
''اسٹیتھسکوپ ہاتھ میں لیے عجیب سے لگ رہے تھے آپ۔''
''کیا میں جعلی ڈاکٹر لگ رہا تھا؟''
''آپ کی ہیروئن جعلی لگ رہی تھیں۔'' میں نے اپنے دلی احساسات پر یک دم قفل ڈالتے ہوئے رسان سے کہا۔''
''وہ تو تھی ہی جعلی۔'' وہ میرے کان کے پاس منمنایا۔''
''کیا مطلب؟ آخر میں کیا کوئی دوسری ہیروئن انٹر ہوئی تھی؟''
''آپ نے میرا پورا ڈراما دیکھا بھی ہے یا نہیں......؟''
''پتا نہیں......؟''
''مجھے یقین ہے کہ آپ صرف مجھ دیکھ رہی تھیں۔'' اس نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کہا۔
''جی نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں۔'' میں جٹ سے بولی۔
''چاندنی، تم بہت جھوٹی ہو، بے حد جھوٹی، مان لو۔'' وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔
میرا دل چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ اپنی جھوٹی آنکھوں کے ساتھ تمہارا اپنا من کتنا سچا ہے۔ مگر باسط بھائی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے ارتقاء باجی اگلی نشست پر ان کے ساتھ تھیں۔ میں نے ایک نظر آصف پر ڈالی پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ارتقاء باجی کی کسی بات پر ہنستے ہوئے باسط بھائی نے گاڑی آگے بڑھائی۔
میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا آصف وہیں کھڑا تھا مجھے یوں لگا جیسے کہ میں پتھر کی ہو جاؤں گی۔

♥ ♥ ♥

میری نیند خاصی گہری تھی کہ اماں نے جگایا۔
''ماہم......ذرا ایک کپ چائے تو بنا دے۔ یہ صفدر کافی دیر سے آیا بیٹھا ہے۔''
''آپ باجی سے کہیں، میں سو رہی ہوں۔'' میں نے اپنے اوپر چادر تانتے ہوئے کہا۔
''ارتقاء تو فاخرہ کے ساتھ بازار گئی ہے۔''
''اماں، آپ بنا کر پلا دیں۔'' اپنے حسین خوابوں سے نکل کر صفدر کا چہرہ دیکھنا مجھے ہرگز پسند نہیں تھا۔''

’’میری چندا اب اٹھ بھی جا، عصر کا وقت بھی نکلا جارہا ہے۔ نماز قضا ہو گئی تو تجھے بھی ملال ہو گا۔‘‘
اماں نے مجھے اٹھانے کا حقیقی نسخہ استعمال کیا تھا اس لیے میں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ بیٹھی۔
دھیرے دھیرے منہ دھویا۔ وضو کیا...... سوچ سوچ کر اپنی چوٹی گوندھی...... کپڑے بدلنے میں بھی وقت صرف کیا۔ نماز کے بعد تسبیح لے کر بیٹھ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر صفدر بھائی نہیں گئے ہوں گے تو بس اب جانے ہی والے ہوں گے۔
چائے کے بجائے، گلاس میں بے دلی سے شربت بنا کر، جب میں آنگن میں آئی تو وہ سامنے میز پر اپنے دونوں پاؤں رکھے اس انداز میں بیٹھے تھے جیسے زندگی بھر یہاں سے کہیں اور جانے کا ارادہ نہ ہو۔
’’صبح ہو گئی آپ کی......!‘‘ انھوں نے پیر، میز سے اٹھا کر سامنے کرسی پر رکھ دیے۔
’’کچی نیند میں اٹھ جاؤں تو سر میں درد ہو جاتا ہے۔‘‘ میں شربت کا گلاس ان کے سامنے بے توجہی سے رکھتے ہوئے کہا۔
’’ماہم...... میں آج آپ کی وجہ سے آیا ہوں۔‘‘ وہ شربت کا گلاس ایک سانس میں چڑھا گئے۔
’’میری وجہ سے؟‘‘ میں نے حیرت سے انھیں دیکھا۔
’’جی ہاں۔ صرف آپ کو سمجھانے کے لیے۔‘‘ انھوں نے مجھے گھورا!
’’کک۔ کک۔ کیا سمجھانا چاہتے ہیں آپ مجھے......؟ میرا چہرہ یک دم زرد پڑ گیا اور ٹانگیں کانپنے لگیں۔ یقیناً صفدر بھائی نے ڈراما دیکھتے وقت مجھ دیکھ لیا۔ جب آصف میرے برابر بیٹھے تھے۔ یہ خیال میرے ذہن میں برق رفتاری سے آیا اب یہ کم بخت، خاندان بھر میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ شہری چلا گیا تو یہ صفدر پہنچ گئے۔ میرا سر چکرا سا گیا۔
’’ماہم آپ میرا مشورہ مانیں گی......‘‘ صفدر جھک کر مجھ سے کہہ رہے تھے۔ انداز ناصحانہ تھا۔
’’جی۔ کہیے‘‘ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا تھا کہ یہ منحوس نہ جانے کون سا دھماکا کرنے والے ہے۔‘‘
’’ماہم! انگریزی ہر صورت میں بولنی آنی چاہیے، چاہے بندہ بے شک اپنی مادری زبان بھول جائے۔‘‘
’’جی، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟‘‘ میں ان کا مفہوم نہیں سمجھی۔
’’انگریزی کے بغیر تعلیم بے کار ہے۔
انگریزی سیکھے بغیر، ہم ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ نہیں چل سکتے۔
انگریزی کے بغیر ذہن ٹائیں ٹائیں فش ہو کر رہ جاتا ہے۔‘‘
صفدر کی بات ختم ہوئی تو میری جان میں جان آئی۔ تو یہ بات ہے، پرانی بات کا ڈورا کھوجتے ہوئے میں یک دم ہنس پڑی۔ بوجھل ذہن کچھ ہلکا سا ہو گیا۔
’’صفدر بھائی، آپ پریشان مت ہوں۔ انگریزی ہم پڑھیں یا نہ پڑھیں، ہماری استعداد میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم اردو میڈیم لڑکیوں کی انگریزی کا معیار جتنا میٹرک میں ہوتا ہے، اتنا ہی بی اے پاس کرنے کے بعد رہتا ہے۔‘‘
’’ایسا اندھیرا بھی نہیں ہے۔‘‘ وہ بے یقینی سے بولے۔
’’مجھے پورا یقین ہے مائی بیسٹ فرینڈ کا مضمون، جس طرح میں لکھوں گی ویسا ہی ارتقاء باجی لکھیں گی چھٹی کی درخواست مجھے یاد ہو گی مگر باجی شاید بھول چکی ہوں گی۔‘‘
’’مگر چچی بتا رہی تھیں کہ آپ کئی ماہ سے اپنے امتحانات میں فیل ہو رہی ہیں صرف انگریزی کی وجہ سے۔‘‘
’’تو پھر کیا ہوا؟‘‘ میں ہنسی۔
’’یعنی کوئی بات ہی نہیں۔‘‘

’’جی نہیں۔‘‘
’’مگر ماہم...... اس سے تمہاری انٹر کی ڈویژن پر برا اثر پڑے گا۔‘‘
’’پڑنے دیجیے۔‘‘ میں بے پروائی سے ہنسی۔
’’فیل ہو جاؤں گی......‘‘ انھوں نے ڈرایا۔
’’کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔‘‘
’’کیا مطلب......؟‘‘
’’اس سے پہلے آٹھویں میں دو دفعہ فیل ہو چکی ہوں۔‘‘ میں نے اترا کر کہا۔ ان کو جلاتے ہوئے نہ جانے کیوں میرے کلیجے میں ٹھنڈک سی پڑ تی تھی۔
’’ارے نہیں؟‘‘
’’ایمان سے۔‘‘ ان کی خزاں رسیدہ شکل کو کلسانے میں مزہ آرہا تھا۔
’’کیسی ہو تم......؟‘‘ انھوں نے حیرانی سے مجھے تکا۔
’’عجیب و غریب سی۔ بس ایسی ہی ہوں میں۔‘‘ میں نے ہنس کر کہا۔
’’ماہم!‘‘ ان کا لہجہ تفکر سے چور چور تھا۔ ’’آخر اتنی بیزاری کیوں ہے؟ پڑھائی کے معاملے میں؟‘‘
’’ہم نے کون سی نوکری کرنی ہے۔‘‘ میں اترائی۔
’’تو گویا، تعلیم صرف نوکری کے لیے ہی حاصل کی جاتی ہے؟‘‘
’’ہاں، اکثر کا تو مقصد یہی ہوتا ہے۔‘‘
’’آپ کا کیا مقصد ہے؟‘‘
’’پتا نہیں......‘‘ میں بے پروائی سے بولی۔
’’اگر نہیں پتا، تو معلوم کرنا چاہیے۔‘‘ وہ بات کو خواہ مخواہ طول دے رہے تھے۔
’’افوہ...... آپ تو پیچھے ہی پڑ گئے۔‘‘ میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔
اماں سالن چڑھا کر، اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے وہیں آ گئی تھیں۔
’’چچی جان۔‘‘ صفدر نے بڑی محبت سے اماں کو مخاطب کیا۔ ’’اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو میں ماہم کو انگریزی پڑھایا کروں۔‘‘
’’ارے بیٹا، نیکی اور پوچھ پوچھ۔‘‘ اماں مارے خوشی کے کھل سی گئیں۔
’’ارے آپ کے پاس اتنی فرصت کہاں سے آئی کہ روز روز تین ہٹی سے ہمارے گھر آئیں گے۔‘‘ میرا لہجہ جلا بھنا تھا۔ ’’آپ ہماری پریشانی کو نہ دیکھیں۔ اپنی تعلیم کے بارے میں فکر کریں۔‘‘
’’کامیابی اور ناکامی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔‘‘ میں نے بے پروائی سے ہنسی۔
’’نہیں ماہم، تم غلط کہتی ہو خدا ناکام ہونے کی اذیت سے کسی کو دوچار نہ کرے۔‘‘ وہ میری آنکھوں میں جھانک کر یوں دھیرے سے بولے کہ کافی دیر تک میں سن سی بیٹھی رہ گئی میں سوچنے لگی کہ آخر صفدر مجھ سے کیا کہہ گئے۔؟ ان کا مطلب کیا تھا؟ وہ کس کامیابی یا ناکامی کی باتیں کر رہے تھے؟ ٹیوشن کے بہانے، میرے قرب کے کیوں خواہاں ہیں؟ کیا وہ مجھ سے بھی عشق کر رہے ہیں......؟
’’بھی‘‘ کا لفظ مجھے کسی کھائی میں پھینک گیا۔
’اف‘ میری یہ اوقات کہ خاندان بھر کا گیا گزرا آدمی میری تمنا کرے۔
وہ جسے کوئی نظر بھر کر نہ دیکھے، اسے میں اپنے ماتھے کا جھومر بنا لوں...... یہ تذلیل تھی میری ذات کی۔ سراسر توہین تھی میرے حسن کی!

صفدر کے والد کی معمولی سی پرچون کی ایک دوکان تھی۔ جس سے گھر گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا بہنیں تھوڑی بہت سلائی کر لیتی تھیں اور صفدر اپنا اور اپنی تعلیم کا خرچ دو چار ٹیوشنز پڑھا کر پورا کر لیا کرتے تھے اور بس۔ اس سے زیادہ کی نہ ان میں ہمت تھی اور نہ توفیق۔ شاید وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والے انسان تھے...... دوسروں کو دیکھ کر حرص کا مادہ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ جب تک انسان میں مقابلے کا جذبہ بیدار نہ ہو تو اس میں آگے بڑھنے کا ذوق و شوق پیدا ہی نہیں ہو سکتا شاید ایسے لوگ ایک ہی دائرے میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لکیر کے فقیر اسی قسم کے لوگوں کو کہا گیا ہے۔

ہمارے اور ان کے گھر کا مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ تین کشادہ کمروں کا چھوٹا سا صاف ستھرا مکان بڑا سا پکا آنگن جس کے چاروں طرف کیاری میں لگے گل بوٹے، اپنی بہار دکھا رہے تھے موتیا اور رات کی رانی کی مہک شام کو آنگن میں بیٹھنے والوں کو مسحور کر دیا کرتی تھی صفدر کو پسند کرنے کا مطلب، اپنے آپ کو زندہ دفن کرنے کے برابر تھا اور میں سولہ سالہ ماہم، اپنے خوابوں میں اتنے سارے رنگ بھرے بیٹھی تھی...... جن کی چکاچوند سے میں خود ہی شرما جایا کرتی تھیں...... دن ہوتا یا رات، یہ چھوٹے چھوٹے رنگین سپنے، آپ ہی آپ میری آنکھوں میں قطار اندر قطار سج جاتے۔ یہ میرا سرمایہ تھا یہی میری دولت تھی۔

طویل القامت، دل آویز شخصیت کا مالک، میرے خوابوں کا شہزادہ، میرا ہاتھ تھامے مجھے لیے پھرتا۔ کشمیر کی خنک ہواؤں میں۔ پیرس کی مسحور فضاؤں میں۔ کنگرو کی حسین سرزمیں آسٹریلیا میں...... جھلمل کرتے روشنیوں کے شہر نیویارک میں اور میں اُس کے سنگ دنیا کا چپہ چپہ دیکھ ڈالتی۔ وہ سونے، پلاٹینم کے جواہرات میرے آگے ڈھیر کر دیتا۔ ریشم و کمخواب سے الماریاں بھر دیتا اور میں سج سنور کر اس کے بازوؤں کے ہالے میں پناہ لیتی...... وہ ہنستا تو زمانہ ہنس دیتا...... مردانہ وجاہت اس پر ختم تھی۔

گہری آنکھیں ایسی کہ ایک بار کوئی دل بھر کے ان میں جھانک لے تو جنم جنم گھنیرے جنگلوں میں بھٹکتا پھرے، میٹھی میٹھی مسکراہٹ سے سجے لب، جب میری محبت کا گیت الاپتے تو شہید ہونے کو جی چاہنے لگتا۔ جب میں حقیقت کی دنیا میں آئی تو صفدر کا وجود میرے ذہن پر سنگباری سی کرنے لگتا...... صفدر میرے خوابوں سے ذرہ بھر بھی تو مطابقت نہیں رکھتے تھے۔

البتہ آصف! ہاں آصف کی بات ہی کیا تھی وہ تو میری آنکھوں اور خوابوں کے درمیان رہتے تھے۔

اُس دن، بس کا کرایہ کالج میں چٹ کرنے کے باعث پیدل مارچ کرتی ہوئی گھر جا رہی تھی۔ اسکول کی چٹوری عادتیں کالج میں آنے کے باوجود مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھیں۔ آصف وہاں سے گزرتے ہوئے، مجھے دیکھ کر حیران ہو کر رک گئے۔

"تم فرسٹ ائیر میں پڑھتی ہو؟" قمیص پر فرسٹ ائیر کا بیج لگا ہوا تھا۔ وہ مجھے کالج کے یونیفارم میں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ "میں سمجھتا تھا کہ بی اے میں پڑھتی ہوں گی۔" وہ مسکرائے۔

"ابھی چھوٹی سی ہوں ناں......" میں ہنسی۔

"اب ایسی چھوٹی بھی نہیں ہو تم۔" ان کی نظروں میں میرے لیے والہانہ پن تھا۔

"صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔ میں آٹھویں جماعت میں فیل ہو گئی تھی۔" میرا لہجہ بالکل سیدھا سادہ تھا۔

"اب انٹر میں کتنے سال فیل ہونے کا ارادہ ہے؟" وہ اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے، بڑی دلچسپی سے پوچھ رہے تھے۔

"زیادہ سے زیادہ انگریزی میں کمپارٹمنٹ آئے گی۔ باقی پرچوں میں تو نکل جاؤں گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آؤ تمہیں گھر چھوڑ دوں۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔

"اکثر پیدل چلی جاتی ہوں، عادت ہے مجھے۔" میں نے انکار کیا۔

"ماہم!" انھوں نے مجھے خوابناک لہجے میں پکارا۔

"جی......!"

"خود پر اعتماد نہیں، یا......" انھوں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

کوئی جواب دینے کے بجائے میں فرنٹ ڈور کھول کر ان کے برابر بیٹھ گئی اور گاڑی ایک فراٹے سے روانہ ہو گئی۔

"کہاں رہتی ہو......؟" وہ کیسٹ لگاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"جہاں اوسط درجے کے لوگ رہتے ہیں۔"

"اس جگہ کا کوئی نام تو ہو گا، ماہم جی" انھوں نے رسان سے پوچھا۔

"پاپوش نگر۔" میں دھیمے سے بولی۔

"تو گویا ہمارے بھابی کا تعلق بھی، پاپوش نگر سے ہے۔"

"آپ کا اس "بھی" سے کیا مطلب ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بات یہ ہے ماہم۔" انھوں نے ایک لمبی سی سانس لے کر کہا۔ "کچھ معنی، مطلب قبل از وقت بتائے نہیں جا سکتے۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے گاڑی ایک ریسٹوران کے سامنے روک دی۔

"آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟ میں نہیں اتروں گی۔"

"گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ٹھنڈی بوتل یا آئس کریم بھی نہیں چلے گی کیا؟" انھوں نے جھک کر پوچھا۔

"نہیں، یہ سب مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" آصف نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ بڑی سڑک کا موڑ کاٹتے ہوئے بولے۔ "کہاں اترو گی؟"

"گھر سے پہلے ہی...... ہاں...... بس اسی چوراہے پر مجھے اتار دیں۔"

انھوں نے گاڑی روکی اور میں مارکیٹ کے قریب اتر گئی میں بار بار پلٹ کر انھیں دیکھ رہی تھیں جب تک میں گلی میں نہیں مڑی، وہ گاڑی روکے مجھے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

اس واقعے کے چار روز بعد میں نے دیکھا کہ کالج کے سامنے آصف اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے تھے، میں نے ذرا سی بات کیا کر لی، فوراً مجنوں کی اولاد بن گئے، میں نے دل میں سوچا اور انھیں نظر انداز کرتے ہوئے وہاں سے گزرنا چاہا۔

"ماہم!" ان کی آواز مجھے اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس آواز میں نہ جانے کون سی کشش تھی کہ میں ان کے سامنے آ کر رک گئی۔

"دیکھا نہیں تھا، مجھے کیا؟" انھوں نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے۔

"دیکھا تو تھا مگر رکنا، ضروری نہیں سمجھا تھا۔" میں نے شعوری طور پر اپنے چہرے اور لہجے کو سپاٹ کر لیا تھا۔

"جانتی بھی ہو تم کیا کہہ رہی ہو...... ماہم"

"آصف صاحب، نہ میری آپ سے کوئی قرابت داری ہے اور نہ ہی کوئی دوستی، پھر راستے میں ملنے کا مطلب؟" میں نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"فرسٹ ائیر فول، تم واقعی بہت بے وقوف ہو۔" انھوں نے سرزنش کی۔

"اس دن تو اتفاق تھا کہ آپ مجھے مل گئے تھے۔ مگر آج میں کیا سمجھوں۔"
"اسے بھی تم حسین اتفاق کہہ سکتی ہو۔" وہ مسکرائے۔
"جی نہیں، میں ان لاابالی حرکتوں پر یقین نہیں رکھتی۔" میں نے اپنے ذہن میں سینت کر رکھا ہوا جواب نکال کر انھیں پیش کیا۔
"افوہ، چھوٹا سا ذہن، کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے۔" وہ سرخ سے ہو گئے۔
"کیا میں نے غلط کہا......؟"
"بالکل غلط......" وہ مسکرائے اور میرے اندر کوئی چیز چھن سے ٹوٹ گئی۔
"تو پھر، آپ کا یوں کالج گیٹ کے قریب رکنے کا مطلب......؟"
"آپ کی ارتقاء باجی چار دن سے یونیورسٹی نہیں آرہیں، بھائی جان خاصے مضطرب ہیں...... میں نے سوچا کہ پوچھتا چلوں۔"
"انھیں فلو ہو گیا ہے۔"
"پھر کیا کہوں بھیا سے کہ کب آئیں گی وہ......؟"
"اُن کا بس چلے تو ایک سو پانچ بخار میں بھی یونیورسٹی پہنچ جائیں مگر اماں نے انھیں بند کر رکھا ہے۔"
"پیار کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں، اگر وہ بخار کی حالت میں یونیورسٹی آجاتیں تو مجھے یقین ہے کہ بھیا کو دیکھ کر بخار خود ہی اتر جاتا۔"
"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں اس سلسلے میں۔" میں کھسیا کر ہنسی!
"ابھی تو بڑی باتیں بنا رہی تھیں، فول گرل، انھوں نے میری چھوٹی سی ناک کو دبایا۔
"میں کوئی غلط بات نہیں کہتی۔" میں نے آنکھوں میں آتے سپنوں کو دور دھکیلتے ہوئے کہا۔
"چاندنی...... تم سب باتیں غلط کرتی ہو...... منہ سے کچھ کہتی ہو اور آنکھیں کچھ اور کہہ رہی ہوتی ہیں......" وہ محویت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔
"اللہ تعالیٰ کیا کہہ رہے ہیں آپ......" میرا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا ہو، شرم کی سرخی نے پورے چہرے کو گلنار کر دیا۔
"ہاں ابھی کیا کہہ رہی تھیں تم، کہ نہ آپ سے کوئی قرابت داری ہے اور نہ کوئی دوستی...... چاندنی، کیا تم میری بھابی کی بہن نہیں ہو......؟"
"یہ عزیز داری نہیں ہوتی۔"
"اس قرابت داری کے طفیل، دوستی کی دو باتیں بھی نہیں کی جا سکتیں؟"
"آصف، ابھی ارتقاء باجی آپ کی بھابی نہیں بنی ہیں اور سچ پوچھیے تو مجھے یہ مرحلہ سر ہوتا نظر بھی نہیں آرہا۔"
"نہیں بھئی، مجھے بھیا پر یقین ہے۔" ان کا لہجہ خاصا مضبوط تھا۔
"بھیا پر یقین ضرور ہو گا مگر امی پر نہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ کبھی آپ کی امی ارتقاء باجی کا رشتہ لینے کے لیے ہمارے گھر آئیں گی۔"
"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ میرا تم سے پہلا وعدہ ہے یہ آصف کا وعدہ ہے اور آصف کے وعدے پر تمہیں یقین رکھنا چاہیے ہماری ممی آپ کے ہاں آئیں گی اور بار بار آئیں گی۔" وہ ذومعنی لہجے میں بولے۔ اور میرے دبے ہوئے سپنے پھر سے ابھارنے لگے۔ "آؤ تمہیں چوراہے تک چھوڑ دوں۔" وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے مجھ سے بڑے مہذب انداز میں کہہ رہے تھے۔

میں چپ چاپ کار میں بیٹھ گئی، بنا انکار کیے...... جیسے یہ گاڑی میرے قریبی عزیز کی ہو۔
ہموار سڑک پر گاڑی فراٹے سے چل رہی تھی اور میں دور کہیں خوابوں کی سنگت میں رواں تھی۔
یہ کچی عمر بھی عجیب عمر ہوتی ہے۔
ہر بات کا اثر خوب گہرا ہوتا ہے۔
خوب صورت کوٹھی۔
شان دار گاڑی۔
اور پُر آسائش زندگی کے خواب دیکھنا شاید اس عمر کی ضرورت ہوتی ہے۔
واقعی ارتقاء باجی کی ہر بات درست تھی۔ ایک ٹھنڈی سانس میرے لبوں سے خود ہی آزاد ہو گئی۔
"چاندنی گاڑی پسند آگئی یا گاڑی والا؟" وہ شوخی سے بولے۔
"جی......" میں اچھل پڑی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آصف کیا کہہ رہے ہیں...... خوابوں سے حقیقت تک آنے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔
"اترو گی نہیں، تمہارا اسٹاپ آگیا ہے۔"
"اوہ، اچھا۔" میں ہڑبڑا کر اتری۔
"خدا حافظ!" میں نے شیشے سے جھانک کر کہا۔
"خدا حافظ!" وہ گاڑی روکے بدستور مجھے جاتا دیکھ رہے تھے آخری موڑ پر میں نے ہاتھ ہلایا اور اندر تنگ گلیوں میں داخل ہو گئی۔

♥ ♥ ♥

ارتقاء باجی کی طبیعت ٹھیک ہو چکی تھی وہ اب باقاعدگی سے یونیورسٹی جا رہی تھیں۔
بخار اور فلو نے ان کا چہرہ جو پیلا کر دیا تھا وہ یونیورسٹی جانے کے سبب چند ہی دنوں میں گلنار ہو گیا۔ ایک دن یونیورسٹی سے آئیں تو چہرے پر خاصی بوکھلاہٹ تھی۔
"الٰہی خیر، یہ اس قدر پریشان کیوں نظر آرہی ہیں آپ۔"
"کل ان کی ممی، ہمارے گھر آرہی ہیں......" وہ پریشان ہو کر بولیں!
"یہ تو خوشی کی بات ہے۔" میں مسکرائی۔
"گھر اس قدر غلیظ ہے کہ الٰہی توبہ آنگن کا کالا فرش کس قدر بُرا لگتا ہے کمروں کی سفیدی بھوسی بن کر جھڑ رہی ہے اور پھر ہمارے گھر فرنیچر کتنا معمولی ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں کہہ گئیں۔
"ارتقاء باجی، کیا یہ سب کچھ آپ کو آج معلوم ہوا ہے؟"
"کیا میں غلط کہہ رہی ہوں ماہم، ہمارا گھر کیا معمولی سا نہیں ہے۔"
"کہہ تو آپ صحیح رہی ہیں...... اُن حضرت کی ممی کو تو معمولی ہی لگے گا۔ باجی، یوں کرتے ہیں کہ راتوں رات وائٹ واش کروا دیتے ہیں اور صحن میں موزائیک کا فرش پھر اس گھر کے لیے کچھ عمدہ سا فرنیچر خرید لیتے ہیں اپنی پاکٹ منی سے کچھ بچت کر لیتی ہوں پانچ سو روپے نکل ہی آئیں گے عیدی وغیرہ ملا کر۔" میں نے مسخرے سے کہا۔
"ماہم کی بچی، ایک ہاتھ لگاؤں گی، تیرے۔ یہاں پر جان بنی ہوئی ہے اور تو مزید میرا دل جلا رہی ہے۔"
"پھر کیا کریں، جیسے ہیں وہی رہیں گے۔ ہمارا گھر۔ ہمارا شجرہ خود ہی بتا دے گا۔ پیاری باجی چاہے ہم کسی کے مانگ کر کپڑے پہن لیں یا دوسروں کے سامان سے اپنا گھر سجا دیں، غربت اور امارت کسی صورت چھپ نہیں سکتیں کبھی نہ کسی انداز سے اپنا آپ ظاہر کر ہی دیتی ہیں۔ تو پھر فائدہ اس لیپا پوتی

سے...... جیسے ہم ہیں بہت اچھے ہیں۔ جیسا ہمارا گھر ہے، فرسٹ کلاس ہے۔''

''کیا کہیں گے، آخر باسط کی ممی۔'' باجی کی پریشانی کسی صورت ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''توبہ ہے، ارتقاء باجی! بدحواسی تو آپ پر ختم ہے۔ آخر باسط بھائی اپنے پیار کا واسطہ دے کر، انھیں ہمارے گھر بھیج رہے ہیں، وہ ہمارے گھر آنے سے پہلے یقیناً ہماری حالت سے بھی واقف ہوں گی، انھیں زیادہ دیر یہاں رک کر کرنا بھی کیا ہے؟ وہ تو پٹ سے رشتہ دیں گی اور کھٹ سے چلی جائیں گی۔'' میں نے باجی کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اماں نہ جانے کیا کہہ دیں، ان سے۔'' وہ ایک پریشانی سے نکل کر دوسری میں گھر گئیں۔

''یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں، میں اماں کو پہلے ہی بتا دوں گی کہ ہمارے ہاں خاص الخاص مہمان آرہے ہیں۔''

''انھیں چائے کے ساتھ کھلائیں گے کیا؟'' پریشان ہونے اور پریشان کرنے میں باجی ماسٹر تھیں۔

''خدا کے لیے یہ معاملہ بھی آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے چائے کے ساتھ پاپے پیش نہیں کریں گے۔ اچھا خاصا ناک تک ٹھسوا کر بھیجیں گے اگر وہ زیادہ رکیں تو کھانا بھی کھلا دیں گے گو کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی امیر لوگ اپنے سے کم تر لوگوں کے ہاں کم ہی ٹکا کرتے ہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی ایک تلخ بات میرے منہ سے نکل گئی۔

''اس گھر کا کیا کروں میں......؟'' انھوں نے بات کا سرا پھر وہیں سے پکڑ لیا، جہاں سے ٹوٹا تھا۔

''ٹھیک ہے، گھر کی صفائی دھلائی آپ کیجیے، بقیہ کام میرے ذمے۔''

''مگر دیکھو، کوئی کسر نہ رہ جائے، خاطر مدارت میں۔'' انھوں نے پھر تنبیہہ کی۔

''باسط کی ممی کی ایسی کی تیسی...... ہم کوئی کم ہیں کیا، اچھے خاصے لاٹ صاحب ہیں۔ انھیں بتائیں گے کہ ہمارے نانا کا نام امیر علی تھا۔ ہمارے دادا کا نام نواب احمد ہے۔ ہمارے مکان پر رئیس منزل کی تختی مکینوں کی خوش حالی کا دیباچہ ہے، ہم بہت پیسے والے لوگ ہیں۔ ہماری اماں، ابا جان کو غصے میں سیٹھ کہہ کر پکارتی ہیں آگئے سیٹھ بن کر۔'' میں شرارت میں آئی تو شوخ سے لہجے میں بولتی چلی گئی۔

''کیے جا بکواس۔'' ''تیرا بھی وقت آئے گا۔'' باجی نے شلوار اوپر چڑھا کر پائپ اٹھا لیا۔ گھر کی صفائی کا آغاز انھوں نے برآمدے اور صحن کے دھونے سے کیا۔

''اری خیر تو ہے، آج یونیورسٹی سے آتے ہی نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا، یہ آنگن دھونے میں کیوں جُت گئی۔'' اماں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''یہ آنگن اس قدر غلیظ نظر آرہا ہے کہ کیا بتاؤں۔ گھر میں داخل ہوتے ہی گندگی نظر آئے تو طبیعت پر کوئی خوشگوار اثر پڑ سکتا ہے۔'' باجی سرخ گملوں کو پائپ سے دھوتے ہوئے بولیں۔

''یہ گندگی، یہ غلاظت کہاں ہے بھئی، ہمارے ہاں تو کوئی چھوٹا بچہ بھی نہیں ہے جو بے تکا پھیلا وا ہو...... اچھا خاصا صاف آنگن ہے، تجھے غلیظ کہاں سے نظر آگیا یہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی ہے۔'' اماں کا تاؤ آگیا تھا۔

''اماں! انھیں ڈرائنگ روم کا صوفہ بھی سٹریل لگ رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہی ہیں کہ ڈرائنگ روم میں چھوٹا سا قالین ڈال لیں تو اچھا رہے۔'' میں نے باجی کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ کس خوشی میں......؟'' اماں حیرت سے مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔

''آپ آئے میرے کمرے میں، میں آپ کو بتاتی ہوں۔'' میں اماں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

میری بات سن کر وہ یک دم پیلی سی پڑ گئیں۔

''تمہارے باوا کیا کہیں گے کہ لڑکی خود گھیر کر رشتہ لائی ہے......؟''

''کمال کرتی ہیں آپ! ابا جان اور بھائی لوگوں سے کہہ دیجیے گا کہ یونیورسٹی کے فنکشن میں باسط کی بہن نے باجی کو پسند کیا اور پھر معلومات کرتے ہوئے وہ لوگ گھر تک آگئے۔''

''پھر احسان کے بھائی کا کیا ہوگا؟ جس کے لیے تمہارے بھائی از خود کوششیں کر رہے ہیں۔ برادری کا رشتہ بھی ہے۔''

''مگر اماں، آپ یہ تو سوچیے کہ باسط بھائی، ارتقاء باجی کی پسند ہیں اور پھر باسط ہر لحاظ سے اچھے ہیں۔''

''یہ تو کیسے کہہ سکتی ہے؟ تو نے کہاں سے دیکھ لیا اس باسط کو؟'' وہ بولائیں۔

''مجھے یہ سب معلومات ارتقاء باجی سے ہوئی ہیں۔''

''ایمان سے مجھے تو ہول آرہا ہے کل کے مہمانوں سے۔'' اماں کی پریشانی دیکھنے کے قابل تھی۔

''کمال کرتی ہیں اماں آپ بھی! کیا لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے۔ آپ کو ایسے موقعوں کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔ باجی کی شادی آپ خود جلدی کرنے کے خواہش مند تھیں۔ کیا مضائقہ ہے کہ یہ شادی ارتقاء باجی کی پسند سے ہو جائے۔''

''کہاں سے عقل آگئی اس میں اتنی کہ خود پسند بھی کرلے گی۔ وائل کا پرنٹ جب بھی اپنی پسند کا لائی ہمیشہ کچا نکلا۔ اپنی پسند کا جوتا لیا۔ وہ چھوٹا نکلا۔''

''وائل کے پرنٹ اور انسان میں خاصا فرق ہوتا ہے۔'' میں نے انھیں سمجھایا۔

''کوئی خاص نہیں ہوتا۔ انسان کے چہرے پر تو کئی غلاف زیادہ چڑھے ہوتے ہیں۔ وہ پہچاننے ہی میں نہیں آتا۔ دراصل انسان اور جوتے ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ دور سے دیکھو تو لش لش چمکتے ہیں، مگر جب برتو تو ان کی اصل حقیقت تب ہی کھلتی ہے کہ آرام دیں گے یا اندر سے کاٹیں گے۔''

''آپ بھائی جان اور ابا جان کو بھی روکے رکھیے گا کہ کل گھر میں ہی رہیں۔'' میں نے اماں کے فلسفے سے جان چھڑا کر کہا۔

''کیوں، کیا وہ گھر کے مردوں کا بھی انٹرویو لینے آرہی ہیں۔'' مجھے اماں سے اس قسم کے جملے کی توقع نہ تھی۔

''کیا پتا ان کے ساتھ کوئی مرد بھی ہو تو اس سے کون بات کرے گا۔ گو کہ اس کا امکان نہیں ہے خیال یہی ہے کہ وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ آجائیں گی۔''

''میں کہہ دوں گی، باندھ کر رکھنا، میرے بس کی بات نہیں ہے۔ تمہارے بھائی جان گھر میں ٹکتے کہاں ہیں ہر وقت بس کام، کام، کام...... میں تو عاجز آچکی ہوں۔''

باجی نے یہی بتایا تھا کہ اگلے دن شام چار بجے کے قریب باسط کی ممی آئیں گی پورا گھر یوں تو صبح سے اٹین شن کی حالت میں تھا مگر چار بجے کے بعد کرسی پر بیٹھنا بھی دوبھر ہو گیا تھا باجی آف وائٹ پلین سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ میں نے براؤن ڈائمنڈ کٹ کے چھوٹے نگینے کا سیٹ باجی کو پہنا دیا تھا میں نے مہمانوں کی آنے کی خوشی میں فیروزی شرٹ اور گلابی شلوار، دوپٹہ پہنا تھا۔ اپنے دراز بال میں نے پشت پر کھلے چھوڑ دیے تھے۔

چار سے پانچ بجے اور پھر پانچ سے چھ بج گئے ابا جان اور چھوٹے بھیا ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے تھک گئے۔ ہاں بھائی جان وعدہ کرنے کے باوجود وقت پر گھر نہیں پہنچ سکے تھے۔

''مجھے لگتا ہے، ممی نہیں مانی ہوں گی......'' ارتقاء باجی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولیں۔

''قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ باسط بھائی کے ہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے، وہ وعدے کے مطابق کیوں نہیں آئیں۔''

شام کے ساڑھے سات بج گئے۔ اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا باہر بھی اور اندر بھی۔

"اماں، لگتا ہے کہ مہمان تو شاید آج آنا بھول گئے۔ آپ نے کباب اور دہی بڑے بنائے ہیں، وہ لے آیئے۔ ہم ہی کھالیں۔" بھیا نے کہا۔

"ہاں، اماں...... آنگن میں ہی لے آیئے......" میں تخت کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے بولی...... ٹہل ٹہل کر اماں قل ہو اللہ پڑھنے لگی تھیں۔

ابھی کباب، میں نے اپنے منہ میں ہی رکھا تھا کہ آنگن کے کھلے دروازے سے ایک انتہائی ماڈرن قسم کی خاتون نے داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے گا، ارتقاء احمد کا یہی گھر ہے۔"

"جی، جی ہاں......" کباب میرے ہاتھ سے پلیٹ میں گر گیا، کیونکہ مہمان خاتون کے پیچھے، آصف اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ کھڑے، مجھے پرشوق نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔

"دیکھو چاندنی!

ممی کو آپ کے گھر لا کر، میں نے اپنا پہلا وعدہ پورا کر دیا ہے۔"

باسط کی ممی، بات چیت کی بجائے گھر کی ایک ایک چیز کو نہ صرف غور سے دیکھ رہی تھیں بلکہ ان کی آنکھوں میں تمسخر کی لہریں بھی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

"کتنے کمرے ہیں گھر میں؟" سوال کرنے کا انداز کچھ یوں تھا جیسے یہ پوچھنا مقصود ہو کہ تمہاری اوقات کیا ہے؟

"تین کمرے ہیں، آنگن ہے، اسٹور روم ہے، بہت بڑا گھر ہے ہمارا، اور پھر چھت بھی خوب بڑی ہے، دس پلنگ بہ آسانی بچھ سکتے ہیں۔" اماں نے فخر سے بتایا۔

"ارتقاء، بہت پیاری بچی ہے، اتنی خوبصورت لڑکی کی تو میٹرک کے بعد ہی شادی ہو جانی چاہیے تھی۔" چیزوں کو دیکھنے کے بعد ان کی نظریں باجی پر جم گئیں۔

کھولتی ہوئی آنکھیں۔

قہر برساتی ہوئی آنکھیں۔

کچا چبا لینے والی آنکھیں۔ باجی کے سراپا پر صابن کی طرح پھسل رہی تھیں۔

"اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔" اماں کا لہجہ فخر سے لبالب ہو گیا۔

"شادی سے پہلے کے تمام انگلے بنگلے شوق بیکار کے ہوتے ہیں، زیادہ پڑھائی بھی کس کام کی۔" انہوں نے ٹانگ پر ٹانگ دھر کر اپنی سینڈل ہلائی۔

"آج کل کی تعلیم بہت ضروری ہے تعلیم کے بغیر کس کا گزارہ ہے آج کل، دو نوالے بے شک کم کھاؤ مگر علم پیٹ بھر کر حاصل کرو۔" اماں بھی ایک دم قابل بن گئیں اور یوں عالمانہ نظروں سے باسط کی ممی کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ ہم بھی نئی روشنی کے حامی ہیں۔

"میرا تو یہ خیال ہے کہ لڑکیوں کی شادی جتنی جلدی بھگتا دی جائے بہتر ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ آپ نے ابھی تک ارتقاء کا رشتہ تک طے نہیں کیا......"

"ہاں ابھی طے تو نہیں کیا۔ مگر رشتے کئی ایک ہیں۔" اماں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں کہ وہ ان رسمی باتوں کے بعد از خود رشتے کی بات کریں گی۔

"اچھا...... ارتقاء کے رشتے آئے ہوئے ہیں۔" انھوں نے "اچھا" پر خاصا زور دیتے ہوئے مشورہ دیا۔ "پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، میرا کہنا مانیں تو چٹ پٹ کر دیں شادی ورنہ بعد میں بہت مشکل ہو جائے گی۔ لڑکیوں کے رشتے بس دو تین سیزن کے ہوتے ہیں۔"

"بہن! میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکی۔" اماں انتہائی معصومیت سے منہ کھولے ان سے پوچھ رہی تھیں۔ انہیں شاید حیرت پہ حیرت ہو رہی تھی کہ رشتہ دینے کا یہ کون سا انداز ہے۔

"یہ عمر بھٹک جانے والی ہوتی ہے۔" وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔ "یہ عمر انتہائی خطرناک بھی ہوتی ہے سمجھ دار والدین کو شادی میں ہرگز تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ آج کل زمانہ خراب ہے، خاص طور پر لڑکیوں کے معاملے میں۔"

"آپ کے مشورے کا شکریہ، ہمارے ہاں اس قماش کی لڑکیاں نہیں ہوتیں۔" ان کی زہر بھری گفتگو سے مجھے تاؤ ہی آ گیا تھا۔

"اس کا مجھے اندازہ ہے۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مکاری سے ہنسیں۔

"بہن کباب لیجیے نا۔" اماں ان کی بات نہ سمجھتے ہوئے بولیں۔ "اور یہ آپ نے بہن دہی بڑے تو چکھے ہی نہیں۔" "کھایئے نا تکلف نہ کریں۔"

مگر ان کا جملہ میرے ذہن کو لاوا میں تبدیل کر چکا تھا۔

"کیا اندازہ ہے انہیں؟ کیا سمجھتی ہیں وہ ہمیں......؟" میرا ذہن ان ہی دو سوالوں کی سمت گردش کر رہا تھا۔

ارتقاء باجی، سراسیمہ سی بت بنی یوں کھڑی تھیں جیسے ان کے پیروں میں میخیں ٹھونک کر کھڑا کیا گیا ہو۔

"آنٹی! آپ کا ہمارے گھر کیونکر آنا ہوا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے پوچھ ڈالا۔ ظاہر ہے باسط نے ان کمینی باتوں کے لئے تو نہیں بھیجا ہو گا۔

"بس یونہی، ادھر سے گزر رہی تھی کہ مجھے خیال آ گیا۔" وہ ہنسیں۔

"کس کا خیال......؟" میرا لہجہ یقیناً تیکھا تھا۔

"باسط کا" وہ مسکرائیں "اس نے بتایا تھا کہ اس کی یونیورسٹی فیلو یہاں رہتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اس کی بھی خیریت معلوم کرتی چلوں، میں ان ماؤں میں سے ہوں جو اپنی اولاد کے دوستوں کا بھی احترام کرتی ہیں...... مگر صرف احترام۔"

انہوں نے نخوت سے گھور کر مجھے دیکھا۔

"بے حد مہربانی آپ کی کہ یہ زحمت کی۔" میرا لہجہ پھنکاریں لئے ہوئے تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ انہیں دھکے دے کر نکال دوں۔

"اچھا اب میں چلوں۔" چائے کا کپ آدھا چھوڑ کر وہ کھڑی ہو گئیں۔ چار لوگوں میں بیٹھنے اور کھانے پینے کے آداب سے بھی وہ ناواقف نظر آ رہی تھیں یا ان کا انداز خود ساختہ تھا۔

"ارے اتنی جلدی! ابھی تو آپ آئی ہیں بیٹھیے نا" اماں کو آداب میزبانی کسی صورت میں نہیں بھول رہے تھے مجھے اماں کا [illegible] کتنا ناگوار سا لگا۔

"پان کھائیں گی، آپ؟" بڑی لجاجت سے پوچھا گیا۔

"جی نہیں، یہ سب چیزیں، میں نہیں کھاتی۔" لہجہ اکل کھرا تھا۔

"آصف چلو بھئی" انہوں نے ارتقاء باجی پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے آواز دی۔ ڈرائنگ روم سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ "آصف اب آ بھی چکو۔" انہوں نے قدرے تیز آواز میں پکارا۔

"ممی کیا چلیں؟" شاید اسے بھی اتنی جلدی روانگی کی امید نہیں تھی۔ وہ میرے انگارا چہرے کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بیٹا چلو، ملاقات تو ہو گئی ہماری۔"

"جی ہاں، ملاقات تو ہو ہی گئی۔" میں نے چبا چبا کر کہا۔

"آپ لوگ بھی ہمارے ہاں آیئے۔" آصف اماں سے براہ راست مخاطب تھا۔

"نہیں بیٹے، میرا کہاں گھر سے نکلنا ہوتا ہے۔" اماں بھی ممی کی لاتعلقی کو سمجھ رہی تھیں۔

"آپ کہیں تو، میں گھر سے آ کر لے جاؤں کسی دن؟" وہ مؤدب لہجے میں بولا۔

"ارے نہیں بیٹا! اس زحمت کی کیا ضرورت ہے۔" اماں زبردستی مسکرائیں۔

"زحمت کی کیا بات ہے؟ آخر ہم بھی تو آپ کے گھر آئے، آپ سب بھی ہمارے گھر آیئے۔ یونہی ملنے سے ملنا ہوتا ہے۔"

"سوری آصف صاحب! ہم بے وجہ کہیں نہیں جاتے۔ آپ کی آمد تو اس وجہ سے ہوئی کہ آنٹی ادھر سے گزریں تو سوچا کہ باسط بھائی کی یونیورسٹی فیلو سے ملتی چلیں، مگر ہمارا تو آپ کے علاقے میں دور دور کوئی جان پہچان والا نہیں رہتا۔" میں نے جان بوجھ کر اسے سنایا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" آصف ایک نظر مجھ پر ڈال کر سراسیمہ ہوتی ہوئی ارتقاء باجی کو دیکھ رہے تھے۔

"آصف کیا گاڑی بہت دور پارک کی ہے۔" آنٹی نے ہاتھ ہلا کر باہر نکلتے ہوئے آصف کو بھی باہر آنے کا اشارہ کیا۔

"یہ پہلی ملاقات ہے مگر یوں لگتا ہے کہ ممی اپنا مفہوم بیان کرنے میں ناکام ہو گئی ہیں، ہم پھر آئیں گے۔" آصف اماں کے سامنے آہستگی سے بولے اور ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی، جیسے کہہ رہے ہوں۔

"چاندنی! تم ہی یقین کر لو کہ ہم ضرور آئیں گے۔"

"خدا حافظ آصف!" ارتقاء باجی کے منہ سے پہلی دفعہ کوئی جملہ ادا ہوا۔ ورنہ وہ باسط کی ممی کے سامنے گم صم سی تھیں۔

"خدا حافظ بھابھی جان!" وہ باجی کے کان میں آہستگی سے شرارت سے بولے اور باہر ماں کے پیچھے لپکے، جو دس قدم آگے جا رہی تھیں۔

انہوں نے پیچھے آتے ہوئے آصف کو ایک نظر برہمی سے دیکھا اور پلو جھٹک کر آگے کی جانب قدم بڑھا دیے۔

"بڑی عجیب عورت تھی۔ ہمارے گھر اس انداز میں آئی جیسے ڈھائی من احسان کیا ہو۔" اماں نے ان کے جانے کے بعد گلہ کر کے کہا۔ باسط کی ممی انہیں رتی بھر پسند نہیں آئی تھیں۔

"پلیز اماں، آپ ابا جان اور ضمیر بھائی کے سامنے کسی رائے زنی سے احتراز کیجیے گا۔" باجی کے زرد ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر میں نے اماں کو سمجھانا ضروری سمجھا۔

"میں تو ایک بات کہہ رہی ہوں [illegible]ت تھی کہ ہما ہمی کا پوٹلا، اس قدر تکبر کہ الٰہی توبہ، مجھے تو ایک

آنکھ نہ بھائی۔" اماں نے جملہ ختم کر کے اگلدان میں "پیک" تھوک دی۔

"ارتقاء کہاں ہو۔ آج صبح سے اب شکل دکھائی ہے؟" باسط نے لائبریری سے نکلتے ہوئے پکارا جو ان سے دس قدم آگے جا رہی تھیں۔

"شکل دیکھنے کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔" لہجہ روٹھا روٹھا سا تھا۔

"یہ تم کہہ رہی ہو جاناں؟"

"ہاں، میں کیونکہ مجھے اس کا احساس ہو چکا ہے۔"

"بے وقوف ہو تم اور بس۔" وہ جھنجلائے۔

"بے وقوف تھی ضرور، مگر اب نہیں بنوں گی۔"

"افوہ، کیا ہو گیا ہے تمہیں، کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو؟"

"نہیں باسط، ہوش تو اب آیا ہے۔"

"اپنے دل سے بھی پوچھا ہے کہ میرے بنا رہ سکو گی؟"

"دل کی باتوں پر چل کر ہی تو خوار ہوئی ہوں۔" ان کا لہجہ روندھ سا گیا۔

"مگر میرا کیا ہو گا۔ کچھ سوچا بھی تم نے...... اندازہ ہے تمہیں میرے احساسات کا؟"

"کچھ نہیں ہو گا آپ کو، آپ بھی انہی کے بیٹے ہیں۔" لہجہ سسک گیا۔

"جان، اب میں، تمہارے بغیر رہنے کا تصور تک نہیں کر سکتا۔"

"اب کر لیجیے، کیونکہ اب رہنا پڑے گا۔" رکے ہوئے آنسو رخسار پر پھیل گئے۔

"خواہ مخواہ ہی، پاگل تو نہیں ہو گئیں تم؟" باسط نے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔

"مجھ سے بات مت کیجیے آپ۔" ارتقاء روٹھ گئیں۔

"مگر میرا قصور تو بتاؤ، کیا کیا ہے میں نے؟" باسط کی پریشانی دیکھنے کے قابل تھی۔

"کل اپنی ممی کو رشتہ دینے کی غرض سے بھیجا تھا یا انسپکشن کرنے کے لئے؟"

"کیوں کیا ہوا؟" وہ مزے لے کر ہنسے۔

"سارے گھر کو تاڑ کر آئی ہیں آپ کی ممی، اور وہ بھی تمسخر بھرے انداز میں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ مسکرائے۔

"اچھا، آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آخر آپ نے کس مقصد کے لیے انہیں ہمارے گھر بھیجا تھا۔ رشتہ دینے کے لئے یا ہماری تذلیل کرنے کے لئے؟"

"افوہ، اتنی گرم مت ہو جایا کرو، ہولا کر رکھ دیتی ہو مجھے۔ میں نے تو انہیں رشتے کی غرض سے بھیجا تھا مگر خیر پریشان کیوں ہوتی ہو، رشتہ وہ دوسری پیشی میں دے آئیں گی۔"

"کیوں، کیا وہ کسی عدالت میں گئی تھیں، پیشی کیسی؟"

"اور کیا، عدالت میں ہی تو گئی تھیں۔" باسط نے شوخی سے چھیڑا۔

"میں اس وقت قطعی مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" ارتقاء نے پیٹھ موڑ لی۔ چہرہ ابھی بھی غصے سے سرخ تھا۔

"افوہ! جاناں، اتنی ناراضگی، اگر ممی کی کسی بات سے رنج پہنچا ہو تو میں معافی مانگتا ہوں۔" باسط نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔

وہ آنسو جو پہلے صرف رخساروں کو تر کر رہے تھے۔ اب باسط کی قمیض تر کرنے لگے۔

''جاناں! تمہارا حصول بھی بھلا کسی مقدمہ جیتنے سے کم تھوڑی ہے۔'' باسط نے اس کے بالوں پر اپنا چہرہ رکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور ارتقاء کا چہرہ کسی پھول کی طرح کھل اٹھا۔''

''آصف بہت تعریف کر رہا تھا۔''

''کس کی......''

''آپ کے ابا جان کی، ضمیر بھائی کی اور ان کی سینچری کی۔''

''اور کس کی......؟''

''کبابوں کی۔''

اور وہ باسط کے ساتھ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''اور کیا سننا چاہ رہی تھیں تم؟'' انہوں نے ارتقاء کا ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''اپنی تعریف!'' وہ سادگی سے کہہ گئیں۔

''اس کے لیے میں کیا کافی نہیں ہوں؟'' وہ اس کی انگلیاں یوں تھام کر بیٹھ گئے جیسے کلیاں بین رہے ہوں۔

''ہاں۔'' وہ شرمائیں۔

''ارتقاء، اب تمہارے بنا رہنا محال ہے۔'' باسط نے ارتقاء کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

''اگر آپ کی ممی، دوسری دفعہ بھی ٹہلنے آئیں تو؟''

''میں اپنے حق کے لئے لڑ سکتا ہوں، تم بے فکر رہو۔''

''مگر ابا جان اور بھائی جان، میرے رشتے کے لئے جو کوشاں ہیں!'' ان کے لہجے میں پریشانی گھلی ہوئی تھی۔

''میرے پروردگار نے یہ ارتقاء صرف میرے لئے بنائی ہے، تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا تم مطمئن رہو۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی کچھ کرتا ہوں۔''

♥♥♥

''اے یہ کیا مصیبت ہے، سرہانے کھڑی ہو کر کیوں دہاڑ رہی ہو۔''

''پھر کہاں رٹوں، بھائی جان کے کمرے میں یا اماں جان کے سر پر جا کر۔ آخر یہ کمرہ ہم دونوں کا مشترکہ کمرہ ہے آپ کو گنگنانے کا حق حاصل ہے تو مجھے بھی اپنے ڈائیلاگ رٹنے کا پورا پورا اختیار ہونا چاہیے۔''

''اچھی خاصی مصیبت میں، جان بوجھ کر کودا کرتی ہو تم۔'' وہ ناراضگی سے بولیں...

''باجی جان! مصیبت کیسی؟ کالج میں ڈراما ہو رہا ہے اور میں اس میں ہیروئن کا رول ادا کر رہی ہوں، یہ تو فخر کی بات ہے کہ مرکزی کردار مجھے دیا گیا ہے۔''

''ماہم لگتا ہے کہ پھر فیل ہو جاؤ گی، ابھی کچھ دن پہلے ڈراموں کے چکر میں فیل ہو چکی ہو۔''

''میرے لئے تو کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔'' میں نے شرارت سے جواب دیا۔

''ہاں، ڈھیٹ لوگ اس طرح مستقل مزاجی سے فیل ہوا کرتے ہیں۔'' وہ چڑ گئیں۔

''اب کیا پاس ہونے کے چکر میں، ہیروئن بننے سے انکار کر دیتی۔''

''اور کیا، تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔''

''یقین کریں باجی، میں تو اس دفعہ خود انکار کرنا چاہ رہی تھی مگر ہماری پروفیسرز مانیں ہی نہیں، اب ان کے اصرار کو میں کیوں کر ٹال سکتی تھی۔''

''مگر تمہارا تو وقت ضائع ہوگا، پہلے ریہرسل میں وقت گنوانا اور پھر ڈرامے میں، آخر کتنے شو ہوں گے اس ڈرامے کے؟''

''آٹھ شو ہوں گے اور چار دن ڈراما چلے گا۔'' میں نے فخر سے بتایا۔

''چار دن چلے گا، ایسا کون سا خاص ڈراما ہو رہا ہے؟'' انہیں تعجب ہوا۔

''خاص تو یہ ہے کہ اس کی تمام آمدنی رفاہی اداروں کی امداد کے سلسلے میں دی جائے گی۔ آپ آ کر دیکھے گا، ریو آڈیٹوریم میں ہوگا۔ ہمارے لئے بہت قیمتی کاسٹیوم سل رہے ہیں، میک اپ کے لئے بیوٹی پارلر والوں کو بلایا ہے۔''

''پہلے ہی منع کر دو، عزت اسی میں ہے ریو آڈیٹوریم سے روزانہ اکیلی آ جا سکو گی، کبھی بھی نہیں اماں پہلے دن ہی لتاڑ دیں گی کہ کوئی ضرورت نہیں ہے اکیلے آنے جانے کی۔''

''اس کی ذمے داری کالج والوں نے لی ہے، وہ خود ہی گھر سے پک کیا کریں گے۔'' میں نے باجی کے طویل سوالات سے گھبرا کر اپنا اسکرپٹ اٹھایا اور اپنے پیروں میں گھنگھرو باندھ کر گھومی اور باجی کے سامنے اپنے ڈائیلاگ ذرا اترا کر سنانے شروع کیے جو میں کئی دن سے رٹ رہی تھی۔

''تم سمجھتے ہو کہ میرے بنا جی لو گے، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اقرار تو کرو۔''

''نہیں، ہرگز نہیں۔''

''تم جانتے ہو کہ میری محبت تمہاری رگوں میں خون کے ساتھ دوڑ رہی ہے جب تم ایک پل بھی میری کمی برداشت نہیں کر سکتے تو میرے بنا جیون گزارنے کا کیوں کر سوچ سکتے ہو۔''

''ہاں، میں ناچوں گی، تمہارے ساتھ ضرور ناچوں گی۔''

''تمہارے خاندان کے بنجاروں کا یہ خیال غلط ہے کہ میں ناچ نہیں سکتی۔''

''دیکھو میں ناچ سکتی ہوں، چھن چھن چھن۔''

''دیکھو، میں ناچ رہی ہوں۔ چھن چھن چھن۔''

میں کمر پر ہاتھ رکھ کر پیروں کے گھنگھروؤں کو چھنا کے کے ساتھ بجاتے ہوئے تیزی سے گھومی۔

''ویل ڈن۔ ویل ڈن۔'' شہری نے برآمدے میں کھڑے ہو کر تالیاں بجائیں اور میرے گھنگھروؤں کی چھن چھن اس کی تالیوں میں دم توڑ گئی۔

وہ نجانے کب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں مکالمے ادا کرنے میں اتنی محو تھی کہ اسے آتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''ماہم! بھئی مان گئے، بہت بڑی فنکارہ ہو تم۔'' شہری کی آنکھوں میں عجیب سے چمک تھی۔

''کب آئے تم؟'' میرا لہجہ کھسیایا ہوا تھا۔

''بہت دیر ہو گئی۔'' وہ ہنسا۔

''لگتا ہے، غلط گھر میں پیدا ہو گئی ہے۔ کیا زبردست ادائیگی کی ہے ماہم تو نے۔'' باجی نے تعریف بھی کی تو اس انداز میں کہ شرمسار کر دیا۔

''ہاں آپی! یہ ماہم، واقعی آپ کے گھر میں ''مس فٹ'' سی لگتی ہے۔'' شہری کو بولنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔

''اچھا زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں، میں غلط کہہ رہا ہوں، ماہم صاحبہ؟'' وہ چبا چبا کر بولا۔

''میں بکواس پر غور نہیں کیا کرتی۔'' میں گھنگھرو کھولتے ہوئے سر جھکا کر بولی۔

''پھر کن باتوں پر غور کیا کرتی ہیں آپ؟'' لہجہ تیکھا سا تھا۔

''چائے پیو گے، میرا بھی موڈ ہو رہا ہے۔'' میں نے آگے آتے ہوئے بال پیچھے جھٹک کر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''سوری ماہم، آج چاہتے ہوئے بھی آپ کے ساتھ چائے نہیں پی سکتا۔''

''کیوں بھئی۔ آج چائے کی چیاس نہیں ہو رہی کیا۔؟''

''چائے تو ہم ہر وقت پینے کو تیار رہتے ہیں، خیال ہے کہ رگوں میں خون کے بجائے چائے دوڑ رہی ہو گی۔ مگر آج صفی کے ساتھ پروگرام ہے، وہ انتظار کر رہا ہو گا میرا۔ میں نے سوچا کہ ادھر سے گزر رہا ہوں تو ذرا پھپھو کو سلام کرتا چلوں۔''

صفی کا نام سن کر میں ایک دم خاموش ہو گئی اور یکبارگی میری آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا، جب میں صفی کے ساتھ اوپر پہنچی تھی تو شہری سے ٹکراؤ سب سے پہلے ہوا تھا۔

''کہاں کھو گئی ہو تم؟'' وہ نکل۔

''نہ، نہیں تو......'' میں تھوک نگل کر ہکلائی۔

''ہاں، صفی میرا نیا دوست ہے اور اسٹیج کا نامور ہیرو ہونے کے ساتھ ساتھ امیر کبیر لڑکا ہے۔ بہت بڑا بزنس ہے اس کا، شاندار کوٹھی ہے، بے حد ٹھاٹھ سے رہتا ہے وہ۔ بے چاری ایکٹر لڑکیاں اس کے نئے ماڈل کی گاڑیاں دیکھ کر ہی اس پر عاشق ہو جاتی ہیں۔ شاید میں نے تمہیں بتایا تو تھا۔'' شہری نے میری آنکھوں میں دیکھ کر سفاکی سے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

یوں جیسے، وہ مجھے صرف یہی سنانے آیا ہو۔ کمینہ کہیں کا۔

اس دن آصف کے ہاتھ میں، میرا ہاتھ دیکھ کر وہ بھونچکا تو رہ گیا تھا مگر ظاہر کئے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا مگر آج اس نے اس دن کا بدلہ اپنی تمام تر ذلالت کے ساتھ لے لیا تھا۔

شہری کے بچے، جب تم اپنے ہفتے بھر کے عشق سنانے کے لئے میرے پاس آیا کرتے تھے تو میں نے کبھی بھی تمہاری اوقات یاد نہیں دلائی تھی۔ اور آج تم نے میری حیثیت کی نشان دہی کی تو اس نیچ پنے کے ساتھ کہ جیسے میں از خود آصف کے لئے دیوانی ہو رہی ہوں۔

''نہیں شہری، یہ بھول ہے تمہاری، سو فیصد غلط فہمی ہے تمہاری۔

میری اپنی انا ہے۔ میری اپنی ایک حیثیت ہے۔ میں اتنی کم مایہ نہیں ہوں، جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو۔''

میرے ذہن میں بارود کی سی چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔ یہ بھی اچھا تھا کہ شہری چلا گیا تھا ورنہ اس کی باتیں مزید دل جلاتیں۔ اسکرپٹ میرے سامنے پڑا تھا اور میں ہونٹ کاٹتے ہوئے نہ جانے کیا سوچے چلی جا رہی تھی۔ شہری، صفی اور اپنے بارے میں۔

سوچیں کیونکر لہولہان کر دیتی ہیں۔ اس کا احساس آج مجھے پہلی بار ہو رہا تھا۔

♥ ♥ ♥

مجھے معلوم نہیں تھا کہ رفاہی اداروں کی جانب سے ''محبت زندگی ہے'' کی پبلسٹی خوب زوردار انداز میں ہو گی۔ جب پہلا شو ختم ہوا تو ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ پریس گیلری کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ میرا کردار گو کہ ایک نواب زادی کا کردار تھا مگر ایک بنجارے کی محبت میں، میں اپنا آپ بھول بیٹھی تھی۔ ڈرامے میں میرے تین رقص تھے جو کہ اس کہانی کا جز تھے۔ بنجارے کے عشق نے مجھے سڑکوں پر ناچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ راجستانی گھاگرے اور تنگ چولی میں رقص کی پریکٹس ہفتوں کی تھی۔ بنجارے کا کردار ہمارے کالج کی ایک لمبی تڑنگی لڑکی کر رہی تھی۔ ہم دونوں نے خوب کھل کر اپنا کردار ادا کیا اور نتیجہ ظاہر ہے کہ اگلے دن شہر کے تمام بڑے اخبارات ڈرامے کی تعریفوں سے بھرے پڑے تھے۔ میری تصویریں

اخبارات میں خاصی نمایاں شائع ہوئی تھیں۔ چونکہ اس ڈرامے کا مقصد رفاعی اداروں کی امداد تھا، اس لئے اس ڈرامے کی تعریف و توصیف اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ کالج کی انتظامیہ از حد خوش تھی کہ ڈرامے کے تمام ٹکٹ ہاتھوں ہاتھ بک گئے تھے۔ کالج کی تاریخ میں شاید یہ پہلا ڈراما تھا جس نے کامیابی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے۔

اور دوسرے دن آصف، سب سے اگلی نشست پر میرا ڈراما دیکھنے کے لئے موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر ایکدم میں ٹھٹک سی گئی۔

ہائے ان کے سامنے کیسے ناچوں گی۔

اونہہ، کیا سمجھتے ہیں خود کو، جیسے بہت بڑے اداکار ہیں، دل نے فوراً ہی سمجھایا۔

اور میں نے اپنا کردار خوب جم کر ادا کیا۔ رومانی سین بڑی لگاوٹ کے ساتھ ادا کئے اور اپنے رقص جو کالج میں کبھی کھیل کھیل میں سیکھے تھے، وہ خوب صورتی سے کئے۔

وہ رقص تو دیکھنے کے قابل تھا۔ جب میں بھری شاہراہ پر ناچ رہی تھی اور بنجارہ مارے حیرت کے مجھے دیکھ رہا تھا اور میں پلے بیک نغمے پر بجلی بنی ہوئی تھی۔

''موہے آئی نہ جگ سے لاج
میں اتنا زور سے ناچی آج
کہ گھنگرو، ٹوٹ گئے۔''

اداکاری کرتے ہوئے میں مست تو ہو جایا ہی کرتی تھی، مگر آج یہ احساس بھی قائم تھا کہ آصف مجھے دیکھ رہے ہیں۔ وہ جو اپنی اداکاری پر اتراتے ہیں، انہیں بھی کچھ متاثر ضرور کرنا ہے۔

اور پھر واقعی مجھے اپنی بھی خبر نہیں رہی۔ حیرت تو اس وقت ہوئی کہ جب ہال میں بجتی تالیاں کسی صورت میں رکنے میں نہیں آئیں معلوم ہوا کہ ناچے ناچتے میرے گھنگرو حقیقت میں ٹوٹ گئے تھے......اور ٹوٹ کر اسٹیج کے نیچے جا پڑے تھے۔ ڈراما دیکھنے کے بعد داد دینے کے لئے سب سے آگے آصف تھا۔

''چاندنی! تم نے تو واقعی کمال کر دیا۔''

''کس بات کا؟'' اترانے کی باری اب میری تھی۔

''بہت اچھا کام کیا تم نے۔''

''مان گئے ہمیں؟'' میرا لہجہ سرشار تھا۔

''مان تو پہلے ہی گئے تھے، آج جان بھی گئے......تم کو......''

''کیسی لگی، میری اداکاری؟'' میرا دل چاہ رہا تھا کہ تعریف کا تسلسل کسی صورت نہ رکے۔

''بہت اچھی۔'' وہ مسکرائے۔

''صرف بہت اچھی......'' میں نے ناک بھول چڑھائی۔

''اے ون!'' وہ ہنس پڑے۔

''خدا کا شکر کہ ہمیں آپ نے اداکارہ تو تسلیم کیا......'' مارے خوشی کے میں نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ آصف کے تعریف بھرے جملوں سے مجھے ایسی ہی خوشی ہو رہی تھی جیسے کسی معصوم بچے کو اپنی بساط سے بڑھ کر عیدی پا کر ہوتی ہے۔

''چاندنی!'' بڑے جذبے سے پکارا گیا۔

''ہوں۔''

''میرے ساتھ ''پلے'' میں کام کرو گی؟'' آصف وفورِ شوق سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ کے ساتھ؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔
"ہاں، ہم دونوں کی جوڑی، بہت خوبصورت لگے گی۔"
"امپاسبل"
"وہ کیوں......؟"
"گھر سے اجازت ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں ہنس دی۔
"مگر ہمارے ڈرامے بھی اسی آڈیٹوریم میں ہوتے ہیں۔ پھر کیا مسئلہ ہوگا؟" وہ سادگی سے بولے۔
"نہیں آصف! یہ کالج کی بات تھی اس لئے اجازت مل گئی۔ آپ کے ڈراموں کی نوعیت مختلف ہو(تی) ہے، اس کی اجازت ہرگز نہیں مل سکتی۔"
"میں دلواؤں گا اجازت تمہیں!" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔
اچانک کیمرے کی فلش چمکیں اور کسی نے خوبصورت لمحہ کیمرے میں قید کرلیا۔
اگلے دن ملک کے ممتاز روز ناموں میں میری اور آصف کی تصویر جگمگا رہی تھی۔ نیچے کیپشن میں لکھا تھا۔ "اسٹیج کے نامور فنکار آصف کالج کے ڈرامے کی ہیروئن کے ساتھ۔"
اخبار دیکھتے ہی، میرا سر گھوم گیا۔ فلم ایڈیشن اخبار سے الگ کر کے اپنے گدے کے نیچے چھپایا۔
یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ گھر کے لوگ اخبار کی سرخیوں کو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ ورنہ آصف نے تو مروا دیا تھا۔ دوپہر کو گدے کے نیچے سے اخبار نکال کر میں اپنی اور آصف کی تصویر غور سے دیکھ رہی تھی میں ہنس رہی تھی اور آصف میرے سامنے جھکے ہوئے تھے۔ راجستھانی زیور اور سنگھار نے مجھے بے حد خوبصور(ت) بنا دیا تھا۔ یہ اخبار والوں نے مجھے اتنا اہم کیسے بنا دیا؟ کیپشن پڑھ کر میں خاصی حیران تھی۔
اپنے بستر پر جھکی، تصویر کو نئے نئے زاویئے سے دیکھ رہی تھی کہ اماں کمرے میں چلی آئیں اور میرا سا(را) کیف ہراس میں تبدیل ہو گیا۔
"آج کیا اخبار میں کوئی خاص خبر چھپی ہے؟" ان کا لہجہ حیرانیہ تھا۔
"نہیں تو۔" اخبار سمیٹتے ہوئے میرا دل بے ایمان سا ہو گیا۔
"میں جب بھی کمرے کے سامنے سے گزری تو مسلسل اخبار پڑھتے ہوئے نظر آئیں، شہر کے حالا(ت) ٹھیک ہیں؟ کرفیو وغیرہ تو نہیں لگ رہا ہے؟" وہ وہیں کرسی پر ٹک گئیں۔
"سب ٹھیک ہے، کچھ نہیں ہوا، یہ پچھلے دنوں جو تھوڑی بہت گڑبڑ ہوئی تھی، وہ ہمارے سیاست دانو(ں) کے پالتو تخریب کاروں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ آج کل تو امن ہے اور اخبار میں تو کوئی خاص خبر بھی نہیں۔"
"خدا سمجھے ان حیوان نما انسانوں کو، جنہیں انسانی خون کا ذرہ بھر بھی احترام نہیں ہے۔" اماں شاید ا(ب) وہیں بیٹھ کر پڑھنا شروع کر دیتیں کہ ارتقاء باجی یونیورسٹی سے آئیں تو آتے ہی بھوک کا نعرہ لگا دیا۔
ارتقاء باجی کی آمد، میرے لئے کسی فرشتے سے کم نہیں تھی۔
اماں کے جاتے ہی میں نے فلمی میگزین گدے کے نیچے چھپا دیا۔
"اے یہ کیا ہے؟" باجی نے حیران ہو کر کہا۔
"آج بس قیامت آتے آتے ہی رہ گئی۔" میں نے اپنی اور آصف کی تصویر ان کے سامنے لہرائی۔
"پاگل ہو تم اور ڈرپوک بھی۔" وہ بے اختیار ہنس دیں۔
"کمال کرتی ہیں باجی آپ بھی، ابا اور بھائی میری تصویر آصف کے ساتھ دیکھ کر کیا مجھے شا(باش) دیتے؟"
"اری باؤلی، تصویر کو ذرا غور سے دیکھو، سائیڈ پوز اور پھر ان راجستھانی زیوارات میں تم بالکل (نہیں)

پہچانی جا رہی ہو اور پھر تمہارا نام نہیں شائع ہوا ہے۔ ابا جان اور بھائیوں نے تمہارا ڈرامہ دیکھا نہیں۔ تو تمہیں کیونکر پہچان سکتے ہیں؟"
"مگر انہیں پتا تو ہے کہ میں کالج کے پلے میں کام کر رہی تھی۔"
"ہاں، بس پتا تھا مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ تم کچھ اور بھی گل کھلا رہی تھیں۔" باجی نے ہنس کر مجھ پر وار کیا۔
"پلیز باجی، آپ تو ایسا نہ کہیں۔" میں روہانسی ہو گئی۔
"پھر یہ سب کیا ہے؟" انہوں نے آصف کی تصویر کو شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ایک اتفاق اور بس؟"
"یہی اتفاقات مل کر انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔"
"میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔" اخبار کا گولا بنا کر میں نے الماری میں ڈال دیا۔
"میری طرف دیکھ کر سچ سچ کہنا۔" باجی شرارت پر اتری ہوئی تھیں۔
تب میں آنکھیں پٹ پٹا کر رہ گئی۔
دل نجانے کیوں کسی شریر بچے کی طرح بے قابو ہو گیا تھا آصف کا نام سن کر اڑنے لگتا تھا میں حتی الامکان پوری کوشش کرتی کہ اپنے دل کی الٹی سیدھی دھڑکنوں کو کسی اونچی ایڑی سے کچل کر رکھ دوں۔ مگر دل بھی کسی کے قابو میں آیا ہے میری کوششوں کی تکمیل سے پہلے ہی یہ جا وہ جا...... اور میں تاپتی رہ جاتی۔

❤❤❤

اس دن میں کالج سے پیدل مارچ کرتی ہوئی بس اسٹاپ کی جانب جا رہی تھی کہ میرے بالکل قریب کار کے بریک اس زور سے چرچرائے کہ میں اچھل ہی پڑی شاید کالج کی کتابیں میرے ہاتھ سے گر جاتیں اگر میں سنبھل نہ جاتی۔
"اپنے باپ کی سڑک سمجھ رکھی ہے کیا؟" میں نے منہ پھیر کر کہا۔
"جی، جی ہاں۔ بالکل اپنی سمجھ لی ہے۔" ایک مانوس آواز سماعت سے ٹکرائی۔ پلٹ کر دیکھا تو آصف دروازے سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔
"ماہم، بھاگ جاؤ یہاں سے، یہ شخص جادوگر ہے۔" دماغ کی پہلی تاویل سن کر میں نے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔
"چاندنی! بھئی رکو ناں۔ پلیز میری خاطر۔" آصف کی مخمور آواز نے میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ اب قدم آگے بڑھانا ایسا ہی تھا جیسے ناممکن ہو۔ میں آواز کے ساتھ وہیں ساکت ہو گئی تھی۔ دل و دماغ کی کشمکش نے مجھے پسینے پسینے کر دیا تھا۔
"کہاں رہیں اتنے دن؟ آج پورے تین دن بعد کالج آئی ہو، میں تو کالج کے چکر لگا لگا کر تھک گیا۔" آصف بڑی محبت سے پوچھ رہے تھے۔
"ڈرامے کے بعد لڑکیوں کو آرام کے لئے چھٹیاں ملی تھیں۔"
"تم نے بتایا ہی نہیں اور ہم خواہ مخواہ سڑکیں ناپتے رہے۔"
"آپ سے ملاقات کہاں ہوئی تھی جو بتاتی۔" مجھے ہنسی آگئی۔
"تم نے میری اور اپنی تصویر دیکھی؟" لہجہ مخمور سا تھا۔
"ہاں، دیکھی تھی۔"
"کیسی لگی؟" اشتیاق سے پوچھا گیا۔
"آخر کس نے کھینچی تھی وہ تصویر؟" میں نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

"ہمارے ایک دوست صحافی ہیں، انہوں نے میری فرمائش پر کھینچی تھی۔" آصف نے فخر سے بتایا۔
"آپ کی فرمائش پر!" مجھے اچنبھا سا ہوا۔
"ہاں، میں چاہتا تھا ہم دونوں کی کوئی تصویر اخبار میں لگے۔ اس ڈرامے میں اگر میں تمہارے ساتھ ہیرو ہوتا تو ڈراما قیامت ڈھا دیتا۔ میرے ساتھ تمہارے تصویر کس غضب کی لگ رہی تھی۔"
"مگر آپ نے ایسا کیوں کیا، بدنام کر کے رکھ دیا مجھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ گھر والوں نے وہ تصویر نہیں دیکھی۔ مگر جاننے والے اور احباب تو نجانے کیا سمجھ رہے ہوں گے۔"
"ارے اس میں بدنامی کی کیا بات ہے، ٹیلنٹڈ لوگوں کی اکثر تصویریں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور پھر ڈرامے کے توسط سے تمہاری بے شمار تصویریں اخبارات کی زینت بنیں اگر ایک تصویر میرے ساتھ بھی لگ گئی تو کیا ہوا؟" وہ حیرت سے میری برہمی کو دیکھ رہے تھے۔
"آپ کو واقعی کوئی فرق نہیں پڑے گا مجھے بہت فرق پڑے گا۔ وہ اس لئے کہ میں کمرشل اداکارہ نہیں ہوں، صرف کالج کی حد تک کھیل کھل میں اداکاری کر لیتی ہوں اور بس......"
"چاندنی بیگم! فرق تمہیں بھی پڑے گا۔ معلوم بھی ہے کہ ہمارے اسٹیج کے فنانسر ہم دونوں کی تصویر دیکھ کر اچھل پڑے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ مس ماہیا کا ریکارڈ صرف تم ہی توڑ سکتی ہو۔ تمہارا فریش اور خوبصورت چہرہ آرٹ کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دے گا۔ ہمارے ڈرامے شہرت کی نئی بلندیوں تک پہنچیں گے۔"
"نہ میں شہرت کی بھوکی ہوں اور نہ ہی کسی کا کوئی ریکارڈ توڑنا چاہتی ہوں۔" میں نے انتہائی سخت جملوں میں انہیں لتاڑ ڈالا اور آصف کے اصرار کے باوجود ان کی کار میں بیٹھنے کی بجائے اسٹاپ پر کھڑی ہوئی بس کا ڈنڈا پکڑ کر آخری سیڑھی پر کھڑی ہو گئی۔ آصف کی باتوں سے بچنے کا یہی ایک راستہ تھا کہ میں بس میں سوار ہو جاؤں۔

♥♥♥

شہری بائیک چلاتے ہوئے گر گیا تھا۔ زبردست چوٹیں آئی تھیں۔ دائیں ٹانگ میں کمپاؤنڈ فریکچر ہو گیا تھا۔ جسم کے دیگر حصوں پر بھی خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ تکلیف چونکہ زیادہ تھی اس لئے اسے اسپتال میں ایڈمٹ ہونا پڑا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کے باعث کمزوری خاصی ہو گئی تھی۔ آکسیجن کا ماسک اور گلوکوز کی ڈرپ مسلسل لگی ہوئی تھی۔
ماموں جان اپنے بیٹے کو دیکھ کر انتہائی ہراساں تھے۔ ممانی جان کی پریشانی بھی قابل دید تھی۔ کئی دفعہ وہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹرز کی رائے تھی کہ انہیں شہری سے دور رکھا جائے مگر ہوش میں آنے کے بعد وہ کسی صورت میں شہری کے پاس سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔
اکلوتے ہونے کے ناتے شہری کے لاڈ پیار کچھ زیادہ ہی ہوتے تھے۔ ممانی جان کے پاس واحد موضوع شہری کی شادی کا تھا جو وہ ان کی پیدائش کے بعد سے بیان کرتی آ رہی تھیں۔ ہر دلچسپ اور پرمسرت بات شہری کی شادی کے لئے اٹھا کر رکھ دی جاتی تھی۔
"شہری کی شادی میں سات طرح کے کھانے ہوں گے۔"
"سمدھنوں کو کارچوبی جوڑے پہناؤں گی۔"
"ممیری، پھپھیری بہنوں کو نیگ میں سونے کی بالیاں دوں گی۔"
"اور خود بھی بنارسی جوڑے پہنوں گی، ایک ہی تو بیٹا ہے، اس کے ارمان پورے کرنے ہیں۔"
اب وہی ممانی جان رو رو کر ایک ہی دعا کر رہی تھیں۔ "پاک پروردگار! میرے بچے کو زندگی دے پاک پروردگار! میرے بچے کو صحت کاملہ عطا کر۔"

اور واقعی اللہ تعالیٰ نے رقت سے مانگی ہوئی دعائیں سن لیں۔
شہری کی حالت خطرے سے باہر قرار دے دی گئی۔ خصوصی نگہداشت کے یونٹ سے وہ اپنے کمرے میں آ گیا ناک سے آکسیجن کا ماسک ہٹا تو سب کی جان میں جان آئی۔
ہمارے گھر سے روزانہ ہی کوئی نہ کوئی شہری کو دیکھنے جا رہا تھا۔ اماں تو تین دن ممانی کے ساتھ اسپتال میں رہی تھیں۔ گھر میں، میں واحد تھی جو شہری کو دیکھنے ابھی تک نہیں جا سکی تھی۔ پہلے چار دن ڈرامے کی وجہ سے مصروف رہی اور جب دماغ سے کچھ خمار ہلکا ہوا تو شہری شدت سے یاد آ گیا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاؤں۔
فرسٹ کزن ہونے کے ناتے اس سے میرا خونی رشتہ تھا۔ اس کی تکلیف پر دل یک دم بے چین ہو گیا۔
جب میں اسپتال پہنچی تو وہ تکیہ کمر سے لگائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔ ممانی جان سائیڈ روم میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ پہلی نظر میں ہی وہ مجھے انتہائی کمزور لگا۔
"کیسے ہو تم؟" میں اس کے پاس ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
"پتا چل گیا تمہیں؟" وہ ہونٹ کاٹتا ہوا بولا۔
"آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔" میں نے نظریں جھکا لیں۔
"کیوں؟"
"میں تمہیں اتنی تکلیف کے عالم میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔"
"اچھا، یہ بات تھی۔" وہ بے رحمی سے ہنسا۔
"اب کیسے ہو؟"
"ٹھیک ہوں۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا بولا۔
"اب اپنی بائیک آہستہ چلایا کرنا۔ یہ تیز رفتاری کی سزا ملی ہے۔ غضب خدا کا، بائیک چلاتے تھے یا اڑاتے تھے۔"
"یہ تو بس ایک اتفاق ہی تھا ماہم ورنہ گرنے والے تو بغیر سزا کے بھی گر جاتے ہیں۔" وہ تیکھی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
"کیا بات ہے، کچھ زیادہ ہی فلاسفر بن رہے ہو؟"
"وہ تو میں پیدائشی ہوں۔" وہ ہنسا۔
"اچھا آج معلوم ہوا مجھے!" اس کو ہنستا دیکھ کر میں بھی مسکرا دی۔
"ماہم بہت بہت مبارک ہو۔" اس کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔
"کس بات کی؟" میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"تمہارا ڈراما بڑا ہٹ گیا۔ بڑی واہ واہ ہو رہی ہے۔"
"تمہیں کیسے پتا چلا؟ ڈرامے کے پہلے دن تو تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟"
"صفی آیا تھا، اسی نے مجھے بتایا تھا۔ ابھی ابھی اٹھ کر گیا ہے وہ اگر کچھ دیر پہلے آ جاتیں تو تمہاری بھی ملاقات ہو جاتی۔"
"شہری پلیز!" مارے رنج کے میرا چہرہ ہلدی ہو گیا۔
"کیوں، کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟" وہ حیرت سے میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔
"ہاں، بالکل غلط۔" میں اس کے انداز پر جزبز سی ہو گئی۔
کیا تم صفی کو نہیں جانتیں؟" وہ طنزاً بولا۔

''مگر جس انداز میں تم کہہ رہے ہو اس انداز میں بالکل نہیں۔''

''پھر کس لحاظ سے جانتی ہوں اسے؟'' وہ بھی آج کھوج میں تھا۔

''نئے ماڈل کے گاڑی کے مالک کی حیثیت سے ہرگز نہیں۔''

''ماہم!'' وہ مجھے گھور رہا تھا۔

''ایک آرٹسٹ کے طور پر جانتی ہوں اور بس۔'' میں نے بے ایمانی سے کہا، اب یہ تو کہنے سے رہی کہ تمہارا اصلی ارتقاء باجی کے عاشق کا چھوٹا بھائی ہے۔

''اس دن تم شہری کے ساتھ اس کا پلے دیکھنے آئی تھیں۔'' ذلیل زخموں سے چور چور ہو کر بھی کوئی بات نہیں بھولا تھا۔

''ہاں، باجی میرے ساتھ تھیں۔''

''کیا پھپھو بھی تھیں؟'' اس نے جرح کی۔

''نہیں۔'' اس کی تفتیش پر مجھے ہنسی آ گئی۔

''ہنس کیوں رہی ہو؟'' اسے پھر غصہ سا آ گیا۔

''تمہاری کمینگی پر ہنسی آ رہی ہے اور بس۔'' اس کے فراخ ماتھے پر پھیلے ہوئے تمام بال میں نے اپنے ہاتھوں سے سمیٹ دیئے۔ اس کی پیشانی ابھی بھی گرم تھی۔ میرے ٹھنڈے ہاتھ اس کی طمانیت کا سبب بنے۔ جب ہی اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی آنکھیں موندلیں۔

♥ ♥ ♥

جس دن ابا کو ٹرین کے ساتھ جانا ہوتا، اس دن گھر کا کام سوا ہو جاتا تھا۔ گو یہ حالت ہم بچپن سے ہی دیکھتے آ رہے تھے مگر ایمرجنسی صورتِ حال میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ ابا جان سے زیادہ اماں کو ہولنے کی عادت تھی۔ سفر میں ابا کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، وہ رائی سے رتی تک تمام چیزیں ان کی اٹیچی میں رکھنا نہیں بھولتی تھیں۔ ابا جان زیادہ سامان لے جانے سے ہمیشہ گھبراتے تھے اور اماں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ پیک تھوکنے کے لئے بھی اگلدان ساتھ لے جائیں۔ ابا کے جانے کے بعد ہم سب خوب ہنسا کرتے تھے کہ چار دن کے آنے جانے میں ابا کا سامان اتنا جاتا تھا جیسے وہ کہیں مہینے بھر کے لئے جا رہے ہوں۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ ابا جان کے بغیر وہ چار دن انتہائی پھیکے نظر آتے تھے جو ہم ان کی غیر موجودگی میں گزارتے تھے۔

ان کے وجود کی رونق ہی الگ تھی۔ ضمیر بھائی اپنے میچوں کی بدولت مصروف رہا کرتے تھے۔ اگر میچ نہ کھیل رہے ہوتے تو گھر کے قریب گراؤنڈ میں پریکٹس کیا کرتے۔ ایک آدھ دفعہ انہیں کھیلتے ہوئے میں نے بھی دیکھا تھا۔ جب گیند پھینکتے تو ان کی صورت عجیب بے رحموں جیسی ہو جاتی۔ دانت بھینچ کر، بھویں سکیڑ کر جب وہ کسی کی ناک کا نشانہ باندھ کر گیند پھینکتے تو مارے وحشت کے میرا برا حال ہو جاتا۔

ہاں، ظہیر بھائی ایسے تھے جن کی اپنے دفتر سے آ جانے کے بعد کوئی مصروفیت نہیں ہوتی تھی مگر کچھ عرصے سے مصروف نہ ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو مصروف رکھا کرتے تھے حالانکہ نہ ان کے دوست زیادہ تھے اور نہ مشاغل۔ دفتر سے آ کر ان کا تمام تر وقت اخبار کو بار بار پڑھنے میں گزرتا تھا اور اب کہنے کے باوجود ان کی شکل گھر میں نظر نہیں آتی تھی۔ اماں کا یہ خیال تھا کہ وہ کہیں پارٹ ٹائم جاب کر رہے ہیں۔ اکٹھا ہی بتائیں گے۔ دھماکا کرنے کی عادت انہیں بچپن ہی سے تھی۔ لوگوں کو کسی خوشگوار حیرت میں مبتلا کرنا، ان کا شوق رہا تھا۔ ارتقاء باجی کا کہنا تھا کہ وہ ہم سب کو بتائے بغیر کسی پرائیویٹ امتحان کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ رات گئے دیر تک پڑھا کرتے تھے۔

اور پھر ایک دن ان کی مصروفیات کا راز سب سے پہلے مجھ پر کھل گیا۔ میں دھوبی کے ہاں سے آئے

ہوئے کپڑے ان کی اٹیچی میں رکھ رہی تھی کہ نچلے کپڑوں کی تہوں میں سے ظہیر بھائی کا پاسپورٹ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حال ہی میں بنوایا گیا ہے۔

''ظہیر بھائی کہاں جا رہے ہیں؟'' پاسپورٹ دیکھ کر پہلا خیال دل میں یہی آیا تھا۔

ہم لوگ اول تو کہیں جاتے ہی نہیں تھے اور اگر بالفرض کہیں جانا ہوتا تو ریل میں سفر کیا کرتے تھے۔ ابا جان کا ریلوے میں گارڈ ہونا ہمارے لئے فخر کے ساتھ ساتھ سہولت کا بھی باعث رہا۔

جب بھی سفر کیا، انتہائی آرام کے ساتھ شاندار ''کلاس'' میں سفر کیا۔

اور یہ ظہیر بھائی کسی کو بتائے بغیر کہاں جا رہے تھے؟ سوچ سوچ کر میرا ذہن ہلکان ہو گیا تھا۔

''چار کپڑے اٹیچی میں رکھنے میں کیا چار گھنٹے لگیں گے؟'' اماں نے اپنے کمرے سے آواز لگائی تو میں نے ظہیر بھائی کا پاسپورٹ نیچے کپڑوں میں رکھ کر جلدی سے اٹیچی بند کر دی۔

وہ بات جو مجھے خود ہی معلوم نہ ہو، اس کا کسی سے تذکرہ کرنا ہی بیکار تھا۔

''ظہیر بھائی! آپ کہاں جا رہے ہیں۔؟''

رات کا کھانا دیتے وقت میں نے آہستگی سے پوچھا، آج بھی وہ رات گئے لوٹے تھے۔

''نہیں تو، کہیں بھی نہیں۔'' وہ نوالے نگلتے ہوئے بظاہر بے پروائی سے بولے۔

''پلیز مجھے تو بتا دیں۔'' میرا لہجہ لجاجت بھرا تھا۔

''اگر کہیں گیا تو سب ہی کو بتاؤں گا، چھپانے والی کون سی بات ہے؟''

''وہ پانی کا گلاس چڑھا کر حیرانی سے مجھے دیکھنے لگے۔

''میں نے آپ کی اٹیچی میں پاسپورٹ دیکھا تھا، اس لئے۔''

''پاسپورٹ ہی دیکھا تھا نا، ٹکٹ تو نہیں دیکھ لئے۔'' وہ ہنسے۔

''اگر رازداری کی یہی صورت رہی تو دوسرا مرحلہ بھی طے ہو جائے گا۔''

''پاگل ہو تم تو بس۔'' وہ پھر انتہائی رغبت سے کھانے کی جانب متوجہ ہو گئے، جیسے آج سے لذیذ کھانا کبھی پکا ہی نہ ہو۔

''چلئے نہ بتائیے، بات کو ٹالنے میں تو ویسے بھی آپ بہت ماہر ہیں۔'' میرا لہجہ خفگی بھرا تھا۔

''کلی کا پھندنا بنانا تو کوئی تم لوگوں سے سیکھے، جب ہی تو کوئی ادھوری بات میں تم لوگوں سے نہیں کرتا کہ بات کیا ہوگی اور تم سب اسے کہاں سے کہاں پہنچا دوں گی۔ اگر ایسی صورت ہوئی کہ کاش میں بھی کچھ کر سکوں تو میں یہ بات فخر سے سب کو بتاؤں گا۔ فی الحال تو صرف پاسپورٹ بنوایا ہے۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ سب دوست بنوا رہے تھے لہٰذا میں نے بھی بنوا لیا۔''

ظہیر بھائی کہہ رہے تھے اور میں ان کا چہرہ تک رہی تھی۔ ان کا چہرہ ان کے جملوں کا کتنا ساتھ دے رہا تھا، میں اس کا اندازہ لگانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

ظہیر بھائی کی اٹیچی میں انٹرنیشنل پاسپورٹ دیکھ کر میرے ذہن میں بہتری باتیں رینگ آئی تھیں۔ یقیناً ظہیر بھائی گھر کی حالت میں انقلابی خوشحالی لانا چاہتے ہوں گے شاید دبئی جا رہے ہوں۔ وہاں سے گھر کے لئے شاندار چیزیں بھیجیں گے۔ سارا گھر چند ماہ میں ہی چم چم کرنے لگے گا۔ شاید سعودی عرب جا رہے ہوں۔ ابا کے ساتھ ساتھ اماں کو بھی حج کرنے کا کتنا ارمان تھا۔ نعتیں سن سن کر اتنی رقت سے رویا کرتی تھیں کہ ان کو چپ کرانا مشکل ہو جاتا تھا۔ ظہیر بھائی کی طبیعت ضمیر بھائی سے قدرے مختلف تھی۔ انتہائی کم گو اور اپنے کام سے کام رکھنے والے انسان تھے۔ حساس بھی بہت تھے۔ ذرا سی بات فوراً دل پر لے جاتے تھے۔ یقیناً انہوں نے یہی سوچا ہوگا کہ پاکستان میں بیٹھ کر اپنے ماں باپ کی خدمت اپنے

ارمانوں کے مطابق نہیں کر سکتے۔

مگر ظہیر بھائی نے اپنے پروگرام سے بے خبر کیوں رکھا ہے؟ بس یہی ایک بات تھی جو مجھے حیرت زدہ کر رہی تھی۔

شاید ابھی ان کے پروگرام ابتدائی مراحل میں ہیں، ویزا لینا بھی کوئی آسان تھوڑی ہوتا ہے۔ اور جب کچھ ہوا ہی نہیں تو وہ بے چارے کیا بتاتے۔ خواہ مخواہ گھر میں ہی مذاق میں بات اچھالی جاتی۔ ضمیر بھائی اور ارتقاء باجی تو بات کا بتنگڑ بنانے میں ماہر تھیں۔

جب ہی تو وہ گھبرا گئے اور کیسے پریشانی میں بولے تھے۔ ''ماہم، ابھی کسی سے کچھ نہیں کہنا، کچھ امید ہوگی تو سب سے پہلے میں خود فخریہ بتاؤں گا۔ مگر ابھی تو کچھ بتانے کے لیے ہے ہی نہیں۔'' انہوں نے منہ لٹکا کر کہا تھا۔ ''کاش میں کچھ کر دکھاؤں۔'' ان کا لہجہ پرعزم تھا۔

ظہیر بھائی سے وعدہ کرنے کے باوجود میرا دل چاہا کہ اماں کے کان میں چپکے سے کہہ دوں، اب انشاء اللہ ہمارا گھر جگمگ جگمگ کرے گا۔ آپ ابا جان کے ساتھ حج کریں گی، ہم کسی بڑے سے گھر میں رہیں گے، تب شاید باسط کی ممی کو ارتقاء باجی کو اپنی بہو بنانے کا ملال بھی نہ ہو۔

مگر چاہتے ہوئے بھی میں اماں سے کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔ اماں کے پیٹ میں کوئی بات ٹکتی ہی نہیں تھی۔ وہ لاڈ میں آ کر ابا کو ہر بات بتا دیا کرتی تھیں۔ ابا جان جب دو دن بعد ریل سے واپس آتے تو اماں یہ تک بتانا نہیں بھولتی تھیں کہ ان کے پیچھے کون سی ہنڈیا پکی تھی۔

کچی عمر میں ذرا ذرا سی غیر اہم باتیں، کتنی بڑی بڑی لگا کرتی ہیں۔ یہ لڑکیاں ہی جان سکتی ہیں۔ ظہیر بھائی کا پاسپورٹ دیکھ کر میرا ذہن کچے سوت سے جس طرح ریشم کے گل بوٹے بنا رہا تھا۔ ان گل کاریوں کو دیکھ کر میں کتنی خوش ہو رہی تھی اور جب تمام ڈورے آپس میں الجھ جاتے تو میں پریشان ہو کر سوچتی کہ کون سا سرا پکڑ کر کھینچوں کہ کھنچتا ہی چلا جائے اور میں اسی کے سہارے ظہیر بھائی کی شخصیت قطب مینار سے بھی اونچی کر دوں۔ امتحان قریب تھے۔ صفدر مجھے انگریزی پڑھانے روز ہی آنے لگے تھے میں بے دلی سے کاپی، کتاب لے کر بیٹھ جاتی۔

''ماہم، چلو ٹرانسلیشن کرو، اس کے پاس ایک کتا ہے۔''

''He is a dog'' میں بے خیالی میں پھٹ سے لکھ دیتی۔

''ارے، یہ کیا لکھ دیا تم نے۔ وہ ایک کتا ہے۔'' وہ ہنستے چلے جاتے۔

''تو کیا غلط لکھا ہے میں نے؟'' میں اپنی آنکھیں پٹپٹاتی۔

''کیسی عجیب باتیں کرتی ہو تم۔'' صفدر نے کتاب نیچے رکھ کر مجھے غور سے دیکھا۔

''کھلی آنکھوں سے تو کوئی اچھی بات سجھائی نہیں دیتی۔'' میں دور کہیں سوچتے ہوئے بولی۔ جگمگ جگمگ کرتے ہوئے خواب میری آنکھوں میں لہرا گئے۔

''ماہم! بند آنکھوں کے سنہرے خواب اس کٹھور دنیا میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ انہوں نے سفا کی سے کہا، یوں جیسے میری سوچ پڑھ لی ہو۔'' میرے دل کے نہاں خانوں میں شہ زور ارمانوں پر بھی ایک نظر ڈال لی ہوتی۔'' اور میں تلملا کر رہ گئی۔ خدایا! اس کانگڑی سے تو ہی مجھے بچائیو! اگر میں ان حضرت کی دعا بن گئی تو خاندان بھر کے لوگوں کو ہنسنے کے لیے کسی لطیفے کی قطعاً ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب دل رنجیدہ ہو، لبوں کو گدگدانے کے لیے میرا اور صفدر کا ذکر چھیڑ دیا کریں گے۔''

سوکھا ہوا چہرہ، مرجھایا ہوا جسم اور اس پر سرانچے کے بانس کی طرح لمبا قد ان کو مزید کمزور ترین بنائے ہوئے تھا۔

''ایک شام ظہیر بھائی اور ضمیر بھائی ان پر جملے کس رہے تھے اور وہ شربت کے گھونٹ کی طرح پی رہے تھے۔''

''اور کیا کرتا بے چارہ، کوئی کڑوا کسیلا جواب دے دیتا تو اگلے دن سے ہی اس کا یہاں آنا بند ہو جاتا۔''

''کیوں آتے ہیں یہاں مرنے؟ کیا ملتا ہے یہاں انہیں؟'' میں نے جل کر کہا۔

''تم کیوں برا بھلا کہہ رہی ہو اسے؟ ایک تو بے چارہ تمہیں پڑھانے آتا ہے، اچھا انعام دے رہی ہو۔'' اماں نے ڈانٹا۔

''میں نے کہا تھا ان سے پڑھنے کے لیے، خوشامد کی تھی ان کی کہ آ کر مجھے پڑھاؤ۔ خود ہی کو شوق ہے لیکچر بازی کا، تو اس میں میرا کیا قصور؟'' میں نے کلس کر کہا۔

''نہ کہا ہو تم نے مگر فائدہ تو تمہارا ہی ہے، اس بے چارے کو تو چار کوس سے آنا پڑتا ہے۔''

''کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے میرا۔'' میں نے دانت پیسے۔

''اچھی خاصی محنت کر رہا ہے، ناس پیٹا۔'' اماں نے تمبا کو کا پھنکا لگاتے ہوئے کہا۔

''ان کو دیکھ کر جتنا میرا خون کھولتا ہے، میں بتا نہیں سکتی۔''

''ارے واہ؟ خواہ مخواہ ہی میں کسی کی نیکی کی یوں بے قدری نہیں کرنی چاہیے۔'' اماں نے مجھے ٹوکا۔

''اماں! آپ صفدر بھائی کی بے جا طرف داری چھوڑیئے، جس طرح ممکن ہو، آپ مجھے ان سے چھٹکارا دلائیے۔ صرف آپ کی وجہ سے مارے مروت کے پڑھنے بیٹھ جاتی ہوں ورنہ ان حضرت کی شکل دیکھ کر میرا دل گھبرانے لگتا ہے نہ صرف گھناونی سی شکل ہے بلکہ اس سے بدتر انداز ان کی گفتگو کا ہے۔ ہر وقت علامہ بنے رہتے ہیں۔ جب بھی آتے ہیں مفت مشوروں کی پٹاری اپنی بغل میں دبائے ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں۔ ان کے پڑھانے کا انداز مجھے رتی بھر بھی پسند نہیں ہے۔ ان کی وجہ سے پاس ہونے سے کہیں ہزار گنا بہتر یہ ہے کہ میں فیل ہو جاؤں۔ کم از کم فیل ہونے میں وہ اپنا کوئی کارنامہ تو نہیں سمجھیں گے۔''

''اری چپ کر، بکواس نہ کر۔'' اماں نے بری طرح لتاڑا۔

''اماں، ایمان سے میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔'' میں چیخ کر بولی۔

اور قدموں کی آواز پر جب گھومی تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ صفدر گھڑونچی کے پاس نہ جانے کب سے کھڑے تھے۔ چہرہ دکھ اور غم کے سبب سیاہ سا پڑ گیا تھا۔ ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ٹیسٹ پیپرز لرز رہے تھے میں انہیں بیٹھنے کے لیے کرسی نہ دیتی تو شاید اسی وقت تیورا کر نیچے گر پڑتے۔

بعض اوقات بس اچانک ہی زندگی میں فیصلے کا لمحہ آ پہنچتا ہے اور شاید ایسا ہی کوئی لمحہ ظہیر بھائی کی زندگی میں آن پہنچا تھا۔

اس لمحے نے انہیں کتنا دلیر بنا دیا تھا، شاید وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

''انسان وقت کی گرفت میں کیسے آ جاتا ہے، میں سوچتی ہی رہ گئی۔

اسی دلیر لمحے کی بدولت وہ ایک دھماکا کر بیٹھے اور دھماکا بھی ایسا جس نے قلب کی تمام بنیادیں ہلا کر رکھ

دیں۔ وہ ایک شام حواس باختہ سے گھر میں داخل ہوئے اور اماں سے کہا۔ ”آپ سب لوگ بس جلدی سے تیار ہو جایئے۔“

”یہ کوئی جانے کا وقت ہے، نماز قضاء ہو جائے گی۔“ اماں کیاری کے پاس وضو کرتے ہوئے بولیں۔

”پلیز اماں! نماز قضا پڑھ لیجئے گا مگر اس وقت آپ سب، میرے ساتھ چلیں۔“

”خیریت؟ ایسی کون سی آفت آ گئی، جو ہنگامی طور پر جانا نکل آیا۔“

”میری شادی ہو رہی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے ان کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو گیا تھا۔

”دیکھ ظہیر، میں بے وقت مذاق کی عادی نہیں ہوں، اس وقت میں کہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”ایمان سے اماں، تمہاری قسم، نہ میں مذاق کر رہا ہوں اور نہ ہی جھوٹ بول رہا ہوں، واقعی میری شادی ہو رہی ہے۔

”تو باؤلا تو نہیں ہو گیا کیا؟ باپ تیرے تیز گام کے ساتھ پنڈی گئے ہوئے ہیں، ضمیر اپنا میچ کھیلنے گیا ہے، کیا تیری شادی ناگہانی ہو رہی ہے، کیا اس سے پہلے تجھے بھی نہیں پتا تھا کہ آج تیری شادی ہے؟“

”پلیز اماں، یہ سب اچانک ہی ہوا، بخدا مجھے نہیں پتا تھا۔“

”جھوٹ مت بولو، تم نے اس سلسلے میں راز داری برتی ہے جیسے ہم تمہارے دشمن ہوں۔“

”اماں جان، اس وقت آپ میرے ساتھ برات میں چلیں، میں اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ لوں گا۔“ ضمیر بھائی متوحش انداز میں اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔

”ظہیر کیا ہو گیا ہے تجھے؟ ایسی ہوا کرتی ہیں شادیاں، جیسی تیری ہو رہی ہے، کیا میں ارتقاء اور ماہم کو براتی بنا کر لے چلوں گی۔ گھر کی پہلی شادی اور وہ بھی رنڈوں سے بدتر۔ باپ بھائی زندہ ہوں اور وہ بھی اس میں شریک نہ ہوں۔ ان کے بغیر تو اپنی خوشی منا لے گا!! اکیلے بیٹھ کر تو تجھ سے کھانا حلق میں نہیں اترتا تھا اب اپنی شادی میں باپ بھائی کو شریک نہیں کر رہا۔ کیا ہو گیا ہے تجھے۔ سچ سچ بتا تو اپنے حواسوں میں بھی ہے یا نہیں؟“

”اماں وہ لوگ ضد کر رہے ہیں، میں نے تو کہا تھا مگر وہ مان ہی نہیں رہے۔“

”دفع کر ایسے لوگوں کو جنہوں نے خود ہی لڑکا پھانس لیا، تیرے لئے لڑکیوں کی کمی ہے کیا؟ اور تو اتنا قابل کب سے ہو گیا ہے کہ ہم کو دکھائے بغیر تمام مراحل طے کر لئے، کسی بھی موقع پر تجھے ماں بہنوں کی کمی محسوس نہ ہوئی؟“

”اماں، بس ایک دوست کے توسط سے یہ رشتہ طے پایا ہے، میرے دوست نے بڑی تگڑموں سے یہ رشتہ کروایا ہے، اگر میں آپ لوگوں کو بیچ میں ڈالتا تو کام اتنی جلدی نہیں ہو سکتا تھا۔“

”ارے تو نے اپنے کو اتنا حقیر کب سے سمجھنا شروع کر دیا۔ کیا کمی ہے تجھ میں، جو تگڑموں سے رشتہ کروایا، دیکھے بھالے بغیر زندگی کا سودا کر لیا۔ تو، تو ایک جوتا خریدنے کے لئے سینکڑوں دوکانوں پر پھرتا تھا اور اب زندگی کا ساتھی چننے کے لئے گھر والوں کو ایک نظر دکھانا بھی پسند نہیں کیا۔“

”مجھے اندازہ تھا کہ ثمرین آپ کو پسند نہیں آئے گی۔“ وہ سر جھکا کر بولے۔

”تو پھر تمہیں کیسے پسند آ گئی، تم تو ہم سے زیادہ حسن پرست ہو، کیسی ہے وہ؟ تمہارے معیار کے مطابق ہے یا بھی نہیں؟“

”اماں، وہ تو میرے معیار سے بھی بہت بلند ہے، یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ میں ان کے گھر والوں کو پسند آ گیا۔ حالانکہ اس لڑکی سے شادی کے لئے ڈھیر سارے لڑکوں نے انٹرویو دیا تھا، مگر میری خوش قسمتی تھی کہ قرعۂ فال میرے نام نکل آیا۔ وہ لوگ مختصر عرصے کے لئے پاکستان آئے ہیں لڑکی امریکن قومیت کی

حامل ہے، میں اس کے ساتھ امریکا جا سکتا ہوں۔“ بھائی جان نے فخر سے بتایا۔

”کیا تو امریکا چلا جائے گا؟“ اماں ایک دم روہانسی ہو گئیں۔

”ہاں اماں، یہاں ہے ہی کیا، رات دن کے ہنگامے اور بے روزگاری۔“ وہ تحقیر سے بولے۔

”اپنا وطن ہے، کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، عزت سے بسر ہو رہی ہے اور کیا چاہئے۔ باہر جا کر برتن مانجھو گے، سڑکوں پر جھاڑو لگاؤ گے، اپنے اماں باوا اور بہن بھائیوں کو چھوڑنے کا تمہیں کوئی صدمہ نہیں ہو گا۔“

”پلیز اماں، کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ بہر حال میرا جانا آپ سب کے لئے بھی فائدہ مند ہو گا۔“

”جب کھونا ہی ٹھہرا تو ابھی سے کھو دے، خود لے کر چلا جا اپنی برات، ہمیں نکو مت بنا۔ ہاں فائدے کی بھی اپنی ہی سوچ، ہم یہاں بہت اچھے ہیں۔“

”ارتقاء، ماہم تم دونوں اماں کو سمجھاؤ نا“ ظہیر بھائی حواس باختہ سے ہماری طرف متوجہ ہوئے کہ کسی طرح اماں جانے پر رضامند ہو جائیں۔

”بھائی جان، اس طرح ہم کیسے جا سکتے ہیں۔ آپ کچھ دن پہلے ہی بتا دیتے، تو ہم بھی کچھ تیاریاں کر لیتے۔ کتنا ارمان تھا ہمیں کہ آپ کی شاندار بری بنا کر لے جاتے۔“

”ارے لڑکی والوں کو کچھ نہیں چاہئے۔ انہوں نے از خود منع کر دیا ہے۔“ انہوں نے زعم سے بتایا۔

”کیا انہوں نے یہ بھی منع کر دیا ہے کہ برات میں اپنے گھر والوں کو مت لانا۔“ اماں غصے سے بولیں۔

”کمال کرتی ہیں اماں آپ بھی، میں تو خود آپ سے کہہ رہا ہوں کہ چلئے آپ میرے ساتھ۔“

”نہیں ظہیر، میں تمہارے باپ کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی، اگر تم کسی کا انتظار کرنے اور مشورہ لینے کو بہتر نہیں سمجھتے تو خود چلے جاؤ۔“

ظہیر بھائی نے ایک لمحے کے لئے سوچا، اور پھر اپنا بریف کیس اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

بعض ایسے کام جنہیں انسان دل سے اچھا نہیں سمجھتا انہیں کر گزرتا ہے۔ شاید انسان کے اندر ایک اور شیطان چھپا ہوتا ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ کر انجانی اور ان دیکھی راہوں پر لے جاتا ہے اور ظہیر بھائی بھی کسی ایسی ہی راہ پر چل پڑے تھے ان کے جاتے ہی اماں پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، ارتقاء باجی اور میرے آنسو کسی طرح رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔ بھائی کی شادی کا خواب ایسا تو نہیں دیکھا تھا۔ ہم نے تو بڑے پروگرام بنائے تھے ظہیر بھائی کی شادی کے لئے۔“

رات ہوئی تو مجھے انتظار رہا کہ شاید اب دلہن گھر میں آئے گی۔ میں نے بھائی کے پلنگ پر چپکے سے نئی چادر ڈالی۔ آنگن سے موتیے کی کلیاں توڑ کر ان کے سرہانے سجا دیں۔

ضمیر بھائی میچ جیت کر خوشی سے سرشار انداز میں گھر میں داخل ہوئے تو ہمارے خاموش آنسوؤں نے پھر ہلچل مچا دی۔

”خیریت تو ہے؟“ ان کے شگفتہ چہرے پر پل بھر میں زردی کھنڈ سی گئی۔

”ظہیر بھائی کی آج شادی ہو رہی ہے۔“ ارتقاء باجی نے گلوگیر لہجے میں اطلاع دی۔

”ارے کسی دشمن نے ہوائی اڑائی ہو گی۔ دلہن کیا گفٹ میں مل گئی جو اس پھرتی سے شادی ہو رہی ہے۔“ انہوں نے مضحکہ اڑایا۔

”وہ خود بتا کر گیا ہے، برات میں کھڑے چڑھے بلانے آیا تھا۔ مگر میں نے منع کر دیا۔“ اماں کا لہجہ بھی زخموں سے چور تھا۔

''افوہ شادی ہی تو کرنے گئے ہیں، کسی کو لے کر بھاگ تو نہیں گئے ہیں۔ میں تو ڈر ہی گیا کہ نہ جانے کیا ہو گیا' ماحول کی کسلمندی دور کرنے کے لئے وہ شوخ سے لہجے میں بولے۔

''چھوٹے بھائی! کیا آپ کو بھائی جان کی شادی کی خوشی ہو رہی ہے؟'' ارتقاء باجی بھیگی بھیگی آنکھوں سے پوچھ رہی تھیں۔

''خوش کیوں نہ ہوں گے بھلا، آخر ہمارے بھائی کی شادی ہو رہی ہے، ماہم ذرا دف تو لاؤ، ذرا وہی بجا لوں۔ تب میں منہ پھیر کر رو دی، مجھ میں ضمیر بھائی جتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنے آنسو اپنے اندر اتار لوں۔

''ظہیر بھائی سے ایسی امید ہر گز نہیں تھی۔'' ارتقاء باجی سسکیاں بھر رہی تھیں۔

''چھوڑو اس موضوع کو، چلو دوسری بات کرتے ہیں۔ پتا ہے اماں، آج میں نے **سینچری** بنائی ہے زبردست جیت ہوئی ہے ہماری ٹیم کی۔'' وہ چہکے۔

''مگر مجھے تو آج زبردست شکست ہوئی ہے۔ وہ بھی اپنے بیٹے کے ہاتھوں۔'' اماں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور میرے آنسو نکل پڑے۔ ظہیر بھائی کے اس اقدام نے سب کو تکلیف پہنچائی تھی۔ شادی کا ذکر بھی سانحے کے طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ساری رات ہم سب نے یونہی ٹہل ٹہل کر گزار دی۔ مگر ظہیر بھائی نہیں آئے۔ تیسرے دن آئے تو **جھینپے جھینپے** سے تھے۔ دلہن ان کے ساتھ نہیں تھی۔

''بھابھی کہاں ہیں؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا۔

''اپنے گھر میں۔''

''آپ لے کر کیوں نہیں آئے؟''

''ان کا یہاں کون استقبال کرے گا؟'' وہ بے دلی سے ہنسے۔

''میں کروں گی، باجی بھی کریں گی اور شاید ضمیر بھائی بھی۔''

''اماں سے پوچھ لو، تو لے آؤں۔ وہ خود تم لوگوں سے ملنا چاہ رہی ہیں۔''

''اماں سے پوچھ کر شادی کی ہے جواب لانے کی بابت پوچھا جائے گا۔''

ابا جان کمرے سے نکل کر آئے تو ظہیر بھائی کی کھنچائی کر ڈالی۔

''ابا جان، یہ سب کچھ اتنا ایمر جنسی میں ہوا کہ میں کچھ کر ہی نہیں سکا۔'' وہ نظریں چرا کر بولے۔

''لڑکی بھاگی جا رہی ہو گی۔'' اماں نے طنز کیا۔

''اماں، قصور وار میں ہی سہی، مگر یہ آپ بھی مانیں گی کہ بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے صحیح وقت پر فائدہ نہ اٹھایا جائے تو بندے کو ساری زندگی ملال رہتا ہے اور میرے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا۔ اگر میں لوگوں کو منانے کے چکر میں لگ جاتا تو یہ سنہری موقع ہاتھ سے کھو دیتا۔''

''شکر ہے، تم نقصان اٹھانے والوں میں سے نہیں رہے۔ سنہری موقع بالآخر تمہاری مٹھی میں آ ہی گیا اب ساری زندگی اس موقعے سے اپنی خوشیاں کشید کرتے رہنا۔ اب تمہیں کسی بات کا ملال تو نہیں رہے گا ابا جان کی دلیل خاصی وزنی تھی۔

''ابا جان! یہ سب میں آپ لوگوں کے لئے ہی کر رہا ہوں۔ میرے باہر جانے سے اس گھرانے کو خاصا فائدہ پہنچے گا۔ ارتقاء ماہم کے لئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔''

''جھوٹ مت بولو ظہیر! صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ سب کچھ تم نے اپنی ذات کے لئے کیا ہے جتنی تمہیں پروا ہے اس کا احساس ہمیں ہو چکا ہے۔ جتنے ذمے دار تم بھائی ہو کر رہے ہو اس کی بابت بھی جانتے ہیں۔ جس دن بہن کے رشتے کی غرض سے باسط کی والدہ آئی تھیں، تم اس دن کہنے کے باوجود گھر پر نہیں رکے۔ تمہارے اپنے کام اور تمہاری اپنی ذاتی مصروفیات ہمیشہ تم پر حاوی رہیں۔

ابا جان نے کبھی بڑے بھائی کو نہیں ڈانٹا تھا۔ مگر آج وہ انہیں ان کی تمام کوتاہیاں یاد دلانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

''ابا جان! کیا آپ بھی ناراض ہیں؟'' وہ لجاجت سے پوچھ رہے تھے۔

''ارے بیٹا! ناراضی کیسی......؟ آخر ہمارا حق ہی کیا ہے جو تم سے ناراض ہوں گے۔ ہمارے تو صرف رائض ہی تھے کہ پال پوس کر تمہیں بڑا کر دیا، تعلیم دلوائی، برسرِ روزگار ہوئے تو تم نے اپنی منزل خود چن ں، ہماری فکر اور ناراضی کو گولی مارو، تم امریکا جاؤ اور خوب شوق سے جاؤ آخر تمہاری مصروفیات اور بھاگم وڑ کام آ ہی گئی۔ ارتقاء اور ماہم کی فکریں پالنے کے لئے ابھی ہم زندہ ہیں، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ررورت نہیں ہے۔''

''کیا میری کوتاہیاں معاف کئے جانے کے قابل نہیں ہیں؟ کیا میں امریکا جاتے وقت اپنے دل پر یہ جھ لے کر جاؤں گا کہ مجھ سے سب ناراض ہیں؟''

ضمیر بھائی ان پر ایک اُچٹتی سی نظر ڈال کر رنجیدہ بیٹھ گئے۔ ظہیر بھائی کے اقدام سے انہیں بھی دھچکا پہنچا تھا۔

''اماں جان! جو ہوا بُرا ہوا مگر اب مزید بُرا نہیں ہونا چاہیے پلیز آپ ظہیر بھائی سے کہہ دیجئے کہ وہ ہماری بھابھی کو اس گھر میں لے آئیں ورنہ پھر تو وہ امریکا چلے جائیں گے۔'' میں نے اپنے دونوں ہاتھ ماں کے گلے میں ڈال کر گھگیا کر کہا۔

اماں نے ایک نظر مجھ پر ڈال کر ارتقاء باجی کو دیکھا، وہ اماں کے پیر اپنے آنسوؤں سے بھگو رہی تھیں۔ ابا جان الگ مغموم بیٹھے تھے۔

''لے آؤ ظہیر دلہن کو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اماں نے منہ پھیر کر کہا۔ مگر میں نے دیکھ لیا کہ آنسو ان کے آنکھوں میں بھی جھلملا گئے تھے۔

تب ظہیر بھائی خوشی سے سرشار چہرے کے ساتھ ثمرین بھابھی کو لینے چلے گئے۔ بھابھی کے آنے سے پہلے ہی ہم نے جھلمل کپڑے پہن لئے تھے۔

اماں نے ارتقاء باجی کے جہیز کی رکھی ہوئی سرخ چادر ظہیر بھائی کے بیڈ پر بچھا دی۔ ابا جان سے جھٹ پٹ ہار اور مٹھائی منگوائی گئی اور جب ظہیر بھائی آئے تو ہم الرٹ تھے۔ ثمرین گہرے سانولے رنگ کی تھیں، انہوں نے انتہائی سمپل سا سوٹ پہن رکھا تھا، نہ ہاتھوں میں چوڑیاں، نہ ہی کوئی زیورات وہ کسی طرح سے بھی دلہن نہیں لگ رہی تھیں۔ کٹے ہوئے بالوں نے چہرے سے رہا سہا مشرقی پن بھی چھین لیا تھا ظہیر بھائی کے مقابلے میں قد بھی خاصا چھوٹا تھا۔ میں نے ایک نظر ظہیر بھائی کے چہرے پر ڈالی۔ سرخ سفید رنگت، دراز قد، گھونگریالے سیاہ بال، گہری سیاہ آنکھیں، واقعی بھائی جان بڑے وجیہہ تھے ثمرین بھابھی انکے برابر کھڑی بالکل نہیں جچ رہی تھیں۔

ذرا بھی تو دونوں کا جوڑ نہیں تھا۔ مگر بڑے بھائی ان کو دیکھ کر سرشار سے تھے وہ جو اپنی آئیڈیل بیوی کے اوصاف گناتے ہوئے نہیں تھکتے تھے ان اوصاف میں سے کوئی واحد وصف ثمرین بھابھی میں نظر نہیں یا تھا۔

بھابھی کو دیکھ کر میں نے اپنی سرد آہیں اندر ہی گھونٹ لیں اور ارتقاء باجی کو آنکھ کا اشارہ کیا جو ابھی تک برت اور افسوس سے ثمرین کو تکے جا رہی تھیں۔ میں نے اور ارتقاء باجی نے لبوں پر زبردستی مسکراہٹ پیدا رکے پھولوں کے ہار ثمرین بھابھی کے گلے میں ڈال دیئے۔

اماں نے نوخا صرو کے کام کا جال دار گلابی ڈوپٹا بھابھی کو اوڑھا دیا۔

میں دف اٹھا کر بجانے لگی۔

دف کی آواز سن کر پڑوس سے فرحت خالہ اور رابعہ آپا بھی چلی آئیں۔

"ارے ظہیر کی شادی ہو گئی، ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔" فرحت خالہ ظہیر بھائی اور ثمرین بھابھی کو سا ساتھ بیٹھے دیکھ کر فوراً ہی سمجھ گئیں۔

"اسی لیے تو میں نے دف بجایا ہے کہ آپ آکر ہماری بھابھی کو دیکھ لیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ ا سے پہلے کہ فرحت خالہ بھابھی کے خالی ہاتھوں کو ٹوکتیں۔ اماں نے اپنے ہاتھ میں پہنے ہوئے دونو کڑے اتار کر بھابھی کو پہنا دیئے اور بھابھی حیرت سے اماں کے ہاتھوں کو دیکھنے لگیں جو بالکل خالی گئے تھے۔

ہم سب کو خوش دیکھ کر ظہیر بھائی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی شاید وہ اپنے اس دلیرانہ اقدام پر خود بھ جز بز تھے۔ ضمیر بھائی تک سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر پا رہے تھے۔

بھیا اور بھابھی کے گھر میں آنے کے بعد گھر کی رونق لوٹ آئی تھی مگر اماں کا چہرہ اتر گیا تھا وہ روز ظہ بھائی کے جانے کے دن گن گن کر ملول ہو جاتی تھیں۔ "اب پتا نہیں ظہیر بھائی کی شکل دوبارہ دیکھ بھ سکوں گی یا نہیں۔" وہ چپ چاپ ٹکٹکی باندھے ظہیر بھائی کو دیکھتی مسلسل کریں۔ اور پھر دن پر لگا کر گزر گ ابھی تو ثمرین بھابھی ہم میں کھلی ملی نہیں تھیں ہم نے ان کو دل بھر کر سجا سنورا دیکھا بھی نہیں تھا، خاندان میں دعوتیں تک نہیں ہوئی تھیں کہ ان کے جانے کا دن آ گیا۔

ہم آنسو بھری آنکھوں سے انہیں رخصت کر رہے تھے۔ مگر اماں یوں چپ چاپ تھیں جیسے سکتہ ہو گیا ہو

"اماں! آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے نا؟" ظہیر بھائی بار بار ان کے ہاتھوں کو وارفتگی سے چوم کر آنکھوں سے لگا رہے تھے۔ اور وہ انکی جانب دیکھ کر صرف اثبات میں سر ہلا رہی تھیں۔ کچھ کہنا شاید ا کے لئے ناممکن تھا۔ گھر کے سب لوگ اپنی چیخیں حلق میں دابے کھڑے تھے۔ ایئر پورٹ چھوڑنے ہم سب ہی گئے تھے۔ ابا جان نے زندگی میں پہلی دفعہ ڈیوٹی کینسل کروائی تھی ورنہ انہیں اسی صبح خیبر میل کے ساتھ پشاور جانا تھا۔ ابا جان کو گور عشے کا مرض نہیں تھا مگر ان کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ اماں اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ظہیر بھائی کی صورت اپنے اندر اتار رہی تھیں۔ ضمیر بھائی زبردستی ہنسی مذاق کر رہے تھے مگر ان کے قہقہ بھی کھوکھلے تھے۔ ابا جان کا رنجیدہ چہرہ خاصا متفکر تھا، بڑے بیٹے کے جانے کا اثر انہوں نے خاصا لیا تھا۔ مائیک پر فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہوا۔ ظہیر بھائی جو اپنا بورڈنگ کارڈ لے کر باہر آ گئے تھے ایک بار پھ سب سے گرم جوشی سے گلے ملنے لگے۔

"اچھا اماں، اب اجازت دیجئے۔" وہ اماں کے سامنے جھک گئے۔

اماں نے کانپتے ہاتھوں سے ظہیر بھائی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں نے تو سوچا تھا کہ تو اپنے کندھے پر بٹھا کر مجھے قبرستان تک لے کر جائے گا۔ مگر تو 'تو جا رہا ہے'

"اماں پلیز مجھے معاف کر دیں۔" ظہیر بھائی کسی چھوٹے بچے کی طرح سسک اٹھے۔

"تو خوش رہ میرے لال، مائیں اپنی اولاد کو ہمیشہ معاف کر دیا کرتی ہیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ناراض نہیں رہ سکتیں۔ خدا تجھے اپنے حفظ و امان میں رکھے میرے چاند!" اماں نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بُد بُدا کر ان پر پھونکتے ہوئے کہا۔

"جاؤ میاں۔ پردیس میں اپنا خیال رکھنا۔" ابا جان نے سر پر ہاتھ پھیر کر ریلنگ کو تھام لیا اور میں ارتقا باجی کے گلے لگ کر رو پڑی۔

♥ ♥ ♥

کافی دن ہو گئے تھے صفدر گھر نہیں آ رہے تھے۔ میرا یہ خیال تھا کہ اب وہ آئیں گے بھی نہیں۔ اس دن انہوں نے میرے تمام باتیں جو سن لی تھیں۔ بنا کچھ کہے وہ چپ چاپ یوں نکل گئے تھے جیسے کبھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ جاتے سمے لبوں سے ٹھنڈی آہیں بھی آزاد ہو رہی تھیں، یوں جیسے میرے رویئے سے انہیں صدمہ پہنچا ہو۔

مگر ایک شام صفدر کو گھر میں دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گئی کہ بندے کو ڈھیٹ کہوں یا مستقل مزاج، اتنی بے عزتی برداشت کر کے وہ دوبارہ آ گئے تھے میں اپنے کمرے سے باہر آئی تو وہ آنگن میں اپنی پتلون کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے یوں سرشار کھڑے تھے جیسے کبھی گئے ہی نہیں تھے۔

"صفدر بھائی آپ......؟" انہیں دیکھ کر بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"اماں، دیکھیں صفدر بھائی آ گئے......" میں نے پکار کر کہا۔

"ماہم، ایک بات پوچھوں؟"

"جی پوچھئے؟"

"وعدہ کرو کہ سچ سچ بتاؤ گی؟"

"اُفوہ! آپ تو پہلیاں بجھوا رہے ہیں۔"

"پلیز، آج میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں، چاہے وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو......"

"ہاں، کہئے تو سہی۔"

"ایمان سے بتانا کہ کیا مجھے تمہارے گھر نہیں آنا چاہیے؟" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ پوچھ رہے تھے۔ اس سمے ان کا رواں رواں سوالیہ تھا کہ ماہم بتاؤ اس دن تم نے میری تذلیل کیوں کی تھی۔ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا......؟

"کمال کرتے ہیں صفدر بھائی آپ بھی، کیوں نہیں آنا چاہیے۔" میں اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

"ہاں، آدمی تو ہم کمال کے ہیں مگر گوشت پوشت کا دل بھی رکھتے ہیں۔ اس دن کی تمہاری کڑوی کسیلی باتوں کو کیا سمجھوں؟" آج وہ جرح پر اتر آئے تھے۔

"ارے وہ چھوڑیئے بھی اس دن نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔" بال جھٹک کر ان کے سامنے سے گھوم گئی آج میں ان کے منہ واقعی نہیں لگنا چاہ رہی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو ناں، ماہم!" وہ میری پشت پر کھڑے گہری گہری سانسوں میں پوچھ رہے تھے۔

"ہاں......ہاں......بالکل سچ۔" میں گھبرا کر دور ہٹ گئی۔

"کیا آج بھی تم مجھے اپنے گھر میں دیکھ کر پریشان ہو گئی ہو؟"

"نہیں بھئی، آپ نہ جانے کیا کیا الم غلم سوچے جا رہے ہیں۔ میں تو بس اس وقت آپ کو دیکھ کر صرف حیران ہوئی تھی۔" نہ جانے کیسے سچی بات میرے منہ سے نکل گئی؟

"اس وقت سے کیا مراد ہے تمہاری؟ اور پھر حیرانی کی کیا بات ہے۔ کیا آپ کے ہاں آنے کے اوقات مقرر ہیں کہ صبح نو بجے سے گیارہ اور شام چار بجے سے سات بجے تک۔ میں تو ہمیشہ ہی تمہارے ہاں شام کو ہی آیا ہوں۔" انہوں نے ابرو تان کر مجھے دیکھا۔

"اُفوہ، آپ تو بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ آپ بیٹھئے میں اماں کو بلاتی ہوں۔" میں نے صحن میں رکھے مونڈھے کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں، میں چچی کے پاس اندر چلتا ہوں، سنا ہے طبیعت خراب ہے ان کی۔"

"آیئے۔" میں نے اندر کی جانب پیش قدمی کی۔

''ارے صفدر، ٹھیک تو ہے تو میں کئی دنوں سے تجھے یاد کر رہی تھی۔'' اماں صفدر سے بڑی محبت سے ملیں۔ وہ اپنی باتوں سے میری کسیلی باتوں کی کڑواہٹ مٹانا چاہ رہی تھی۔

''ایمان سے چچی، صرف آپ کی وجہ سے آیا ہوں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ آپ مجھے یاد کر رہی ہو میری کمی محسوس کر رہی ہوں گی۔'' (لہجہ شکوہ کناں تھا)

''صفدر بھائی، اس وقت چائے چلے گی یا شربت لاؤں؟'' میں نے شاید پہلی دفعہ بڑی تمیز سے پو

''کچھ بھی نہیں۔'' خاصے روٹھے ہوئے انداز میں کہا گیا۔

در میں مسکرا دی، گویا نہ چاہتے ہوئے بھی بُرا مانا جا رہا ہے واقعی بڑے بہروپیے ہو تم، میں نے دل سوچا۔ پہلی دفعہ بڑے قرینے سے چائے دم کر کے لائی۔ آلو کے گرما گرم کباب، املی کی چٹنی کے ... تھے تو اس اشتہا انگیز خوشبو نے ان کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ کیتلی سے دوسرا کپ چائے کا انڈیلتے ہ وہ بڑے مسرور ہوئے۔

''چچی جان! آج مدتوں بعد بہت اچھی چائے نصیب ہوئی ہے۔'' وہ سرشار لہجے میں کہہ رہے تھے

''آیا بھی تو بہت عرصے بعد ہے۔'' اماں شفقت سے بولیں۔

''ہاں، چچی پورے تین ماہ اور بیس دن کے بعد آیا ہوں۔''

یہ حساب کتاب سن کر مجھ ہنسی آ گئی، مگر لبوں ہی میں دبالی کہ مبادا بُرا مان جائیں۔

''کیا بات ہے، آج تو بڑی انسانیت میں ہو!'' وہ دھیمے لہجے میں بولے۔

''کیا مطلب ہے کیا میں انسانیت کے جامے میں نہیں رہتی......؟''

''نہیں بھئی، میرا مطلب یہ ہے کہ آج بڑا اچھا موڈ ہے تمہارا۔'' وہ چہکے!

''آپ اتنے دنوں بعد بھی تو آئے ہیں۔''

''اوہ یہ بات ہے۔'' صفدر کا چہرہ یک دم تاریک سا ہو گیا۔

میرا مطلب ہے کہ آپ خود ہی رک گئے تھے۔'' میں ہکلائی۔

''ہاں، خود ہی رک گیا تھا۔'' وہ ہنسے...... ''کیا کرتا آ کر، سچ کہا ہے سیانوں نے کہ قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا۔ مگر کیا کروں کہ ہم سارے جہان کا درد سمیٹتے ادھ موئے ہو گئے ہیں مگر اپنی فطرت کو ختم کر سکتے۔'' چچی کی بیماری کا سنا تو نہ چاہتے ہوئے بھی آ گئے۔

''صفدر بھائی یہ بات نہیں ہے۔'' انہیں پرانی بات کی جانب لپکتا دیکھ کر میں چائے کا تیسرا کپ ا جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

''ماہم، امتحان کیسا ہوا، میں بخدا گھر بیٹھ کر بھی تمہارے امتحان کی وجہ سے پریشان رہا۔'' وہ اس ر سے بولے جیسے پرچوں میں تمام سوالات ان کے بارے میں آئے ہوں۔ (دو لمحے پہلے کی بات وہ گئے تھے)

''بس ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ شاید پاس ہو جاؤں۔''

''کمپارٹ تو نہیں آئے گی۔''

''انگریزی کے پرچے میں نقل کر لی تھی۔'' میں نے شرارت سے کہا۔

''کیا کہا، تم نے نقل کر لی۔ کیا لڑکیاں بھی لڑکوں کی طرح نقل کیا کرتی ہیں؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہے تھے۔

''کیوں لڑکیاں کم دلیر ہیں؟ ارے صفدر بھائی، آج کی لڑکیاں نقل کرنے میں ایسی ماہر ہیں ک بتاؤں۔''

''اور لڑکیاں کرتی ہوں گی نقل، مگر تم سے ایسی دلیری کی کوئی توقع نہیں تھی۔ سچ سچ بتاؤ کہ کیا واقعی تم نے امتحان میں نقل کی تھی؟'' وہ سراسیمہ سے مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں، نقل تو نہیں کی۔ ہاں آگے بیٹھی ہوئی لڑکی سے یہ صرف پوچھا تھا کہ شروع کا ایک لفظ بتا دو۔ اس نے ذرا سا بتایا اور مجھے سب یاد آتا چلا گیا۔ دراصل رٹنے کے بڑے فوائد ہیں۔'' میں نے انہیں جلایا۔

''میں نے جو اتنی محنت سے تمہیں نوٹس بنا کر دیئے تھے وہ یاد نہیں کئے تھے؟''

''ہاں، ہاں، بالکل یاد کئے تھے مگر اب تو یہ میرا نتیجہ ہی بتائے گا کہ آپ نے کیسے نوٹس بنائے تھے۔''

''یہ بھی خوب رہی کہ اگر آپ غلط سلط لکھ کر آ گئی ہیں تو بھی قصوروار ہم ہی ٹھہریں گے۔'' وہ مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

''یہی تو بات ہے۔'' میں انہیں اماں کے پاس باتیں کرتا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آ گئی، جہاں ارتقاء باجی یونیورسٹی سے آ کر چپ چاپ لیٹ گئی تھیں۔

''کب دفعان ہوں گے یہ حضرت؟'' وہ جل کر بولی۔

''جا کر پوچھ لیجئے آپ، آپ کا ان سے پردہ تھوڑی ہے۔'' میں ہنسی۔

''مجھے ضرورت نہیں ہے اس لمبو کی شکل دیکھنے کی، اچھی خاصی جھاڑ پی کر گیا تھا، پھر آ گیا......''

انہوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

''اماں کی طبیعت پوچھنے آئے ہیں، انہیں اماں کی طبیعت کی خرابی کا پتا چلا تو آ گئے، کہہ رہے تھے کہ صرف چچی کی وجہ سے آیا ہوں۔''

''اونہہ بس بہانے ہیں۔ اب دیکھ لینا تو، اٹھیں گے تھوڑی موصوف، مہا ڈھیٹ ہیں حضرت، اور ہماری اماں ایسی محبت سے بات کرتی ہیں جیسے نہ جانے کتنے سگے ہوں۔''

'''اماں تو ہر ایک سے یونہی محبت سے ملتی ہیں۔ اس میں صفدر بھائی یا کسی دوسرے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔''

''یہی تو غلط بات ہے اماں کی۔''

''آپ کے خیال میں کن لوگوں سے محبت کی جانی چاہئے؟''

''صرف ان سے جن سے ذہن کے ساتھ دل ملتے ہوں۔'' باجی نے اپنا ذاتی فلسفہ جھاڑا۔

''باسط بھائی سے آپ کا ذہن بھی مل گیا تھا اور دل بھی پھر بھی انہوں نے آپ کے رشتے کے لئے کسی کو نہیں بھیجا جب کہ انہوں نے وعدہ کر بھی لیا تھا۔'' میں نے انہیں یاد دلایا)

''اسے قسمت کہتے ہیں اور بس۔'' وہ ملول سی ہو گئیں۔

''تقدیر کا ساتھ تو ہمارے ہر اچھے بُرے کام کے ساتھ ہے۔''

''میرا فیصلہ شاید کل ہو یا پرسوں۔'' وہ ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''کل پرسوں کیوں ہو گا، ان دنوں ایسی کیا خاص بات ہے؟''

''باسط ایک ہفتے سے یونیورسٹی نہیں آ رہے، وہ اس معاملے میں خوب اچھی طرح سوچ بچار کرنا چاہتے ہیں وہ کہہ رہے تھے کہ کل آصف ماہم کو کالج میں بتا دے گا کہ رشتے کی غرض سے خواتین ہمارے گھر آئیں گی یا نہیں۔ اب دیکھو، آصف تمہارے پاس کل آتا ہے یا پرسوں۔''

''بڑے کائیاں نکلے یہ باسط صاحب بھی۔ عشق پہلے کیا، سوچ بچار بعد میں ہو رہی ہے۔ بجائے خود آ کر بتانے کے بھیا کو کیوں بھیجا جا رہا ہے۔ کل تو ویسے بھی کالج نہیں جا رہی، پرسوں تو مجھے گھر میں کام ہے۔''

"پلیز ماہم، کل ضرور چلی جاؤ۔ گو امید تو نہیں ہے مگر پھر بھی شاید...... کچھ نہ کچھ تو پتا چلے گا ہی۔" وہ منہ لٹکا کر بولیں اور پرسوں بھی۔ تجھے میرے قسم۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا مگر اس میں ایسی افسوس کی کیا بات ہے؟"

"کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ شاید کل کے بعد میرا باسط سے کوئی رابطہ نہ رہے۔"

"پیاری باجی! یہ تو عبرت کا مقام ہے کہ آنکھیں کھولیں اور سوچیں کہ کیا محبت ایسی ہوتی ہے وہ مرد جو وزنی دلائل دے کر آپ کو رجھایا کرتا تھا۔ کس قدر کمزور اور بودا نکلا۔ اپنے حق کے لئے لڑ بھی نہیں سکا۔ وعدہ کرنے کے باوجود چار عورتوں کو رشتے کی غرض سے ہمارے گھر بھی نہیں بھیج سکا آپی! کیا ایسی ہوتی ہے محبت! یہی تھے باسط کے دعوے جن پر آپ سرشار تھیں۔"

"نہیں ماہم، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔ حالات ایسی کروٹ لیں گے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ دوستوں کو ساری روداد اتا کر تماشا نہیں بننا چاہتے، بس اس لئے وہ چپ ہیں۔"

"میری بھولی باجی! آپ یہ کہیئے کہ وہ آپ کو تماشا بنانا چاہتے ہیں اور بس۔"

"ماہم پلیز، مجھے پریشان مت کرو، اگر کل باسط بھائی کوئی خوش آئند بات کہلوا دیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔"

"اچھا! یہ بات ہے کہ باسط بھائی کے نام پر زندگی گزاری جائے گی۔"

"نہیں، اپنی کم ہمتی پر کہ میں باسط کے اتنا سمجھانے کے باوجود کورٹ شپ کرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔"

"اپنی کم ہمتی پر افسوس ہو رہا ہے کیا......؟"

"نہیں، بہت خوشی ہو رہی ہے۔" انہوں نے سرخ آنکھوں سے مجھے گھورا اور لحاف اوڑھ لیا۔

تب میں دم سادھے سن سی وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ صفدر بھائی جاتے سمے چند منٹوں کے لئے چوکھٹ پر کھڑے ہوئے، مجھے گم صم سا دیکھا، شانے اچکا کر ہاتھ ہلا کر چلے گئے اور میں چپ چاپ انہیں جاتے دیکھتی رہی۔ کوئی بچہ اپنا من پسند کھلونا حاصل نہ کر سکے تو وہ کس قدر طیش میں آجاتا ہے، ارتقاء باجی کی کیفیات کسی ناسمجھ بچے کی سی ہو رہی تھیں۔

"خدایا، تو میری باجی کو سنبھالنا" میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرتے چلے گئے۔

یہ محبتیں جب گلاب بن کر مہکتی ہیں تو کس قدر خوشی ہوتی ہے، بن پیئے جھومنے کو جی چاہتا ہے...... مگر جب یہ محبت، منوں عذاب بن کر کلیجے کو چھید دے تو روح کس قدر لہولہان ہو جاتی ہے، شاید اس کا نقشہ کھینچا ہی نہیں جا سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے کانٹوں کی باڑھ پھلانگو تو جسم پر پڑی خراشیں کبھی گننے میں ہی نہیں آتیں۔

باجی کی ذہنی حالت پر مجھے رحم آرہا تھا۔ میرا دل چاہا تھا کہ چیخ چیخ کر روؤں مگر میں ساکت تھی اور میرا وجود شاید ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ "ماہم، کیا بات ہے......؟ اتنی افسردہ کیوں بیٹھی ہو......؟" ضمیر بھائی کمرے میں آئے تو مجھے یوں بت بنا دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ضمیر بھائی کے ایک جملے کے طفیل میری آنکھوں سے پرنالا بہہ نکلا......!

"ارے رے، کیا ہوا تمہیں؟" وہ مجھے سینے سے لگا کر بے چین ہی تو ہو گئے۔

"ظہیر بھائی یاد آرہے ہیں، پتا نہیں اس وقت کیا کر رہے ہوں گے۔" میں نے اپنے آنسوؤں کو ایسا مفہوم عطا کر دیا جس پر انگلی نہ اٹھائی جا سکے۔

"ارے، کر کیا رہے ہوں گے، اپنی گنگی کے ساتھ امریکہ کی سیر کر رہے ہوں گے، وہاں کی چمک دمک میں پاکستان انہیں بھول کر بھی یاد نہیں آتا ہوگا۔"

"مگر ہمیں تو وہ بے حد یاد آتے ہیں۔" میں نے اپنے آنسوؤں کو دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے کہا، جواب بھی ظہیر بھائی کے نام پر اڈتے چلے آرہے تھے۔

"ہاں، ہمارا کیا ہے۔ ہم تو انہیں یاد کرتے رہیں گے۔" ضمیر بھائی کا بھی دل بھر سا آیا۔ لاابالی سے ضمیر بھائی جو ہمہ وقت چہکا کرتے تھے اور ان کی رنجیدگی صرف ان کے میچز کی شکست تک تھی۔ آج ظہیر بھائی کو ڈبڈبائی آنکھوں سے یاد کر رہے تھے۔ لہجہ الگ گلوگیر سا ہو گیا تھا۔

اماں کی پکار سنائی دی تو وہ باتھ روم میں منہ دھونے کے لئے گھس گئے کہ کہیں پکڑے نہ جائیں۔

اماں کی طبیعت بدستور خراب چل رہی تھی۔ امریکا سے ظہیر بھائی کا صرف ایک خط آیا تھا جس میں انہوں نے اپنے امریکا پہنچ جانے کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ امریکی زندگی کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔ نیویارک اور واشنگٹن دیکھ کر انہیں اپنے شہر گاؤں نظر آرہے تھے۔ سجے سجائے شہر دیکھ کر انہیں اپنے پاکستانی ہونے پر شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

ظہیر بھائی کے جانے سے گھر میں خاصا ٹینشن کا دور چل رہا تھا۔ سیکنڈ ائیر کی کلاسز کالج میں شروع ہو چکی تھی مگر میں بے دلی سے کالج جا رہی تھی۔ باجی کے کہنے کے مطابق کل آصف کو کالج آنا تھا مگر وہ نہیں آئے تھے۔ آج میں بادل ناخواستہ کالج گئی تھی مجھے معلوم تھا کہ باسط بھائی شاہراہِ عشق سے فرار ہو چکے ہیں۔ آصف آج بھی کالج نہیں آئیں گے۔ صرف باجی کی خاطر کالج کی چھٹی کے بعد بھی میں بے وجہ کالج سے باہر کھڑی تھی۔ کھڑے کھڑے میری ٹانگیں شل ہو گئی تھیں مگر آصف کا دور دور کہیں پتا نہیں تھا۔ لگتا ہے، بھاگ گئے موصوف۔

لگا دی ہوں گی، امی جاں نے دو چار **پھینٹیاں**۔

باوا جان نے عاق کرنے کی دھمکی الگ دے دی ہوگی۔ چودہ طبق روشن ہو گئے ہوں گے موصوف کے۔

خوب باجی کو بے وقوف بنایا حضرت نے۔ یہ مالدار لوگ دو چار گفٹ کیا دے دیتے ہیں، متوسط طبقے کی لڑکیاں اپنی آنکھوں میں خود ہی دھول بھر کر سنہرے خواب دیکھنے لگتی ہیں۔ ایسے ہی خواب دیکھ کر باجی نے اپنی آنکھوں میں کرچیاں بھر لی تھیں۔

اب اگر انکار بھی کرنا تھا تو کم از کم آکر تو بتا جاتے، میں اپنا بیگ شولڈر پر ڈالے سوچ رہی تھی کہ اب باجی کو صبر دلانے کی ذمے داری میری ہوگی۔ اچھا ہوا کہ آصف میری سوچ کے دائرے میں پھیلے اور بڑھے......؟ اگر کہیں...... یہ چاہنے کی حدیں آگے بڑھ جاتیں تو میری کیفیت بھی باجی سے مختلف نہیں ہوتی۔ سامنے آئے ہوئے پتھر کو میں نے ٹھوکر مارتے ہوئے سوچا تب ہی کار کے بریک میرے پاس چرچرائے اور میں اچھل پڑی۔

"چاندنی! یہ سڑک پر اکیلے ہی اکیلے مارچ ہو رہا ہے۔" آصف ہنسا!

"اکیلی کہاں تھی، میں تو جلوس نکال رہی تھی۔"

"کیسا جلوس......؟" اس نے حیرت سے مجھ سے پوچھا۔

"ارتقاء باجی کے ارمانوں کا۔"

"تو پھر کہاں جا رہا ہے یہ جلوس......؟" وہ ہنسا۔

"قبرستان جائے گا شاید۔" میں سفاکی سے بولی۔

"نہیں چاندنی ایسا نہیں کہو......" آصف کی پکار میں نرمی تھی۔

کیوں کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟ میں نے **تنتنا** کر کہا۔

"ہاں۔ بالکل غلط کہہ رہی ہو اور محبت کرنے والوں کے متعلق ایسی بری بات نہیں کہا کرتے۔ سیانے

کہتے ہیں کہ زبان سے ہمیشہ اچھی بات کہنی چاہیے، کیا سمجھیں؟"
"محبت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں، جیسے تمہارے بھائی صاحب ہیں؟" میں اس کی گاڑی کے پار چلی آئی۔
"پھر کیسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے؟" وہ میرا چہرہ سرخ انگارہ دیکھ کر ہنسا۔
"جری۔ سچے اور حوصلہ مند۔"
"بھائی جان ایسے ہی ہیں، کل چند خواتین ارتقاء باجی کے رشتے کے سلسلے میں آپ کے گھر آئیں گی۔"
"واقعی؟" غصہ اور خفگی پل بھر میں ہوا ہو گئی۔
"ہاں، چاندنی! محبت کرنے والوں کو دور دور نہیں رہنا چاہئے۔"
"آپ کتنے اچھے ہیں!" مارے خوشی کے میں جھوم سی گئی۔
"دوبارہ کہنا، آواز نہیں آئی۔" وہ شرارت سے جھک کر میرے کان کے پاس بولا۔
"اے اترا گئے زیادہ" اس کو شوخ ہوتا دیکھ کر میں نے سرزنش کی۔
"کیوں، کیا اب اتراؤں بھی نہیں، آخر دولہا کا چھوٹا بھائی ہوں۔" وہ کوش دلی سے ہنسا۔
ٹھیک ہے، اس شاہراہ پر اترایئے، میں تو چلی۔" یہ کہہ کر میں نے قدم بڑھائے۔

♥ ♥ ♥

واجد، عزیز، سہیل احمد اور تنویر ضیاء، باسط بھائی کے خاص الخاص دوستوں میں سے تھے۔ وہ تینوں اپنی بیگمات کے ساتھ ہمارے گھر آئے تھے۔ آصف سب کی سپہ سالاری کر رہے تھے۔ مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے ان کے ہمراہ تھے۔
"یہ اتنے سارے لوگ کیوں آئے ہیں ہمارے ہاں؟" اماں نے آہستگی سے مجھ سے پوچھا۔
نقاہت کی وجہ سے ان کی آواز ہلکی ہو گئی تھی۔
"باسط بھائی کا رشتہ ارتقاء باجی کے لئے آیا ہے۔ رسمِ خواستگاری سمجھ لیں۔" میں نے خوش ہو کر بتایا۔
"باسط کی ماں نہیں آئیں؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔
"نہیں۔"
"کیا وہ باسط کی شادی ارتقاء سے نہیں کرنا چاہتیں؟" اماں کا لہجہ سراسیمہ سا تھا۔
"نہیں۔"
"اگر ایسا ہے تو پھر لوٹا دو ان لوگوں کو۔"
"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ جانتی بھی ہیں؟"
"ہاں، جانتی ہوں جبھی تو کہہ رہی ہوں۔ ماں ہوتے ہوئے کسی دوسری ماں پر ظلم نہیں کر سکتی۔ جس رشتے میں ماں کی خواہش اور اس کی دُعائیں شامل نہ ہوں، اس کا لوٹانا ہی بہتر ہوتا ہے اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو کیا فرق رہ جائے گا مجھ میں اور ثمرین کی ماں میں۔"
اماں، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ ظہیر بھائی نے تو کبھی ایسی کوشش نہیں کی کہ آپ ثمرین کو جا کر دیکھتیں جبکہ باسط بھائی اپنی ممی کو ہمارے ہاں بھیج چکے ہیں۔ اور آج بھی رشتہ لینے کی غرض سے ان کا چھوٹا بھائی ساتھ آیا ہے۔
"پھر بھی منع کر دو، ایسے زبردستی کے سودے پسند نہیں ہیں، میں اپنے خاندان میں مزید تماشا نہیں بننا چاہوں گی۔"
"پلیز اماں! سوچ لیں، یہ ارتقاء باجی کی بھی خواہش ہے۔"

"بکتی ہے تو، میری ارتقاء ایسی نہیں ہے، کیوں ارتقاء؟" انہوں نے باجی کا ہاتھ کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔
باجی چپ چاپ بیٹھی آنسو بہانے لگیں۔
"اری بول تو سہی، کیا چاہتی ہے تو؟ آج سچ سچ بتا دے کہ میری تربیت میں کوئی کسر رہ گئی ہے یا نئی روشنی کی چمک اتنی تیز ہے کہ ظہیر کے ساتھ ساتھ تیری آنکھیں بھی خیرہ ہو گئی ہیں۔"
اماں کے جملے تھے کہ کوڑے، باجی لہولہان سی ہو گئیں۔
"اماں جان آپ باسط کو منع کر دیں، میں باسط سے شادی ہرگز نہیں کروں گی۔" باجی اپنے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو رہی تھیں۔ "مجھے نفرت ہے باسط سے، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھوں گی۔ مگر آپ مجھے بری لڑکی مت سمجھئے، اماں پلیز، دفع کریں ان لوگوں کو۔"
"ارتقاء اگر تم واقعی یہ چاہتی ہو کہ باسط سے شادی نہیں کرو گی تو میں انکار کر دیتی ہوں۔" اماں نے نپے تلے لہجے میں کہہ کر باجی کا چہرہ دیکھا، وہاں چشم تر کے ساتھ امیدوں کے سائے لرز رہے تھے۔
وہ زبان سے نہیں کی تکرار کر رہی تھیں مگر آنکھیں خواب دیکھنے پر بضد تھیں۔ تب انہوں نے چشمِ تصور سے باسط کا چہرہ دیکھا۔
وہ نیک دل اور نیک خو معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کورٹ میرج کے بجائے باعزت طریقے سے اپنانے کا فیصلہ کر کے بے شک بڑی جرأت اور حوصلے کا ثبوت دیا تھا۔
کیا ارتقاء انکار کر کے عقل مندی کا مظاہرہ کر رہی ہے یا ظہیر کے لگے ہوئے داغوں کو مٹا رہی ہے، یہ فیصلہ کرنا اماں کے لئے بہت مشکل ہو رہا تھا۔
ان کی کنپٹیاں گویا پھٹنے کو تھیں۔
"ارتقاء! تمہارا انکار اقرار کا روپ تو نہیں؟" انہوں نے انتہائی دھیمے لہجے میں پوچھا۔
"مجھے کچھ نہیں پتا، میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ سب لوگ اپنی مرضی سے فیصلہ کریں، باسط کو صفاچٹ انکار کر دیں۔ بخدا میں ایک لفظ نہیں کہوں گی۔" وہ مسلسل سسک رہی تھیں۔
"ہوں، تو یہ بات ہے" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ارتقاء کی باتیں اب بہت واضح ہو کر ان کی سمجھ میں آ گئی تھیں۔ اس کی دلی کیفیت جان کر ان کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا سا ہو گیا تھا۔ خلا میں معلق رہنے سے یہ کہیں بہتر تھا کہ وہ کوئی بھی ایک فیصلہ کر لیں اور اسی لمحے انہوں نے فیصلہ کر لیا۔
"تاہم، مہمان خواتین کو میرے کمرے میں لے آؤ۔" باجی کو دوسرے کمرے میں جانے کا اشارہ کر کے پھر اماں نے مجھ سے کہا۔
مسز واجد نے رشتے کی بات کی تو اماں نے رضامندی میں یوں سر ہلا دیا جیسے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ ہو۔"
"باسط کی یہ خواہش ہے کہ یہ شادی نہ صرف انتہائی سادگی سے ہو بلکہ بہت جلدی بھی ہو۔"
"ٹھیک ہے۔" اماں نے اقرار کر لیا۔
"اگر آپ کی کچھ شرائط ہوں تو بتا دیں، مہر کتنا رکھنا چاہتی ہیں؟" مسز واجد نے گھر پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر شاید خود ہی مشورہ دے دیا تھا۔
"یہ سب بے کار کی باتیں ہیں، جب لڑکی دینی ہی ٹھہری تو ان تمام چکروں میں پھنسنے سے حاصل؟ اللہ تعالیٰ اس کو خوشیاں نصیب کرے۔" اماں کی آنکھوں میں دیئے سے جگمگا اٹھے۔
"باسط بہت اچھے ہیں، ارتقاء بہت خوش رہیں گی۔" وہ اماں کو دلاسا دے رہی تھیں۔
"کاش۔ اس خوشی میں باسط کی ماں بھی شریک ہوتیں تو میری خوشی دوچند ہو جاتی۔"

''مائیں کبھی اپنی اولاد سے جدا نہیں رہ سکتیں، عارضی ناراضگی ہے۔ آپ خود ہی دیکھ لیجئے گا۔ وہ ان دونوں کو فلیٹ سے اپنی کوٹھی میں لے جائیں گی۔'' مسز سہیل بڑے وثوق سے کہہ رہی تھیں۔

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔

اور اسی شب اماں پر ہارٹ اٹیک کا پہلا اٹیک ہوا۔ امراض قلب کے خصوصی یونٹ میں انہیں رکھا گیا اور جب طبیعت بحال ہوئی تو وہ اس قدر کمزور ہو گئی تھیں کہ پہچاننے میں نہیں آ رہی تھیں۔

ارتقاء باجی کا رو رو کر برا حال تھا۔ وہ اماں کی بیماری کا سبب اپنے آپ کو سمجھ رہی تھیں۔

''آپ ارتقاء کی شادی کا انتظام کیجئے، ٹائم زیادہ نہیں ہے۔'' طبیعت سنبھلتے ہی انہوں نے ابا جان سے پہلی بات یہی کی۔

''پہلے تم ٹھیک ہو جاؤ، شادی وادی بعد میں دیکھی جائے گی اور یہ ضروری نہیں کہ ہم باسط سے ہی ارتقاء کو بیاہیں، ابھی تو منظوری کی رسم تک ادا نہیں کی۔ احسان کے بھائی کا رشتہ خاندان میں موجود ہے۔ لڑکا دیکھا بھالا ہے۔ گھر کا لڑکا ہے۔ اگر انہیں انکار کیا گیا تو ان کی ناراضگی بھی خواہ مخواہ بڑھے گی۔''

''نہیں فہیم احمد! اب آپ اس جانب سوچیے بھی مت۔'' اماں کانپ سی گئیں۔

''نگہت آرا، ایسے معاملوں میں جلدی نہیں کیا کرتے، تم ٹھیک ہو جاؤ۔ تب اس معاملے میں سوچیں گے ارتقاء ہماری بیٹی ہے، اس کے لئے اچھا ہی سوچیں گے۔ غیر برادری کا کسے معلوم کہ کیسے لوگ ہیں اور کس قماش کے ہیں۔ جب کہ لڑکے کی والدہ رشتے کی غرض سے آئی تک نہیں ہیں۔''

''کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ میں ہامی بھر چکی ہوں ان لوگوں سے، شاید خدا نے زندگی کی یہ مہلت مجھے اسی لئے دی ہے کہ ارتقاء کو بیاہ دوں۔ مر جائے گی وہ۔'' اماں نے لب کچل ڈالے۔

''کوئی نہیں مرتا مراتا، اگر تم ظہیر پر سختی کرتیں تو آج ظہیر ہمارے پاس ہوتا۔ بے وقوف لڑکی کب سے اتنی دانش مند ہو گئی ہے کہ اپنی پسند سے شادی بھی کر لے گی۔'' ابا نے اماں کو رسان سے سمجھایا۔

''نہیں فہیم احمد، اب یوں لگتا ہے کہ ہماری اولاد، ہم سے زیادہ عقل مند ہے، اسے اپنی دنیا اپنے آپ بنانے دو، بیٹی باپ کے گھر سے رخصت ہوتی ہوئی اچھی لگتی ہے۔ ایسے حالات مت پیدا کرو کہ وہ ظہیر کی طرح کوئی قدم اٹھائے۔''

''نہیں اماں، ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ بیٹے اور بیٹی میں یہی تو فرق ہوتا ہے جو مائیں نہیں سمجھ پاتیں۔ مر جاؤں گی مگر آپ کی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ میں کسی باسط واسط کو نہیں جانتی۔ مجھے آپ کی رضا پر سر جھکانا ہے۔'' ارتقاء باجی مارے دیوانگی میں دیوار سے سر ٹکرا رہی تھیں اور جب تک میں انہیں پکڑتی، ان کا سر لہولہان ہو چکا تھا۔

باجی مسلسل انکار کر رہی تھیں مگر اماں ان کے بہتے آنسوؤں کا مقصد سمجھتی تھیں۔ ''بے وقوف لڑکی، تیرے انکار میں جو اقرار پوشیدہ ہے وہ میں بخوبی جان سکتی ہوں۔''

ابا جان نے ضمیر بھائی کو بٹھا کر پوری روداد سمجھائی۔ ماموں جان کو بھی بلایا گیا۔ ماموں جان کا ووٹ باسط کے حق میں نہیں جا رہا تھا۔ ''نگہت آپا شادی کوئی کھیل نہیں ہے جس میں ارتقاء شامل ہو جائیں۔''

''تو کیا میں ارتقاء کو باسط سے نہ بیاہوں......؟'' انہوں نے مشورہ لیا۔

''ہرگز نہیں، جب ہم ان کے بارے میں زیادہ جانتے نہیں تو ان سے رشتے داری کرنے کی کیا ضرورت ہے پیسے کے لحاظ سے بھی وہ تگڑے ہیں۔ ہماری بچی ساری زندگی دبی رہے گی۔'' یہ ماموں جان کا فیصلہ تھا۔

''کیا تم یہ نہیں مانو گے کہ شادی ایک جوا ہے؟'' اماں نے پوچھا۔

''یہ میں کب کہہ رہا ہوں، شادی تو ہے ہی جوئے کا نام'' ماموں جان بولے۔

''میرے بھائی جب جواب کھیلنا ہی ٹھہرا تو اپنی پسند کا کھیل لیں، ویسے بھی کھیل میں کسی کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات خاندان کے دیکھے بھالے لوگ سانپ کی طرح ڈس لیتے ہیں اور بعض حالات میں نامناسب جوڑ بھی پھلتے پھولتے ہیں، یہ سب مقدوروں کے سودے ہوتے ہیں۔''

اماں کی بات سن کر سب کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ ارتقاء باجی کی شادی باسط سے کر دی جائے۔

''میری پیاری بہن بنے گی **دلھنیا**۔'' میں باجی کے کمرے میں آ کر گنگنائی، جو تکیے پر سر رکھے چپ چاپ اوندھی لیٹی تھی۔ ''بکواس مت کرو، میں نے نہیں کرنی شادی وادی۔'' انہوں نے خفگی سے کہا۔

''ایمان سے باجی! بالکل تازہ خبر ہے، بڑے کمرے کی جھری سے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ کان لگا کر سنا بھی ہے، سب مان گئے اماں کی بات۔''

''جھوٹی کہیں کی، بڑے کمرے میں کہاں ہے کوئی جھری، دروازہ بند ہو جائے تو کچھ نظر نہیں آتا۔'' باجی کی خفگی کے باوجود میری بات میں دلچسپی لی۔

''ارے واہ باجی، آپ کو تو اپنے گھر کی بھی مکمل معلومات نہیں ہیں۔ ارے بجو بڑے کمرے میں جھری نیچے ہے۔ زمین پر لیٹ کر نیچے جھانکا جا سکتا ہے اور اس وقت میں نے خاص آپ کی خاطر اوندھا لیٹ کر جھانکا ہے۔''

''اُفوہ، زمین پر لوٹ کر آئی ہیں محترمہ!'' باجی کو صورتحال سے مزہ آنے لگا۔

''جی ہاں، اتنی دیر اوندھے لیٹ کر پیٹ کی نسیں اکڑ کر مروڑے پڑنے لگے، مگر پوری صورتحال سے باخبر ہونے کے لئے کہنی کے نیچے گردن اور آنکھیں ٹیڑھی کئے جھانکتی رہی۔ صرف آپ کی خاطر۔'' میں نے اپنی کہنیاں جھاڑتے ہوئے کہا۔

''پھر آگے بھی بک کہ کیا فیصلہ ہوا؟'' وہ خوشی سے اٹھ بیٹھیں، چہرہ سرشار سا ہو گیا اور آنکھیں زمرد کی ڈلیوں کی طرح ناچنے لگیں۔

اور میں ان کے دمکتے چہرے کو دیکھ کر مسکرا اٹھی کہ انسانی احساسات بھی کتنی سرعت اور برق رفتاری سے اپنا گیئر بدلتے ہیں۔ جمبو جیٹ سے بھی زیادہ تیز۔

''اری بول بھی، چپ کیوں ہو گئی، اماں نے کیا فیصلہ صادر کر دیا؟'' وہ وفورِ شوق سے گلابی پڑی جا رہی تھیں۔

''بس وہی کہ آپ کی شادی نہ احسان کے بھائی سے ہو اور نہ ہی باسط سے بلکہ صفدر بھائی سے کر دی جائے۔''

میں نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

''ماہم کی بچی!'' باجی مجھے مارنے کے لئے لپکیں۔

میں منہ چڑا کر تیزی سے باہر آئی اور باجی میرے پیچھے پیچھے آئیں۔

میں باجی کو ڈاج دینے کے لئے آنگن کے تخت کے پیچھے سے گھوم کر باجی کی پشت پر آئی، جن کے کان ماموں جان کے قہقہوں پر کھڑے ہو رہے تھے۔

''پیاری باجی! سچ مچ یہی فیصلہ ہوا ہے کہ اب آپ کی شادی صفدر بھائی سے ہو گی۔ ہائے! کتنی خوش نصیب ہیں آپ۔ ہر وقت ڈائیلاگ سنائیں گے وہ تو آپ کو، ہر بات آپ کی مانیں گے۔ کیسے حسین ہوں گے وہ دن اگر آپ دن کو رات کہیں گے تو وہ جھٹ یقین کر لیں گے۔'' میں ہنستے ہوئے باجی کو جلا رہی تھی۔

باجی میری شرارت سمجھ چکی تھیں۔ وہ ہنستے ہوئے گھومیں، میں یہ سمجھی کہ اب وہ یقیناً میرے دو چار ہاتھ

ضرور لگائی گی۔ میں کرسی سے چھلانگ لگا کر انتہائی سرعت سے جو بھاگی تو باہر سے آتے ہوئے آصف سے بری طرح ٹکرا گئی۔

"یا وحشت! خیریت، یہ کہاں کی دیوانگی ہے؟" آصف انتہائی حیرت سے میرا وجود اپنی بانہوں میں سنبھالے پوچھ رہے تھے۔

باجی اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے بُری طرح ہانپ رہی تھیں۔ اور میں دم بخودی اپنے دراز بال چھڑا رہی تھی جو ان کے قمیض کے بٹن میں بُری طرح الجھ گئے تھے اور کسی صورت نکلنے میں نہیں آ رہے تھے۔

"چاندنی، یاد رکھنا تم خود ہی مجھ سے بھڑ رہی ہو! ہمیشہ کی طرح۔" وہ مخمور آواز میں آہستگی سے بولے۔

"جی......؟" میں نے حیرانی سے انہیں دیکھا مگر یہ دیکھ کہ میری آنکھیں پھیل سی گئیں کہ ایک پیار کا سمندر آصف کی آنکھوں میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

اور باجی دم بخودی آصف کو دیکھ رہی تھیں جس کی آنکھیں صرف میرے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

ارتقاء باجی کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد آصف کا آنا مزید بڑھ گیا۔ کبھی کپڑوں کے ناپ کے واسطے آ رہے تھے تو کبھی انگوٹھی کے سائز کے واسطے، ان میں سے اکثر چکران کے ایسے تھے جو کہ بے وجہ لگ رہے تھے۔ میں جانتی بھی تھی اور سمجھتی بھی تھی مگر ان کی ان حرکتوں سے میرے دل میں طمانیت کی لہریں رواں ہو جاتی تھیں۔ آصف کا آنا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ وہ بہانے بہانے سے روز ہی آتے رہیں۔ ان کا دل بھی شاید ان سے یہی کہہ رہا تھا۔

ابھی میں کالج سے آ کر بیٹھی ہی تھی، یونیفارم تک نہیں تبدیل کی تھی کہ وہ پھر چلے آئے۔

"چاندنی! نکاح کا جوڑا سرخ لیا جائے یا شاکنگ پنک؟" وہ میرے پاس ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

"میرا خیال ہے "شاکنگ پنک" مناسب رہے گا۔" میں فوراً ہی بول پڑی۔

"تمہاری شادی ہو رہی ہے جو فرمائش کر رہی ہو۔" وہ اترانے لگے۔

"توبہ ہے! میں تو باجی کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔" مارے شرم کے میں سرخ ہی تو پڑ گئی۔

"باجی سے پوچھ کر بتاؤ۔ تمہاری فرمائش بہرحال نوٹ کر لی گئی ہے۔" آصف کے شریر لہجے کو محسوس کر کے میں فوراً ہی باجی کو بلا لائی جو اندر گھر کھرو کا جال دوپٹے پر بنا رہی تھیں۔

"باجی آ گئی ہیں۔ پوچھ لیں ان کی پسند۔" میں تنتنا کر بولی۔

"باجی، آپ اپنی سینڈلیں خود خرید لیں اور نکاح کے جوڑے کے لئے رنگ بتا دیں یا وہ بھی خود ہی خرید لیں اور بل ہمیں دے دیں۔"

"واہ، یہ بھی اچھی زبردستی ہے۔ اب بری کی چیزیں بھی ہم خود خریدیں۔" باجی نے ہنس کر کہا۔

"ہم تو آپ کے بھلے کے لئے کہہ رہے ہیں اور زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ آپ اپنی شاپنگ باسط بھائی کے ساتھ کر لیں......وہ بھی یہی چاہ رہے ہیں۔" وہ رازداری سے سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

"نہیں بھئی، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ان سے کہہ دو کہ شاکنگ پنک میں خود ہی غرارہ لے لیں رہی سینڈلوں کی

بات تو وہ میں لے لوں گی۔"

"ہم تو اپنی پسند سے اپنی دلہن کی بری کا سامان لائیں گے۔ اس وقت مت جلئے گا آپ۔" آصف نے ایک نظر مجھ پر ڈال کر باجی سے کہا۔

"تمہاری اور بات ہے آصف۔" باجی نے ایک گہرا سانس لے کر اسے بغور دیکھا۔

"جی نہیں، یہ سب ہمت اور جذبوں کی باتیں ہوتی ہیں۔" وہ ہنسا۔

"ہمت ہی تو نہیں ہے میری تمہیں کیا پتا چڑیا کا سا دل ہے میرا۔" باجی دور کہیں سوچتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"بازی تو آپ کے ہاتھ رہی، اب تو آپ کو بہادر ہو جانا چاہیے۔"

"نہیں آصف، میں بہت بزدل ہوں۔ میں تو ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتی تھی۔"

"پھر تو آپ باسط بھائی کی بہادری پر ایمان لے آئی ہوں گی۔ کیسے جی دار رہے وہ۔ آپ کی خاطر انہوں نے گھر، دھن، دولت سب پر لات مار دی۔"

"پتا نہیں، ان کا یہ اقدام کہاں تک درست رہا۔" باجی تذبذب سے بولیں۔ باسط کی ممی کی ناراضگی کا بوجھ ان کے ذہن پر بھی تھا۔

"باسط بھائی نے بالکل صحیح فیصلہ کیا۔ محبت اس لئے نہیں کی جاتی کہ پیچھے ہٹا جائے مگر ہماری "ان" کا دل آپ جیسا نہیں ہو گا۔" بظاہر وہ باجی سے باتیں کر رہا تھا مگر دانستہ مجھے سنا رہا تھا۔

"کون ہے وہ؟" باجی اس کی بات سن کر یکدم چونک سی گئیں۔

"ایک لڑکی ہے۔" وہ قصداً شرمایا۔

"ظاہر ہے کہ لڑکی ہی ہو گی مگر کون ہے وہ ذاتِ شریف؟" باجی کے لہجے میں اشتیاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

"بس اتراتی بہت ہے، کبھی ملواؤں گا آپ سے۔ دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔ ظالم بہت خوبصورت ہے۔"

میں اسے نظر انداز کئے، اس کی جانب سے پیٹھ موڑے چپ چاپ کھڑی تھی مگر میرے کان اسی کی باتوں پر تھے بے پر کی اڑا رہا تھا اور باجی ہونق سی اسے دیکھے چلی جا رہی تھیں۔

"آصف بیٹے! چائے پی لو۔" اماں نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

"ارے خالہ جان، آپ کیوں اٹھ گئیں۔ اتنی تو طبیعت خراب ہے۔" اماں کو آنگن میں آتا دیکھ کر وہ مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"میں کہاں چلتی ہوں۔ اب اٹھا ہی نہیں جاتا۔ گھر میں شادی ہو رہی ہے۔ ان کے ابا اور ضمیر ہی ساری بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اور میں کچھ بھی نہیں کر پا رہی۔"

"خالہ جان، آپ کی دُعائیں ہی بہت ہیں، چلئے میں آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ اماں کو سہارا دے کر اندر لے گیا۔

باجی نے چائے کا سامان برآمدے کی میز پر لگا دیا تھا اور خود اماں کے پاس چلی گئی تھیں۔ اماں کی دوا کا ٹائم بھی ہو گیا تھا۔

"کیا میں اکیلا چائے پیوں گا؟" آصف نے ایک نظر مجھ پر ڈال کر کہا۔

"کیا مضائقہ ہے۔" میں جو بلا ارادہ یونہی آنگن میں گھوم رہی تھی۔ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"سن لو چاندنی! میں تنہا کھانے پینے کا بھی قائل نہیں ہوں اور چائے تو بے کیف ہو جاتی ہے، جب

اکیلے پی جائے۔"

"چلئے جناب، اس وقت تو آپ کا ساتھ دے سکتی ہوں کہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔" میں اس کے مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"جب آپ ہماری مہمان ہوں گی تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا اور میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی پلیٹ میں گاجر کا حلوہ نکالنے لگی۔

اس کے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھانا کتنا مشکل لگ رہا تھا۔ حلق میں گولے سے اٹک رہے تھے۔

اور وہ مجھے کھانے میں مصروف دیکھ کر نہایت اطمینان سے مجھے دیکھنے لگا اور میں پہلو بدل کر رہ گئی۔ کتنا چالاک تھا وہ۔

"کیسی میزبان ہو تم خود کچھ کھا ہی نہیں رہی ہو۔ اس کا کیا مطلب سمجھوں۔"

"آپ چائے پیجئے۔" میں بدستور سر جھکائے چمچے سے کھیلنے لگی۔

"تم لڑکیاں یہ کیسے سمجھ لیتی ہو کہ کوئی تمہیں نظر بھر کر دیکھ رہا ہے۔"

وہ مجھے بار بار پہلو بدلتے دیکھ کر سمجھ گیا تھا شاید۔

"ہر لڑکی ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔"

"کیا واقعی؟" وہ ہنسا۔

"جی ہاں، ہر لڑکی یہ دیکھے بغیر جان سکتی ہے کہ اس کے سامنے والا کیا سوچ رہا ہے۔"

"گویا تم میری چاہت کا سراغ لگا رہی تھیں۔" وہ جھک کر بولا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں تھی۔" اس کی باتیں سن کر میرا دورانِ خون تیز ہو گیا تھا مگر میں خود کو سنبھالے ہوئے بے پروائی سے کہہ رہی تھی۔

"جھوٹی کہیں کی۔" وہ میری آنکھوں میں گھسا چلا آ رہا تھا۔

"آصف پلیز کوئی دوسری بات کرو۔" میں نے اپنی دونوں آنکھیں میچ لیں۔

"چاندنی! ایک بات کہوں۔"

"ہوں۔ کہو۔"

"کبھی تم نے سوچا اس بارے میں......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کھنکارا۔

"کس بارے میں؟" میں نے آنکھیں کھول کر اسے غور سے دیکھا۔

"تمہارے پاس آ کر تم سے باتیں کر کے مجھے کتنا سکون ملتا ہے۔"

"دونوں بھائیوں کا سکون، کیا اسی گھر میں لکھا ہے؟" مجھے ہنسی آ گئی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔" میں نے اپنی ہنسی ہونٹوں تلے دبا لی۔

"چاندنی! قدرت نے ہمارے ملنے کی راہیں کس قدر آسان کر دی ہیں۔ اب باسط بھائی کے گھر بیٹھ کر تم سے دل بھر کی باتیں تو کر سکوں گا۔"

"کیا شاعری سے بھی لگاؤ ہے آپ کو؟" میں نے شوخی سے اسے چھیڑا۔

"اڑا لو مذاق تم بھی، میں نے تو تم سے ابھی کچھ بھی نہیں کہا جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔"

"پتا تو چلے کیا کہنا چاہتے ہیں حضور!" میں تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر بغور اسے تکنے لگی۔

مجھے پوری امید تھی کہ اب وہ کوئی مزاحیہ سا جملہ اچھال کر مجھے قہقہے لگانے پر مجبور کر دے گا۔ ہنسنا ہنسانا اس کی طبیعت کا اہم حصہ تھا۔ مگر میری بات سنتے ہی اس کی آنکھیں جگر جگر چمکنے لگیں اور چہرہ شدت

جذبات سے سرخ سا ہو گیا۔

"آصف!" میرے لب بے آواز تھرتھرائے۔

مگر وہ مجھے یوں تکے چلا جا رہا تھا جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہا ہو۔

اس کی آنکھوں نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ کتنا سنجیدہ ہو گیا تھا وہ...... چائے پیالیوں میں رکھی ہوئی ٹھنڈی ہو رہی تھی اور وہ کچھ کہے بنا مجھے تکے چلا جا رہا تھا۔

نظروں کی زبان دل کی روداد برق رفتاری سے کہہ رہی تھی اور میں یہ سب کچھ سن کر سن سی ہو گئی تھی۔

میری پھٹی پھٹی نظریں صرف آصف کا طواف کر رہی تھیں۔

کیا عشق ہو گیا تھا اسے، مجھ سے۔

وہ میرے بنا، زندگی کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔

کیا پیار کرنے والے سب ایک جیسے ہوتے ہیں؟

ارتقاء باجی کے جذبے پنپتے ہوئے اب آصف کی آنکھوں میں نظر آ رہے تھے۔

کتنا بے کل ہو رہا تھا وہ میری چاہت کے لئے۔

آصف کی دلی حالت جان کر مجھے غرور سا عطا ہو گیا تھا۔

اپنی ذات اپنے لئے ہی معتبر سی ہو گئی تھی۔

چاہے اور چاہے جانے کی خواہش لڑکیوں کے دلوں میں شدت سے ہوتی ہے۔

اور آج یہ خواہش پوری ہو رہی تھی۔

بہت ہی خوبصورت خواب تھا

جو کچی عمروں میں، میں اکثر دیکھتی تھی۔

یہ......کہ

پورے چاند کی شب ہے
زمین سے آسمان تک روشنی کی ایک سیڑھی بن گئی ہے
میرے تن پر ستاروں سے بنا ملبوس ہے
ایک ہاتھ میں تازہ گلاب اور دوسرے ہاتھ میں تیرا بازو
میں تیرا ہاتھ تھامے زینہ وزینہ قدم رکھتی ہوں
نامعلوم دنیا کے سفر پر ہوں
تیری سانسوں کی خوشبو
رات کی رانی کا جادو
چاندنی کا لمس
آپس میں گھلے جاتے ہیں
میری روح میں تحلیل ہوتے جا رہے ہیں
یہ سپنا جل چکا تھا
بس اس کی راکھ میری روح میں اکثر اڑا کرتی تھی
مگر آج کی شام شب مہتاب کی طرح تھی
اور آسمان تک نور کی سیڑھی بنی تھی
ستاروں سے بھرا آنچل تھا میرا

میرے ایک ہاتھ میں ہلکے گلابی پھول تھے
اور دوسرا اس چاہنے والے کے ہاتھ میں تھا
جس کا ہر انداز بہت مختلف تھا
مگر اس کی آنکھ میں جو جگمگاہٹ تھی میری دیکھی ہوئی تھی
اور اس لب پر جو دل کش مسکراہٹ تھی
میری چومی ہوئی تھی!

نہ آصف نے مجھ سے کچھ کہا تھا اور نہ میں نے اس سے۔
مگر میرا رواں رواں اس کی محبت پر ایمان لے آیا تھا
"چاندنی!" اس نے پکارا۔
اور میں اپنے خوابوں سے نکل آئی، پلکوں کی چلمن اٹھا کر اسے دیکھا، وہ ہنوز میری ہی ذات میں گم تھا۔
"چاندنی! میں کہہ نہیں سکتا کہ میں......" اس نے میری جانب دیکھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
سارے لفظ گونگے ہو گئے تھے۔
دل کی باتیں صرف آنکھوں میں جھلملا رہی تھیں۔
سانسوں کی گہری آواز وارفتگی کا احساس دلا رہی تھی۔
"چاندنی! میں...... میں......" بے بس ہو کر اس نے اپنے لب کچل ڈالے۔
"آصف!" میری آواز میں جیسے امرت گھل چکا تھا۔
"چاندنی!" مسحور ہو کر وہ آنکھیں بند کئے گہرے سانس لے رہا تھا، وہ امرت شاید اس کی نس نس میں سما گیا تھا۔
"آصف کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" میرا لہجہ دھیما تھا مگر ارمانوں کے رنگ میرے لہجے کو شہابی بنا رہے تھے۔
"ہرا......" وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "تو گویا پیار کا پرمٹ ہمیں مل گیا۔"

جمعے کا دن تھا، باجی کی شادی گھر پر ہی ہو رہی تھی، خاندان میں سے فاخرہ خالہ، زبیدہ پھوپھو اور ماموں جان کے گھر کے لوگ تھے۔ بارات میں کل گیارہ افراد آئے تھے۔ باسط کے ہمراہ بھائیوں میں صرف آصف آئے تھے باقی باسط کے قریبی دوست اور ان کی بیگمات تھیں۔
باسط بھائی تھری پیس سوٹ میں اچھے لگ رہے تھے۔ ان کی رنگت گو سانولی ضرور تھی۔ مگر تیکھے نقوش اور لمبے قد میں وہ اچھے لگ رہے تھے۔
بری میں صرف پانچ جوڑے اور ایک شہانہ جوڑا تھا۔ پانچویں جوڑے ریڈی میڈ کام کے تھے جو عجلت میں خریدے گئے تھے۔ سونے کا صرف ایک ہلکا سا سیٹ تھا۔ بری اور زیور دیکھ کر صاف معلوم ہو رہا تھا کہ باسط نے یہ سب کچھ اپنے پاس سے کیا ہے گھر والوں کی جانب سے کچھ مدد نہیں کی گئی ہے۔ شکر ہے کہ شہانہ جوڑا خوبصورت بھی تھا اور قیمتی بھی۔
رابعہ آپا اور باجی کی خاص دوستوں نے ارتقاء باجی کو بڑی مہارت سے دلہن بنا دیا۔ چھوٹا سا گھر مہمانوں کے دم سے یکدم کھل اٹھا تھا مگر اماں کے چہرے پر ہول اور پژمردگی کا بسیرا پوری طرح تھا۔ نکاح کے بعد ان کے آنسو چپ چاپ رخساروں پر بہنے لگے۔
"چاندنی! اب تو بھابھی کو باہر لے آؤ، بھائی کے ساتھ ان کی مووی بنانی ہے۔" میں گھر سے نکل کر شامیانے میں گئی تو آصف نے آلیا۔

"اچھا ابھی لاتی ہوں۔" میں اپنا زرتار آنچل سنبھالتے ہوئے بولی۔
میں باجی کو تھام کر مسند تک لائی تو وہ پھر میرے کان میں گنگنایا۔
"چاندنی! اب تم بھی، برابر میں بیٹھ جاؤ اور ہاں، اب ہٹنا نہیں۔"
اور میں باجی کے پاس بیٹھ گئی۔
مووی کے کیمرے نے باجی کے ساتھ ساتھ مجھے بھی فوکس میں لے لیا۔ وہ مووی بڑے جذب کے عالم میں بنا رہا تھا۔ باجی کے ساتھ ساتھ مجھے بھی ہدایتیں دے رہا تھا۔ منہ ترچھا کرو، دوپٹہ سیدھا کرو، بال ماتھے پر سے ہٹاؤ، اور میں مسکراتے ہوئے اس کی ہدایتوں پر کسی روبوٹ کی طرح عمل کر رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی، اس کے کلوز اپ ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔
"ماہم! اب اٹھو بھی ہمارا ابھی گروپ بنے گا۔" رابعہ آپا نے مجھ سے کہا۔
میں اٹھی تو آصف کی نظریں سرزنش کرتی رہ گئیں۔
ماموں اور ممانی کے ساتھ شہری بھی آیا تھا صفی کو باجی کے دیور کے روپ میں دیکھ کر وہ ہکا بکا سا رہ گیا تھا۔
"صفی یار، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سے رشتے داری بھی ہو جائے گی۔"
"یار شہری! تم ہمارے دوست تو تھے ہی، ہم نے سوچا کہ عزیز ترین دوست بنا لیں۔"
"ہماری ارتقاء باجی بہت اچھی ہیں۔" شہری بڑی محبت سے کہہ رہا تھا۔
"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے کہ تمہاری پھوپھی کی فیملی بہت اچھی ہے۔"
آصف کی نظریں مجھ پر پھسلتی ہوئی اس تک پہنچ گئیں۔
"چلو اب تمہارے ڈرامے ہم سب با جماعت دیکھنے آیا کریں گے۔" شہری ہنسا۔
"یار علیحدہ علیحدہ آنا تاکہ تم سب کو انفرادی طور پر اٹینڈ بھی کر سکوں۔" وہ شہری کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی لگاوٹ سے کہہ رہا تھا۔
اور میں نے شہری کی اندازہ لگاتی ہوئی نظروں سے بچنے کے لئے باجی کے پہلو میں پناہ لے لی جو باسط بھائی کی کسی بات پر ہولے ہولے مسکرا رہی تھیں۔
مہمانوں کو صرف چائے اور ناشتا کروایا تھا کیونکہ یہ باسط کی شرط تھی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے۔
مغرب سے پہلے رخصتی ہوئی تو اماں نے زبیدہ پھوپھو کو باجی کے ساتھ بھیجا۔ ارتقاء باجی رخصت ہو کر باسط کے ساتھ فلیٹ میں گئی تھی۔ یہ فلیٹ باسط بھائی کے کسی دوست کا تھا۔ جس نے رہنے کے لئے انہیں عارضی طور پر دے دیا تھا۔
"خدا کا شکر ہے کہ ارتقاء کا فرض پورا ہو گیا۔ بیٹی ساتھ خیریت کے بیاہی گئی۔" ابا جان باجی کو رخصت کر کے یوں گھر میں داخل ہوئے جیسے زبردستی مسکرا رہے ہوں۔
اماں کو ایک چپ لگ گئی تھی۔ باجی کی رخصتی کے وقت بھی وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے باجی کو دیکھ رہی تھیں۔
"نگہت آرا، ہے ناں، خوشی کی بات کہ ہم نے ارتقاء کی شادی پر اس کی پسند سے کر دی۔ زندگی تو اسے نبھانی ہے، ہم نے اچھا کیا کہ اس کی خوشیوں کو پامال نہیں کیا۔" ابا جان نے اماں کو بولنے پر اکسایا۔
"اللہ میری بچی کی خوشیوں کی حفاظت کرے۔" اماں کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
"ہاں ہاں، وہ انشاء اللہ خوش و خرم رہے گی۔ باسط بہت اچھا لڑکا ہے۔" ابا نے تسلی دی۔
"پر آج مجھے اپنا ظہیر بہت یاد آ رہا ہے۔ آج وہ ہوتا تو تمہارے ساتھ اپنی چھوٹی بہن کو رخصت کرتا۔ اس کے بغیر ہی گھر میں خوشی کی تقریب ہو گئی اور کسی نے اس کو یاد تک نہیں کیا۔" اماں کی آنکھوں سے ایک

پرنالا بہہ نکلا۔

ابا جان جو اماں کو تسلیاں دے کر بہلا رہے تھے، ظہیر بھائی کا نام سن کر وہ بھی آبدیدہ ہو گئے۔

''ظہیر مجھے بھی یاد آتا ہے اور بہت یاد آتا ہے مگر کیا کروں، فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ میں اسے پا نہیں سکتا اگر وہ اسی شہر میں ہوتا تو خواہ وہ ناراض ہی ہوتا میں اس کو ہر صورت میں لے آتا۔'' ابا جان دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

''کب آئے گا ظہیر، ہمیں اپنی شکل دکھائے بھی گا بھی یا نہیں، یا ہم یونہی اس کی یاد دل میں دبائے اس دنیا سے چلے جائیں گے؟'' اماں سسک رہی تھیں اور میں انہیں سنبھالتے سنبھالتے خود بھی اشکبار ہو رہی تھی۔ یہ خون کے رشتے شہ رگ سے بھی قریب ہوتے ہیں ان کی محبت سے کسی صورت بھی باز نہیں آ جا سکتا۔

♥♥♥

جب دل میں کسی کی چاہت بسیرا کر لے تو من کیسا بھاری بھاری سا ہو جاتا ہے یہی سب میرے ساتھ ہو رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ من کی بات کسی کو بتا کر دل ہلکا پھلکا کر لوں۔

''مگر کس سے کہوں؟'' اس کا فیصلہ میں بالکل نہیں کر پا رہی تھی۔

''ارتقاء باجی سے۔''

''نہیں ابھی نہیں۔'' دماغ نے تاویل دی۔

''اماں سے۔''

''ہرگز نہیں، جب تک تمام مسائل سلجھا نہ لوں، رابعہ آپا سے۔''

''نہیں، وہ پیٹ کی بہت ہلکی ہیں۔ اتنی سی بات بہت بڑی کر کے سارے خاندان میں پھیلائیں گی۔''

''آخر کس کو بتاؤں کہ ایک پیارا سا بندہ مجھے اپنی زندگی سمجھنے لگا ہے۔''

کالج گئی تو بہت سوچ کر، میں نے نصرت کو سب کچھ بتا دیا اور ہلکی ہو گئی۔

''ایمان سے، وہ ایکٹر جس کی بہت آفت پرسنالٹی ہے؟'' وہ اچھل ہی تو پڑی۔

''ہاں، وہی۔'' میں شرمائی۔

''اس کے ڈرامے کس قدر شاندار ہوتے ہیں۔'' اس نے رشک بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ خود بھی بہت شان والا ہے۔'' میں تفاخر سے مسکرائی۔

''بدبخت کی آنکھیں کس قدر خوبصورت ہیں۔'' نصرت نے تبصرہ کیا۔

''اے۔ اب اسے بدبخت نہ کہنا۔'' میں نے ناک سکوڑی۔

''پھر کیا کہوں۔ ساجن؟'' وہ ہنسی۔

''نہیں، بختاور کہو۔'' میں دور کہیں سوچتے ہوئے بولی۔

''ماہم سوچ لے، وہ بہت بڑا ایکٹر ہے۔'' نصرت مجھے سنجیدہ دیکھ کر سمجھانے بیٹھ گئی۔

''تو کیا ہوا؟ یہ تو میرے لئے فخر کی بات ہوئی کہ ایک عالم اس کا پرستار ہے۔'' میں نے زعم بھرے لہجے میں کہا۔

''یہی تو اس کی سب سے بڑی خامی ہے۔'' نصرت نے دانت پیسے۔

''خوامخواہ ہی میں، بڑے لوگ آخر مشہور ہوتے ہی ہیں۔''

''ماہم بیگم! خامی صرف یہ ہے کہ آپ کے محبوب کا پیشہ عشق کرنا ہے وہ تو عادی ہیں عشق کرنے کے،

''نہیں نصرت، وہ ایسا نہیں ہے۔'' اس کی بات سن کر میرا کلیجا تھرا کر رہ گیا۔

''خدا کرے کہ وہ ایسا ہی ہو...... جیسا کہ تو سمجھتی ہے۔'' نصرت نے میرا سراسیمہ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر تسلی دی۔

''وہ محبت میں بہت کھرا ہے، اس کے بھائی نے صرف اپنی محبت پانے کے لئے سب کو چھوڑ دیا اور وہ تو اپنے بھائی سے زیادہ ایکٹو ہے......''

''ٹھیک ہے ہوگا ایسا وہ۔ چلو تمہارے طفیل فری میں ڈرامے دیکھنے کو ملیں گے۔'' نصرت نے خوش دلی سے میرا موڈ بحال کرنا چاہا۔

مگر میرے ذہن میں نصرت کی بات اٹک کر رہ گئی تھیں کہ اس کا پیشہ تو عشق کرنا ہے۔ کالج سے واپسی پر وہ ملا تو پہلی بات میں نے یہی کی۔

''آصف، اگر تم اسٹیج ڈراموں میں کام کرنا چھوڑ دو تو کیسا رہے گا۔''

''جو حکم تمہارا، جو تم کہو گی وہی کروں گا۔ میرا تو خیال یہ تھا کہ میری شہرت تمہاری اپنی شہرت ہو گی۔ اور پھر ہم دونوں ڈرامے کی دنیا میں ایک طوفان مچا دیں گے۔ تب میرے ساتھ ساتھ تمہارا نام بھی ہر ایک کے لبوں پر ہوگا جو دیکھے گا وہی یہ کہے گا کہ کتنی اچھی جوڑی ہے۔ کیوں چاندنی ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں؟'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے مجھے اپنے قریب کرتے ہوئے سرگوشی میں کہا تو میں اس کی جانب دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی جہاں صرف اور صرف میرے لئے پیار کی قندیلیں روشن تھیں۔ ایسے بندے پر ہرگز شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

♥♥♥

ضمیر بھائی کے میچوں کی دھاک پورے شہر میں جم رہی تھی۔ اخبارات ان کے دھوم دھڑکے والی سینچریوں کا ذکر ''فرنٹ پیج'' پر کر رہے تھے ایسا بھی کئی بار ہوا تھا کہ ان کے ون ڈے میچز کو ٹی وی نے پوری پوری کوریج دی تھی۔

''ضمیر بھائی لگ رہا ہے کہ آج کل آپ کا ستارہ عروج پر ہے۔'' ایک شام ان کے متعلق اخبار میں مضمون پڑھ کر میں نے سرشار لہجے میں کہا۔

''ہاں، قسمت بڑی مہربان ہے، پرسوں ٹی وی پر ایک اسپورٹس کے پروگرام میں میرا خصوصی انٹرویو بھی ریکارڈ ہوا ہے۔''

''اچھا کب آئے گا وہ ٹی وی پر۔'' میں نے اشتیاق سے پوچھا

''اٹھارہ فروری کو ٹیلی کاسٹ ہوگا وہ۔''

''انٹرویو دیتے ہوئے ڈر تو نہیں لگا آپ کو۔'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''کیوں اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟'' انہوں نے منہ بنا کر کہا۔

''بھئی سوالات کرنے والے بھی تو اچھی خاصی کھینچائی کر دیتے ہیں۔''

''جب جواب دینے والا مجھ جیسا بیٹسمین ہو تو سوال کرنے والے تو اپنی بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔'' وہ اترائے۔

''اچھا یہ بات ہے، چھوٹے بھائی، آج کل انٹرویو دیتے پھر رہے ہیں مگر خیال رہے کہ یہ انٹرویو ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات تک ہی رہیں۔ کبھی لت پڑ جائے تو گھر گھر جا کر انٹرویو دینے لگو اور خاندان کے لوگ کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔'' میں نے شرارت سے کہا تو وہ بھی شوخ ہو گئے۔

میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب اپنے خاندان میں لڑکیوں کی اتنی سالگرہیں کیوں ہونے لگی ہیں۔ کبھی

زبیدہ پھوپھی کا فون آرہا ہے کہ صائمہ کی اٹھارویں سالگرہ ہے، ماہم کو لے کر آجانا تو کبھی سعد ماموں کا کہ ان کی بینش کی سولھویں سالگرہ ہے، ضرور آنا، دفتر کا وہ فون جس پر کبھی ان کے فون نہیں آتے تھے آج کل یاد دہانی تک کے فون آرہے ہیں ارے بھئی، جب ہم نے ان محترماؤں کی گزشتہ سالگرہوں میں بھی شرکت نہیں کی تو اس سالگرہ میں ہماری شرکت کیوں اتنی خاص سمجھی جارہی ہے۔" ضمیر بھائی ہنس رہے تھے۔

خاندان کے لوگوں کی حرکتوں پر، مجھے بھی ہنسی آرہی تھی کہ یہ کیسے دعوت نامے تھے جو گھر آنے کے بجائے ضمیر بھائی کو ڈائریکٹ دیئے جارہے تھے۔

"ضمیر بھائی وقت، وقت کی بات ہوتی ہے، یہ آپ کا زمانہ ہے، جایئے اور خوب کھا پی کر آیئے خوب انجوائے کیجئے۔"

"میرے پاس وقت کہاں ہے یا تو میں میچز میں مصروف ہوتا ہوں یا پھر پریکٹس میں اگر اس سے کچھ وقت ملتا ہے تو اپنی پروفیشنل تقریبات ہی بہت ہوتی ہیں، ان سے ہی پوری طرح نمٹا نہیں جاتا۔ کل ایک تقریب میں ایک فلمی اداکارہ میری بیٹنگ کی اس قدر تعریفیں کر رہی تھیں کہ مجھے جوابی طور پر ان کی ان فلموں کی تعریف کرنی پڑی جو میں نے دیکھی ہی نہیں تھی۔"

"واہ، یہ تو آپ نے بڑی گرما گرم خبر سنادی، آپ کی تعریف سن کر وہ یقیناً خوش ہوگئی ہوں گی اور ہوسکتا ہے کہ اپنی اس خوشی میں وہ آپ کو بھی فلمی پچ پر کھیلنے کی آفر کردیں۔" میں نے تالی بجا کر خوش ہو کر کہا۔

"اے، زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ضمیر بھائی نے میری چوٹی کھینچتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے اگر آپ فلمی لائن جوائن کرلیں، قومی ٹیم میں آنے سے پہلے ہی کم از کم پردۂ سیمیں پر دو چار چھکے تو مار ہی لیں گے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"ناکام ہیرو سے بہتر ہے کہ میں گمنام بیٹسمین رہوں۔" وہ ہنسے۔

"کیوں، شوق نہیں ہے، اداکاری کے جوہر دکھانے کا سوچ لیں، اس فلمی ہیروئن سے دو چار ملاقاتیں اور کرلیں، فلم میں بہت نام کمائیں گے، لڑکیاں آپ کی تصویریں اپنے لاکٹ میں لگائے پھریں گی۔"

"ماہم صاحبہ! میں تمہاری جیسی بونگی اداکاری نہیں کرسکتا، ورنہ ضرور سوچتا، اپنے مشوروں کی پٹاری اپنے پاس ہی رکھا کرو کیا سمجھیں۔"

"میں بونگی اداکاری کرتی ہوں کیا۔" یہ اتنے سارے ایوارڈز جو اسکول کالج میں مجھے ملے ہیں، کیا میں خرید کر لائی ہوں؟" ضمیر بھائی کی بات سن کر میں تنتنا ہی تو گئی۔

"بُرا کیوں مان رہی ہو، لوگ ایسا بھی کرلیتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ تم جیسی باؤلی لڑکی ڈراموں میں اداکاری بھی کرلیتی ہے۔" انہوں نے مجھے مزید جلایا۔

"ڈراما دیکھ کر رائے دیجئے گا۔ میرے ڈرامے کا ٹکٹ نہیں ملتا۔"

"تمہاری قسمت اچھی ہے کہ تمہارا ڈراما کبھی نہیں دیکھا، ورنہ اتنی تنقید کرتا کہ آئندہ کبھی کام کرنے کی سکت نہیں رہتی تم میں......!"

"اپنی بیٹنگ دیکھی ہے کبھی، بلا ایسے گھماتے ہیں جیسے کسی کو دھوبی پاٹ مار رہے ہوں۔" میں نے زبان چڑا کر کہا۔

"دھوبی پاٹ ہی سہی، مگر میں مخالف ٹیم کے چھکے اڑا دیتا ہوں۔" وہ ہنسے۔

یہ حقیقت تھی کہ ان دنوں ضمیر بھائی جو بھی میچ کھیل رہے تھے۔ "مین آف دی میچ" کا اعزاز انہیں ہی مل رہا تھا ابا جان بھی کافی خوش تھے، اماں کی توجہ بار بار ضمیر بھائی کی کامیابیوں کی طرف دلا رہے تھے۔

"بڑے کو بھی لکھ دو کہ اس کا چھوٹا بھائی اتنی کامیابیاں حاصل کر رہا ہے، وہ بھی خوش ہو جائے گا۔" وہ

رونے کی سی آواز میں بولیں۔

"لکھ دوں گا میں اسے بھی، پچھلی بار اسے چار خط لکھے ہیں، پتا نہیں اسے ملے بھی ہیں یا نہیں۔"

"کیا پتا، اس نے بھی اتنے ہی لکھ ڈالے ہوں، ڈاک کا نظام بھی تو خراب ہے، جب ہی تو اس کے خط ہمیں مل نہیں رہے۔" اماں کا لہجہ امید و بیم کا مظہر تھا۔

"ضمیر کی تصویریں دیکھیں تم نے، کتنے سارے رسائل نے اسے سرورق پر جگہ دی ہے۔" ابا جان نے کئی اسپورٹس میگزین اماں کو دکھاتے ہوئے کہا، ابا دن میں کوئی چار دفعہ ان تصویروں کو دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے۔ اماں نے تصویر دیکھی تو بے اختیار چوم لی۔ یہ ابا جان، اماں جان کی دُعائیں تھیں اور ضمیر بھائی کی قسمت بھی کہ ضمیر بھائی کو نہ صرف قومی ٹیم میں سلیکٹ کرلیا گیا بلکہ آسٹریلیا جانے والی ٹیم میں شامل بھی کرلیا۔

ضمیر بھائی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ چاروں طرف سے مبارکبادیں موصول ہو رہی تھیں۔ وہ انتہائی مسرت سے آسٹریلیا جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں پانچ روزہ میچ پاکستان جیت گیا اور ضمیر بھائی کی شہرت کو چار چاند اس وجہ سے بھی لگ گئے کہ پہلے ہی تیسٹ میچ میں ان کی سینچری بن گئی تھی۔ ریڈیو اور ٹی وی پر کمنٹیٹرز ضمیر احمد کی شاندار بیٹنگ پر تبصرے کر رہے تھے انہیں خراجِ تحسین ادا کر رہے تھے۔ قومی ٹیم عمرہ ادا کرلی ہوئی جب پاکستان پہنچی تو اس کا شاندار استقبال ہوا۔ ضمیر بھائی کو جلوس کی شکل میں گھر تک لایا گیا علاقے کے لوگوں نے نہ صرف ہماری گلی خوب سجادی تھی بلکہ گھر تک پر برقی قمقمے لگا دیئے تھے۔

کون کہتا ہے کہ ہم محبت کرنا نہیں جانتے؟ لوگوں کی سرشاری دیکھ کر میں سوچ رہی تھی، وہ سب اتنے خوش تھے، جتنے کہ ہم تھے۔ ضمیر بھائی جب گھر آئے تو پھولوں سے ان کا چہرہ تک چھپا ہوا تھا۔ لوگوں کے فلک شگاف نعرے ہمیں معتبر بنا رہے تھے اور ابا جان کی آنکھوں میں تو جیسے قندیلیں روشن ہوگئی تھیں۔

ضمیر بھائی آتے ہی اماں کے قدموں میں جھک گئے اور سارے ہار ان کی گود میں رکھ دیئے۔ "یہ سب آپ کی اور ابا جان کی دُعائیں ہیں۔"

"اللہ تعالیٰ کا شکر کرو بیٹے، اپنی ہر کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کرو، پھر دیکھو وہ تمہیں کتنا نوازے گا۔ اور میں تو جتنا بھی شکر اپنے رب کا ادا کروں، وہ کم ہے میں اپنی اولاد کو اپنے سامنے پھلتا پھولتا دیکھ رہی ہوں۔"

اماں اسی وقت شکرانے کے نفل پڑھنے بیٹھ گئیں۔

ہم سنا ہی کرتے تھے کہ لوگ جب باہر جاتے ہیں تو بہت ہی چیزیں لاتے ہیں، لیکن دیکھی کبھی نہیں تھی، مگر اب ضمیر بھائی ہم سب کے لئے بہت سی چیزیں لائے تھے۔ سوئٹرز، شالیں، سوٹ، ساڑھیاں، میک اپ کا سامان، ارتقاء باجی اور باسط بھائی جب مبارکباد دینے کے لئے گھر آئے تو اماں نے ایک ساڑی اور سوٹ ان کو بھی دیا۔ باجی خوشی سے کھل سی گئیں۔ بھائی جب بہنوں کے لئے سوغات لاتے ہیں تو شاید وہ ایسے ہی خوش ہوا کرتی ہیں اور پھر وہ ہوا کہ جس کے بارے میں ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، میں تو سن کر ہی ششدر سی رہ گئی تھی یہی حال ابا اور اماں کا تھا۔

مقامی بینک کی جانب سے ضمیر بھائی کو نوکری کی پیش کش کے ساتھ فرنشڈ لگژری فلیٹ کی بھی سہولت دی گئی تھی۔ یہ مراعات اتنی زیادہ تھیں کہ ضمیر بھائی نے فوراً ہی اپنی پہلی نوکری سے استعفا دے دیا۔

پاپوش نگر سے گلشن اقبال آکر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہمارا فلیٹ چونکہ گراؤنڈ فلور پر تھا اس لئے اس میں مکانیت کا سا احساس تھا۔ پانچ بڑے بڑے کشادہ کمرے، تین کمروں کے ساتھ باہر بالکونیاں، اٹیچ باتھ اور پھر فون کی سہولت، مجھے تو یوں لگا جیسے اللہ تعالیٰ نے میرے تمام خوابوں کی تعبیریں دے دی ہوں، پرانا

سامان ہم وہیں چھوڑ آئے تھے گھر میں تالہ لگا دیا تھا۔ اماں اپنا مکان کرائے پر دینے کے حق میں نہیں تھیں مگر ابا جان اور ضمیر بھائی کا یہی خیال تھا کہ پرانا سامان بیچ کر مکان کرائے پر اٹھا دیا جائے یوں ہر ماہ ایک معقول آمدنی کا ذریعہ بھی ہو جائے گا۔

سوئی گیس، بجلی اور ٹیلی فون کے بلز کی ذمے داری بھی بینک کے اوپر تھی۔ آسٹریلیا سے آنے کے بعد گاڑی کی سہولت بھی دے دی گئی تھی۔ اتنی ساری مراعات جب ایک دم مل گئیں تو یہی احساس ہو رہا تھا کہ جیسے ہماری لاٹری نکل آئی ہے ان دنوں کی صبحیں بہت چمکیلی تھیں، ہمارا فلیٹ وسیٹ اوپن تھا میں صبح سویرے تمام کھڑکیاں کھول دیتی تاکہ تازہ ہوا اندر آئے۔

اماں اتنے پیارے سے گھر میں آ کر بھی ویسی ہی مغموم سی تھیں، انہیں اپنے پرانے گھر سے انسیت ہی اتنی تھی کہ امرود کا درخت تک یاد آ رہا تھا۔ پاس پڑوس کے تمام لوگوں کو ہر وقت یاد کرتی رہتی تھیں۔

گلشن آ جانے سے میرا کالج بھی دور ہو گیا تھا ویگن سے اتر کر خاصا پیدل چلنا پڑ رہا تھا مگر یہ سب تکلیفیں مجھے خوشی خوشی گوارا تھیں۔

اب ہم گئے گزرے نہیں رہے تھے۔

ضمیر بھائی کے قومی ٹیم میں آ جانے سے، ہمارے گھرانے کی ساکھ خاصی اونچی کہلائی جا رہی تھی۔

شہر کے بڑے بڑے لوگ اپنے ہاں کی تقریبات میں ضمیر بھائی کو مدعو کرنے کے لئے از خود گھر آ رہے تھے، اصرار کر رہے تھے ان کی مصروفیات کو دیکھ کر اپنی تقاریب کی تاریخیں بدل رہے تھے۔

اور مجھے یہ سب دیکھ کر بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

باسط کی ممی کو پاپوش نگر کے گھر میں آ کر سبکی کا احساس ہوا تھا مگر یہ سجا سجایا فلیٹ ہمیں ذی حیثیت بنا رہا تھا۔

پہلے جو کچھ ہوا، اب وہ نہیں ہوگا۔

اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ میں باجی کی طرح آنسو نہیں بہاؤں گی۔

اب آصف کو اپنی ممی کو لے کر ہمارے فلیٹ میں فخر سے داخل ہوں گے، یہ احساس میری نس نس میں نشہ سا بھر گیا تھا۔

ان کی ممی، ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر، گھروں کی چیزوں کو تمسخر سے نہیں دیکھیں گی، اب شاید ان کی اتنی ہمت بھی نہ ہو کہ یہ پوچھ سکیں کہ آپ کے گھر میں کمرے کتنے ہیں۔

میرے رشتے کے حصول کے لئے انہیں اماں کی خوشامد کرنا پڑے گی کہہ دوں گی میں بھی اماں سے کہ ایک دم ہاں نہ کریں، آنکھیں بند کر کے سرشاری سے میں نے سوچا۔

آخر پہلے کی کسر بھی تو نکالنی ہے محترمہ سے۔

کس قدر اترا کر گھر میں ہوئی تھیں، اس کے بعد بے چارے باسط بھائی خوشامدیں کر کے تھک گئے، مگر کسی صورت ہمارے گھر میں قدم نہیں رکھا۔

اب تو انہیں باجی کو بھی گلے لگانا ہوگا۔ آخر کب تک باجی ایک چھوٹے سے فلیٹ میں پڑی رہیں گی۔

♥ ♥ ♥

حد ہے بے اعتنائی کی کہ وسیع و عریض کوٹھی میں بے شمار کمرے خالی پڑے ہیں اور بیٹا اور بہو دوست کے فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔

کروڑ پتی باپ کا بیٹا تین ہزار روپے ماہانہ کی نوکری کر رہا ہے باسط بھائی کا جیب خرچ بھی اس سے زیاد ہوا کرتا تھا اب وہ اس رقم میں بیوی کے ساتھ گزارہ کر رہے تھے کفایت کے تحت عمدہ برانڈ کے سگریٹ تک

چھوڑ دیئے تھے ان کو سستے برانڈ کا سگریٹ پیتے دیکھ کر باجی کو بھی تکلیف ہوتی تھی۔

"باسط! آپ کو مجھ سے شادی کر کے تکلیفیں اٹھانا پڑ رہی ہیں" باجی کو خاصا افسوس تھا کہ صرف ان کی خاطر وہ کوٹھی کے بجائے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔"

"نہیں ارتقاء، ایسا تو تم سوچنا بھی نہیں، اپنی محبت کے حصول میں یہ قربانی کوئی اتنی بڑی نہیں ہے اگر تمام آسائشات ہوتیں اور تم نہ ملتیں تو یہ جیون ادھورا رہ جاتا۔"

تب باجی خوشی سے سرشار ہو گئی تھیں۔ باجی کی شادی اسی وجہ سے سادگی سے ہوئی تھی کہ باسط بھائی آصف تک سے پیسے لینے کے روادار نہیں تھے حالانکہ اس نے بہت چاہا تھا کہ بھائی اس سے ہی کچھ پیسے لے لیں۔

آصف نے باجی کو رونمائی میں ایک خوبصورت سلکن ساری اور نازک سی طلائی سیٹ دیا تھا جب کہ باسط بھائی تو رونمائی میں صرف پانچ سو روپے ہی دے سکے تھے۔

باجی کی باتیں سن کر مجھے خوشی ہوتی تھی، باسط بھائی اتنے اچھے ہو سکتے ہیں، یہ میرے گمان تک میں نہیں تھا۔ واقعی باجی ان پر اندھا اعتماد بے وجہ نہیں کرتی تھیں۔

وہ تھے ہی اس قابل کہ انہیں پوجا جائے۔ باجی کی خاطر وہ باپ کی فیکٹری، شاندار کوٹھی سب پر لات مار آئے تھے۔ ان کی ممی اس قدر ضدی تھیں کہ اپنی آن کی خاطر انہوں نے اپنے بیٹے تک سے تعلقات ختم کر لئے تھے۔ ایک آصف تھا جو بھائی کا ساتھ دے رہا تھا، دیگر بھائیوں کی شکلیں تک باجی نے نہیں دیکھی تھیں۔

شروع شروع میں تو باسط بھائی اپنے آفس رکشے پر جاتے رہے مگر کچھ دنوں میں آصف نے بڑی خوشامدوں سے اپنی گاڑی باسط کو دے دی۔

"آصف، تم کیوں تکلیف اٹھا رہے ہو، ہماری خاطر؟" ارتقاء باجی نے آصف کو منع کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھابھی، میں آپ لوگوں کو کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ گھر میں کئی گاڑیاں ہیں، میں کوئی سی بھی لے لوں گا، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ باسط بھائی پر یہ وقتی عذاب ہے جو ٹل جائے گا۔"

آصف کے اس انداز نے ارتقاء باجی کو مزید اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ جب بھی وہ گھر آتیں تو باسط بھائی کے بعد آصف کی تعریفوں کے پل باندھنے شروع کر دیتیں، دیور بھابھی کا پیار سنا تھا لیکن دیکھا نہیں تھا، مگر اب آصف کے طرز عمل کو دیکھ کر یقین کرنا پڑ رہا تھا۔

آصف کو اندازہ تھا کہ تین ہزار روپے میں شاہانہ زندگی نہیں گزاری جا سکتی، وہ جب بھی ان کے فلیٹ پر جاتا لدا پھندا جاتا۔ فریج پھل فروٹ سے بھر دیتا، مچھلی، مرغی، پنیر، مکھن اس کے سوا ہوتا۔

"آصف، یہ کیا کرتے رہتے ہو تم؟" باسط سرزنش کرتے۔

"بھائی جان، میں تو کچھ بھی نہیں کرتا، آپ کا حق تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔" وہ ہنس کر ہمیشہ بات کا مفہوم بدل دیتا۔

آصف ابھی تک ہمارے نئے گھر نہیں آئے تھے، یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ان سے مڈبھیڑ باجی کے گھر میں بھی نہیں ہوئی تھی، ویسے بھی باجی روزانہ شام کو آ جاتی تھیں تو ہمارا جانا کم ہی ہوتا تھا۔

ایک شام میں ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ گھنٹی کی آواز اپنے معمول کے مطابق ہی تھی مگر فون شور مچاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کوئی جھنجھوڑ رہا ہو کہ مجھے کان سے اور ہونٹوں سے لگاؤ اور میری آواز سنو۔

میں نے ریسیور کان سے لگا دیا اور دھیرے سے کہا۔ "ماہم بول رہی ہوں۔"

"چاندنی! فون لگ گیا اور اطلاع بھی نہیں دی تم نے؟" آصف ناراض لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اطلاع کیا دیتے، آپ اپنے ڈرامے میں اتنے مصروف تھے، ڈراما کرنے کے دوران، آپ کو کہاں ہوتی ہے فرصت۔" میرے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔

"آپ ایسی کوئی بات نہیں، کئی دفعہ تمہارے کالج گیا تو معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے ہی تم جا چکی تھیں۔"

"واقعی آپ گئے تھے؟" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"کہو تو حلف اٹھالوں؟" وہ برا مان گیا۔

"ابھی کچھ ہی دن تو ہوئے ہیں یہاں شفٹ ہوئے۔ نئے گھر کی سیٹنگ میں بھی کئی دن گزر گئے۔" میں نے اس کا غصہ فرو کرنا چاہا۔

"تمہارے لئے یہ دن، یہ ہفتے...... یونہی بغیر دیکھے گزر جانا، معمولی بات ہوگی مگر میرے لئے نہیں۔ تمہیں بتانا چاہئے تھا کہ مکان شفٹ کرلیا ہے، فون لگ گیا ہے۔"

"اچھا، آج آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"ارتقاء بھابی سے بات ہوئی تھی تو انہوں نے بتایا کہ تم لوگ گلشن شفٹ ہوگئے ہو، ورنہ میں دو دفعہ بند دروازہ دیکھ کر لوٹ چکا ہوں۔"

"پرانے گھر کیوں گئے تھے؟" میں ہنسی۔

"وہ اس لئے کہ مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ آپ وہاں سے جا چکی ہیں اور پھر تمہارے گھر آنا کیا منع ہو چکا ہے؟"

"ارے، میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔"

"چاندنی بیگم! میرا نیا ڈراما شروع ہو چکا ہے، اس کے پاس لے کر گیا تھا تمہارے لئے، دیکھو گی نہیں میرا ڈراما، بڑا ہٹ جارہا ہے آج کل......"

"آج کل تو نہیں دیکھ سکوں گی، گھر میں ہر وقت کوئی نہ کوئی رہتا ہے، اماں کی بیماری مستقل ہو چکی ہے۔"

"چاندنی، کیا ٹال رہی ہو؟"

"کیا میں آپ کو ٹال سکتی ہوں؟"

"نہیں۔" بہت وثوق سے کہا گیا۔

"پھر بھی دیکھیں گے آپ کا ڈراما، باجی کے ساتھ۔"

"باجی کے ساتھ ہی کیوں۔"

"اکیلے ڈر لگتا ہے۔"

"مجھ سے ڈرتی ہو تم؟"

"نہیں، اپنے آپ سے۔"

"پگلی کہیں کی۔"

"وہ تو میں ہو چکی ہوں۔" میں دھیرے سے ہنسی۔

"وہ کب بھئی، ہمیں بھی تو پتا چلے۔" وہ شوخی سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ سے ملنے کے بعد، اپنے ہوش وحواس گنوا بیٹھے ہیں۔"

"جب ہی مجھے اپنے شفٹ ہونے کی اطلاع تک نہیں کی مجھے۔" وہ ہنسا۔

"ظاہر ہے کہ ہوش وحواس قابو ہوتے تو کر بھی دیتے۔"

"چاندنی! کچھ پتا بھی ہے کہ بھابی اور باسط مری اور سوات کا پروگرام بنا رہے ہیں، شاید پرسوں روانگی ہے ان کی۔"

"نہیں بھئی، کل شام کو تو آئی تھیں باجی، انہوں نے تو اپنے کسی ایسے پروگرام کے بارے میں نہیں بتایا۔" مجھے اچنبھا ہوا کہ پیسے پاس نہیں ہیں اور سیر وتفریح کی سوجھ رہی ہے۔

"میں نے راضی کیا ہے ورنہ وہ دونوں تو اپنا ہنی مون، اپنے فلیٹ میں ہی منا رہے تھے۔"

باجی شام کو آئیں تو انہوں نے بتایا کہ آصف بیس ہزار روپے زبردستی دے کر گیا ہے کہ باہر گھوم پھر آؤ۔

"آپ لوگوں نے لے لئے وہ پیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ان کے ہاں سب ہی ضدی طبیعت کے ہیں، ایک دفعہ اس نے میری گود میں پیسے لاکر ڈال دیئے، چاہے کتنا ہی واپس کرتی، وہ ہرگز واپس نہ لیتا اور پھر باسط کے دل میں بھی یہ ملال تھا کہ وہ مجھے کہیں گھما پھرا نہیں سکے ہیں۔"

"پھر آپ لوگ کب جا رہے ہیں؟"

"پرسوں روانگی ہے۔"

اس دن ہلکی ہلکی سی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ میں باہر بالکونی میں کھڑی ہو کر سوچ رہی تھی کہ کالج جاؤں یا نہیں؟

"ماہم، آج کالج مت جانا، یہ بوندا باندی بارش کی شکل اختیار کرے گی۔" اماں نے کمرے سے کہا۔

"ضروری تو نہیں کہ اس وقت ناظم آباد میں بھی بارش ہو رہی ہو۔"

"کیوں نہیں ہو رہی ہوگی، بادل تو دیکھو، کس قدر گہرے ہیں۔"

"اماں، جس طرح اب کرفیو ڈسٹرکٹ وائز لگتا ہے، ایسے ہی اب بارشیں بھی ڈسٹرکٹ وائز ہوتی ہیں۔"

"پھر بھی آج کالج جانے کی ضرورت نہیں ہے، خواہ مخواہ میرا دل ہولے گا۔"

"آپ کہتی ہیں تو نہیں جاتی۔" میں اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی وہ ابا سے ظہیر بھائی کو خط لکھوا کر بیٹھی تھیں۔ ظہیر بھائی کو جانے والا خط ان کے ہاتھ میں تھا۔

"تو بھی دو لائنیں لکھ دے بھائی کو، کیا سوچتا ہوگا کہ مجھے کوئی یاد کرنے والا بھی نہیں رہا۔"

"انہوں نے میرے پہلے خطوط کا کون سا جواب دیا ہے جواب لکھوں۔" میں بے پروائی سے بولی۔

"خط لکھنے میں کیا مقابلہ ضروری ہوتا ہے کہ اگر وہ لکھے جب ہی خط لکھا جائے گا۔ یہ تو اپنے اپنے دل کی بات ہوتی ہے، جسے جب یاد آیا اور خط لکھ دیا۔"

"اچھا آپ کہتی ہیں تو لکھے دیتی ہوں۔" میں نے جھٹ پٹ خط لکھ کر ان کے حوالے ہی کیا تھا کہ کال بیل زور سے چیخی۔

دروازہ کھولا تو شہری ایک پیاری سی لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"ارے تم، آؤ بھئی۔" میں نے لڑکی کو بغور دیکھا، مگر قطعاً یاد نہیں آیا کہ اس سے پہلے کہاں دیکھا ہے۔

"ماہم! یہ فرحین ہیں، میری دوست بھی ہیں اور میں ان......"

"اور یہ کہ آپ ان کو بائیک چلانا بھی سکھاتے ہیں۔" شہری کا جملہ میں نے مکمل کیا تو فرحین کے ساتھ شہری بھی ہنس پڑا۔

"فرحین کو تم سے ملنے کا بے حد شوق تھا، بہت سمجھایا مگر یہ مانی ہی نہیں۔" شہری سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ماہم! میں تو آپ کی فین ہوں صرف آپ کا ڈراما دیکھ کر، آپ سے ملنے آئی ہوں۔ کس قدر خوبصورت اداکاری کرتی ہیں آپ۔ جب میں نے شہریار سے تذکرہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ ان کی کزن ہیں۔"

"فرسٹ کزن۔" شہری نے اس کا جملہ بڑھایا۔

"چلیں فرسٹ کلاس فرسٹ، اب تو صحیح ہے ناں!" فرحین اس کی آنکھوں میں شوخی سے دیکھتے ہوئے بولی۔اور میں گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی، فرحین کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ شہری نے اس سے میرے بارے میں بہت کچھ کہہ رکھا ہے۔

"ماہم! بیٹھئے ناں، آج میں آپ سے باتیں کرنے آئی ہوں۔"

"مگر چائے تو چلے گی، تمہیں تو پتا ہی ہوگا کہ شہری کو چائے کی چیاس بے حد لگتی ہے۔" میں نے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔اور جب چائے کی ٹرالی میں ان کے پاس لائی تو وہ دونوں یوں چپ چاپ بیٹھے تھے جیسے ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوں۔

"تمہارا دوسرا ڈراما کب آرہا ہے؟" شہری نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھو گے کیا؟" میں مسکرائی۔

"ہاں، اب تو دیکھنا ہی پڑے گا کہ آخر کیسی اداکاری کرتی ہو کہ لوگ تمہارے فین ہو جاتے ہیں۔" وہ ایک نظر فرحین کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بالکل سچی اداکاری کرتی ہوں، اپنے کردار میں بالکل ڈوب جاتی ہوں۔" میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"اچھا، کیا واقعی؟" وہ ہنسا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں۔"

"مجھے یقین ہے ماہم، تم سچی ہو، جھوٹے تو ہم ہیں کہ کوئی سچی بات کسی سے کہنا بھی چاہیں تو کہہ نہیں سکتے۔"

شہری کا لہجہ عجیب سا ہو گیا، میرے ساتھ ساتھ فرحین بھی اسے غور سے دیکھنے لگی، کہ آخر وہ کہہ کیا رہا ہے؟

❤❤❤

ارتقاء باجی کی شادی اتنی سادگی سے ہوئی تھی کہ عزیز و احباب کو چاہتے ہوئے بھی ہم نہیں بلا سکے تھے، پھر پاپوش نگر، سے گلشن اقبال شفٹ ہوئے، سوائے قریبی عزیزوں کے دیگر لوگوں کو مطلع ہی نہیں کیا جا سکا۔اب جس جس کو معلوم ہو رہا تھا روز ہی کوئی نہ کوئی آ جاتا۔خاندان کے اکثر لوگ ناراض ہو گئے تھے۔

"کیا قرابت داری اب اتنی بھی نہیں رہی کہ شادی پر ہی پوچھ لیا جائے؟" صفدر بھائی کی اماں نے آکر خاصا شکوہ کیا تھا۔

"نگہت آرا! تم اپنے بچوں کی شادیوں میں نہیں بلاؤ گی تو دوسرے بھی تمہیں نہیں پوچھیں گے۔" وہ آکر مسلسل اپنی خفگی کا اظہار کر رہی تھیں، صفدر بھی چہرے پر ناراضگی تانے بیٹھے تھے۔

"حد ہو گئی ماہم! آپ سے ایک دفعہ ماموں جان کے ہاں ملاقات بھی ہوئی، مگر آپ نے اپنے نئے گھر میں شفٹ ہونے کی بابت نہیں بتایا۔"

"سوری صفدر بھائی! میں سمجھی کہ شاید آپ کو شہری نے بتا دیا ہے۔"

"شہری کہاں سے بتاتا، وہ جب سے جاب کرنے لگا ہے، گھر میں کہاں ٹکتا ہے۔"

کیا واقعی شہری نے جاب کر لی ہے!" مجھے حیرت ہو رہی تھی۔

جاب کے بارے میں نہ تو شہری نے تذکرہ کیا تھا اور نہ ہی ماموں جان نے۔

"اب ہر شخص اپنے معاملات اپنی حد تک رکھتا ہے تو شہری کیوں اعلان کرتا پھرتا" صفدر دھیرے سے بولے۔

"نہیں صفدر بھائی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔گھر کی شفٹنگ اتنی اچانک ہوئی، پھر ضمیر بھائی اس قدر

مصروف رہتے ہیں، کس کس کو جا کر بتاتے؟ ابا کا تو پتا ہی ہے، اب وہ زیادہ تر گھر میں ہی رہتے ہیں۔"

"ہاں لی آپ کی توضیح۔یقیناً آپ درست کہہ رہی ہوں گی مگر ایک بات بتائیں گی؟" وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

"جی ضرور۔" میں نے نظریں اپنی ایڑیوں پر گاڑ لیں۔

"کیا؟ ارتقاء نے کورٹ میرج کی تھی؟" صفدر میرے کان میں منمنائے۔

"نہیں تو۔" میری زبان خشک ہو گئی۔لوگ کس حد تک سوچ رہے تھے۔

"پھر اتنی راز داری کیوں رکھی گئی؟" یہ ان کا دوسرا سوال تھا جو میرا کلیجا چیر گیا۔

"آپ کو شہری نے نہیں بتایا، بارات بھی بے حد مختصر آئی تھی۔اس لئے ہم نے اپنی جانب کے لوگ بھی نہیں بلائے۔صرف ماموں جان، زبیدہ پھوپھو اور فرحت خالہ کا گھر تھا۔اور کیونکہ باسط بھائی سادگی کے حق میں تھے اس لئے ایسا کیا گیا۔"

"کیا بہت غریب ہیں وہ لوگ۔"

"نہیں، بس ٹھیک ٹھاک ہیں۔" اب میں کیا بتاتی کہ بھائی کے پیسے سے ہنی مون منانے گئے ہیں۔ان کی اتنی اوقات بھی نہیں تھی کہ اپنا ولیمہ تک کر سکیں۔

"شادی میں سادگی، ویسے میں سادگی، آپ لوگ تو بہت سادہ ہو گئے ہیں۔" وہ ہنسے۔

"کیوں...... سادگی سے رہنا اچھی بات نہیں؟" میں نے ابرو تانے۔

"نہیں، بہت اچھی بات ہے، اگر اپنوں کو یاد رکھ کر ہو۔" وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے میں نے خدا کا شکر کیا، ورنہ وہ تو گھنٹوں بیٹھنے کے قائل تھے۔صفدر کی اماں کی باتیں سن کر اماں کے سر میں خاصا درد ہو گیا تھا۔ابھی وہ درد ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ اگلے ہی دن احسان کی والدہ اپنی بہو کے ساتھ آگئیں۔

وہ بھی مبارکباد سے زیادہ شکایت کرنے آئی تھی۔"ارتقاء کے پہلے طلب گار تو ہم تھے۔خاندان ہونے کے ناطے پہلا حق ہمارا تھا۔اس کا رشتہ پہلے ہم نے دیا تھا مگر تم نے ہمیں اپنا نہیں سمجھا۔" وہ مسلسل گلہ کر رہی تھیں اور میں کالج سے آکر اتنی حواس باختہ ہو گئی تھی کہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ پہلے کس کو سنبھالوں! اماں کی طبیعت پہلے ہی کچھ اچھی نہیں تھی۔ان کی باتیں سن کر ان کے چہرے پر مزید تردد کے سائے گہرے ہو گئے۔

"پلیز خالہ جان، آپ ڈرائنگ روم میں آجایئے، اماں کی طبیعت خاصی خراب ہے۔" میں نے انہیں وہاں سے ہٹانا چاہا۔

"ہم تو مبارکباد دینے آئے ہیں، دل کا شکوہ تھا آپ ہی آپ ہونٹوں پر آگیا۔کیسی ہے سسرال ارتقاء کی، ساس کیسی ہیں، کتنی نندیں ہیں؟ باہر بیاہی ہے لڑکی، وہ تو خوب خوشامدیں کر کے لے کر گئے ہیں یا ظہیر کی طرح ارتقاء بیاہی گئی ہیں؟"

ان کی باتوں سے صاف پتا چل رہا تھا کہ کہیں سے ان کو یہ بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ باسط کی والدہ نے شادی میں شرکت نہیں کی تھی، اس لئے وہ لفظوں کی پھلجھڑیاں چھوڑ رہی تھیں۔

"نگہت آرا، سنا ہے کہ لڑکا اپنی ارتقاء کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا، یہ یونیورسٹیاں بہت اچھی ہوتی ہیں جو کام میرج بیورو والے نہیں کر پاتے۔کتنی آسانی سے وہ یہ کام کر دیتی ہیں، نہ رجسٹریشن نہ بھاگ دوڑ اور نہ ہی لڑکا لڑکی دیکھنے کی مشکلات۔یہ سب کچھ وہیں طے ہو جاتا ہے۔ماں باپ بھی کیا کریں، ان کے لئے بھی ایسی شادیاں فائدہ مند ہوتی ہیں۔نہ بری چڑھانا پڑتی ہے اور نہ ہی جہیز دینا پڑتا ہے۔چپ چپاتے نکاح کیا اور سرخرو ہو گئے۔سادگی کے سرٹیفکیٹ از خود اپنی پیشانی پر سجا لئے۔"

''خالہ جان! پلیز آپ دوسرے کمرے میں آجایئے، میں آپ کو سب تفصیل بتاتی ہوں۔
اماں جو عرق آلود پیشانی کے ساتھ ان کی باتوں کا زہر اپنے اندر اتار رہی تھیں، انہوں نے ممنونیت بھری نظروں سے مجھے دیکھا، میں احسان کی والدہ اور ان کی بہو کو بمشکل تمام دوسرے کمرے میں لائی کہ کسی کی کوئی بھی بات اماں کے سینے پر دو ہتڑ بن کر نہ لگے۔ مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، اس شب اماں پر دل کا دوسرا دورہ پڑا، اس سے پہلے کہ انہیں اسپتال لے جایا جاتا، اماں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے وہ کسی کے سوال کا کوئی جواب دینا نہ چاہتی ہوں۔ اماں نے جانے میں اتنی جلدی مچائی کہ ارتقاء باجی کا انتظار تک نہیں کیا۔ ان کا سرخ وسفید چہرہ جس پر زردی کھنڈ سی گئی تھی، اب پرسکون سا نظر آرہا تھا، کچھ عرصے سے انہیں نیند نہ آنے کی شکایت ہوگئی تھی مگر اب وہ گہری نیند سو رہی تھیں۔ ضمیر بھائی دیوار میں سر مار رہے تھے۔ شہری اور صفدر انہیں سنبھال رہے تھے۔ ابا کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔
''نگہت آرا، اس قدر بے ایمانی، ہمارا اڈیا کاٹ کر اکیلی چل دیں۔'' وہ زیر لب صرف یہی ایک جملہ کہہ رہے تھے۔ میں اماں کے گہوارے کے پاس ٹکٹکی باندھے بیٹھی تھی۔
پتا نہیں، کتنا وقت یوں ہی گزر گیا، ضمیر بھائی کا بلکنا بند نہیں ہو رہا تھا، کشادہ سا فلیٹ مہمانوں سے پٹ گیا تھا۔
''جلدی کریں۔'' کسی نے گہوارہ اٹھانے سے پہلے کہا۔ ''مرد اندر آرہے ہیں، لے جانے کے لئے۔''
تب میں آہستگی سے اٹھ کر ماں کے سرہانے کے پاس آئی اور ان کے کان کے پاس دھیرے سے بولی۔ ''اماں جا رہی ہو۔'' اپنی ماہم کو چھوڑ کر پیاری اماں، ارتقاء باجی واپس آکر بہت بلکیں گی۔ آخری وقت میں وہ چہرہ بھی نہیں دیکھ پائی ہیں، اماں ان کو معاف کر دینا اور ان کا سلام لے لو۔''
''پیاری اماں، ظہیر بھائی بہت دور بیٹھے ہیں، ان کا خط یقیناً راستے میں ہوگا، ان کا سلام بھی لے لو۔''
کلمے کے ورد میں گہوارہ اٹھا کر لے جایا جا رہا تھا۔
''اماں خدا حافظ!'' میں نے اپنے نچلے لب کاٹے......اور چکرا کر گر پڑی۔

ایک اماں کے نہ ہونے سے گھر کیسا بھائیں بھائیں کرنے لگا تھا، کہ ذرا بھی اس میں دل نہیں لگتا تھا، کتنے دن گزر گئے، میں کالج بھی نہیں گئی۔
''ماہم بیٹی! کالج جایا کرو، خاصا ہرج ہو رہا ہے تمہارا، پڑھائی میں پیچھے رہ گئیں تو کیوں کر کور کرو گی۔''
ایک شام ابا نے مجھے سمجھایا۔
''بس ابا! اب دل نہیں چاہتا پڑھنے کو، کالج جانے کا سوچتی ہوں تو ہول سا آتا ہے، کتابیں کھولتی ہوں تو تمام لفظ اماں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ میں تو اپنی تمام چیزیں پھیلانے کی عادی تھی۔ اماں میری تمام چیزیں سنبھال کر رکھتی تھیں۔ اب کیسے جاؤں گی میں کالج؟''
''چاندنی! اپنے آپ کو سنبھالو بیٹی، تم تو بہت باہمت ہو گڑیا، اگر تم نے اپنے دل پر اتنا اثر لیا تو میں کیا کروں گا ابھی تو تمہیں اپنے بوڑھے باپ کو بھی سنبھالنا ہے۔''

''اچھا ابا! اماں کے چہلم کے بعد سے کالج جاؤں گی، ابھی تو ویسے بھی مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا ہے جو بھی سن رہا ہے تعزیت کے لئے آرہا ہے۔''
نہیں آئی تھیں تو وہ باسط بھائی کی ممی تھیں، جنہوں نے رسمی طور پر بھی آنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ البتہ آصف بدستور آرہے تھے، اپنی بے شمار مصروفیات کے باوجود، ان کی ایک ٹانگ اپنے بزنس میں ہوتی تو دوسری اپنے ڈراموں میں، مگر اس کے باوجود بھی وہ روزانہ ہی تھوڑی دیر کے لئے آجاتے۔ ابا سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے، ان کو زبردستی واک کے لئے لے جاتے۔ پرمزاح باتوں سے ابا کو مسکرانے پر مجبور کر دیتے یوں آصف کے آجانے سے گھر میں ایک خوشگوار سی تبدیلی آجاتی۔
ضمیر بھائی نے اماں کی موت کا بہت اثر لیا تھا، اپنے کئی میچوں میں انہوں نے شرکت نہیں کی تھی۔ آصف کو جب پتا چلا تو وہ ضمیر بھائی کے ساتھ صرف اور صرف کرکٹ کی ہی باتیں کرتے، ضمیر بھائی کے پسندیدہ اسپورٹس میگزین لاتے جن کو دیکھ کر ضمیر بھائی ورق گردانی کئے بغیر نہ رہتے۔
''ضمیر! یہ تو خالہ جان کا خواب تھا کہ تم کرکٹ کی دنیا میں نام پیدا کرو، اب تم اس مقام پر پہنچ کر اگر پیچھے ہٹ گئے تو ان کی روح کو کتنا ملال ہوگا۔''
ابا جان کے ساتھ ساتھ اب وہ ضمیر بھائی کو بھی باہر لے جانے لگے تھے، کبھی اپنا ڈراما دکھانے تو کبھی ایسے ہی۔ آخر آصف کے بار بار سمجھانے کا ان پر اثر ہوا اور وہ پھر کرکٹ کی جانب متوجہ ہو گئے۔
جس دن وہ اپنا میچ جیت کر آئے، عین اسی دن ظہیر بھائی کا خط امریکا سے آگیا، کتنے افسوس کی بات تھی کہ انہیں اماں کی موت کی اطلاع اور ضمیر بھائی کے قومی ٹیم میں آجانے کی خبر ایک ساتھ ہی ملی تھی۔ ایک تو ڈاک کا نظام بھی خراب تھا اور پھر وہ نیویارک سے ورجینا منتقل ہو گئے تھے۔ بقول ان کے ورجینا، نیویارک کے مقابلے میں سستا تھا۔
یہاں اشیائے روزمرہ کی قیمتیں نیویارک سے کم تھیں۔ ظہیر بھائی کا لکھا ہوا ایک ایک لفظ آنسوؤں میں نہایا ہوا تھا۔ وہ اماں کے لئے بلک رہے تھے تڑپ رہے تھے۔ اماں کی موت کا ذمے دار اپنے آپ کو ٹھہرا رہے تھے کتنی عجیب بات تھی باجی کی طرح ظہیر بھائی کو بھی اپنی زیادتیوں کا احساس پانی سر سے گزر جانے کے بعد ہو رہا تھا اس وقت کہ جب تلافی کی کوئی صورت نہیں تھی۔
معذرت کی کوئی ضرورت نہیں تھی، جانے والا جا چکا تھا، بے مول آنسو، ان کو واپس نہیں لا سکتے تھے۔
میں نے دیکھا، ضمیر بھائی آج کتنے ہی دنوں بعد ہنس رہے تھے۔ ابا کے لبوں پر بھی ایک پژمردہ سی مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔
ضمیر بھائی کے جیتنے کی خوشی میں، آصف ایک بڑا سا کیک لے آئے تھے۔ بہت عرصے بعد، چائے خوش گپیوں میں پی جا رہی تھی۔ ضمیر بھائی فقرے اچھال رہے تھے، ابا جان بھی گفتگو میں برابر کا حصہ لے رہے تھے ان سب کو ہنستا دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی تھی، مگر ظہیر بھائی کا خط پڑھ کر میرا دل رو رہا تھا، میں نے ظہیر بھائی کا خط اپنے پاس ہی چھپا لیا، اس ماحول میں اگر ظہیر بھائی کا خط پڑھا جاتا تو ان سب کی مسکراہٹ دم توڑ دیتی۔
''ماہم بیٹے! تم کیوں اتنی خاموش ہو؟'' چائے پیتے ہوئے ابا جان نے مجھے کھویا کھویا سا دیکھ کر پوچھا۔
''بس ایسے ہی۔'' میں مسکرائی۔ ''میں تو آپ لوگوں کی باتیں سن رہی ہوں۔''
میں پھر ظہیر بھائی کے خط میں الجھ گئی، کاش ظہیر بھائی، آپ کا خط اماں کی زندگی میں آجاتا، آپ کا خط پا کر، وہ کتنی بہت سی خوشیاں سمیٹ لیتیں۔ میرے آنسو میرے اندر ہی گر رہے تھے۔ ظہیر بھائی کی بے بسی پر دل تڑپ رہا تھا۔ ظہیر بھائی، آپ تو تنہا ہی آنسو بہا رہے ہوں گے، آپ کے پاس تو کوئی [illegible]

کے پاس بیٹھ کر آپ اماں کی باتیں کرسکیں۔"
یہاں ہم ایک دوسرے کو تسلیاں تو دے لیتے ہیں، کاش آپ ہمیں چھوڑ کر یوں نہ گئے ہوتے۔ میری آنکھوں میں کرچیاں سی بکھر گئیں۔ آنسو باہر آنے کو بے تاب ہونے لگے۔

"چاندنی! میری بچی، کیا ہوا تجھے؟" ابا جان شاید میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر ہی نظر رکھے ہوئے تھے۔

"کون چاندنی؟" آصف یک دم اچھل ہی تو گیا۔

"میں، ماہم کو چاندنی بھی کہتا ہوں، ہمارے گھر کی چاندنی اسی کے دم سے تو ہے اور جب یہ چپ ہو جاتی ہے تو مجھے پورے گھر میں سناٹے محسوس ہونے لگتے ہیں۔" ابا جان کا لہجہ لاڈ بھرا تھا۔ ان کی چاہت بھری نظریں بدستور مجھے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھیں۔

"اچھا، یہ ماہم صاحبہ چاندنی بھی کہلائی جاتی ہیں، ہمیں تو آج پتا چلا ہے۔" وہ شوخی سے کہہ رہا تھا، انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہوں، دیکھو ہم نے تمہارا نام چاندنی کتنا صحیح رکھا ہے۔

"کیا بات ہے ماہم!" ضمیر بھائی اپنی کھوجتی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے، جیسے میری یہ خاموشی پہاڑ بن کر ٹوٹ رہی ہو۔

تب میرا دل چاہا کہ ضمیر بھائی کے گلے لگ جاؤں اور چیخوں سے پورا گھر سر پر اٹھالوں کہ میرا بھائی، میرا اماں جایا اتنی دور بیٹھا تڑپ رہا ہے، اسے دلاسا کیوں کردوں، اس کے آنسو کیوں کر پونچھوں، بھائی کی بے چارگی میرے دل پر قیامت برپا کررہی تھی۔ ظہیر بھائی کا خط پڑھ کر اماں کا غم پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔

"ماہم! بولو نا گڑیا، کیا بات ہے۔" ضمیر بھائی میرے یخ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے، میری آنکھوں میں جھانک رہے تھے، جہاں آنسوؤں کے سمندر میں ایک تلاطم برپا تھا۔

"کچھ نہیں بھیا! آپ خواہ مخواہ ہی پریشان ہو جاتے ہیں۔ آج دوپہر سوئی نہیں، اس لئے ذرا سر بھاری ہے۔" میں نے بہانہ گھڑا۔

"چائے کے ساتھ کوئی ٹیبلیٹ لے لو، اگر تم بیمار پڑ گئیں تو پھر کون دیکھے گا؟ ایک اکیلی تم ہی تو ہو، جو پورا گھر سنبھالے ہوئے ہو۔" ضمیر بھائی یکدم پریشان سے ہوگئے۔ اماں کے انتقال کے بعد سے، وہ میرا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگے تھے۔

"ارے مجھے کچھ نہیں ہوا، ٹھیک ٹھاک تو ہوں۔ کھانا کھانے کے بعد آصف صاحب کے ڈرامے کے کیسٹ لگاتی ہوں، جس میں انہوں نے خوب اوور ایکٹنگ کی ہوگی۔" میں نے دانستہ آصف کی کھنچائی کی، تاکہ گفتگو کا رخ دوسری طرف ہو جائے۔

"ضمیر یار! تم نے تو دیکھے ہیں میرے ڈرامے، کس قدر فنٹاسٹک اداکاری ہوتی ہے میری، اکثر لوگ تو صرف میری ہی وجہ سے آتے ہیں، مگر دیکھو یہ ماہم میری اداکاری پر کیا انٹ شنٹ کہہ رہی ہے؟" اس نے ضمیر بھائی کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔

"اس معاملے میں تم مجھے مت گھسیٹو، ہر شخص کی اپنی الگ الگ رائے ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ جو چیز مجھے پسند ہو، وہ ماہم کو بھی پسند ہو۔" ضمیر بھائی ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ہمارے گھر میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو رائے میری ہو۔" اس سے ابا جان اور ضمیر بھائی بھی اتفاق کرلیا کرتے تھے شاید ضمیر بھائی کو آپ کے ڈرامے پسند ہوتے ہوں، مگر ہمیں پسند نہیں آتے۔" میں نے دل بھر کر آصف کو چڑایا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، اچھا کام اچھا لگنا چاہیے۔" آصف منہ لٹکائے کہہ رہا تھا۔

"اچھے کی تعریف یہ ہے کہ وہ واقعی اچھا ہو، صرف زبانی کلامی اچھا کہہ دینے سے کوئی چیز اچھی نہیں ہو جاتی، اگر اس میں محاسن نہ ہوں۔" میں نے پھر اسے جلایا۔

"ماہم صاحبہ! آپ کو پتا بھی ہے کہ میں کتنا مشہور ہوں، کتنا پہچانا جاتا ہوں۔ صرف میرے نام پر ڈرامے کے ٹکٹ دھڑا دھڑ بکتے چلے جاتے ہیں۔" آصف اپنی پوزیشن کی بحالی میں مصروف تھا (اس کو یوں چڑتا دیکھ کر مجھے اس کی معصومیت پر ہنسی آرہی تھی) میں اس کے جملے سن کر لطف اٹھا رہی تھی۔

"کیوں، ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟" وہ مجھے چپ دیکھ کر کھنکارا جیسے کہہ رہا ہوں کہ آگئیں ناں، تم میری طلسماتی شخصیت کے رعب میں۔

"آصف صاحب! مشہور ہونا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا، بندہ سڑک پر تماشا لگانے سے بھی مشہور ہوتا ہے، اصل کام ہے کہ محبوب ہوا جائے، بندہ فنکار ہو یا قلم کار ایسا کام کرے کہ وہ مشہور ہونے سے زیادہ محبوب ہو جائے، مشہور آدمی بھلائے جاسکتے ہیں مگر محبوب نہیں بھلائے جاتے۔" میں نے اپنا ذاتی فلسفہ گھڑا۔

"کیا سمجھتی ہیں ماہم صاحبہ؟ اب میں آپ کو محبوب بھی بن کر دکھاؤں گا اپنے ڈراموں میں۔" وہ آخری فقرہ دھیمے سے ادا کرتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولا۔

"دیکھیں گے۔" میرا انداز قصداً بے پروائی لئے ہوئے تھا۔ ورنہ اس کی بات سن کر تو میرے مساموں سے پسینہ بارش کی طرح بہہ نکلا تھا۔ کتنی بڑی بات وہ سب کے سامنے کس آسانی سے کہہ گیا تھا۔ ذرا بھی تو لاج نہیں آئی تھی اسے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اور کس سے کہہ رہا ہے! میں اب اس سے گفتگو میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ اپنے شرابور ہوتے ہوئے چہرے کو چھپانے کے لئے جان بوجھ کر ترچھی ہو کر بیٹھ گئی کہ وہ مجھ پر نظریں جما کر دیکھ ہی نہ سکے۔ کتنی شرم آرہی تھی اس سے اور وہ بدستور قہقہے لگا رہا تھا۔

"آصف بیٹا! تم کس سے بھڑ بیٹھے۔ اپنی چاندنی رائٹر بھی ہے اس کے کالج میں جتنے بھی ڈرامے ہوئے ہیں ان کو ہماری بیٹی نے ہی لکھا ہے۔" ابا جان نے فخر سے کہا۔

"ریئلی!" آصف کا لہجہ تحسین سے لبالب تھا۔

تب ڈرامے کے سلسلے میں نہ آصف نے کچھ کہا اور نہ میں نے کیونکہ میرا ذہن تو لفظ محبوب کے گرد کسی چکوری کی طرح چکر کاٹ رہا تھا۔ کتنے ہی لمحے یوں ہی گزر گئے۔ بغیر کچھ بولے، بغیر کچھ کہے مگر اندر کا شور دباتے ہوئے۔

"چائے اور چلے گی کیا؟" آصف کو خاموش ہوتا دیکھ کر میں نے بھی گفتگو کا مفہوم بدل دیا۔ اب کچھ فائدہ بھی نہیں تھا، اسے چڑانے کا، اس وقت اس نے وہ کہہ دیا تھا جو عرصے تک میرے دل میں دھمک کرنے کے لئے کافی تھا۔

"چائے تو نہیں چلے گی مگر تمہیں میرے ساتھ ایک ڈراما کرنا ہوگا تاکہ آپ محترمہ کو یہ پتا چل سکے کہ ڈراما ہوتا کیا ہے اور یہ......"

"نہیں بیٹے، اس کے پاس کہاں ہے فرصت، جو یہ ڈرامے میں کام کرے گی، پورے گھر کی ذمہ داری اب اس پر پڑ گئی ہے۔" ابا جان نے بات کاٹی۔

"انکل پلیز، آپ صرف ایک ڈرامے میں ماہم کو اجازت دے دیجئے، ان کو کالج اور اسٹیج کے ڈراموں کا پتا چل جائے گا۔"

"بیٹا اس کے لئے مشکل ہوگا، کیسے جائے گی یہ۔"

"اگر آپ کی اجازت ہو تو لے جانے اور چھوڑنے کی ذمہ داری میری ہوگی۔ کیوں ضمیر، تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں؟" اب آصف ضمیر بھائی کی جانب متوجہ تھا۔

"جیسی ماہم کی مرضی، اچھا ہے گھر سے نکلے گی تو اس کا دھیان بھی بٹے گا ورنہ کالج سے آکر گھر میں اکیلی بور ہوتی رہے گی۔ ویسے بھی اب اس پر اکثر و بیشتر خاموش رہنے کی عادت مجھے بالکل نہیں بھاتی۔"

"مگر صرف ایک ڈراما، اس کے بعد نہیں۔" ابا جان نے جیسے دوٹوک فیصلہ کر دیا اور میں حیران سے نظروں سے آصف کو دیکھ رہی تھی کہ جس نے گفتگو کا پانسہ ایسا پلٹا تھا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

کتنا چالاک تھا وہ! میں ابھی تک اس کے جملوں پر غور کر رہی تھی۔ کس قدر ذہانت سے وہ اپنی بات منوا گیا۔ ایسی بات کہ جس کے بارے میں ابا جان اور ضمیر بھائی سے اجازت تو کیا، ذکر تک نہیں کر سکتی تھی۔

ابا جان اور ضمیر بھائی قہقہوں کے ساتھ اب بھی گفتگو کر رہے تھے، چائے پی جا رہی تھی۔ آصف بھی بظاہر مجھے نظر انداز کیے ان سے محو گفتگو تھا۔ اب بات چیت شاید سیاست کے موضوع پر ہو رہی تھی مگر آصف کی اچٹتی ہوئی نظریں برملا مجھے یہ یاد دلا رہی تھیں۔

"دیکھو چاندنی! میں دلواؤں گا اجازت تمہیں، اپنے ساتھ پلے میں کام کرنے کی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کبھی مجھے اجازت ملے۔" میں نے یہی کہا تھا۔

"تم مجھ پر یقین رکھو، اجازت تمہیں ضرور ملے گی، یہ میرا خواب ہے کہ تم میرے ساتھ کام کرو چاندنی! تمہیں میرے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ ہمارے ڈرامے، فن کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیں گے، تب ہر طرف ایک ہی پکار ہوگی۔ آصف اور ماہم۔ ماہم اور آصف۔ ہم دونوں کا نام ایک دوسرے کے لئے، لازم و ملزوم بن کر رہ جائے گا۔"

"کیا واقعی آصف کا خواب پورا ہو رہا ہے؟ میری دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں۔

"کیا میں آصف کے خوابوں میں رنگ بھر سکوں گی؟" یہ سوال دل کی دنیا میں ڈول رہا تھا۔

ہاں میں کام کروں گی، اور بہت اچھا کروں گی، میرے اندر کا فنکار میری آتش شوق کو ہوا دے رہا تھا۔

♥♥♥

ارتقاء باجی کے فلیٹ میں، میں کافی عرصے کے بعد آئی تھی۔ تھوڑا بہت باجی کے جہیز کا سامان تھا اور باقی آصف نے کافی حد تک ان کا فلیٹ سیٹ کر دیا تھا۔ چھوٹا سا فلیٹ قیمتی چیزوں سے سج کر خوبصورت لگنے لگا تھا۔ باجی اب گھر میں ہی رہتی تھیں۔ امتحانوں کے بعد یونیورسٹی جانا بھی ختم ہو گیا تھا۔ باسط بھائی بدستور اپنی جاب کر رہے تھے۔ صبح دس بجے کے قریب گھر سے نکلتے تو شام کو واپس آتے۔

"باجی! آپ کا دل نہیں گھبراتا اکیلے؟"

"پھر کیا کروں؟" وہ ہنس دیں۔

"باسط بھائی کی تنخواہ کم ہے، آپ بھی جاب کر لیں۔ آپ دونوں جب کمائیں گے تو مالی حالات یقیناً بہتر ہو جائیں گے۔"

"کہا تھا، میں نے ایک بار مگر وہ ناراض ہو گئے۔"

"کیوں، اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے؟" مجھے اچنبھا ہوا۔

"کہہ رہے تھے کہ برا لگے گا کہ سیٹھ رافع احمد کی بہو نوکری کرتی پھرے۔"

"سیٹھ صاحب کا اپنا بیٹا تین ہزار کی نوکری کرتا پھر رہا ہے تو انہیں ناگوار نہیں گزرتا اور سب سے زیادہ پریشانی تو ان کے اپنے بیٹے کو ہے کہ اپنے ایئر کنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ کر حکم چلانے کے بجائے تیری میری جی حضوری کرتے پھر رہے ہیں۔"

"وہ تو ناراضگی ہے اس لئے ایسا ہے ورنہ ان کی تو اپنی کئی فیکٹریز ہیں۔ باسط کو نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" باجی زعم بھرے لہجے میں بولیں۔

"مت بھولئے باجی کہ باسط بھائی کو آخر نوکری کی ضرورت پڑ ہی گئی اور کیا پتا یہ ناراضگی کب تک چلے۔"

"میں تو کہتی ہوں کہ ہم دونوں چل کر ممی، ڈیڈی سے معافی مانگ لیتے ہیں مگر وہ جانے کو تیار ہی نہیں ہوتے تو میں کیا کروں؟"

"جانے میں کیا مضائقہ ہے۔"

"تمہیں کیا پتا، باسط بھی کم ضدی نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا، شادی کی ہے۔ کسی کی لڑکی کو لے کر بھاگا نہیں ہوں، والدین کو اولاد کی پسند کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"باسط بھائی کی ممی کو کیا کوئی اور لڑکی پسند تھی؟" باجی کی باتیں سن کر برق رفتاری سے یہ خیال میرے ذہن میں آیا۔

"تمہارا خیال درست ہے، ان کی ممی ان کی شادی اپنی فیملی میں کرنا چاہتی تھیں، وہ لڑکی لندن میں رہتی ہے اور پیسے کے لحاظ سے وہ لوگ بھی کروڑ پتی ہیں مگر باسط نے تو صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ ہرگز شہلی سے شادی نہیں کریں گے، شادی ہوگی تو صرف مجھ سے ہی ہوگی ورنہ کسی سے بھی نہیں۔" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے باجی کی گردن فخر سے یوں اکڑ گئی جیسے باسط ایڈورڈ ہشتم ہوں اور انہوں نے باجی کی خاطر تخت و تاج کو ٹھوکر مار دی ہو۔

"باسط بھائی کو اپنے خاندان کی دولت مند لڑکی پسند نہیں تھی۔" یہ انکشاف میرے لئے قطعاً نیا تھا۔

"بالکل پسند نہیں تھی بلکہ وہ تو سخت چڑتے تھے اس سے، سخت نفرت تھی اس سے کہتے تھے کہ وہ بے حد بد شکل ہے۔" باجی بڑے والہانہ انداز میں اس کی برائیاں کر رہی تھیں۔

آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ وہ بد شکل ہوگی؟" میرا ذہن نہ جانے کیا سوچنے لگا تھا۔

"تصویر دکھائی تھی انہوں نے مجھے، شاید الماری میں اب بھی پڑی ہو۔" وہ تلاش کے بعد تصویر لے آئیں اسکرٹ پہنے ہوئے انتہائی معمولی شکل کی لڑکی سگریٹ پی رہی تھی۔

میں نے تصویر کو بغور دیکھا۔ باجی کے مقابلے میں واقعی وہ دو کوڑی کی نہیں تھی۔ میں نے مطمئن ہو کر تصویر ایک جانب اچھال دی۔

باسط کا فیصلہ واقعی صحیح تھا۔ ارتقاء باجی کے شخصیت، شہلی کے مقابلے میں لاکھ درجے بہتر تھی۔

"باسط بہت اچھے ہیں، میرا بہت خیال کرتے ہیں، مگر اکثر باتیں کرتے ہوئے یک دم خاموش سے ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ماں باپ سے علیحدگی انہیں بھی شاق گزری ہوگی مگر طبیعت میں ضد اس قدر ہے کہ از خود جانے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔"

"ماں باپ کا رتبہ بہت بڑا ہوتا ہے اولاد کو ان کی ناراضگی طویل نہیں کرنی چاہیے۔" آپ آصف سے کہیں، شاید وہ ہی بھائی کو سمجھا لے۔" میں نے راہ دکھائی۔

"کہا تھا میں نے آصف سے بھی۔ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر میں سب موڈی ہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ وقتی ناراضگیاں ہیں اور بس۔ دراصل آصف بھی اپنی ممی سے بہت ڈرتا ہے سنا ہے کہ وہ خاصی تیز خاتون ہیں اور پھر وہ شہلی کے والدین کو اپنی دانست میں باسط کا رشتہ وغیرہ بھی دے چکی تھیں۔ باسط کی شادی ہو جانے کی وجہ سے ان کی اپنی بات کی تحقیر ہوگئی۔ اس سلسلے میں لڑکی والوں نے بھی خاصا برا مانا، دونوں فیملیز کی آپس میں ناراضگیاں بھی ہوگئی ہیں شاید۔"

"حیرت ہے کہ اتنی ماڈرن خاتون ہوتے ہوئے بھی اتنی [illegible] پسند نکلیں کہ رشتہ دیتے وقت اپنے بیٹے کی پسند وناپسند کا خیال بھی نہیں رکھا، جب کہ انہیں یہ علم بھی [illegible] صاحب زادے یونیورسٹی میں اپنا دل ارتقاء بیگم کو دے چکے ہیں۔"

"ان کا خیال تھا کہ باسط عشق کا گیم کھیل کر کریں گے وہی، جو وہ چاہتی ہے انہی بہادری کی انہیں توقع نہیں تھی۔"

"بازی الٹ جانے پر انہیں تو بے حد افسوس ہوا ہوگا۔"

"ظاہر ہے، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ باسط اپنی محبت میں اتنے راسخ ہوں گے اور مجھ سے شادی کر لیں گے، اسی لئے تو انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اب وہ نہ تو باسط کی شکل دیکھیں گی اور نہ میری۔ جائیداد وغیرہ سے عاق کرنے کی دھمکی بھی دی ہے اور یہ بھی سختی سے کہہ دیا گیا ہے کہ اب ان کے گھر کے دروازے پر بھی باسط آنے کی کوشش نہ کریں۔ دوسرے بھائی بھی ماں کے کہنے میں ہیں، کوئی بھی باسط سے ملنے تک نہیں آتا اور والد تو ان کی ماں کے حکم کے بغیر قدم بھی نہیں بڑھاتے۔ صرف آصف ہے جو اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ ہے اور اس کی یہ پوری کوشش ہوتی ہے کہ بھائی بھاوج کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو پھر ذہن اس قدر ہے کہ ہفتے میں ایک آدھ گھنٹے کے لئے گاڑی لے جاتا ہے اور جب گاڑی چھوڑتا ہے تو اس کی ٹنکی پٹرول سے بھری ہوتی ہے فی زمانہ ایسے بھائی کم ہوتے ہیں۔" آصف واقعی ہم سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا ہے اس کے آ جانے سے گھر میں رونق سی ہو جاتی ہے ورنہ میں تو سارا سارا دن گھر میں اکیلی پڑی رہتی ہوں۔"

"آپ پاس پڑوس میں کیوں نہیں جاتیں، اکیلے پڑے رہنے سے بہتر ہے کہ کسی سے میل ملاقات ہی کر لی جائے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"ماہم جان، یہ اپنا پرانا محلہ نہیں ہے کہ جب دل چاہا، چلے جاتے تھے اور رابعہ کو بیچ کی دیوار پر ٹھن کر کے بلا لیتے تھے یہاں کے لوگ صرف تقریبات کے موقع پر اپنے محلے والوں سے رابطہ کرتے ہیں اور بس۔"

تب پرانے محلے کے ذکر پر مجھے وہ دن شدت سے یاد آ گئے جب صفدر بھائی، رابعہ آپا کے گھر آتے تھے رابعہ آپا صفدر بھائی سے خوب مذاق کیا کرتی تھیں اور صفدر بھائی کی سادہ لوحی کی حرکات سب کے ہنسنے کا سبب بنا کرتی تھیں۔

نئے گھر میں صفدر بھائی آئے تو کئی بار تھے مگر صرف تھوڑی دیر کے لیے۔

اماں کے چہلم پر فاتحہ کے بعد جب وہ جانے لگے، تو میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"آپ ابھی سے جا رہے ہیں۔"

"ہاں، مجھے کام سے جانا ہے ہیں۔"

"مگر آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"اس وقت تو مجھے بھوک بھی نہیں ہے، آج دوپہر کا کھانا شام چار بجے کھایا ہے۔"

"اچھا تو آپ کھانا ساتھ لے جائیں، تائی بھی نہیں آئی ہیں، ان کا کھانا تو جانا ہی تھا۔"

"نہیں ماہم، اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے، میں سیدھا گھر نہیں جاؤں گا۔"

"سیدھے گھر جانے میں کیا قباحت ہے۔"

"سیدھے راستے جب منزل تک نہ پہنچیں تو دشوار راہوں کا انتخاب کرنا ہی پڑتا ہے اس وقت میرا کہیں جانا بے حد ضروری ہے ورنہ میں اور ٹھہر جاتا۔" صفدر نے ایک گہری نظر ڈال کر کہا اور چلے گئے اور میں حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے بعد سے وہ اب تک نہیں آئے تھے، کتنے بدل گئے تھے وہ کہ یقین ہی نہیں آتا تھا۔ وہ، جن کے پاس وقت کی ہمیشہ فراوانی ہوتی تھی، اب نہ جانے کن راہوں پر چل پڑے تھے کہ وہ نظر ہی نہیں آتے تھے۔

میں کافی دیر سے یہ سوچ سوچ کر الجھی جا رہی تھی کہ رات کے کھانے کے لئے کیا پکاؤں۔ ابا جان گوشت رغبت سے نہیں کھاتے تھے۔ سبزیاں اور دالیں ضمیر بھائی کو ناپسند تھیں اور میرا کچھ بھی پکانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ دل کر رہا تھا کہ چپ چاپ بستر پر جا کر لیٹ جاؤں۔ فریج کھول کر جائزہ لیا تو وہ بھی خالی پڑا تھا۔ ضمیر بھائی جمعہ کے دن ہی سودا لاتے تھے ابا جان سے بھی کچھ منگوانا میں قطعی بھول گئی تھی۔

ابھی میں کچھ پکانے یا نہ پکانے کے دائرے میں گھوم رہی تھی کہ کال بیل زور سے بجی۔

اس وقت کون آ گیا۔ بے دلی سے دروازہ کھولا تو سامنے ارتقاء باجی بیگ لئے ہوئی کھڑی تھی۔

"باسط بھائی نہیں آئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نیچے سے ہی چھوڑ کر چلے گئے ہیں، آج میں رہوں گی۔" ایسا اکثر ہوتا تھا کہ جب ارتقاء باجی رہنے کے لئے آتی تھیں تو باسط بھائی فلیٹ کے کمپاؤنڈ ہی سے چلے جاتے تھے باجی کو میں اپنے کمرے میں لے آئی شاید ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ آتے ہی لیٹ گئیں۔

"کیا کھائیں گی آپ بتائیے، وہی پکاتی ہوں۔" سستی کا چولا باجی کو دیکھتے ہوئے میں نے اتار دیا تھا۔

"جو پکا رہی تھیں وہی پکا لو۔" باجی گول مول جواب دے کر کروٹ لے کر لیٹ گئیں۔

میں کیا پکا رہی تھی؟ ٹی وی لاؤنج میں آ کر میں پھر فریج کے خالی درجوں کو گھور رہی تھی۔

تب ہی کال بیل زور سے بجی۔ لگتا تھا، آنے والا گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا ہی بھول گیا ہے۔ بھاگ کر دروازہ کھولا تو ماموں جان اور شہری کھڑے تھے۔ شہری کے ہاتھ میں بڑا سا دیگچہ تھا، اماں کے بعد ماموں جان کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز گاہے بگاہے لے آتے تھے مگر آج مجھے بے حد خوشی ہو رہی تھی۔

"ارے ممانی جان نے اتنے سارے پائے بھیج دیئے۔" میں نے دیگچہ کھول کر دیکھا۔

"ہاں، جب جوتے کھانا ہی ٹھہرے تو زیادہ کھاؤ۔" شہری میرے کان میں منمنایا۔

"تم نے نہیں کھائے یہ جوتے۔" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"جی نہیں، میں بھینس کے جوتے نہیں کھاتا، کیچڑ سے روٹی کھانا پسند نہیں ہیں۔"

"ہاں بھئی، تمہیں مزہ آ بھی کیسے سکتا ہے۔ تم تو عادی ہو، ربڑ سول جوتے کھانے کے۔"

"ماہم لینگویج پلیز۔" اس نے میری چوٹی اپنے ہاتھ میں بل دے کر کھینچی۔

"کیوں، غلط کہہ رہی ہوں میں؟" میں نے اپنے بال چھڑاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، سو فیصد غلط۔" وہ میری آنکھوں میں اترنے لگا۔

"کیا بات ہے، بہت مصروف رہنے لگے ہو آج کل۔" میں اس کی چبھتی ہوئی نظروں سے بچنے کے لئے گھوم گئی۔

"آج کل جاب کر رہا ہوں، حال میں ہی لگی ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"مجھے کیا معلوم، تم نے بتایا تھا کیا؟" میں نے صفدر کی بات چھپائی۔

میں نے سوچا تھا کہ بتاؤں گا مگر پچھلے دنوں اس قدر مصروف رہا کہ میرے ذہن سے ہی نکل گیا، ویسے پھوپھا جان کو معلوم ہے، پاپا نے انہیں بتایا تھا۔"

"ظاہر ہے مٹھائی کھلانا پڑتی ہے، دماغ سے نکل ہی جانا چاہئے تھا۔"

"افوہ، مٹھائی کھلانا ایسی کون سی بڑی بات ہے کھلا دوں گا یوں کرو کہ کل گھر آ جاؤ کھانا بھی کھا لو اور مٹھائی بھی۔"

”آ کر دے جانا، اب تمہارے گھر کا رستہ دور پڑتا ہے۔“
”بائیک پر چلو گی؟“ اس نے شرارت سے پوچھا۔
”ہر گز نہیں، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں اپنی روح فنا کر دوں۔“
”اچھا تو پھر صفی کی گاڑی مانگ لاؤں گا۔ صفی کی گاڑی میں تو چلو گی۔ اب تو وہ میرا دوست سے زیادہ رشتے دار ہو گیا ہے۔“ اس کا لہجہ از خود تیکھا سا ہو گیا۔
”کیوں، سڑک پر ٹیکسی، رکشے سب بند ہو گئے ہیں کیا؟“ میں جل ہی تو گئی تھی۔
”کیا صفی کی گاڑی میں تمہیں بیٹھنا پسند نہیں؟“ اس نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے میرے احساسات جاننے کی کوشش کی۔
”شہری پلیز، بے کار کی باتیں کیوں کرنے لگے ہو تم۔“
”ماہم! سچ سچ بتاؤ کیا تمہیں بہت برا لگا؟“
”ہاں، بہت۔“ میں نے اپنے لب کچل ڈالے۔
”اچھا چلو، چائے پلاؤ۔ بہت ”چیاس“ لگ رہی ہے۔“ اس نے اپنے دونوں بازو میرے شانوں پر رکھ دیے، مک مکا کرنے کے لیے یہ اس کا ہتھیار ڈالنے کا انداز ہی ہوا کرتا تھا۔
”تمہیں دیکھتے ہی چڑھا دی تھی چائے۔ آخر پتی گلنے میں تو ٹائم لگے گا ہی۔“
”یوں کرو کہ گلانے کا پاؤڈر ڈال دو۔ پچھلی دفعہ خاصی کچی رہ گئی تھی، بڑی مشکل سے حلق سے اتری تھی۔“
”لو پہلے مالٹے کھا لو، چائے تو دیر سے ہی پکے گی۔“ میں نے اس کے سامنے مالٹے رکھتے ہوئے کہا۔
”ماہم، میری جاب بہت اچھی ہے، آگے ترقی کے بھی خاصے چانسز ہیں، یہ جاب فرحین نے دلوائی ہے اپنے ابو کی کمپنی میں، وہ مالٹے کھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔
”اوہ یہ بات ہے؟“ میں ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجا کر رہ گئی۔
”کوئی خاص بات۔؟“ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔
”کمال ہے کہ خاص بات، آپ کے لیے خاص نہیں، ہیروئن نے اپنے باپ سے کہہ کر اپنے باپ کی کمپنی میں تمہیں ملازم رکھوایا ہے اور بات خاص نہیں، شہری سدھر جاؤ اور خود ہی بتا دو کہ معاملہ کیا ہے؟“
”پاگل تو نہیں ہو گئیں تم، یہ جانتے ہوئے بھی کہ فرحین شروع ہی سے میری کلاس فیلو اور دوست ہے۔“ اس کا لہجہ کسی معصوم بچے کی طرح سادہ تھا۔
”تم جب اس کے باپ کی نوازشات کے بوجھ تلے دب جاؤ گے تو اس سے متاثر بھی ہو جاؤ گے۔“ میں شوخی سے کہتی چلی گئی
”ماہم، نہ میں کوئی بہروپیا ہوں اور نہ ہی کوئی اداکار ہوں کہ لوگوں سے عشق بگھارتا پھروں اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ فرحین کا نکاح خاندان میں ہی ہو چکا ہے۔“
”ارے برا مان گئے، میں تو یونہی مذاق میں کہہ رہی تھی۔“ میں نے اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر بات بدل دی۔
”کیا سمجھتی ہو تم اپنے آپ کو؟ دوسروں کے بارے میں غلط اندازے ہی لگانے آتے ہیں تمہیں یا کچھ اور بھی آتا ہے تمہیں؟“ وہ انگارے اگلتی آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔
”شہری پلیز، میرے کہنے کا یہ مقصد ہر گز نہیں تھا۔“ میں نے معصومیت سے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے، ورنہ اس کا تو بس نہیں تھا کہ ایش ٹرے سے شیشے کی ٹیبل چکنا چور کر کے ابا جان اور ماموں جان کے ساتھ ساتھ ارتقاء باجی کو بھی اس صورت حال سے باخبر کر دیتا۔ جاتے ہی گہری نیند سو گئی تھیں۔

”بس ہاتھ نہ جوڑا کرو تم۔“ اس نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں میرے ہاتھ تھام کر اس زور سے دبائے کہ میری سسکی ہی تو نکل گئی۔
”ماہم! اس نے نرمی سے پکارا۔
”ہوں۔“
”آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کرنا، مجھ سے۔“
”ٹھیک ہے، نہیں کروں گی۔“ میں اس کے سامنے ہی کوچ پر بیٹھ گئی۔
”ہاں، یاد آیا، چند دن ہوئے احسان بھائی کی والدہ، امی کے پاس آئی تھیں، انہیں بہت رنج تھا کہ ارتقاء باجی ان کی بہو نہیں بنیں۔“
”عجیب عورت ہیں وہ بھی اب باجی کی شادی کو سات ماہ گزر گئے ہیں مگر وہ ابھی تک روتی پھر رہی ہیں۔“
مگر اب وہ رونے کے نہیں آئی تھیں۔“
”آئی ہوں گی، مجھے دلچسپی نہیں بلکہ نفرت ہے ان سے۔ اس دن اماں کے سامنے اپنے دل کے پھپھولے یوں پھوڑے کہ وہ ان کی ساری باتیں اپنے دل پر لے گئیں۔ اس شب تو ان کو ہارٹ اٹیک کا دوسرا اٹیک ہوا تھا۔“
”بات تو سنوں میری، امی کے پاس ان کی آمد اس وجہ سے ہوئی تھی کہ امی پھوپھا جان کے پاس جا کر ان کی سفارش کریں کہ اگر ارتقاء نہیں بیاہی تو دوسری بیٹی ان کی جھولی میں ڈال دیں۔“
”کیا ماموں جان اسی سلسلے میں ابا جان کے پاس آئے ہیں؟“ لمحے بھر میں میرا چہرہ زرد ہو گیا۔
اگر تم چاہو تو ایسا ہو سکتا ہے۔“ اس نے اپنی آنکھوں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔
”شہری! میں مر جاؤں گی مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیا سمجھ رکھا ہے، انہوں نے ہمیں، کسی دکان کا سامان ہیں کہ ایک نہیں ملا تو دوسرا لے لیں۔“
”میرا بھی یہی خیال تھا، میں نے امی سے اسی وقت کہہ دیا کہ ان صاحبہ کی طبیعت صاف کر کے بھیجیں۔“
”پھر، مہمانی جان نے منع کر دیا، ناں۔“
”ہاں، بے فکر رہو۔“ وہ مسکرایا۔
”توبہ ہے، تم نے تو، میری جان ہی نکال دی تھی۔“ چائے کی پیالیاں اس کے سامنے رکھتے ہوئے میں نے کہا۔
”ماہم، جب تم دوسروں کی جان نکالتی ہو، اس کی پروا ہوتی ہے تمہیں۔“ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا۔
اور میں کپ چینی ملاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ شہری کی بات کے آخر میں کتنے مطلب اخذ کروں۔

♥ ♥ ♥

دوسرا دن بھی گزر گیا مگر باسط بھائی ارتقاء باجی کو لینے نہیں آئے تھے۔ ایسا اب تک نہیں ہوا تھا ورنہ ارتقاء باجی اگلے دن ہی چلی جاتی تھیں۔
”یہ باسط بھائی کیوں نہیں آئے؟ میں نے ان کی وجہ سے اتنی ساری چیزیں پکائیں۔“ اگلی شب میں نے باجی سے پوچھا۔
”میں منع کر آئی تھی کہ لینے مت آیئے گا، دو چار دن رہوں گی۔“ باجی نے گہری سانس لے کر کہا۔

''مگر کیوں، باسط بھائی کو جو تکلیف ہوگی۔'' مجھے حیرت تھی، اس سے قبل باجی کے زیادہ نہ رہنے کی یہی دو وجوہات ہوتی تھیں۔

''انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی، سب جان گئی ہوں میں۔'' وہ بڑے کرب سے بولیں۔

''بات کیا ہے؟ کہیں آپ کی باسط بھائی سے کوئی لڑائی وغیرہ تو نہیں ہوگئی؟'' میں نے باجی کو گہری نظروں سے دیکھا ان کا چہرہ خاصا پژمردہ ہو رہا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ زبردستی مسکرائیں۔

''باجی پلیز؟'' میں نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

''باسط اپنی ممی سے ملنے لگے ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''ارے تو پھر کیا ہوا، حد ہے باجی، آپ نے تو مجھے پریشان کر دیا۔ یہ تو آپ بھی چاہتی تھیں کہ باسط بھائی کی اپنی ممی سے دوستی ہو جائے، اچھا ہوا کہ ماں بیٹے کی دوستی تو ہو گئی۔ آپ کی ٹینشن بھی ختم ہو گئی جو اس وجہ سے تھی کہ باسط نے آپ کی خاطر اپنی ماں کو چھوڑ دیا۔''

''ماہم، بات اصل میں یہ ہے کہ وہ اپنی ممی سے مل رہے ہیں اور مجھ پر ظاہر نہیں کر رہے ہیں۔ ورنہ ممی سے ملنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں تھی مگر ان کے چھپانے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ آپ کا قیاس غلط ہی ہو ورنہ اس میں چھپانے والی بات تو کوئی نہیں ہو سکتی۔''

''نہیں ماہم، اب وہ اکثر ممی کے گھر سے کھانا کھا کر آتے ہیں، سگریٹ کا وہی برانڈ پینے لگے ہیں جو پہلے پیتے تھے مگر یہ سب مجھ سے چھپاتے ہیں۔ سستے برانڈ کے پیکٹ میں عمدہ سگریٹ رکھ کر پیتے ہیں میرا خیال ہے کہ اب وہ اپنی فیکٹری میں بھی بیٹھنے لگے ہیں۔ ان کے بریف کیس میں ان کی فیکٹری سے متعلقہ کئی فائلیں میں نے دیکھی ہیں۔''

''باجی، سیانے کہتے ہیں ناں کہ جب عورت ماں بننے والی ہو تو اس کو اپنے اعصاب پرسکون رکھنا چاہئیں۔'' آپ کے خدشات اگر صحیح ہوئے تو زیادہ دیر چھپے نہیں رہ سکتے ' ویسے یہ میرا اپنا خیال ہے کہ اکیلے رہنے سے آپ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچ کر اپنے آپ کو پریشان کرتی رہتی ہیں، ہونے کی عادت تو آپ کی سدا کی ہے۔''

''نہیں ماہم، ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ میں باسط کو خوب جانتی ہوں، انہیں اب میری اتنی پروا نہیں رہی جتنی کے پہلے تھی۔''

''سارا قصور آپ کا ہے۔ آپ اپنے آپ کو ابھی تک باسط بھائی کی محبوبہ سمجھے ہوئے ہیں۔ اب وہ آپ کے ناز برداریاں اس انداز میں تو نہیں کر سکتے جیسے یونیورسٹی کے زمانے میں کرتے تھے۔'' میں نے اپنی دانست میں انھیں اچھا خاصا سمجھایا۔

مگر ان کے چہرے پر شگفتگی کی کوئی کرن نہیں پھوٹی۔

چوتھا دن بھی گزر گیا اور باسط نہیں آئے ان کے آفس فون کیا تو معلوم ہوا، وہ اپنے دفتر بھی نہیں آرہے تب میری پریشانی باجی سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ یہ باسط بھائی، باجی کے بغیر ہی اپنی ممی کے پاس چلے گئے؟ کیا انہیں باجی کی کمی محسوس نہیں ہو رہی؟

اپنے خدشات کا میں نے، باجی کے سامنے اظہار نہیں کیا تھا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ باسط بھائی گھر آکر کیا بہانہ بنائیں گے۔

اپنے وعدے کے مطابق پانچویں دن شام کو باسط بھائی، باجی کو لینے آگئے، ہمیشہ کی طرح مسکراتے چہرے کے ساتھ۔''

''اتنے دن بعد آئے ہیں آپ!'' میں نے ناراضگی دکھلائی۔

''تمہاری باجی منع کر آئی تھیں کہ لینے نہیں آنا۔ پانچ، چھ دن سے پہلے ہرگز نہیں آؤں گی اور میں پانچویں دن ہی آگیا......'' وہ ہنسے۔

''آپ ایسے ہی آجاتے، لینے نہ آتے۔''

''جب آتا تو لئے بغیر نہیں جاتا، اس لئے آیا ہی نہیں۔'' وہ باجی کی طرف شوخی سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

مگر آپ کو تکلیف تو ہوئی ہوگی۔ باجی کے بغیر۔ آپ تو شاید چائے وغیرہ بھی نہیں بنا سکتے۔'' اب بولو رنگ برنگے جھوٹ، میں دل ہی دل میں ہنسی۔

''میں گھر پر تھا ہی نہیں جو تکلیف ہوتی۔'' انہوں نے برملا اعتراف کر لیا

''پھر آپ کہاں تھے؟'' میرے ساتھ ساتھ باجی کی کریدتی ہوئی نظریں ان کے چہرے پر ٹک گئی تھیں۔

''آصف کی کوششوں کی وجہ سے ممی نے مجھے معاف کر دیا ہے، میں ان کے پاس تھا۔'' وہ خوش دلی سے بولے۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ کوئی بھی بودا سا بہانہ انہوں نے نہیں گھڑا تھا۔

یہ تو بہت خوشی کی بات سنائی آپ نے۔ اچھا ہے کہ آپ اور باجی اب آنٹی کے پاس رہیں گے۔'' ان کی بات سن کر میں واقعی مطمئن ہوگئی۔

''فی الحال تو ممی نے صرف مجھے ہی معاف کیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ وہ جلد ہی ارتقاء کو بھی اپنی بہو تسلیم کر لیں گی، آصف بھی اس سلسلے میں غافل نہیں ہے۔'' انہوں نے کچھ تذبذب سے کہا۔

''باسط آپ کو میرے بغیر ممی کے پاس نہیں جانا چاہئے تھا۔'' باجی برہمی سے بولیں، وہ غصے کا اظہار کر رہی تھیں مگر آواز کے ساتھ ان کا پورا وجود لرزیدہ سا تھا۔

میں نے باجی کے چہرے پر بکھرتی شگفتگی دیکھی اور رنج و ملال کی ایک سرد سی لہر میرے وجود میں اندر تک اترتی چلی گئی۔

''ٹیک اِٹ ایزی ارتقاء، اپنی سوچ، اپنی فکر کو نارمل رکھو۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات یا کوئی غیر معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ جس کو تم اتنا محسوس کر رہی ہو، میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ تم یہ یقین رکھو ہم دونوں تو اپنے فلیٹ میں اس وقت تک رہیں گے، جب تک ممی تمہیں اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دیتیں۔''

''باجی، باسط بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ ان کی بات تو سمجھئے۔ پلیز اس حالت میں اپنے آپ کو مطمئن اور پرسکون رکھئے۔''

''نہیں باسط، آپ نے تنہا جا کر ٹھیک نہیں کیا، ممی آپ سے ملتی رہیں گی، انہیں میری ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوگی، پہلے میں دن میں اکیلی پڑی رہتی تھی، اب شاید راتوں کو بھی۔'' باجی کا لہجہ نمناک ہوا تو ان کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور میں وہاں سے ہٹ کر باورچی خانے میں چلی آئی تا کہ وہ اچھی طرح رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ باجی اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث ''بچی'' ہو رہی تھیں حالانکہ باسط بھائی نے کوئی بہانہ نہیں گھڑا تھا۔ جو صورت حال تھی وہ صاف صاف بیان کر دی تھی باسط بھائی کی بات باجی کو سمجھ لینی چاہئے تھی مگر وہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہیں سمجھ رہی تھیں۔ ڈیپریشن کی وجہ سے بے حد چڑچڑی سی ہوگئی تھی، شاید باسط بھائی کا اپنے خاندان میں جانا انہیں پسند نہیں آیا تھا یا وہ روایتی ساس کے تصور سے خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ ان کی ممی نے اپنے ہاں آنے کی پابندی عائد کر کے باجی کی تحقیر بھی کی تھی۔ اور یہ کم مائیگی کا احساس ان کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھر گیا تھا۔ باجی کی ہچکیاں لینے کی آواز باورچی خانے میں بھی آرہی

تھی۔ باسط بھائی انہیں تسلیاں دے رہے تھے، مگر وہ مستقل روئے چلی جارہی تھیں۔ میں ٹرالی پر سامان سجا کر وہیں بیٹھ گئی کہ باجی کا رونے کا پروگرام ختم ہو تو میں چائے لے کر جاؤں۔ یہ بھی اچھا تھا کہ اس وقت ابا جان گھر پر نہیں تھے ورنہ یہ صورت حال ان کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہوتی اور جب باسط بھائی کے فلک شگاف قہقہے کے سنگ ان کی کھنکتی سی ہنسی سنائی دی تو میری جان میں جان آئی۔ باجی کے رونے کی وجہ سے میں پورے پینتالیس منٹ باورچی خانے میں محبوس رہی تھی۔

"لیجئے جناب، گرما گرم چائے اور گرما گرم شامی کباب، کھٹی میٹھی چٹنی کے ساتھ۔" ٹرالی میں نے ان دونوں کے درمیان رکھ دی۔ باجی کا چہرہ کافی حد تک پرسکون ہو گیا تھا۔ رونے سے ان کے دل کی بھڑاس جو نکل گئی تھی یا پھر باسط بھائی کے شہد آگیں لہجے نے ان کے زخموں پر اپنی محبت کے پھاہے رکھ دیئے تھے۔

"چلو ارتقاء، جلدی سے گھر چلو، تمہارے بغیر تو گھر کاٹتا ہے۔" باسط بھائی متبسم لہجے میں باجی سے کہہ رہے تھے۔

"نہیں باسط بھائی، ایسے نہیں جا سکتے آپ، کھانا کھا کر جایئے گا۔ مغرب تک ابا جان بھی زبیدہ پھوپھو کے گھر سے آجائیں گے، آج وہ بہت دنوں بعد پھوپھو کے گھر گئے ہیں۔"

"نہیں ماہم، کھانا پھر کبھی کھائیں گے، اتنے دن گھر بند رہا ہے۔ الٹا پڑا ہوگا۔" باجی کو بھی یک دم گھر جانے کی جلدی ہو گی۔ کہاں تو وہ چار دن سے باسط بھائی کے خلاف محاذ کھولے بیٹھی تھیں اور کہاں اب وہ ان کو دیکھ کر ان کے ساتھ جانے کو بے قرار ہو گئی تھیں۔

"پلیز باجی، کھانا کھا کر چلی جایئے، میں نے جو اتنا سارا کھانا پکایا ہے وہ کون کھائے، اتنی مشکلوں سے تو کوفتے بنے ہیں۔"

"فریج میں رکھ کر کھا لینا۔" چائے کی پیالی رکھ کر انہوں نے اپنا بیگ اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ میں انہیں روکنے کے لئے مزید اصرار کرتی یا ساتھ لے جانے کے لئے کھانے کی پوٹلی تیار کرتی۔ وہ بیگ اپنے شولڈر پر ڈالے ہاتھ ہلاتی ہوئی نکل بھی گئیں۔

"واہ باجی واہ......آپ بھی خوب ہیں، پل میں کچھ اور پل میں کچھ۔" سرشار ہو کر میں نے اپنے آپ کو صوفے پر گرا دیا۔ جب خوشی اپنے اندر ہو تو ہر بات سہانی لگتی ہے اور ہر چیز انہونی بھی۔

آصف جب بھی آتا، میں کسی پھول کی طرح کھل جاتی۔ کالج سے واپسی پر وہ عموماً مجھے لے لیتا، ہم دیر تک گھومتے پھرتے۔ کتنی عجیب بات تھی کہ محض محبت کی آگاہی سے ہم انا کی زنجیروں سے آزاد ہو گئے تھے ہر بات بے تکلفی سے کر لیا کرتے تھے آصف تعریف کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ اس بے ساختگی سے میری تعریف کرتا کہ میں مسحور ہو جاتی اس سے مل کر میری ساعتیں اظہار کے پھول چننے کے بعد شاداں و فرحاں رہتیں۔ جیون کا یہ رخ بالکل انوکھا تھا محبت کے بعد زندگی کے سارے رخ اور سارے فلسفے بدل گئے تھے شاید انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ کوئی اس پر پروانہ وار نثار ہو اور اس کو پرستش کی حد تک چاہے۔ اور آصف مجھ پر خوب نثار ہو رہا تھا۔

ایک شام وہ ڈرامے کا اسکرپٹ لے کر آیا، اسٹیج ڈرامے میں وہ میرے کام کرنے کی اجازت پہلے ہی ابا جان سے لے چکا تھا اور جس پر ضمیر بھائی کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اور یہ سارا کریڈیٹ آصف کو ہی جاتا تھا ورنہ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ کبھی اسٹیج ڈراموں میں کام کروں گی۔ ڈرامے کی کہانی ایک "لو اسٹوری" تھی جس میں میرا کردار ایک اکھڑ محبوبہ کا تھا جو کسی طرح بھی ہیرو کی محبت پر ایمان نہیں لاتی تھی۔ اسے تمام محبت کرنے والے لوگ سوداگر نظر آتے تھے۔ آخر جب ہیرو اپنی جان کی پروا کئے بغیر ایک حادثے میں ہیروئن کی جان بچانے کی کوشش کی تو اس کی تمام تر نفرت دھویں کی طرح اڑ گئی اور بالا آخر

اس کی شریانوں میں محبت، خون کے ساتھ گردش کرنے لگی۔

اسکرپٹ پڑھ کر میں پسینے پسینے ہونے لگی۔

"کیسا لگا اسکرپٹ؟" وہ میرے سرخ چہرے کو دیکھ کر شرارت سے بولا۔

"اچھا ہے۔" میں نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"محبت کرنے والے جب اسے ادا کریں گے تو اس اسکرپٹ میں مزید جان پڑ جائے گی۔" وہ ہنسا۔

"یہ تو دیکھنے ہی والے بتا سکیں گے کہ ہم نے جان نکالی ہے یا ڈالی ہے۔" میں منہ پھیر کر مسکرا دی۔

"کل سے ڈرامے کی ریہرسل ہو گی، میں دو بجے گاڑی بھیج دوں گا یاد سے بروقت تیار رہنا۔"

"آپ خود لینے نہیں آئیں گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کل فیکٹری میں ضروری میٹنگ ہے، اسے نمٹا کر آڈیٹوریم پہنچ جاؤں گا، اس کے بعد آپ کو لینے اور چھوڑنے کی ذمے داری میری ہی ہو گی۔"

"بہتر جناب، میں پہنچ جاؤں گی۔"

اور جب اگلے دن ڈرائیور بارہ بجے ہی گاڑی لے آیا تو مجھے حیرت ہوئی۔

"اتنی جلدی کیوں آگئے؟ تمہیں تو دو بجے آنا تھا۔"

"مجھ سے صاحب نے ٹائم کے بارے میں کچھ کہا ہی نہیں، میں سمجھا کہ شاید ابھی لانا ہے۔" وہ کان کھجاتا خفیف سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

تیار تو میں تھی ہی، سوچا کہ گپ شپ ہی ہو جائے گی۔ ڈرائیور کو انتظار کرانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"ابا جان، میں چلی جاؤں ریہرسل کے لئے؟"

"ارتقاء بھی جائے گی کیا؟"

"ہاں، پروگرام تو تھا شاید وہ بھی پہنچ جائیں۔ رات میں نے ان کو فون پر بتایا تھا۔"

"ٹھیک ہے، واپسی پر ارتقاء کو گھر لیتی آنا، اتنے دن گزر گئے وہ آئی ہی نہیں۔" وہ اخبار میں گم ہوتے ہوئے بولے اور جب میں گاڑی سے اتری تو وہاں آصف دور دور نہیں تھا۔

بدتمیز کو اتنا خیال بھی نہیں تھا کہ اسے یہاں میرا انتظار کرنا چاہئے تھا اب میں اسے کہاں ڈھونڈوں؟ میں اسے متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

کہیں بھی تو وہ نہیں تھا! سارا کا سارا آڈیٹوریم خالی پڑا تھا۔ اسٹیج ڈیزائنر دو چار لڑکوں کی مدد سے کوئی سیٹ تیار کر رہا تھا۔

"آصف کہاں ہو گے؟" میں نے ایک لڑکے سے پوچھا۔

"ابھی تو وہ نہیں آئے، وہ تو شاید دو بجے کے بعد آتے ہیں، لڑکے نے ایک اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

اللہ! یہ اتنا سارا وقت میں کیسے گزاروں گی، میں فرنٹ دوڑ کی جانب بڑھی تا کہ وہ اندر داخل ہو تو مجھ پر نظر پڑ جائے۔ بارہ سے دو اور دو سے ڈھائی بج گئے، آصف کا دور دور تک پتا نہیں تھا، کھڑے کھڑے میری ٹانگیں جواب دے گئی تھیں۔ ڈرائیور بھی مجھے چھوڑ کر جانے کہاں چلا گیا تھا، ورنہ گھر ہی آجاتی۔

خدایا، کیا کروں؟ یوں تنہا کھڑے کھڑے میں عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔

کسی سے دوبارہ پوچھتی ہوں، شاید کوئی آصف کا فون ہی آیا ہو، میں پھر اندر کی جانب آئی۔ سیٹ ڈیزائنر اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے لڑکوں نے حیرت سے مجھے دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں کہ حیرت ہے، تم ابھی تک یہیں گھوم رہی ہوں؟ ہیرو کا آٹوگراف پھر کبھی لے لینا، میں ان کی

نظریں نظرانداز کرتی ہوئی عقبی جانب بڑھی تو سامنے ہی کوئی بیرا ٹرے میں چائے سجائے کسی ر
جانب بڑھ رہا تھا عقبی جانب سے آڈیٹوریم کا وسطی گیٹ بھی نظر آرہا تھا۔

"سنو، آصف صاحب کے بارے میں کس سے پوچھا جائے کہ وہ کب آئیں گے۔"

"وہ کب آئیں گے؟" اس نے میرا جملہ دہرایا "مس صاحبہ! وہ تو کب کے آچکے ہیں۔" بیر
مجھے غور سے دیکھا۔

"کہاں ملیں گے وہ؟" میں نے اپنے آپ پر قابو پا کر کہا، ورنہ میں اس کی بات سن کر ہی کلس گئی تھی

"آصف، تم بے حد غیر ذمے دار ہو۔" دل کی ایک پکار تھی۔

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اس کی طبیعت صاف کروں کہ یوں اس نے تین گھنٹے مجھے
وقوفوں کی طرح ٹہلایا تھا۔ شاید یہ بھی اس کا کوئی "جوک" تھا۔

"ابھی تو صاحب یہیں پر تھے، اب وہ شاید اپنے کمرے میں ہوں۔ آپ سامنے دائیں سے تیسر
کمرے میں چلی جائیں۔"

تقریباً بھاگنے کے انداز میں، میں اس کے کمرے تک پہنچی۔ آج آصف تمہاری خیر نہیں، تمہاری طبی
ایسی صاف کروں گی کہ کیا یاد کرو گے۔ اس قدر ٹینشن کی حالت میں میں بھی ریہرسل نہیں کروں گی، خوا
تین گھنٹے اپنی ٹانگیں توڑیں اور موصوف نے خبر تک نہیں لی۔ اب جناب جب تک خود مجھے لینے کے لئے
آئیں گے، میں ہرگز نہیں آؤں گی سارے خیالات برق رفتاری سے میرے ذہن میں ہلچل مچا گئے تھے۔
شاید برقی ساعت سے کمرے میں اندر داخل ہو جاتی مگر چھٹی حس نے میرے قدم سست کر دیئے۔

دروازہ نیم وا سا تھا، آصف اور ماہیا بے حد قریب کھڑے تھے اور مجھے صاف نظر آرہے تھے۔ اچا
آصف کا ایک ہاتھ ماہیا کی کمر میں حائل ہو گیا اور میرے بڑھتے ہوئے سست قدم بالکل ہی جم گئے
جیسے کسی نے میخیں ٹھونک دی ہوں۔ آصف کی آواز باہر صاف سنائی دے رہی تھی۔

"تم یقین کرو جان! مجھے تم سے سچی محبت ہے، بالکل سچی۔"

"مگر مجھے یقین نہیں ہے۔ ایسے ڈائیلاگ آج کے دولت مند اوباش چھوکرے ہر وقت منہ میں دبا
پھرتے ہیں۔" ماہیا نے غصے سے آصف کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، جاناں!" آصف نے اپنے دونوں ہاتھ ماہیا کے گلے میں ڈال دیئے۔

"کیسے یقین کر لوں جب کہ میں تمہیں اچھی طرح جانتی بھی ہوں۔" وہ تنتنا کر بولی۔

"میری محبت کا یہ نذرانہ دیکھ کر بھی تمہیں یقین نہیں آیا۔" آصف نے اپنی جیب سے ایک قیمتی ہار ن
کر ماہیا کے سامنے لہرایا اور بڑی چاہت سے اس کی صراحی دار گردن میں پہنا دیا۔

اور میری آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا سا چھا گیا، گہرا کثیف اندھیرا۔

♥♥♥

معلوم نہیں میں کس طرح کھڑی تھی۔ ورنہ لرزتی ٹانگوں میں اتنا دم ہرگز نہیں تھا کہ وہ میرا بوجھ
سکیں، اندر آصف اور ماہیا کے جان دار قہقہے میری رہی سہی جان نکال رہے تھے۔

یہ کیا ہو گیا تھا؟

یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ یہ سب میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ آنکھوں کے آ
اندھیرا سا چھا رہا تھا۔

"ارے، آپ ابھی تک باہر کھڑی ہیں، آصف صاحب کا کمرا تو یہی ہے۔" بیرا سامنے سے گزرا تو
یوں سراسیمہ سا دیکھ کر رک کر بولا۔ جیسے اسے میرے یوں کھڑے ہونے پر اچنبھا ہوا ہو۔

اس کی آواز شاید کمرے میں بھی چلی گئی تھی تب ہی آصف فوراً باہر آگیا۔

"اتنی دیر سے آئی ہو چاندنی! میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"مگر میں تو بارہ بجے سے یہاں ہوں۔" میری آواز میں رنجیدگی کے ساتھ ملال بھی تھا کہ میں کیوں
آگئی تھی۔

"حیرت ہے، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ میں ادھر تمہارے انتظار میں سوکھ رہا ہوں۔"

"اس کا مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم کتنے سوکھ رہے ہو۔" میں دل میں سوچ کر ہنسی۔

"بے وقوف (ڈرائیور) نے بتایا ہی نہیں کہ تم آچکی ہو، شاید تمہیں چھوڑ کر وہ کسی دوسرے کام سے
چلا گیا۔ مجھے کیا معلوم کہ تم عقبی حصے میں ٹہلیں لگا رہی ہو گی۔" وہ میری برہمی کا اندازہ کر رہا تھا۔

"آصف صاحب، اس آڈیٹوریم میں، میں پہلی دفعہ آئی ہوں مجھے اس کے عقبی اور وسطی دروازاں کے
بارے میں کوئی معلومات نہیں۔ جب آپ نے مجھے گاڑی بھیجی تھی تو آپ کو میرا منتظر ہونا چاہئے تھا۔"
میرے لہجے میں خفگی رچی ہوئی تھی۔

آصف نے میرے لہجے کی کاٹ محسوس کر لی تھی اور زرد ہوتے ہوئے چہرے کو بھی بغور دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا تمہیں؟" طبیعت تو ٹھیک ہے ناں!" وہ ایک دم ہی فکر مند ہو گیا۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ بس اب گھر جاؤں گی۔"

"اندر تو آؤ، تمہارا اسکرپٹ رکھا ہوا ہے۔ ابھی میں اور ماہیا اپنی لائنیں ریہرسل کر رہے تھے۔"

"ریہرسل کر رہے تھے۔" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ماہیا کی طرف دیکھا جو دروازے میں ایستادہ
تھی۔ اعتماد اور سکون اس کے چہرے پر کھیل رہا تھا۔

"مس ماہم، آپ کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو میں نے اور آصف نے ریہرسل شروع کر دی تھی،
بقیہ لوگ بھی آپ کے انتظار میں کمرے میں بیٹھے ہیں۔"

آصف کے ساتھ جب میں کمرے میں گئی تو تقریباً پندرہ افراد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور سب کے
ہاتھ میں ڈرامے کے اسکرپٹ کی کاپی تھی۔

"اگر طبیعت ٹھیک نہ ہو تو آج کی ریہرسل کینسل کر دیتے ہیں، ویسے بھی ہماری ریہرسل اسٹیج پر ہوتی
ہے۔ مگر آج سیٹ ڈیزائنر کا کام پورا نہیں ہوا ہے۔" آصف مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

"اب آہی گئی ہوں تو ریہرسل کئے لیتے ہیں۔ آخر یہ سب لوگ بھی ریہرسل میں حصہ لیں گے۔" میں
نے اپنا اسکرپٹ اٹھا لیا، اب جانے کا ارادہ تو ملتوی ہو چکا تھا۔

"آصف، پہلے میرے کیریکٹر کے ساتھ ریہرسل کرو گے یا شروع سے ہو گی؟" ماہیا ہونٹوں میں شہد
آگیں مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا لپکا صاف کہہ رہا تھا کہ ریہرسل صرف میرے
ساتھ کرو اور بقیہ لوگوں کو چولہے میں ڈالو۔

"مس ماہیا، اب تمام تر ریہرسل اسٹیپ بائی اسٹیپ شروع سے ہو گی تاکہ ڈرامے کا تسلسل سب کے
ذہنوں میں رہے، ویسے بھی اس ڈرامے میں ماہم کے علاوہ چار نئے لڑکے ہیں، ان سب کے لئے بھی یہ
تو از ضروری ہو گا۔" آصف کے بجائے ڈرامے کے پروڈیوسر رشید صاحب نے جواب دیا۔

"ارے میں تو بھول ہی گئی تھی کہ اس ڈرامے میں نیو کمر نئے چہرے بھی حصہ لے رہے ہیں۔ رشید
صاحب آپ کے لئے تو یہ ڈراما مصیبت بن جائے گا۔ نئے لوگوں کو سمجھانا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔" وہ
اترا کر کہہ رہی تھی اس کے دیکھنے کا انداز بھی تمسخر آمیز تھا کہ جیسے کہہ رہی ہو کہ تم آتو گئی ہو مگر کچھ کر نہیں سکو
گی۔ یہ اسٹیج کا میدان صرف میرا ہے، تمہارا نہیں۔

''یہ خیال ہے آپ کا ورنہ مس ماہم تو اپنے کالج کی ہونہار فنکارہ ہیں۔ رشید صاحب نے بے وجہ انہیں ہیروئن نہیں کاسٹ کیا۔'' آصف ماہیا سے دھیرے سے کہہ رہے تھے مگر ماہیا بدستور مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو تحقیر آمیز تھی۔

خدایا، ایسا ہوتا ہے ماحول کہ یہ خاتون ایک ڈرامے میں میری موجودگی برداشت نہیں کر پا رہی۔ ماہیا کا کردار بھی سائیڈ ہیروئن کا تھا اور خاصا پاورفل کردار تھا مگر نہ جانے کیوں وہ مجھے پرخاش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ہاں، وہ پہلا دن ہی تھا۔ میں خاصا ہچکچا رہی تھی، جملوں کی ادائیگی بھی توڑ توڑ کر رہی تھی۔ آصف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ بولنا میرے لئے بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

''مس ماہم! آپ نروس مت ہوں۔ اپنے ڈائیلاگ اطمینان سے ادا کریں۔'' رشید صاحب میرے سر پر سوار ہو کر بولے۔ ''ڈائیلاگ بولتے وقت گردن اتنی نیچی نہ رکھیں، ذرا چہرہ اوپر رکھیں۔'' انہوں نے میرے جھکے ہوئے سر کو اپنے ہاتھ سے قدرے اونچا کیا اور مجھے بجلی سی چھو گئی۔

اسکرپٹ تھرا کر دور جا پڑا اور میں چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔ کالج میں ریہرسل اس طرح تو نہیں ہوتی تھی۔ لڑکیوں کے ساتھ کام کرنے کا انداز انتہائی مختلف تھا کہ مونچھیں لگانے کے بعد گلے میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ جائیں تب بھی کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ماہیا مجھے نروس دیکھ کر فلک شگاف قہقہے لگا رہی تھی۔

''رشید صاحب، آپ نے میری بات نہیں مانی تھی، اب خود بھگتئے۔'' وہ مجھے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''فرسٹ انٹری میں بڑے بڑے آرٹسٹ گھبرا جاتے ہیں اور مس ماہم تو بہت اچھی فنکارہ ہیں، آواز، لب ولہجہ اور پھر ادائیگی ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اتنے خوبصورت چہرے اب اسٹیج اور ٹی وی پر کم ہی کم نظر آتے ہیں۔'' رشید صاحب انتہائی دھڑلے سے میری تعریف کر رہے تھے۔

''نہیں سر، آپ کا خیال شاید غلط ہے، مس ماہیا ٹھیک کہتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں اسٹیج پر کام نہیں کر پاؤں گی۔'' میرا دل پہلے ہی بے تحاشا گھبرا سا گیا۔

''ماہم، کیا پاگل ہو گئی ہو، ایک ڈرامے کی تو انکل نے اجازت دی تھی اور تم یہ موقع اپنے ہاتھ سے کھونا چاہتی ہو۔'' آصف میری بات سن کر بولا۔

''آصف! آپ شاید ٹھیک کہتے ہیں کالج میں لڑکیوں کے ساتھ ''پلے'' ادا کرنا اور اسٹیج پر آپ جیسے نامی گرامی فنکاروں کے ساتھ ڈراما کرنا میرے لئے مشکل ہے اور پھر مس ماہیا تو ماشاء اللہ بہت تجربہ کار ہیں۔ انہیں بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ میں کام نہیں کر سکوں گی۔'' میں نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ماہیا پر ڈالی جو میری باتوں کو بظاہر بے پروائی سے سن رہی تھی۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ مس ماہم کا چہرہ اسٹیج کے ڈراموں میں کھلبلی مچا دے گا۔'' رشید صاحب ماہیا سے مخاطب ہوئے۔

''شاید۔'' وہ ببل گم چباتے ہوئے بولی، جیسے کہ یہ بات اس کے لئے قطعی غیر اہم ہو۔

''رشید صاحب، میں ڈرامے میں کامیابی اپنے کام کی چاہتی ہوں چہرے کی نہیں۔'' (میں جل ہی تو گئی تھی)

''تو پھر لوگوں کو کیوں نہیں باور کرا دیتیں کہ تم ایک ٹیلنٹڈ فنکارہ ہو۔'' آصف نے مجھے چڑایا۔

اور میں غصے سے سرخ ہو گئی ''کیا سمجھتی ہے یہ ماہیا خانم اپنے آپ کو، نہ نچا دکھایا تو میں ماہم نہیں۔''

دل برق رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔

''ماہم، پلیز اپنا اسکرپٹ پکڑو۔ ہم ریہرسل دوبارہ کرتے ہیں۔'' آصف مسلسل مجھ سے اصرار کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں کام کروں گی۔'' میں کسی نتیجے پر پہنچ چکی تھی۔

''ارے اتنی جلدی فیصلہ تبدیل کر لیا۔'' ماہیا تمسخر سے ہنسی۔

''اگر آپ کی خواہش یہ ہے تو میں اس ڈرامے میں کام نہیں کرتی۔'' میں نے مس ماہیا کی آنکھوں میں جھانک کر پہلی دفعہ بڑے کھڑتل لہجے میں کہا۔

''ارے، میں ایسا کیوں چاہنے لگی۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ نئی لڑکیاں اس فیلڈ میں آئیں۔'' وہ کھسیا کر بولی۔

''تو سمجھ لیجئے، یہ ڈراما آپ کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے کروں گی۔'' میں ہنسی۔

''اچھا، تو آپ میری خواہش پر کام کر رہی ہیں۔'' وہ ہنسنے کے لئے پر تولنے لگی۔

''جی ہاں، آپ کی بھی۔'' میں نے لفظوں کو چبا کر کہا اور اس کی جانب سے پیٹھ موڑ لی۔ ایسے لوگوں کو میں دیکھنے کی خواہش مند کبھی نہیں رہی تھی جن کا کام دوسروں کے پیروں سے سیڑھی کھینچنا تھا۔

وہ ریہرسل کا چوتھا روز تھا۔ ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ دور ہو چکی تھی، میں اپنے مکالمے اعتماد سے ادا کرنے لگی تھی۔ فنانسر کا خیال تھا کہ یہ ڈراما ہٹ جائے گا میری اور آصف کی بے ساختہ اداکاری نے ڈرامے میں مزید جان ڈال دی تھی۔

وہ جب میرا ہاتھ تھام کر ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر کہتا۔

''مون، کیا تمہارے بغیر زندگی گزاری جا سکتی ہے؟''

تب میرا روان رواں نفی میں سر ہلاتا۔ ''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، زندگی کا سفر ہم ایک ساتھ شروع کریں گے بہت جلد، بہت جلد۔'' وہ ڈرامے کے ڈائیلاگ دہراتا اور میں سوچتی رہ جاتی۔

وہ ریہرسل کا چھٹا روز تھا جب فنانسر نے رشید صاحب سے آ کر کہا کہ ڈرامے کے وسط میں میرا ایک رقص بھی شامل کر لیا جائے، صرف رقص کی وجہ سے ٹکٹوں میں پینتیس فیصد اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

''کمال ہے! اب رقص اس میں کس طرح شامل کیا جا سکتا ہے۔ کہانی میں نہ رقص کی گنجائش ہے اور نہ جگہ کی۔

چھ دن سے ہم لوگ ریہرسل کر رہے ہیں اور ریہرسل بغیر رقص کے ہو رہی ہے۔ ڈرامے کے اسکرپٹ میں جب رقص تھا ہی نہیں تو اب بلا جواز ڈالنے کا فائدہ؟'' فنانسر کی بات پر مجھے غصہ ہی تو آ گیا۔

''آپ تو ناراض ہو گئیں بی بی۔ ڈراموں میں رقص کی جگہ ہوتی نہیں ہے مگر پیدا کی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا ایک رقص اس ڈرامے کو چار چاند لگا دے گا۔'' فنانسر بدستور اپنی بات پر جما ہوا تھا۔

خواہ مخواہ جگہ نکال لیں گے آپ۔ یہ ڈراما کسی رقاصہ کے گرد تو نہیں گھوم رہا۔ اس میں میرا کردار ایک مڈل کلاس لڑکی کا ہے۔ کردار میں آپ نے اگر یہ ڈانس ٹھونس دیا تو کیریکٹر نہ صرف بوجھل ہو جائے گا بلکہ ناگوار بھی لگے گا۔'' میں نے موصوف کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

''بی بی، آپ ہمارے دماغ سے سوچیں تو معلوم ہو گا کہ اگر سچویشن نکالی جائے تو ہر فرد ناچ سکتا ہے۔'' فنانسر منہ پھاڑ کر ہنسا۔

''تو پھر نچا لیں آپ سب کو۔ میں تو باز آئی ایسے ڈرامے سے جس کے بارے میں یہی پتا نہیں چل رہا کہ آخر اس کا ہو گا کیا۔''

"مس صاحبہ! آپ تو ناراض ہو گئیں۔ میں ایک کامیاب فنانسر اسی وجہ سے کہلاتا ہوں کہ زندگی سے قریب ڈرامے پیش کرتا ہوں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کیا کسی کو بھی اپنی زندگی کے بارے میں یہ علم ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے؟"

"نہیں۔نہیں ناں!"

"تو پھر میرا ڈراما بھی زندگی کے سنگ چلتا ہے۔ اس میں کل کیا تبدیلیاں کروں گا، میرے کو بھی ایمان سے نہیں معلوم۔" وہ پھر انتہائی بدصورتی سے ہنسا۔

"یہ تو آپ کی زیادتی ہے کہ فنکاروں کو بالکل ہی باندھ دیتے ہیں۔"

"نہیں مس صاحبہ، یہ آپ کا خیال ہے۔ ہمارے ڈراموں کے ساتھ ساتھ فنکار بھی اٹھتا چلا جاتا ہے آپ ان ڈراموں پر بھی ایک نظر ڈالیں جن میں فنکار اپنی اداکاری کے عمدہ جوہر دکھاتے ہیں مگر جب ڈراما ڈوبتا ہے تو ان کے فن کی داد دینے والے نہ عوام ہوتے ہیں اور نہ پریس۔"

"ٹھونسا ہوا رقص ایک بدنما پیوند لگے گا۔ آپ پھر سوچ لیجئے، اس ڈرامے میں رقص کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔" میں نے پھر قائل کرنا چاہا۔ دراصل کالج میں رقص کرنا اور بات تھی اور یہاں سب کے سامنے رقص کرنا مجھے انتہائی معیوب معلوم ہو رہا تھا۔ خاص طور پر آصف کے سامنے۔ "اس کے بے حد قریب ہو کر۔

"مس ماہم، گنجائش نکالنا ہمارا کام ہے۔ آپ بے فکر رہئے۔ خوش ہو کر جب گنگنایا جا سکتا ہے تو ناچا بھی جا سکتا ہے۔ آپ صفحہ نمبر چودہ کی لائنیں دیکھیے۔ ہیرو سے مل کر جب آپ گھر آتی ہیں تو بے حد خوش ہیں، گنگنا رہی ہیں۔ ہم آپ کی گنگناہٹ کی جگہ رقص فٹ کر دیں گے۔" رشید صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"فلم میں تو سالا پروڈیوسر لوگ خواب میں ڈانس کے سین ڈال دیتا ہے۔ ہم تو پھر جاگتے میں کروا رہے ہیں۔" فنانسر وہیں کرسی پر بیٹھ کر رشید صاحب کو ہدایتیں دینے لگا۔

رشید صاحب گو اس ڈرامے کے ہدایت کار ضرور تھے مگر اصل ہدایت کار فریدی صاحب ہی تھے۔ نہ صرف ڈراما ان کی پسند پر لکھا جاتا تھا بلکہ تبدیلی و اضافہ بھی ان کی فرمائش پر ہوتا تھا۔

فریدی جب گئے تو رشید صاحب نے اعلان کر دیا کہ اب کل کی ریہرسل میں رقص ضرور ہو گا۔

"یہ آپ لوگوں کی بے حد گھٹیا حرکت ہے، ایسے ہوتے ہیں ڈرامے۔ یہ آپ جیسے لوگوں نے تمام لوگوں کو بدنام کر دیا ہے۔ گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ، میں نے تو چند ریہرسلوں میں وہ سیکھ لیا، جو شاید میں ہدایت کاروں اور فنانسرز کے بارے میں ساری زندگی نہیں جان پاتی۔"

"دھیرج مس ماہم، دھیرج۔ آپ کی سوچ اور انداز فکر بجا ہے مگر آپ اس طبقے کو بھی دیکھئے ناں، جو اپنا رزق اس ڈرامے سے حاصل کر رہا ہے۔ ڈرامے میں پیسہ لگانے والوں کا یہ حق ہے کہ وہ اس سے منافع بھی کمائیں۔ اب وہ وقت نہیں رہا کہ فن کی تسکین کے لئے روپے میں آگ لگا دی جائے۔"

"روٹی کمانے کا یہ انتہائی بھونڈا طریقہ ہے کہ اخلاقی اقدار کی پامالی کر دی جائے۔" میں ابھی تک طیش میں تھی۔

"رشید صاحب، ڈرامے میں آپ میرا ڈانس کیوں نہیں شامل کر لیتے۔" ماہیا نے ان کے سامنے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آخر اس سے پہلے میرے ڈانس ڈراموں میں شامل ہوتے رہے ہیں۔"

"ہاں، سچویشن تو ہم آپ کے ڈانس کی بھی ڈال سکتے ہیں لیکن اگر یہ رقص مس ماہم کرتیں تو میرے خیال میں بہتر تھا۔ ان کا کردار، کلک، ہو جاتا۔"

"آپ کا مقصد تو صرف رقص پیش کرنا ہے۔ چاہے اسے کوئی بھی کرے۔ مس ماہیا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" میں نے ماہیا کی وکالت کی۔

"ٹھیک ہے، جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" رشید صاحب راضی ہو گئے۔

ماہیا کا چہرہ کھل اٹھا جیسے اسے کوئی اعزاز مل گیا ہو اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کہ کوئی بھاری بوجھ سر سے اتر گیا ہو۔

وہ ریہرسل کا آخری دن تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ ماہیا کے ساتھ ساتھ غزالہ بھی مجھ سے کھنچی کھنچی سی ہے حالانکہ غزالہ کا کردار محض خانہ پری کا کردار تھا۔ وہ لائٹ مین کی منظورِ نظر تھی۔ اس لئے اس کی خواہش پر غزالہ کو یہ کردار دیا گیا تھا۔ ڈرامے میں وہ چھمک چھلو ٹائپ ملازمہ تھی جس کا کام بات کو ادھر سے ادھر کرنا تھا اور انتہائی چلتر پنے سے بار بار ایک جملہ ادا کرنا تھا۔ "میں تو کچھ جانتی ہی نہیں کہ فلاں نے مجھ سے یہ بات کیوں کی!"

اور اس کا مبہم رویہ دیکھ کر میں خواہ مخواہ اپنے آپ سے الجھ رہی تھی کہ وہ آخر میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہے۔

آصف مجھے گھر چھوڑنے جا رہے تھے اور میں ان کے برابر بیٹھی مسلسل ماہیا اور غزالہ کے برتاؤ کی بابت سوچ رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ کھنکار کر بولا۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ضرور ہے جو اس قدر شد و مد سے سوچا جا رہا ہے۔" وہ ہنسا۔

"ماہیا اور غزالہ کیسی عجیب لڑکیاں ہیں۔"

"سارا چکر جیلسی کا ہے اور بس۔ وہ تمہاری خوبصورتی برداشت نہیں کر پا رہی ہیں۔" وہ ہنسا۔

"ڈارموں میں خوبصورتی کام نہیں آتی۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خوبصورت لڑکی کے ڈرامے کامیاب ہوتے۔"

وہ تمہاری خوبصورتی کے ساتھ ساتھ تمہارے ٹیلنٹ سے بھی خوف زدہ ہیں۔"

"مگر میں تو سب سے جونیئر ہوں۔ پہلا ڈراما ہے میرا اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسرا "پلے" بھی نہیں کروں گی۔"

"اس کا یقین جب مجھے نہیں ہے تو انہیں کیسے ہو سکتا ہے۔" آصف ہنسا۔

"جی نہیں، یہ خام خیالی ہے آپ کی۔ ابا جان ہرگز نہیں مانیں گے ایک ڈرامے میں انہوں نے کام کرنے کی کیسے اجازت دے دی، میں تو ابھی تک ششدر ہوں۔"

"تم اسی طرح حیران ہوتی رہنا۔" وہ مجھے دیکھ کر بدستور مسکرایا۔

"لگتا ہے، آپ ابھی تک سمجھ نہیں پائے ہیں، ہم لوگوں کو۔" گھر کے قریب کار رکتی دیکھ کر دروازہ کھول کر میں نے کہا۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کسے کتنا سمجھا ہے۔" آصف نے ہاتھ ہلا کر گاڑی آگے بڑھا لی۔ واپسی پر وہ کبھی رکا نہیں کرتا تھا۔ شاید اسے بھی گھر جانے کی جلدی ہوتی تھی۔

میں نے رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی، پونے نو بج رہے تھے۔ ضمیر بھائی گھر آ گئے ہوں گے۔ خبرنامے کے بعد ہم لوگ کھانا کھانے کے عادی تھے۔

آج آخری ریہرسل بھی اس لئے کچھ دیر ہو گئی تھی ورنہ میں گھر آٹھ بجے تک آ جاتی تھی چار دن بعد ڈراما شروع ہونا تھا۔ گھر میں آئی تو شہری باہر نکل رہا تھا اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور بنا کچھ کہے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نکل گیا۔

اندر ضمیر بھائی ابا جان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ٹی وی پروگرام دیکھ رہے تھے۔

''آج تمہیں زیادہ دیر ہوگئی بیٹے!'' ابا جان نے پوچھا۔

''آج آخری ریہرسل تھی اس لئے دیر ہوگئی۔'' پرس صوفے پر پھینک کر میں ان کے پاس قالین پر بیٹھ گیا۔

''کام کرنے میں کچھ دشواری تو پیش نہیں آرہی۔''

''دشواری صرف یہی ہے کہ اسٹیج میں مائیک کے سامنے آکر بولنا پڑتا ہے ایک اسٹیج پر زیادہ سے زیادہ صرف تین مائیک لگے ہوتے ہیں۔ ڈائیلاگ منہ میں دبا کر مائیک تک آنا پڑتا ہے کالج کا پنڈال چونکہ چھوٹا ہے اس لئے ذرا سا زور سے بولنے پر پوری آواز سامعین تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے اسٹیج کے جس حصے سے کھڑے ہوکر بول دیں ڈائیلاگ کی ڈلیوری ہو جاتی تھی۔''

''اب دیکھو یہ شہری کیسا کھیلتا ہے؟ مہمانِ خصوصی مجھے بنا کر تو لے جا رہا ہے۔'' ضمیر بھائی نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کارڈ دیکھتے ہوئے کہا۔

شہری نے آپ کو کس سلسلے میں مہمانِ خصوصی بنوایا ہے!'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ جس کلب کے تحت کرکٹ کھیلتا ہے اس کا میچ کس کمپنی کی ٹیم کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کل اس کا فائنل ڈے ہے۔ آخر میں تقریب ہوگی اس کا مہمان خصوصی مجھے بنایا گیا ہے۔''

''اوہ، یہ بات ہے ریوڑی حاصل کرنے کے لئے آپ کا انتخاب کیا گیا ہے کہ بھلے میچ ہار جائیں تو آپ کے طفیل مین آف دی میچ کا ٹائٹل تو حاصل کرلیں۔'' میں ہنسی۔

''نہیں یہ بات نہیں۔ شہری بہت اچھا کھیلتا ہے، اگر اسے مناسب کوچنگ میسر آتی تو وہ اس وقت جانے کہاں ہوتا ہے۔'' ضمیر بھائی مسکرائے۔

''حیرت ہے کہ شہری صاحب بھی کرکٹر ہیں۔ میں نے تو دو چار دفعہ سڑکوں پر راستہ روک کر بے تحاشا بلب لگا کر رات میں موصوف کو کھیلتے سنا تھا اب یہ دن میں بھی کھیلنے لگ گئے۔''

''پاگل ہو تم۔ یہ گلیوں اور سڑکوں پر کھیلنے والے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ کبھی سوچا ہے تم نے؟''

''مگر وہ تو صرف بائیک چلانے کا شوق رکھتا تھا طوفانوں کی طرح۔ اب موصوف نے اپنا شوق کیوں بدل دیا۔''

''کیوں کیا ایک شخص اپنے دل میں ایک سے زیادہ شوق نہیں رکھ سکتا، جناب ضرور رکھ سکتا ہے۔''

''اس وقت میں چاول شوق سے کھاؤں گا، اور بعد میں چائے شوق سے پیوں گا۔ تم فٹافٹ کھانا یہاں لے آؤ۔ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر جانے کی ہمت نہیں ہے۔''

''ابھی لائی۔'' میں برق رفتاری سے باورچی خانے میں لپکی۔

چاول میں تیار کر کے پہلے ہی اوون کی ہاٹ پاٹ میں رکھ گئی تھی۔ سالن بھی تیار تھا۔ چار پھلکے جھپ ڈالے اور دستر خوان ان کے سامنے بچھا دیا۔

''بڑی کوئیک سروس ہے تمہاری۔'' ضمیر بھائی نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''سروس فاسٹ ہی اچھی لگتی ہے۔'' میں مسکرائی۔

''پکایا بھی مزیدار ہے۔ بھوک نہ ہوتے ہوئے بھی کھایا جا سکتا ہے۔''

''اماں سے جو سیکھا ہے پکانا۔ ان کے ہاتھ میں ذائقہ ہی بہت تھا۔'' چند لمحے میں سوچ کی راہوں میں کھوگئی۔

''ارے کھانا کھاؤ ناں، کہاں گم ہوگئیں۔'' مجھے نوالہ ہاتھ میں پکڑے دیکھ کر ضمر بھائی نے ٹوکا۔

اور میں نے جلدی سے نوالہ نگل کر پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

شہری کو میرے ڈرامے میں کام کرنے کی سن گن مل گئی تھی۔ وہ گھر پر انتہائی آف موڈ کے ساتھ آیا تھا۔ ضمیر بھائی سے تو میں نے پوچھ لیا تھا۔ ان کے سامنے میرے ڈرامے کا کوئی تذکرہ شہری نے نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو یہ خبر کہیں اور سے ملی تھی۔ جب ہی اس کا تھوبڑا سوجا ہوا تھا۔ اور اس شب بھی وہ ناراض ناراض سا تھا، جب ہی بغیر کچھ کہے آگے نکل گیا تھا۔ اس کی خفگی ہمیشہ اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتی تھی اور آنکھوں میں شرارے کوندا کرتے تھے۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ اس وقت آصف گھر پر آئے ہوئے تھے اور میں ان کی باتوں پر بے اختیار ہنس رہی تھی۔

شہری نے ایک قہر آلود نظر مجھ پر ڈالی اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ یوں جیسے کوئی اجنبی سا بیٹھا ہو۔

''کیسے ہو شہری؟'' آصف نے گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر پوچھا۔

''فائن۔'' اس سے مختصر کوئی جواب ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

''نظر ہی نہیں آتے یار کہاں ہوتے ہو۔'' پہلے تو خوب آجایا کرتے تھے۔'' آصف بڑے دوستانہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''آج کل ''مین آف دی میچ'' کے اعزازات جمع کرتے پھر رہے ہیں۔'' میں نے خوش ہوکر آصف کو بتایا۔

''ریئلی!'' آصف نے شہری کی پیٹھ تھک کر پوچھا۔

''نہیں صفی! یہ بات نہیں ہے۔ کرکٹ کھیلنا تو میرا شوق رہا ہے مگر آج کل میں کچھ پریشان ہوں، لگتا ہے کہ چاروں طرف سے مصیبتوں نے دھاوا بول رکھا ہے مجھ پر۔'' وہ زبردستی ہنسا۔

''کیا ہوا شہری؟ بتاؤ ناں۔'' میں حواس باختہ سی اس کے پاس چلی آئی۔'' ماموں جان اور ممانی جان تو خیریت سے ہیں ناں!''

''خیریت تو ہے دوست۔'' آصف بھی پریشان ہوگئے۔

''یوں تو سب خیریت ہے اور مجھ سے وابستہ تمام لوگ بھی خیریت سے ہیں۔ یہ میری اپنی پریشانیاں ہیں۔ انتہائی اپنی۔'' وہ مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی تمام مشکلات اور مصیبتوں کی ذمے دار میں ہی ہوں۔

''لو چائے پیو۔'' اس کی نظروں سے بچنے کے لئے میں اس کے سامنے کپ رکھ کر ہٹ گئی۔

مگر وہ مجھ پر توہین آمیز نظریں جمائے بے دلی سے چائے پیتا رہا۔

''میرے خیال میں یہ پرپل پشواز انٹری سین میں مناسب رہی گی۔'' آصف اپنے بیگ سے ڈرامے کے ملبوسات نکال کر دکھا رہے تھے اور میں شہری کی موجودگی میں چاہتے ہوئے بھی اپنی رائے کا اظہار نہیں کر پا رہی تھی۔

''کپڑے کیا پسند نہیں آئے تمہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو اپنی پسند کے لے لو۔'' آصف مجھے یوں خاموش دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

''نہیں یہی مناسب ہیں۔'' میں شہری کے سامنے اس موضوع پر قطعاً کوئی بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔

آصف حسب عادت شہری سے بھی مذاق کر رہے تھے مگر وہ ''ہوں'' اور ''ہاں'' میں انہیں ٹال رہا تھا۔

آصف کو جلدی تھی وہ شہری سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔

اور وہ پیالی پٹخ کر تن کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''ماہم بی بی، تم اتنا گر بھی سکتی ہو یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں اور

لہجہ کوڑے برسانے والا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم؟ میں نے کیا کیا ہے؟'' میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''آصف کے ساتھ ڈرامے میں کام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ چنگھاڑا۔

''آہستہ بولو۔ اس کی اجازت مجھے ابا جان نے دی ہے۔'' میں نے رسان سے کہا۔

''لگتا ہے، پھوپھا جان کا بھی دماغ چل گیا ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''شہری تم ہوش میں تو ہو۔ تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ بالکل ہوش میں ہوں میں اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ ہمارے خاندان میں آج تک کسی لڑکی نے ایسا کام نہیں کیا، جو تم کر رہی ہو۔''

''مجھ سے پہلے کوئی اتنی ٹیلنٹ والی لڑکی ہوتی تو ضرور اس شاہراہ پر قدم رکھتی۔ دبی دبائی لڑکیوں سے تم توقع بھی کیا کر سکتے تھے، جو اسکول تک بے دلی سے پڑھتی تھیں۔''

''مگر تم جیسی ٹیلنٹڈ لڑکی نے تو سارے خاندان کے بھاگ لگا دیئے ہیں کہ سارے خاندان کو ذلیل کر کے رکھ دیا ہے تمہارے ڈرامے کے پبلسٹی پوسٹر چپے چپے پر لگ رہے ہیں۔ رات ہمارے محلے کے پنواڑی نے بھی لگا لیا ہے جس میں تم آصف کے سامنے تنی کھڑی ہو۔ فن کی خدمتیں کر رہی ہو۔'' وہ پھنکارتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''شہری پلیز، بات کو غلط رنگ میں پیش مت کرو، مت ایسی باتیں کرو کہ جس سے مجھے تکلیف پہنچے۔''

''ماہم! تم جانتی ہو کہ جھوٹ سے مجھے نفرت ہے، میں سچ اور کھری بات کہہ رہا ہوں میں کیا کسی کو تکلیف پہنچا سکتا ہوں، تکلیفیں تو تم پہنچا رہی ہو۔ پاپوش نگر سے گلشن اقبال آ جانا کوئی اتنا بڑا معرکہ نہیں ہے جسے تم ہضم نہیں کر پا رہی ہو۔ پھوپھو ساری زندگی برقع پہنتی رہیں اور اب ان کی بیٹی سڑکوں پر تماشے لگا رہی ہے، یقیناً پھوپھو کی روح کو بھی تکلیف ہو رہی ہوگی۔''

''اس وقت تم اپنی بے سروپا باتوں سے ان کی لڑکی کو دکھ پہنچا رہے ہو اگر تمہیں میرا ڈرامے میں کام کرنا ناگوار گزر رہا ہے تو مت بتاؤ کسی کو کہ تم میرے کزن ہو اور اگر پھر بھی کوئی تم سے میرے یا میرے ڈرامے کے حوالے سے کوئی بات کرنا چاہے تو تم پہچان کے تمام حوالے ختم کر دینا۔'' میں نے چبا چبا کر کہا۔

''پہچان کے حوالے ختم کر دوں۔'' وہ گویا اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں، تم ایسا ہی کرنا، پھر تمہارے لئے میرے حوالے سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ تب تم یوں تاؤ میں نہیں آؤ گے، یوں بپھر کر نہیں بولو گے۔'' میں نے تمسخر سے کہا۔

''ماہم کیا کہہ رہی ہو تم!'' اس نے دونوں شانوں سے پکڑ کر مجھے جھنجوڑ ڈالا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، تمہارے مسئلے کا یہی ایک حل ہے جو میں نے تمہیں بتا دیا۔'' اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹاتے ہوئے میں مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی (نہ جانے اس وقت اتنی طاقت اور حوصلہ کہاں سے آ گیا تھا، مجھ میں)

''ماہم! ایسا تو تم چاہتی ہو، یہ میں کافی عرصے سے محسوس کر رہا تھا مگر اس کو ایک واہمہ سمجھتا تھا اس خیال کو خود ہی سر سے جھٹک دیا کرتا تھا مگر اب لگ رہا ہے، تمام واہمے حقیقت کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔ تم اتنی بدل جاؤ گی، یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''شہری، تمہاری سوچ ابھی بھی غلط ہے۔ میں نہیں بدلی ہوں، ہاں وقت بدل گیا ہے اور وقت کے ساتھ چلنا کوئی ایسی بری بات نہیں۔ اگر میں یہ کام اپنے باپ اور بھائی کی مرضی کے خلاف کرتی تو تم مجھے قصوروار ٹھہرا سکتے تھے مگر اب ایک لفظ بھی کہنے کے مجاز نہیں ہو، آیا کچھ عقل شریف میں؟'' میں پھر ہنسی۔

''سب سمجھ میں آ گیا میری جو تم مجھے سمجھانا چاہتی ہو۔ ٹھیک ہے، اب تم جو دل چاہے کرو۔ مجھے کچھ پشیمانی نہیں ہوگی۔ واقعی، بے وقوف تھا، میں خوامخواہ پریشان ہوتا رہا۔ وہ ربط، وہ تعلق جو تمہارے حوالے سے میرے لئے بہت اہم تھا، اب اسے قطعی غیر اہم سمجھوں گا۔'' وہ ایک طائرانہ سی نظر مجھ پر ڈالتا ہوا نکل گیا۔

میں نے کھڑکی سے جھانکا، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا پیدل ہی چلا جا رہا تھا۔ شاید آج وہ بغیر بائیک کے ہی آ گیا تھا ہمارا فلیٹ چونکہ مین روڈ پر تھا اس لئے وہ مجھے دور تک نظر آتا رہا، پھر وہ بھیڑ میں کہیں گم ہو گیا۔ لیکن میں اسے اسی طرح دیکھتی رہی، غلط سلط اندازے لگاتے ہوئے کہ یہ ہوگا، نہیں وہ ہوگا۔ کتنی دیر بعد سڑک بل کھا کر نظر آئی تو وہ پھر دکھائی دینے لگا۔ اس کا دراز قد سب سے میں نمایاں ہو رہا تھا۔ تب میں تیزی سے اٹھی اور ضمیر بھائی کی دوربین نکال لائی۔ فوکس درست کر کے آنکھوں پر لگایا تو جی دھک سے رہ گیا۔

''وہ میرے کتنے قریب تھا، اس کا چہرہ میرے پاس تھا، اتنا قریب جیسے میں اسے چھو سکتی تھی، دوربین ہٹائی تو وہ راہ گیر لوگوں میں کسی نکتے کی طرح گم ہو چکا تھا۔ جلدی سے فوکس مزید تنگ کر کے لگایا تو وہ پھر نظر آ گیا اس کا چہرہ حزن و ملال سے سنجیدہ ہو رہا تھا شاید وہ اپنے ہونٹ بھی چبا رہا تھا۔ میں نے فوکس کو آخری رینج تک تنگ کر دیا تو اس کا چہرہ مزید قریب ہو گیا۔

''شہری پلیز، یوں روٹھ کر مت جاؤ۔'' میں نے دھیرے سے کہا اور دو آنسو میرے رخساروں پر پھیل گئے۔ اس نے چلتے چلتے یوں پیچھے مڑ کر دیکھا، جیسے میری پکار اس کے کانوں میں پہنچ گئی ہو۔ اور میری آنکھیں آنسوؤں کے بہاؤ میں بند ہوتی چلی گئیں۔ چند لمحوں بعد آنسو سمیٹ کر دیکھا تو وہ کہیں بھی نہیں تھا، جیسے میرے آنسوؤں کے ساتھ کہیں بہہ گیا تھا۔

''شہری کیا چلا بھی گیا؟'' ابا جان باہر سے ٹہل کر آئے تو مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

''جی ابا، وہ چلا گیا۔'' میں نے اپنے آنسو اندر ہی پی لئے۔

''ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے۔ اتنی جلدی چلا گیا کہ میری اس سے کوئی بات ہی نہیں ہو سکی۔'' ابا تاسف سے کہہ رہے تھے۔

اب میں ابا کو کیا بتاتی کہ آج وہ کس قدر ناراض گیا ہے۔ لگ رہا تھا کہ اب وہ مجھ سے کبھی بات نہیں کرے گا ربط اور تعلق کی پامالی پر اسے صدمہ جو ہوا تھا۔ ''یہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔'' میرے دل میں بھی گرہ سی پڑ گئی۔

♥♥♥

ہمارا ڈراما ہاؤس فل جا رہا تھا بلکہ اس کی ٹکٹیں بلیک میں بھی فروخت ہو رہی تھیں۔ رشید صاحب اور فنانسر دونوں ہی بے حد خوش تھے۔ آصف کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ وہ باتیں جنہیں کہنے کے لئے آصف کو مواقع ڈھونڈنا پڑتے تھے، اب وہ ڈرامے کی آڑ میں کہہ رہا تھا۔

کیسے کہہ دیتے ہیں لوگ کہ ایک ساتھ کام کرنے سے محبت نہیں ہوتی، میرے دل میں آصف کی محبت کی جو چنگاری روشن تھی، وہ اس ڈرامے میں کام کرنے کے باعث شعلہ جوالہ بن چکی تھی۔

اسٹیج پر کام کرتے ہوئے ہم انتہائی بے خود ہو جاتے اور یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔

ایسے ہی ایک موقع پر آصف نے مون کے بجائے مجھے چاندنی کہہ کر مخاطب کیا تو میں عالم بے خودی سے نکل آئی۔

''ارے آج آپ مجھے مون کے بجائے چاندنی کیوں کہنے لگے؟'' میں نے آصف کو آگاہ کیا کہ وہ اسکرپٹ سے ہٹ گیا ہے۔

"میں مون کہوں یا چاندنی میری مرضی، محبت کرنے والے تو اپنے پیاروں کے سو نام بھی رکھ دیں تو بھی کم ہیں۔"

رشید صاحب سائیڈ روم سے اشارہ کرنے لگے۔ "ایک نام ہی کافی ہے۔ سو نام رکھنے کی ضرورت نہیں۔" مگر آصف اپنی دھن میں مست تھا۔

ماہیا اپنی فرینڈز کے ساتھ ڈرامے کو پنڈال میں بیٹھ کر دیکھ رہی تھی (اپنی انٹری سے کچھ دیر پہلے ہی وہ سائیڈ روم میں آئی تھی) اس کے تمسخر آمیز قہقہے رکنے میں نہیں آرہے تھے۔ دیگر سامعین جنہیں ڈرامے کی بابت کچھ معلوم نہیں تھا ماہیا کو یوں قہقہے لگاتے دیکھ کر حیرت سے اسے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ خدا کا شکر تھا کہ آصف جلدی ہی اپنی لائنوں پر آگئے مگر میں یہ سوچ کر متفکر تھی کہ ڈرامے کے بعد مذاق اڑانے والوں میں ماہیا خانم سب کی سپہ سالاری کریں گی مگر یہ بھی کوئی اللہ کی مصلحت ہی تھی کہ ماہیا کے ڈائلس کے عین وقت پر اسٹیج کا ساؤنڈ سسٹم خراب ہوگیا۔ اب سامعین کو پہلے بیک میوزک کی آوازیں آرہی تھیں اور ماہیا بغیر میوزک کے یونہی اوندھے سیدھے پاؤں مار رہی تھی۔ ہوٹنگ شروع ہوئی تو بڑھتی ہی چلی گئی پورے بیس منٹ ساؤنڈ سسٹم کی خرابی رہی۔ ہماری جب دوبارہ انٹری ہوئی تو اسٹیج پر آنے کے صرف دو منٹ کے بعد ساؤنڈ سسٹم بحال ہوگیا۔ چونکہ خاصی بدمزگی ہو چکی تھی، ڈراما ختم ہونے کے بعد گھر جانے والوں میں ماہیا سب سے پہلے تھی۔

❤ ❤ ❤

"یہ ارتقاء نہیں آئی ابھی تک۔ اس نے کل فون کیا تھا تو کہہ رہی تھی کہ جمعرات کو جاؤں گی گھر۔ میں آج اسی وجہ سے اور بھی آئی کہ ارتقاء سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔" رابعہ آپا نے کہا۔

"میں باجی کو فون کر دیتی ہوں کہ فوراً آ جائے۔"

باجی کو ایک دفعہ، دو دفعہ بلکہ کئی دفعہ فون کیا۔ بیل جا رہی تھی مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔

"لگتا ہے، باجی چل چکی ہیں۔ فون کوئی نہیں اٹھا رہا۔"

دوپہر سے شام ہوگئی، رابعہ آپا انتظار کرتے کرتے چلی گئیں مگر باجی نہیں آئیں تو مجھے بھی گھبراہٹ ہوئی۔ خدایا خیر کرے، باجی کہاں چلی گئی ہیں۔ وہ تو کہیں جاتی بھی نہیں ہیں۔ میں فون کرتے کرتے تھک گئی۔ لگتا تھا کہ کوئی گھر میں ہے ہی نہیں۔ ضمیر بھائی جب مغرب کے بعد آئے تو میں بے قراری ہوگئی۔

"ضمیر بھائی آپ میرے ساتھ باجی کے گھر چلیے۔ میں فون کر رہی ہوں، کوئی اٹھا ہی نہیں رہا ہے۔"

"ظاہر ہے، وہ باسط بھائی کے ساتھ کہیں گئی ہوں گی۔" وہ بے پروائی سے بولے۔

"نہیں ایسا معلوم نہیں ہوتا۔ کل رابعہ آپا نے انہیں فون کیا تھا تو وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ آج صبح دس بجے تک ہمارے ہاں پہنچ جائیں گی رابعہ آپا شام تک ان کا انتظار کرتی رہیں مگر وہ آئیں ہی نہیں۔ میں فون کر رہی ہوں تو وہاں کوئی اٹھا ہی نہیں رہا۔"

ضمیر بھائی مجھے لے کر فوراً پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا مگر پورے گھر میں لائٹیں روشن تھیں۔ پڑوسی سے پوچھا تو انہوں نے بھی انہیں کہیں باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دروازے کا اوپری شیشہ توڑ کر دروازہ کھولا جا سکا۔ میں اندر گئی تو ارتقاء باجی بے سدھ اپنے بستر پر پڑی ہوئی تھیں یوں جیسے زندگی کی کوئی رمق ان کے چہرے پر نہ ہو۔ آدھا دھڑ بستر سے نیچے جا رہا تھا۔

"باجی، میری پیاری باجی، یہ کیا ہوگیا؟" میں بے اختیار چیخ اٹھی۔

"ماہم پلیز، ہوش سے کام لو۔ لگتا ہے ارتقاء بے ہوش ہوگئی ہے۔" ضمیر بھائی نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو انہوں نے نقاہت سے آنکھیں کھولیں۔ اسی اثناء میں، میں نیم گرم دودھ ایک کپ میں لے آئی

تھی، چمچوں کی مدد سے دودھ ان کے منہ میں ڈالا تو وہ کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے قابل ہوئیں۔

"باسط کہاں ہیں؟" پہلا سوال ان کا یہی تھا۔

"ابھی تو یہیں تھے، شاید تمہارے لئے بازار سے کچھ لینے چلے گئے ہیں۔" ضمیر بھائی نے قصداً جھوٹ بولا۔

"ہاں باجی، باسط بھائی آپ کی وجہ سے اتنا پریشان ہو رہے تھے۔ آپ کیا کیا ہوگیا تھا؟" میں نے ان کے بکھرے بال چہرے سے ہٹا کر پوچھا۔

"اچھے ہیں یہ باسط بھی، خود ہی پریشان کرتے ہیں اور بعد میں خود پریشان ہو جاتے ہیں۔" باجی کے آنسو ان کے چہرے کو بھگونے لگے اور ضمیر بھائی نے مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں جتلا دیا کہ اب اس موضوع پر بات نہ کرنا۔

"ارتقاء چند دنوں کے لئے گھر چلو۔ ابا جان بھی تمہیں بے حد یاد کر رہے ہیں۔" ضمیر بھائی نے انہیں سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"پہلے باسط سے پوچھ لوں، انہوں نے سختی سے منع کر دیا ہے کہیں بھی جانے کو، جبکہ میں تو کہیں بھی نہیں جاتی سوائے آپ لوگوں کے پاس آنے کے۔"

"باسط سے میں نے پوچھ لیا ہے تم چلو۔" ضمیر بھائی انہیں سہارا دے کر گاڑی تک لے گئے۔ میں نے چند جوڑے کپڑے اور باجی کی دوائیں سنبھال کر گھر بند کیا پڑوسیوں کو تاکید کی کہ باسط بھائی جب گھر آئیں تو آپ بتا دیجئے گا کہ باجی کی طبیعت خراب تھی اس لئے انہیں گھر لے گئے ہیں

باجی نہ صرف بے حد کمزور ہوگئی تھی بلکہ لو بلڈ پریشر کی وجہ سے ان کی حالت شدید دگرگوں ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر نے دیکھتے ہی ان کے ڈرپ لگا دی تھی۔

تین دن بعد ان کی حالت اس قابل ہوئی کہ وہ کچھ کہنے سننے کے قابل ہوئیں۔

باجی کی زبانی مجھے یہ معلوم ہو کر از حد افسوس ہوا کہ اب باسط بھائی گاہے بگاہے رات کو بھی اپنی ممی کے پاس رکنے لگے تھے۔ انہیں قطعاً پروا نہیں تھی کہ باجی اکیلے میں ڈریں گی۔ ایک شب جبکہ باجی کی طبیعت بھی خاصی خراب تھی، انہوں نے باسط بھائی کو روکنا چاہا۔

"تم بھی نہیں چاہو گی کہ میں اپنے والدین سے ملوں۔ تم سے شادی کرنے کی یہ سزا میں ہرگز نہیں بھگت سکتا کہ اپنے پیاروں کو چھوڑ دوں۔"

"مگر آج میری حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔ مسلسل الٹیوں کے سبب جی بیٹھ رہا ہے۔"

"تم جھوٹ بولتی ہو دنیا بھر کی عورتیں بچے بھی جنتی ہیں اور گھر کا کام بھی کرتی ہیں اور اپنے پورے کنبے کا خیال رکھتی ہیں مگر تم سے تو اپنے شوہر کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ جہاں کہیں بھی گیا، فوراً چھینٹے کی سی تیزی سے میرے پیچھے لپکیں اور لگیں جھوٹ مٹھارنے۔ آج یہ ہوگیا اور کل وہ ہوگیا۔ ممی کہہ رہی تھیں کہ ایسی حالت میں عورت کو الٹیاں آیا ہی کرتی ہیں اور یہ ایسی کوئی پریشان کن بات نہیں ہوتی۔"

"اگر آپ کا جانا بہت ضروری ہے تو مجھے گھر چھوڑ دیں۔" ابا جان انتظار کر رہے ہوں گے، کل میری دوست رابعہ بھی آئے گی۔"

"انسانوں کی طرح میرے گھر میں رہو۔ یہ ہر وقت ابا جان کے گھر کے چکر لگانا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے اور نہ تم کو اب اتنا غیر ذمے دار ہونا چاہیے کہ اپنی پرانی سہیلیوں سے دوستیاں نبھانے کے چکر میں گھر سے اڑی اڑی پھرو۔ ابھی تمہاری طبیعت خراب ہو رہی تھی اور اب دوسرے ہتھکنڈوں پر اتر آئیں واقعی اگر میں تمہارے چکر میں آ جاؤں تو کہیں کا نہ رہوں۔"

''باسط آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں!'' وہ حیران تھی کہ ایسا اندازِ تخاطب تو کبھی بھی انہوں نے اختیار نہیں کیا تھا۔

''ایسی باتیں جن کی تم اہل ہو۔''

تب باجی میں قطعی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ ان سے ایک لفظ بھی کہتیں۔ باسط کب گئے اور کیا کہہ کر گئے کو قطعاً علم نہیں تھا۔ لستم پشتم صرف شیشے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ لکڑی کا بیرونی دروازہ تو وہ بند ہی نہیں کر سکی تھیں۔ یہ بھی اچھا تھا، سارا دن وہ نقاہت اور غنودگی کے عالم میں پڑی رہیں۔ وقتاً فوقتاً وہ ٹیلی فون کی گھنٹی سے ڈسٹرب تو ہو رہی تھیں مگر ان میں قطعاً یہ ہمت نہیں تھی کہ ریسیور اٹھا کر کوئی بات کر سکیں اور اب تین دن بعد وہ ساری کتھا مجھے اور ظہیر بھائی کو سنا رہی تھیں۔ ابا جان کو قصداً اس تمام معاملے سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ باسط بھائی نہ خود گھر آئے تھے اور نہ ہی ان کا کوئی فون آیا تھا۔ باجی کے فلیٹ میں مختلف اوقات میں فون کیا، صرف گھنٹی بجتی رہی۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جا کر وہ پلٹے ہی نہیں ہیں۔

باسط بھائی اب کیا چاہتے تھے؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کے بارے میں سوچ سوچ کر دماغ ماؤف رہا تھا۔ ضمیر بھائی کو سب سے زیادہ غصہ آصف پر آ رہا تھا اس معاملے میں اس نے پورا پورا اپنے بھائی کا ساتھ دیا تھا نہ وہ آیا اور نہ ہی ٹیلی فون کیا۔ ویسے اس کے اکثر فون آ جاتے تھے۔ اب ایسی بھی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ گھر میں باسط بھائی کی موجودگی سے بے خبر ہوں۔ یہ بھی آصف کی محبت، جس محبت کو ڈھونگ بنا لیا۔ تھا ناں ایکٹر۔ یہاں بھی فنکاری دکھا گیا۔ باجی کو دکھ تو تھا ہی کہ باسط بھائی کے رویے نے سراسیمہ کر دیا۔ مگر باجی کی بدبختی کے ساتھ ساتھ میں اپنی سیاہ بختی کو بھی رو رہی تھی۔ باجی کو ہم بہن بھائی بے وقوف کہا کرتے تھے۔ فیصلہ کرنے کی قوت ان میں بالکل نہیں تھی۔ مگر میں جو سب میں منہ زور اور ذہین کہلائی جاتی تھی، کم عمر ہونے کے باوجود زیرک تھی۔ پٹے پٹائے مہرے سے پٹ گئی تھی۔

''باسط نہیں آئے، ارتقاء کو آئے پندرہ دن ہو گئے ہیں۔'' ایک دن ابا جان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''فون تو روز کرتے ہیں۔ وہ بھی آج کل اپنی ممی کے پاس گئے ہوئے ہیں۔'' میں نے باجی کے سامنے جھوٹ بولا۔

بچے کا ٹوپا بنتے ہوئے لمحے بھر کے لئے باجی کے ہاتھ کانپے، پھر وہ اپنی اون اور سلائیاں سمیٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اس کے سوا ان کے پاس چارہ بھی کیا تھا۔

''پھر بھی باسط کو آنا چاہئے تھا۔ ایسی حالت میں بیوی کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔'' ابا جان آپ ہی آپ بڑبڑاتے ہوئے نماز کے لئے نکل گئے تھے اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ باسط جب آئیں گے ہی نہیں تو لوگوں سے کیا کہا جائے گا۔ کون سی کہانیاں گھڑی جائیں گی یا خوفناک سچ بیان کیا جائے گا۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ اپنی سوچ سے میں خود ہی کانپ گئی۔

پچیس روز بعد آصف کا فون اچانک ہی آ گیا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ اسے میں نے ہی ریسیور کیا تھا۔

''ہیلو!'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''چاندنی! کیسی ہو بھئی؟'' آواز میں چاہت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

''کیسی بھی ہوں، آپ کو کیا؟ آپ کون ہوتے ہیں ہماری خیریت پوچھنے والے؟'' میں انتہائی تلخ لہجے میں بولی۔

''یہ تو ہم بعد میں بتائیں گے مگر پہلے یہ بتاؤ بھابھی کیسی ہیں؟''

''زندہ ہیں۔ ورنہ باسط بھائی نے تو انہیں مارنے کی پوری کوشش کی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ میں اور ظہیر بھائی باجی کے گھر چلے گئے اور باجی کو بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر فوراً گھر لے آئے۔ اگر دو چار دن نہ جا پاتے تو ہم تو اپنی بہن سے ہاتھ دھو لیتے، آپ کے بھائی کا تو کچھ نہ جاتا۔ وہ تو اپنی اماں کے پاس پڑے نہال ہوتے رہتے۔''

''خدا بھابھی کو سلامت رکھے، اللہ نے بڑا اکرم کیا کہ باسط بھائی بھی بچ گئے۔'' آصف رک کر بولے۔

''کیوں باسط بھائی کو کیا ہوا؟'' یکبارگی میرے منہ سے نکلا۔

ڈراما ختم ہو جانے کے بعد میں بزنس کے چند معاملات نمٹانے لندن چلا گیا تھا۔ آج ہی لوٹا ہوں تو معلوم ہوا کہ باسط بھائی کا تو ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ خاصی چوٹیں آئیں۔ اب وہ بہرحال ٹھیک ہیں۔ گھر پر ہیں جب مجھے یہ سب معلوم ہوا تو میں نے سوچا کہ بھابھی کو اور تم لوگوں کو بتا دوں۔''

''اگر ایسا سب کچھ ہوا تھا تو باسط بھائی فون کر سکتے تھے۔''

''اللہ نے انہیں دوسری زندگی دی ہے۔ اڑتالیس گھنٹے کے بعد انہیں ہوش آیا۔ ممی کو تم جانتی ہی ہو۔ وہ کس دل سے فون کرتیں جبکہ وہ بھابھی کو پسند ہی نہیں کرتیں۔ اگر میں پاکستان میں ہوتا تو یہ صورتِ حال ہرگز نہ ہوتی۔ اور آج جیسے ہی آیا تو سب سے پہلا کام یہی کر رہا ہوں۔''

''آپ کو معلوم ہے، ضمیر بھائی بھی آپ سے ناراض ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''آپ محترمہ جو ہتھے سے اکھڑی جا رہی تھیں، کچھ ہوش اس کا بھی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ بات ہی ایسی تھی۔''

''اب تو بتا دو کہ کیسی ہو؟'' اتنے ڈھیر سارے دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے۔ اب کیونکر دیکھوں، کیسے دیکھوں اور کب دیکھوں؟'' وہ ایک ہی سانس میں کہے چلا گیا۔

''بے ایمان کہیں کا۔'' میں خوش دلی سے سوچ کر کھلکھلا اٹھی۔

''ایمان سے چاندنی، تمہاری ہنسی سن کر طمانیت کا احساس ہوا ہے ورنہ میں تو یہ ساری صورتِ حال سن کر پریشان ہو گیا تھا۔''

''آپ بھی تو حد کرتے ہیں، لندن جاتے ہوئے بھی اطلاع نہیں دی اور وہاں سے ہی فون کر لیتے جو کہ آپ نے نہیں کیا۔''

''سچی بات ہے چاندنی کہ میں اتنے دنوں کے لئے گیا ہی نہیں تھا۔ خیال تھا کہ چار پانچ دنوں میں اپنا کام نمٹا کر آ جاؤں گا مگر وہاں ہمارے لندن کے آفس میں فیکٹری کے مال کی سپلائی کئی جگہ سے رکی ہوئی تھی، بس بھاگم دوڑ میں ہی لگا رہا۔ تم سوچ نہیں سکتیں کہ وہ پچیس روز کس قدر مصروفیت میں گزرے ہیں، اپنا بھی ہوش نہیں تھا۔ رات کو تھک کر بستر پر لیٹتا تھا تو وہ فوراً سو جاتا تھا دو ایک دفعہ گھر فون کیا تو کسی نے یہ تک نہیں بتایا کہ باسط بھائی کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو چکا ہے۔''

''ہمارے بھی یہ پچیس دن بڑی قیامت کے گزرے ہیں۔ ابا جان کو کچھ نہیں معلوم ہے وہ روز باسط بھائی کا انتظار کرتے ہیں اور باجی انتہائی مایوسی کے دن گزار رہی ہیں۔''

''تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ میں آج کسی ملازم کو بھیج کر ان کے فلیٹ کی صفائی ستھرائی کرواتا ہوں۔ باسط بھائی اب ٹھیک ہیں، وہ بھی اپنے گھر آ جائیں گے اور بھابھی بھی۔ تم ضمیر بھائی کو ساری صورتِ حال بتا دو، میں انشاء اللہ آج رات ہی کو آ ؤں گا!''

ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی میں نے یہ خبر ارتقاء باجی کو سنائی!

''کیا کہہ رہی ہو تم؟'' انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے جھنجوڑا۔

''ہاں باجی، آپ کے تمام تر خدشات غلط تھے۔ باسط بھائی ایسے نہیں ہیں جیسا آپ انہیں سمجھ رہی

تھیں۔ وہ آپ سے یوں لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے کہ اپنی ممی سے ملنے جائیں تو وہیں کے ہو رہیں۔ ان کا تو ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا وہ بے چارے ہوش میں کہاں تھے۔"

ابھی آدھی بات میرے منہ میں ہی تھی مگر باجی باسط بھائی کی ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر دھواں دھار رو رہی تھی جیسے یہ حادثہ ابھی ابھی رونما ہوا ہو۔

"خدا کے لئے چپ ہو جایئے کل بھی ڈاکٹر نے آپ سے کہا تھا کہ خوش رہا کریں مگر آپ تو ہر موقعے پر آنسوؤں کے پرنالے بہا دیتی ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب باسط بھائی بالکل ٹھیک ہو چکے ہیں۔ انہوں نے آپ کو فون اسی وجہ سے نہیں کیا تھا کہ آپ پریشان ہو جائیں گی۔" باجی کو تسلیاں دینے کے لئے بہتیرے جھوٹ میں از خود ہی گھڑ رہی تھی بمشکل تمام وہ سسکنے سے باز آئیں۔

"باجی، آپ تیار ہو جائیں، شام کو آصف آئیں گے اور کل انشاء اللہ آپ اپنے گھر چلی جائیں گی۔ آپ کے دیور صاحب آج آپ کے فلیٹ کی صفائی وغیرہ کروا دیں گے۔ لگتا ہے تو مولود اپنے گھر میں ہی تشریف لائے گا نانا کا گھر اسے زیادہ پسند نہیں آیا۔"

اور وہ شرما دیں۔

کچھ دیر بعد میں چائے بنا کر لائی تو وہ بال بکھرائے ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑی تھیں۔ مگر ان کی آنکھیں چپ چاپ آنسو بہا رہی تھیں۔ جیسے وہ بے مول موتی ہوں اور یوں ہی رُلنے کے لئے وجود میں آئے ہوں۔ میں الٹے قدموں سے واپس لوٹ آئی اور شام کے لئے سالن بگھارنے لگی۔ اچھا ہے باجی کی بھڑاس نکل جائے۔ سبزی کاٹتے ہوئے میں صرف انہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ رات کا کھانا قبل از وقت پکا کر باہر نکلی تو میری نظریں پھر شیشے پر پڑیں، باجی بدستور اسی پوزیشن میں کھڑی تھیں اور آنکھیں آنسو بہا بہا کر سرخ ہو گئی تھیں۔

خدایا، یہ اتنے بہت سارے دکھ بے چاری آنکھیں ہی کیوں سہتی ہیں۔ تمام غلطیوں کی سزا اور سب سے پہلے یہی کیوں ٹھہرتی ہیں۔ تمام سمندروں کا پانی ان نینوں میں کیسے اُمڈ آتا ہے۔ میں سوچ رہی تھی اور آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔ کتنی بڑی سائنسی حقیقت ہے جسے آج تک کوئی دریافت نہیں کر پایا کہ آنسو "متعدی" ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو لگ جاتے ہیں باجی کو روتے دیکھ کر میں بلاوجہ رو رہی تھی۔

ابا جان کسی بات پر مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے، ہاتھ میں کوئی پیکٹ تھا۔

"ماہم آؤ تو، دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں؟" وہ مجھے آواز لگاتے ہوئے اندر بڑھے۔ اس سے قبل کہ میں اپنے آنسو دوپٹے کے پلو سے کشک کرتی ان کی نظریں مجھ پر جم چکی تھیں۔

"ماہم، میری بچی کیا ہوا تجھے؟" ان کا لہجہ بھی کانپ رہا تھا۔

"کچھ نہیں ابا جان، کچھ بھی تو نہیں۔" میں اپنے آنسو پونچھ کر مسکرائی۔

"پھر کیوں رو رہی تھیں؟" ان کے ہاتھ سے پیکٹ چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا جس کی انہیں اب پروا بھی نہیں تھی۔

"کل باجی اپنے فلیٹ میں چلی جائیں گی۔ اتنے دن سے ہمارے ہاں رونق تھی۔" میں نے بہانہ بنایا۔

"ظاہر ہے کہ ارتقاء کا اپنا گھر ہے۔ وہ چند دن کے لئے آئی تھی اور پھر شادی کے بعد لڑکیاں اپنے ہی گھر میں اچھی لگتی ہیں۔" ابا جان مطمئن لہجے میں بولے۔

"مگر اب میں جو بور ہو جاؤں گی۔" میں ٹھنکی۔

"پگلی کہیں کی۔ لے کر ڈرا دیا مجھ کو۔ میں سمجھا کہ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ اور دیکھو پیکٹ میں کیا ہے۔ کل اپنی باجی سے انہیں چیزوں کے بارے میں تذکرہ کر رہی تھیں ناں کہ ختم ہو گئیں۔"

میں نے جھٹ وہ بڑا سا پیکٹ کھول ڈالا جس میں درجنوں ہیئر کلپ، ہیر بینڈ، مختلف کلرز کے خوبصورت ربڑ بینڈ، دستی رومال، سوکس، رنگین چٹیلے اور میچنگ کی بے شمار چیزیں۔

"ارے ابا جان میں باجی کے ساتھ بازار جاتی تو اتنی ساری چیزیں ہرگز نہیں لاتی۔ آپ نے تو پورے سال کا کوٹہ پورا کر دیا ہے۔ تمام چیزیں میری روزمرہ کی ضرورت کی ہیں اور میرے لئے انتہائی اہم ہیں۔" میں پیکٹ سنبھال کر باجی کو دکھانے دوڑی۔

باجی اپنے دونوں ہاتھ تھوڑی سے ٹکائے، دھیرے دھیرے بڑبڑا رہی تھیں۔

"جو میں سمجھ چکی ہوں، وہ ٹھیک ہے یا جو دوسرے سمجھ رہے ہیں وہ ٹھیک ہے۔"

"ابا جان جو لائے ہیں وہ ٹھیک ہے۔" میں نے پورا پیکٹ باجی کے سامنے الٹ دیا۔ رنگ برنگی چیزیں باجی کے اطراف پھیل گئیں۔

"یہ کیا ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔

"ابا جان لائے ہیں۔ پہلی دفعہ شاپنگ کی تو ڈھیروں سامان اٹھا لائے، آپ کو جو پسند ہو بلاتکلف لے لیں، میں پیٹھ موڑے لیتی ہوں۔"

"ارے ارے، اتنی ڈپلومٹ بنو۔ مجھے تمہاری کوئی چیز نہیں چاہئے۔" وہ میرے بچپن کے اس انداز کو دیکھ کر ہنس ہی تو پڑیں۔

"جب میں خود سے دے رہی ہوں تو پھر۔" میں نے بغیر دیکھے کہا۔

"پھر بھی نہیں اور اب تو مجھے میچنگ کرنے کا اتنا خبط بھی نہیں رہا جتنا کہ پہلے تھا۔"

"یہی تو خامی ہے آج کی لڑکیوں میں۔ شادی کے بعد اپنا خیال بالکل بھی نہیں کرتیں۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ شادی کے بعد اپنا پہلے سے زیادہ خیال رکھا جائے۔ اب یہ آدھی چیزیں آپ کی ہیں اور آدھی میری۔" میں نے زبردستی باجی کے پرس میں چیزیں ڈالنی شروع کر دیں۔

♥ ♥ ♥

نہ جانے یہ اتفاق تھا کہ شہری کی جانی بوجھی حرکت کہ جب بھی وہ ضمیر بھائی کے پاس آتا، میری غیر موجودگی میں آتا۔ میں ان اوقات میں یا تو اپنے کالج میں ہوتی یا باجی کے پاس فلیٹ میں گئی ہوتی۔ ان دنوں باجی زیادہ نہیں آ رہی تھیں۔ میں اکثر شام کو ابا جان کو لے کر ارتقاء باجی کے پاس چلی جاتیں۔ اب وہ ٹھیک ٹھاک تھیں مگر باسط بھائی کو وہ شکی نظروں سے ہی دیکھا کرتی تھیں۔ شاید باسط بھائی کے سابقہ رویے نے انہیں ایسا کر دیا تھا۔ حالانکہ اب وہ ارتقاء باجی کا زیادہ خیال رکھ رہے تھے۔ گھر کے کام کاج کے لئے بھی ایک ملازمہ رکھ لی گئی تھی جو ہر وقت گھر میں رہتی تھی۔ ملازمہ کے آ جانے سے باجی کے اکیلے پن کا خوف بھی کسی حد تک ختم ہو گیا تھا۔ یوں بھی باسط بھائی اپنا زیادہ وقت ارتقاء باجی کے پاس گزارتے تھے اس واقعے کے بعد شاید وہ اپنی ممی کے پاس بھی نہیں جاتے تھے یا اگر جاتے بھی تھے تو اتنی کم دیر کے لئے جاتے تھے کہ باجی کو احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔

جوں جوں بچے کی ولادت کے دن قریب آ رہے تھے باجی کی جسمانی صحت کمزور سے کمزور ہوتی جا رہی تھی اپنا خیال رکھنے کے باوجود مستقل چکر محسوس ہوتے تھے، یہی وجہ تھی کہ طبیعت میں ڈیپریشن بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ خلاف مزاج کوئی بات بھی ہو جاتی تو وہ سیخ پا ہو جاتیں باسط بھائی ان کی طبیعت کو سمجھ رہے تھے اس لئے وہ ان کی بے حد دلداری کر رہے تھے۔

مگر اس کے باوجود جب بھی موقع ملتا باجی رازداری سے مجھ سے کہتیں۔

"ماہم، باسط ایسے نہیں جیسے پوز کر رہے ہیں۔"

”پھر کیسے ہیں؟“ میں دہل جاتی۔

”بے حد کمینے اور انتہائی ذلیل ہیں۔“ وہ کرب سے اپنے ہونٹ کاٹ لیتیں۔

”خیال ہے یہ آپ کا، دیکھیں تو اس وقت خود اپنی نگرانی میں آپ کے لئے سوپ بنوانے گئے ہیں۔“ میں انہیں یاد دلاتی۔

”لگتا ہے، اس خاندان کے سب لوگ فنکار ہیں۔“

”آصف بھی ایسے ہی ہوں گے۔“ میں دل تھام کر پوچھتی۔

”شاید وہ ایسا نہیں ہے فنکار ہو کر بھی اس میں ایسی برائیاں نظر نہیں آتیں جتنی کے باسط میں ہیں۔“

”ان سے آپ کا پالا نہیں پڑا نا اس لئے آپ کہہ رہی ہیں۔“ میں اپنے دل کی دھمک پر قابو پاتے ہوئے کہتی۔

”نہیں ماہم، آصف تو ان کے گھرانے کا ایسا ہیرا ہے جو شاید غلطی سے اس خاندان میں پیدا ہو گیا ہے۔ جب بھی آتا ہے باسط کو یہی تلقین کرتا ہے کہ بھابھی کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھو۔ یہ ملازمہ جو تمہیں نظر آرہی ہے، اسے آصف ہی لایا ہے کہ اس حال میں مجھے بالکل تنہا ہرگز نہیں رہنا چاہیے۔“

”اگر ایسی بات ہے تو باسط بھائی بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ بھائی کا اثر ان پر بھی پڑے گا۔“

”پتا نہیں، پڑے گا یا نہیں مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ مرد کو سمجھنا، دنیا کا انتہائی دشوار کام ہے وہ جیسا ہوتا ہے ویسا نظر نہیں آتا۔ شادی سے پہلے باسط اور آج کے باسط میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اب بھی وہ مجھ سے محبت بھرے لہجے میں بات کرتے ہیں۔ مگر ماہم یقین کرو، میرا دل کہتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ فریب کر رہے ہیں یا کوئی ناٹک رچا رہے ہیں۔“ انہوں نے اپنی کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے تھام لیں۔

”یہ صرف آپ کی صحت کا قصور ہے اور بس۔ دوائیں کھانے کی آپ ہمیشہ کی چور ہیں۔ اماں ہمیشہ آپ کی ناک دبا کر حلق میں دوائیں الٹا کرتی تھیں۔ اب اس حالت میں جب کہ آپ انتہائی کمزور ہو گئی ہیں مستقل بلڈ پریشر لو رہنے کی وجہ سے آپ کی سوچ بھی بیمار ہو گئی ہے۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جایئے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ میں نے تسلی دی۔

❤ ❤ ❤

دل لگایا تھا دل لگی کے لئے
بن گیا روگ زندگی کے لئے

ارتقاء باجی کیسٹ کی آواز کے ساتھ ساتھ گنگنا رہی تھیں۔ ایک تو گانے کے بول ہی پرسوز تھے دوسرے ان کی ادائیگی نے مجھے بے تحاشا اداس سا کر دیا۔ میں جو کالج سے خاصے شگفتہ موڈ میں باجی کے پاس آئی تھی، باجی کو یوں افسردہ دیکھ کر مجھ پر بھی یوں رقت سی طاری ہو گئی کہ بے وجہ دوں۔

خدا کرے، میری باجی ہمیشہ خوش و خرم رہیں ان کے شک اور وہم کبھی بھی سچ ثابت نہ ہوں۔ میں دل کا اضطراب کم کرنے کے لئے باہر بالکونی میں چلی آئی۔ یہاں خوش رنگ پھولوں کی جانفزا مہک تھی۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنا سر عشقِ پیچاں کی بیل سے ٹکا دیا اور مندی مندی آنکھوں سے ان گملوں کو دیکھنے لگی جو بالکونی میں بڑے سلیقے سے رکھے تھے۔ گارڈننگ کا شوق باجی کو ہمیشہ سے تھا۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود وہ اپنے گملوں کا خیال رکھنا نہ بھولتی تھیں۔ کیسٹ شاید ختم ہو گیا تھا مگر باجی نے دوبارہ روائنڈ کر کے لگا دیا۔

دل لگایا تھا دل لگی کے لئے
بن گیا روگ زندگی کے لئے

عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کی آواز ماتم کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ خدایا آواز کے لہجوں کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ بنا روئے آنسو مچل مچل کر نکل رہے تھے۔ ہر چیز اداسی کے دوشالوں میں لپٹی ہوئی نظر آرہی تھی۔ پھولوں، پودوں، بیلوں سے سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

”ایسا کیوں ہو رہا ہے آج؟“ میں نے اپنے بوجھل ذہن کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر سوچا اور پھر خود ہی ہنس پڑی۔

پھولوں کا گچھا ہاتھوں میں لے کر جھکتے بھاگتے بچوں کو دیکھ کر بھی میں اپنی سوچوں سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہی تھی کوئی بھی خوشگوار احساس روح کو مطمئن کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

ٹھیک کہا ہے سیانوں نے۔ ”جب تک روح مطمئن نہ ہو ہم خوشی کی باگیں اپنے ہاتھوں میں نہیں تھام سکتے اور جب روح بے قرار ہو، تشنگی عروج پر ہو احساس مر جائے اور دل ریزہ ریزہ ہو تو مہکتی بہاریں بھی اداس خزاؤں کا روپ بھر لیتی ہیں۔“

میں بالکونی میں کھڑی باجی کے حالات پر نہ صرف غور کر رہی تھی بلکہ اپنا تجزیہ بھی خود کر رہی تھی۔

میرا کیا ہو گا؟

مجھے کیا کرنا ہو گا؟ راہ کے کانٹے سربلند ہو رہے تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ زندگی کی دبیز قالینوں پر چہل قدمی کا نام ہرگز نہیں ہے۔ دل کے اضطراب کو کم کرنے کے لئے میں نے اپنا چہرہ بالکونی سے مزید باہر نکال لیا تاکہ باہر کی تازہ ہوا سے اپنے اندر کی گھٹن کم کرلوں۔ اپنی بوجھل سوچوں سے پیچھا چھڑوانے کے لئے میں نے اپنا چہرہ بالکونی ہی سے ٹکا دیا۔ آج میں کالج سے سیدھی باجی کے ہاں ہی چلی آئی تھی۔ ابا جان نے کہا تھا کہ واپسی پر باجی کو گھر لے آؤں۔ کتنے ہی دن گزر گئے تھے۔ وہ گھر نہیں آئی تھیں۔ باسط بھائی نے ان کو خوشی خوشی جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ویسے بھی ان کی ڈلیوری کے دن بے حد قریب تھے۔ باسط بھائی کہہ رہے تھے کہ گاڑی ان کا کوئی دوست لے گیا ہے وہ واپس کرنے آئے گا تو وہ ڈراپ کر دیں گے۔

وہ شاید دوست کے انتظار میں باہر ٹہل رہے تھے اور باجی بار بار عطاء اللہ کا گیت سن رہی تھیں یوں جیسے اسے اپنے دل میں اتار رہی ہوں۔

میں باجی کی کیفیت سمجھ رہی تھی، مجھے احساس تھا کہ باسط بھائی اپنے سچے جذبوں کا بھرم کھو چکے ہیں اور سب کچھ جان کر، سمجھ کر فوراً نارمل ہو جانا باجی کے لئے ازحد مشکل تھا۔

پلیز باجی! بھول جائیں آپ سب کچھ۔ اچھی امیدوں کے سہارے زندگی بسر کریں، اپنی سوچوں سے دہل کر دو آنسو میرے رخساروں پر پھسل گئے۔ آنسو پونچھتے ہوئے ایک نظر میں نے باجی پر ڈالی وہ کسلمندی سے اپنے بستر پر دراز تھیں نقاہت اور کمزوری ان کے چہرے سے نظر آرہی تھی میں نے تاسف کی سانس بھر کر باہر نظر ڈالی تو اچانک ہی سفید ہنڈا اکارڈ کی جانب باسط بھائی بڑھتے نظر آئے اور میں بیل کی آڑ میں ہو گی۔

یہ گاڑی تو باسط بھائی کی نہیں تھی۔ میں نے حیرت سے دیکھا۔

نئی چمچماتی گاڑی میں ان کی ممی بیٹھی ہوئی تھیں۔ کار کوئی خوبصورت سی لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کے قہقہے باسط بھائی کی خوشدلی کا سبب بن رہے تھے۔

اس کی پونی کھینچتے ہوئے باسط بھائی نے اسے پیچھے دھکیلا اور ہنستے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ لڑکی ان کے ہمراہ فرنٹ سٹ پر بیٹھی ہوئی مسلسل ہنس رہی تھی اور چند ہی لمحوں بعد، ہارن بجاتی ہوئی وہ گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔

"ماہم کیا ہماری گاڑی آگئی۔" باجی نے وہیں سے پوچھا۔
"باجی! آپ کی گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ اب ٹیکسی سے ہی گھر جانا ہوگا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مسلسل جاگنے سے میری آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی۔ باجی میرے قریب ہی سو رہی تھیں۔ ڈاکٹر ثمینہ شاید نیند کا انجکشن لگا گئی تھیں۔ میں نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر انہیں دیکھا۔ ان کی چہرے کی زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ محرابی شاداب سے ہونٹوں پر اب پیڑیاں جمی نظر آ رہی تھیں۔ شہابی رخساروں پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔

باجی نیند میں بھی خاصی بے چین تھی، وہ بار بار کروٹ بدل رہی تھیں۔ ضمیر بھائی میرے قریب ہی کرسی ڈالے مسلسل سگریٹ پی رہے تھے۔ جلتی سگریٹ آہستہ آہستہ راکھ بنتی جا رہی تھی۔

میں کبھی باجی کو دیکھتی، کبھی ضمیر بھائی کو...... جن کی نظریں بدستور باجی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ کتنے دکھی نظر آ رہے تھے ضمیر بھائی اس وقت دلی کرب ان کے چہرے سے ہویدا تھا۔

"پلیز ضمیر بھائی! آپ جا کر سو جایئے۔ باجی اب ٹھیک ہیں۔" میں نے کوئی دسویں بار ان سے کہا۔

"نیند نہیں آ رہی مجھے۔" انہوں نے پیکٹ سے آخری سگریٹ سلگائی۔ مجھے کمرے میں کچھ دھواں سا محسوس ہوا میں نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ رات شاید بڑھ گئی تھی۔ ہر طرف خاموشیوں کا راج تھا۔ میں نے ضمیر بھائی کو دیکھا وہ سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھٹک رہے تھے۔

"سگریٹ اور زندگی میں کس قدر مشابہت ہے۔" میں نے دکھ سے سوچا، پھر یکبارگی میری نظریں باجی کی جانب اٹھ گئیں۔ ڈاکٹر ثمینہ نے باجی کی حالت تشویش ناک قرار دی تھی اور کہا تھا کہ صبح ہی انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کر دیا جائے۔

"خدایا میری باجی کو سلامت رکھنا۔" آنسو میرے رخساروں پر ڈھلک آئے، جنہیں میں نے اپنی ہتھیلیوں پر ہی سمیٹ لیا۔

"ماہم! لگتا ہے کہ چکر کچھ اور ہی ہے۔" ضمیر بھائی میرے پاس کھڑکی کے پاس چلے آئے۔

"کیسا چکر؟" میں نے ضمیر بھائی کے متفکر چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب باسط ارتقاء کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے۔"

"نہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" میرا چہرہ خوف سے پیلا سا پڑ گیا۔

"ہاں، ماہم! اب ایسا ہی لگ رہا ہے کہ وہ یہ سلسلہ ختم کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔" ضمیر بھائی تاسف بھرے لہجے میں بولے۔

"مگر کیوں، باسط بھائی کو بہانے ہی ڈھونڈنے تھے تو شادی ہی کیوں کی تھی؟"

"اب شادیاں بھی وقتی ہونے لگی ہیں شاید!" ان کا لہجہ زخم خوردہ سا تھا۔

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" میں نے لب کاٹے۔

"میں کافی دنوں سے باسط کا رویہ چیک کر رہا ہوں، اب وہ ارتقاء کے ساتھ اتنے خوش نظر نہیں آتے جتنے پہلے نظر آتے تھے۔"

"اس میں سارا قصور ان کی ممی کا ہے، وہ نہیں چاہتیں کہ باسط بھائی ارتقاء باجی کے ساتھ رہیں۔"

"کچھ بھی ہو، مرد بہر حال اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہوا کرتا۔" ضمیر بھائی ایک گہری سانس بھر کر بولے۔

"باسط بھائی پہلے تو غیر ذمے دار نہیں تھے۔ ہاں آج کل ایسے نظر آ رہے ہیں۔ اپنی ممی کے چکر سے نکل آئیں تو ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس دنیا میں آدھے قہر تو ساس ڈھاتی ہے بے چاری عورتوں پر۔" میں فلسفیانہ لہجے میں بولی۔

"میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جب عورت یا مرد غیر ذمے دار ہو جائیں تو ان پر اعتبار کرنا بے وقوفی ہوا کرتی ہے۔"

"تو پھر؟" ضمیر بھائی کے گمبھیر لہجے میں چونک سی گئی۔

"یہی سمجھ لو کہ اب ارتقاء مستقل طور پر اپنے گھر آ گئی ہیں۔"

"اللہ نہیں......" میں نے اپنے ہونٹ چبا ڈالے۔

باجی تو باسط بھائی سے شدید محبت کرتی ہیں۔ کس طرح رہ سکیں گی ان کے بغیر۔ وہ معصوم روح جو اس دنیا میں آنے والی ہے! کیا اسے بن باپ کے ہی رہنا ہوگا؟ میرے دل میں تو اتر سے خیالات آ رہے تھے اور آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ اپنے آنسو چھپانے کے لئے میں نے اپنا چہرہ کھڑکی سے باہر نکال لیا۔

ضمیر بھائی مجھے آرام کی تلقین کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے مگر ان کے کمرے کی بتی مسلسل جل رہی تھی۔ وہ جس طرح سے میری جانب پیٹھ موڑے موڑے گزرے تھے۔ میں سمجھ گئی تھی کہ ان کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔

یہ تھا باجی کی محبت کا انجام؟ میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ باسط بھائی سے شادی کے لئے سب کی ناراضگیاں مول لی گئی تھیں اور وہ شادی سال بھر بعد ہی اپنا پول آپ ہی کھول گئی تھی۔ آصف جس کا کردار ہر معاملے میں بے داغ رہا تھا وہ بھی شاید ہار گیا تھا چاہتے ہوئے بھی وہ باجی کے لئے کچھ نہیں کر سکا تھا۔

"آصف، تم اپنا قول نبھا نہیں سکے حالانکہ تم نے کہا تھا کہ باجی کو ان کا حق دلواؤ گے مگر انہیں تو کچھ بھی نہیں مل سکا۔" میں زیر لب بڑبڑائی۔ دکھ کی اذیت سے میں نے اپنی آنکھیں موند لیں مگر میرا پورا چہرہ آنسوؤں سے نہا گیا تھا۔

"ماہم!" باجی نے کرب سے مجھے پکارا۔

"جی باجی!" میں اپنے آنسو پونچھ کر ان کے پاس دوڑی چلی آئی۔

"لگتا ہے، اب میں نہیں بچوں گی۔" وہ تکلیف کی شدت سے بولیں۔

"نہیں، باجی ایسا نہیں کہیے۔" میں نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"ماہم! یہ باسط اپنے گاڑی لے کر نہیں آئے ناں!" انہیں غنودگی میں احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں پر ہیں۔

"گاڑی تو آپ کے دروازے پر کھڑی ہے اور باسط بھائی دوسرے کمرے میں سو رہے ہیں۔" میں نے انہیں تسلی دی۔

"اچھا!" انہوں نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"ہاں، باجی! ابھی تو سوئے ہیں وہ، ورنہ آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے۔" جھوٹ بولتے ہوئے میری

زبان بھی سوکھ گئی۔

"ہائے!" انہوں نے اپنے لرزتے ہاتھوں سے سینہ تھاما!

"طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے آپ کی۔" میں نے ان کے پسینے سے تر چہرے کو دیکھا۔

"ہاں، ماہم! لگ رہا ہے کہ آج دل پھٹ جائے گا یوں دھڑک رہا ہے کہ جیسے آخری۔"

"باجی پلیز......" میں نے ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر ان کی بات مکمل ہونے نہیں دی۔

"ماہم! میری جان، تکلیف کی اتنی شدتیں میں نے آج تک نہیں سہیں۔"

"ماں کا رتبہ کسی وجہ سے ہی بلند رکھا گیا ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں کہتی ہوں کہ ہم آپ کو اسپتال صبح کے بجائے ابھی لے چلیں۔"

نہیں، ماہم! تم باسط کو سونے دو۔ اسپتال میں صبح چلی جاؤں گی۔" وہ اپنے ہونٹ دانتوں دلے دبا کر بولیں۔ اس حالت میں بھی وہ باسط بھائی بے آرام نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"ضمیر بھائی تو جاگ رہے ہیں، میں ان سے کہتی ہوں کہ وہ آپ کو اسپتال لے جائیں۔" باجی کو چھوڑ کر میں ضمیر بھائی کے کمرے کی طرف دوڑی جو کرسی پر چپ چاپ ساکت بیٹھے تھے۔

"بھائی جان، آپ کو اسپتال ابھی چلنا ہوگا۔"

"تم ارتقاء کو لے کر آؤ۔ میں گاڑی دروازے کے پاس لے کر آتا ہوں۔" وہ گاڑی کی چابی لے کر فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

باجی کے ہاں بڑے آپریشن سے بیٹی ہوئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے باسط بھائی کے ہاں فون کر دیا۔ فون اس کی ممی نے اٹھایا تھا۔

"میں ماہم بول رہی ہوں۔" ان کی آواز سن کر میں نے کہا۔

"کون ماہم؟" وہ قطعی بے گانگی سے بولیں۔

"آپ کی بہو ارتقاء کی بہن!" میں نے چبا چبا کر کہا۔

"اچھا۔ وہ میری بہو کب سے ہوئی۔" وہ طنزیہ لہجے میں ہنسیں!

"جب آپ کے بیٹے نے ان کی شادی کی!"

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ تمہاری بہن نے میرے بیٹے کو پھانسا۔ یہ صاف اغواء کا کیس تھا۔ ہمارے بیٹے نے تاوان میں گہنے، کپڑے اور ایک سال کی رفاقت دی اور کیا چاہیئے۔ اب میرا بیٹا آزاد ہے۔ زبردستی گلے منڈھنے والوں کو اس سے زیادہ برداشت بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب میرا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے تو تم نے فون کرنے کی کیوں زحمت کی؟" وہ تحقیر سے بولیں۔

"بہر حال، آپ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے کتنے ہی مفروضے گھڑ لیں، حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتیں۔ ارتقاء باجی آپ کی بہو ہیں اور آج آپ دادی اماں بھی بن گئی ہیں۔ پوتی ہوئی ہے آپ کے!"

ان کا جواب سننے کی مجھ میں نہ تاب تھی اور نہ ہمت، اس لئے میں نے ریسیور خود ہی کریڈل پر رکھ دیا۔ ان سے دو منٹ گفتگو کر کے میں پسینے پسینے ہو گئی تھی۔ اماں سے سنا ضرور تھا کہ بعض لوگ انگارے چبا کر بولتے ہیں مگر باسط بھائی کی ممی، کو اس حقیقت کی تفسیر پایا تھا۔

خیال تھا کہ شاید باسط بھائی بچی کا سن کر اسپتال آ جائیں مگر وہ نہیں آئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ان کی ممی نے انہیں بتایا ہی نہیں ہوگا۔ باجی ہوش میں آئیں تو بچی سے زیادہ باسط بھائی کو دیکھنے کی متمنی تھیں۔

ہائے مشرق کی عورت جس سے ناتا جوڑے اس کی تمام کج ادائیاں سہنے پر قدرت رکھتی ہے۔" ماہم، تم نے باسط کو اطلاع دی؟" انہوں نے تذبذب بھرے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"بتا دیں گے باسط بھائی کو بھی، اتنی جلدی کیا ہے؟"

"پھر بھی، تمہیں فوراً بتا دینا چاہیئے تھا۔ آخر وہ اس کے باپ ہیں، اسی شہر میں ہیں اور بفضلِ خدا حیات بھی ہیں۔ تو پھر اسی خوشی کے موقع پر وہ اتنے دور کیوں ہیں؟" وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھیں۔

"اُفوہ، آ جائیں گے وہ بھی۔ دیکھ لیں گے اپنی شہزادی کو اور ملکہ عالیہ کو بھی۔ پہلے ہم اپنی ننھی منی گڑیا کو تو دیکھ لیں۔ کتنی پیاری سی ہے۔ بالکل آپ کی شکل ہے۔ دیکھیں تو ذرا" میں گلابی گالوں والی گڑیا سی بیٹی ان کے پاس لے آئی۔

"لٹا دو اس کو جھولے میں۔" باجی نے ایک نظر اس پر ڈال کر اپنی نظریں پھر دروازے پر مرکوز کر دیں۔ ان کا انتظار بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ میں ان کی دلی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ بچی دو دن کی ہو چکی تھی مگر باسط بھائی ابھی تک نہیں آئے تھے۔

کچھ سوچ کر میں نے باسط بھائی کے ہاں دوبارہ فون کیا۔ یہ بھی اچھا ہی تھا کہ فون آصف نے ریسیو کیا تھا۔

"چاندنی تم؟" وہ آواز پہچان کر کھل سا گیا۔

"باسط بھائی کے لڑکی ہوئی ہے، انہیں بتا دیں۔" میں نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

"کب، کہاں؟" وہ وفورِ شوق سے پوچھ رہا تھا۔

"اسی اسپتال میں جہاں نام لکھوایا تھا۔ پرسوں صبح ہوئی ہے۔"

"اور تم اب بتا رہی ہو۔ یار اتنی بڑی خوشی تم نے کیسے چھپالی۔؟" آصف نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"میں نے دو دن پہلے فون پر آپ کی ممی کو بتا دیا تھا۔

"اُفوہ، تم ممی کی طبیعت کو جانتی ہو، پھر بھی۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کھسیانی ہوئی ہنسی ہنسا۔

"آصف صاحب! میں تو آپ لوگوں کو قطعی نہیں جان سکی ہوں، باسط بھائی کئی دن سے اپنی ممی کے پاس ہیں۔ کیا ان کا یہ فرض نہیں تھا کہ اپنی بیگم کی خیریت معلوم کرتے رہیں اور اس دفعہ تو ان کے پاس ایکسیڈنٹ کا بودا بہانہ بھی نہیں تھا۔"

"چاندنی!" آصف کی سرزنش کرتی ہوئی آواز ابھری۔

"ہاں، ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ باجی نے بتایا تھا کہ آپ نے حادثے کی بابت جھوٹ بولا تھا۔ جانے اس جھوٹ بولنے میں آپ کی کیا مصلحت تھی، مگر یہ حقیقت تھی کہ باسط بھائی کے جسم پر چوٹ کا کوئی نشان نہیں تھا جو یہ باور کر لیا جائے کہ وہ ایک بڑے حادثے سے دوچار ہوئے تھے۔ کار تک پر کوئی ڈینٹ نہیں پڑا تھا۔ کس طرح کار ٹکرائی تھی کہ اس پر کوئی خراش تک نہ تھی؟"

"چاندنی، خدا گواہ ہے کہ میری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ باسط بھائی اور ارتقاء بھابھی کا گھر بسا رہے اور ہم دونوں بھی اپنے پیار کی منزلیں پالیں۔ تم سوچو چاندنی......!"

"پلیز آصف صاحب، کوئی دوسری بات کریں۔ آپ کے پیار کی چاندنی ڈھل چکی ہے۔ میں مصائب و آرام اور کرب کی اذیتیں نہیں سہہ سکتی جو میری پیاری بہن سہہ رہی ہے اور بار بار سہہ رہی ہے۔" میں نے آصف کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ وہ سب ٹھیک ہو جائے گا' تم دیکھ لینا۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی ارتقاء بھابھی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"وہ سب ٹھیک ہو جائے گی' تم دیکھ لینا۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی ارتقاء بھابی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"جھوٹ بولتے ہیں آپ، مجھے حالات سنورتے ہوئے نہیں بلکہ مزید بگڑتے نظر آ رہے ہیں مگر اس کی آپ کو کبھی نہ پہلے پروا تھی نہ اب ہوگی۔ کسی نے خوب ہی کہا ہے کہ چور کا بھائی گرہ کٹ۔"

"خدا کے لئے اب ایسی باتیں مت کرو، میں آرہا ہوں، اپنی بھتیجی کو دیکھنے کے لئے۔" آصف نے فون بند کر دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد آصف خوب لدے پھندے اسپتال میں موجود تھے۔ باجی کے لئے ڈھیروں پھل۔ بسکٹ کے پیکٹ، سوفٹ جوسز کے ڈبے بچی کے لئے رنگا رنگ فراکیں۔"

مجھے حیرت تھی ان کی برق رفتار شاپنگ پر۔

آصف اکیلے ہی آئے تھے۔ باسط بھائی ان کے ساتھ نہیں تھے۔ باجی جن کے انتظار میں پل پل گھڑیاں گن رہی تھیں، وہی نہیں آئے تھے۔ باجی کی آنکھوں کی برف آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی اور بے آواز آنسو ان کے تکیئے پر گر رہے تھے۔

"یقین کریں بھابھی۔ جب میں گھر سے چلا، باسط بھائی آئے ہی نہیں تھے۔ جب جاؤں گا تو بتا دوں گا نہیں۔" باجی کو روتے دیکھ کر وہ ملول سے ہو گئے۔

"بتانے کی ضرورت ان کو ہوتی ہے جو بہت دور ہوں۔ وہ تو میرے پاس ہوتے ہوئے بھی اجنبی بن گئے۔" باجی کا لہجہ زخموں سے چور تھا۔

"کیا کریں بھابھی، ہماری ماں بہت ظالم عورت ہے۔ باسط بھائی جیسے سیدھے بندے پر ان کی پوری گرفت ہے۔ وہ ان کو آپ کے پاس آنے ہی نہیں دیتیں تو میں کیا کروں؟" لہجہ شکست خوردہ تھا۔

"باسط بھائی ننھے سے بچے ہیں ناں، تالے میں رکھتی ہوں گی آپ کی ممی ان کو۔ آفس جاتے ہوں گے تو سہمے ہوئے جاتے ہوں گے۔ واپسی پر بھی خوفزدہ گھر آتے ہوں گے۔ نہ ان میں اتنی ہمت ہو گی کہ بیوی کے پاس جا کر اس کی خیریت پوچھ لی جائے اور نہ ہی فون کرنے کا حوصلہ...... آپ کی ممی کا خوفناک تصور انہیں کچھ کرنے ہی نہیں دیتا ہو گا۔" میں سیخ پا ہو کر بولی۔

"اب تم کچھ بھی کہو، میں قصوروار اپنے بھائی کو مانتا ہوں۔ ان کی یہی تو کمزوری ہے کہ وہ ایک فیصلہ کرنے کے بعد اس پر قائم نہیں ہیں اور ممی کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ دراصل ممی نے عاق کر دینے کی دھمکی دے دی ہے۔ الگ رہ کر کم پیسوں میں زندگی گزار کر بھی انہوں نے دیکھ لیا ہے۔ وہ جن آسائشات میں رہنے کے عادی ہیں، ان کے بغیر زندگی گزارنے کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

ابا جان کمرے میں داخل ہوئے تو آصف چپ ہو گئے۔ باجی تو پہلے ہی چپ تھیں۔ میں بھی اپنے لب سی کر بیٹھ گئی آصف کی باتیں مجھے پاتال میں لے جا رہی تھیں۔

باسط بھائی کیسے تھے اور اب انہیں کیا ہو گیا تھا؟ آصف ان سے بے خبر نہیں ہو سکتے تھے۔

مگر وہ ہر ہر موقع پر اپنے بھائی کی وکالت کرتے تھے۔ انہیں معصوم قرار دیتے تھے، انکے حق میں تاویلیں بیان کرتے تھے مگر اصل صورتِ حال کیا تھی؟ اس سے ہم سب کو بے خبر رکھتے تھے۔

باسط بھائی ارتقاء باجی کے پاس کیوں نہیں آئے تھے؟

بچی کو دیکھنے کو ان کا دل کیوں نہیں چاہا تھا۔

اس کا جواب دینے کے بجائے وہ باتیں شائیں کر رہے تھے۔ جسے ہم سمجھ بھی رہے تھے اور محسوس بھی کر رہے تھے۔ دس دن اسپتال میں رہ کر باجی گھر آ گئیں مگر باسط بھائی نہیں آئے۔ اسپتال کا بل بیس ہزار کے لگ بھگ بنا تھا جسے ضمیر بھائی نے ادا کیا تھا۔

آصف ایک دفعہ کے بعد دوبارہ نہیں آئے تھے مگر گھر پر فون بدستور کر رہے تھے۔ میں تو ان کی آواز سن کر ہی فون بند کر دیتی تھی مگر ارتقاء باجی سے باتیں خوب ہوتی تھیں۔

"کیوں منہ لگائی ہیں آپ آصف کو، لتاڑ دیا کریں اسے!"

"تم نہیں سمجھ سکو گی۔ وہ ایسا ہرگز نہیں ہے اس کی پوری کوشش ہے کہ باسط راہ راست پر آ جائیں۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولیں۔

"یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ پہچان جایئے آپ۔ آنکھیں کھول لیں اب آپ۔ باسط بھائی اپنی ممی کے ساتھ اپنی وسیع و عریض کوٹھی میں آرام سے رہ رہے ہیں۔ انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اب ایک چھوٹے سے فلیٹ میں زندگی گزاریں گے۔ سنی نہیں تھیں آپ نے آصف کی باتیں کہ آسائشات کے بغیر وہ زندگی گزارنے کا تصور تک نہیں کر سکتے۔"

آصف لے آئے گا انہیں۔" ان کا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

"پھر بھاگ جائیں گے وہ فائدہ۔"

"نہیں اب نہیں بھاگ سکیں گے وہ۔"

"کیوں رسیاں ڈال کر رکھیں گی آپ انہیں؟" مجھے ہنسی آ گئی۔

"اب وہ ایک بچی کے باپ ہیں۔ اپنی بچی کو دیکھنے کے بعد ان کی سب لااُبالی حرکتیں ختم ہو جائیں گی۔ وہ اپنی ذمّے داری محسوس کریں گے۔ دیکھ لینا۔" باجی کی آنکھیں خواب دیکھ رہی تھیں۔

"کاش، ایسا ہو جائے۔" میرا رواں رواں دُعا بن گیا۔

باجی اب گھر میں چل پھر لیتی تھیں مگر کمزوری بدستور تھی۔ ان کی حالت قطعی اس قابل نہیں تھی کہ وہ بچی کی مکمل دیکھ بھال کر سکیں۔ باجی کے اسپتال سے گھر آنے کے بعد میں کالج سے مسلسل چھٹی کر رہی تھی۔ ننھی حرا کا تمام کام میں نے اپنے ذمّے لے لیا تھا۔ باجی کے اب دو ہی کام رہ گئے تھے۔ یا تو وہ کھڑکی کے پاس کرسی ڈالے گھنٹوں بیٹھی رہتیں یا ٹیلی فون کی گھنٹی پر لپک کر فون اٹینڈ کرتیں۔ باسط بھائی کا انتظار جس شدّ و مد سے بڑھ رہا تھا، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں وہ نفسیاتی مریضہ نہ بن جائیں۔

اکیلے بیٹھ کر وہ بچی سے چپکے چپکے باتیں کرتیں۔ اپنی باتوں پر وہ خود ہی مسکرا اٹھتیں اور میں سہم سی جاتیں۔

"میری بیٹی کے ابو آئیں گے، پیاری پیاری چیزیں لائیں گے۔"

"گڑیا ابو کے ساتھ گھر جائے گی۔"

"ابو کی گود میں روز سیر کیا کرے گی۔"

"میری حرا روئے گی تو ابو ٹہلایا کریں گے، ہنسے گی تو اس کے ساتھ ہی ہنسیں گے۔"

♥ ♥ ♥

حرا کو سُلا کر، اسے باجی کے پاس لٹا کر میں اپنے کمرے میں آئی تھی کہ ضمیر بھائی کے ساتھ شہری چلا آیا۔ اسے شاید یہ علم نہیں تھا کہ میں گھر پر ہوں۔ وہ ضمیر بھائی کے ساتھ خاصے رازدانہ انداز میں باتیں کر رہا تھا اور اس کی سرگوشیاں میں دروازے کی دوسرے جانب سے صاف سن رہی تھی۔

"باسط بھائی روزانہ ایک لڑکی کے ساتھ گاڑی میں گھومتے ہیں۔" شہری ضمیر بھائی کو بتا رہا تھا اور میرے سامنے وہ منظر گھوم رہا تھا جب باسط بھائی نے کھلکھلاتی ہوئی لڑکی کی پونی کھینچ کر اسے پیچھے دھکیلا تھا اور خود اس کے برابر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی ممی ان دونوں کے قہقہوں سے شاداں نظر آ رہی تھیں۔

"خدا جانے وہ کون بلا ہے! مگر ہر وقت باسط بھائی کے ساتھ رہتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اب وہ آفس میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

"تمہارا سامنا ہوا باسط سے۔؟" ضمیر بھائی پوچھ رہے تھے۔

"ہاں، میں ان کے آفس پہنچ گیا تھا، صفی کو پوچھتے ہوئے۔ وہ دونوں آفس میں لنچ کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر نظریں چُرا گئے۔"

"آصف سے بھی ملاقات ہوئی؟"

"وہ تو اب مل ہی نہیں رہا۔ نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے کہ فون پر پیغام بھی چھوڑو تو رنگ نہیں کرتا۔ شاید وہ بھی بھائی کے کرتوتوں سے نالاں ہے اور کھسیایا پھر رہا ہے۔"

"تم پتا کرو کہ وہ کون محترمہ ہیں اور اصل چکر کیا ہے؟ اس سلسلے میں آصف اور باسط کے مشترکہ دوستوں سے مدد حاصل کرو، پھر کچھ دیکھتے ہیں۔" ضمیر بھائی دھیرے سے بولے اور ماتھے کا پسینہ تولئے سے خشک کرتے ہوئے اندر چلے آئے، شہری شاید چلا گیا تھا۔ میں گم صم کھڑی تھی۔ حالات اس نوعیت پر تبدیل ہو جائیں گے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ مجھے یوں ساکت سا کھڑا دیکھ کر ضمیر بھائی ایک نظر میں پہچان گئے کہ شہری کی گفتگو میں سن چکی ہوں۔

"ماہم! میرا خیال درست تھا کہ اب باسط، ارتقاء سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔"

"خدا کے لئے ان باتوں کی رمق بھی باجی کے کانوں میں نہ جائے۔" میں اپنی آہیں حلق میں دبا کر بولی۔

"آنکھیں بند کر لینے سے کیا خطرہ ٹل جائے گا۔"

"باجی برداشت کیونکر کریں گی۔ آپ دیکھ تو رہے ہیں کہ کیسی حالت ہے ان کی۔"

"آخر کب تک؟ تم ہی بتاؤ کہ اصل صورتِ حال کب بتائی جائے؟" وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

"ضمیر بھائی، اس سلسے میں، میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں، بس اتنا سمجھتی ہوں کہ باجی اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کر پائیں گی۔"

"میں سب سمجھتا ہوں، ہم ایک دن چھپالیں گے، ایک ہفتے چھپالیں گے یا ایک ماہ، مگر جو حقیقت ہوگی وہ ارتقاء کے سامنے ہر صورت میں آئے گی۔" ضمیر بھائی بڑے کرب سے کہہ رہے تھے۔

"خدا نہ کرے، یہ سب جھوٹ ہو بہتان ہو۔" میں اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر رو دی۔

"کاش، میں ارتقاء کی خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال سکتا، کاش!" ضمیر بھائی نے اپنے ہونٹ چبا ڈالے۔

♥ ♥ ♥

کتنے ہی دن بعد، میں کالج گئی تھی۔ ضمیر بھائی نے بچی کے لئے آیا کا انتظام کر دیا تھا۔ کھانا کھا کر سوئی تو شام ہی کو آنکھ کھلی۔ ابھی میں بستر سے اٹھنے کا سوچ رہی تھی کہ ضمیر بھائی کے کمرے سے شہری کی آواز آئی۔ شہری ضمیر بھائی سے باتیں کر رہا تھا تب میں چپ چاپ بے آواز قدموں سے دروازے تک گئی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ شہری باسط بھائی اور اس چڑیل لڑکی کے بارے میں معلومات لے آیا ہے، جس نے باجی کی زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔

"باسط بھائی جس کے ساتھ گھومتے ہیں وہ ان کی پہلی بیوی ہے۔" شہری بتا رہا تھا اور میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

"شہری! تمہیں مغالطہ تو نہیں ہوا۔" ضمیر بھائی گھبرا کر پوچھ رہے تھے۔

"آپ یقین کریں میں نے خوب چھان بین کی ہے گھر کے ایک پرانے ملازم تک سے پوچھا ہے انکے دوستوں کے پاس ان کی پہلی شادی کی مووی تک موجود ہے۔ جو میں آپ کو دکھانے کے لئے لایا ہوں۔ باسط بھائی نے ارتقاء باجی سے شادی سے پہلے اپنی کزن سے شادی کی، جس کے ساتھ ان کی والدہ بھی شادی کرنے کی خواہش مند تھیں۔ ان کی پہلی بیوی زیادہ تر لندن میں رہتی ہے۔ باسط اپنی بیوی کے پاس لندن جاتے رہتے ہیں اور آج کل وہ پاکستان آئی ہوئی ہے۔ یہ سب ایک پلان کے تحت ہوا ہے۔"

"نہیں، تم جھوٹ بولتے ہو۔ باجی کے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا۔" میں اچانک ہی شہری کے سامنے چلی

آئی۔

"یہ حقیقت ہے ماہم! تم یہ مووی دیکھ سکتی ہو ان لوگوں نے جال بچھا کر ارتقاء باجی کے ساتھ ڈراما کھیلا ہے اور مزید زیادتی اس لئے بھی ہوئی کہ آصف جو باخبر تھا مگر اس نے بھی سب کو لاعلم رکھا اور اس گھرانے سے بھی ہمدردیاں سمیٹتا رہا۔ ارتقاء باجی کے زخموں پر جھوٹی آس کے پھاہے رکھتا رہا، جب کہ زخم لگانے والا بھی وہی تھا۔ یہ سارا پلان آصف اور باسط کا ہی تھا باسط کے ایکسیڈنٹ کا بھی بہانہ تھا۔ ان دنوں وہ اپنی بیوی کے پاس لندن گئے ہوئے تھے اور دیگر بہانے بھی سب جھوٹے تھے میں تو آصف کو دوست کہہ کر بھی نادم ہوں کہ میری پیاری باجی کے ساتھ اتنا بڑا سانحہ ہوا۔" شہری باسط کے ساتھ ساتھ آصف کی بھی کمینگیاں بتا رہا تھا اور میرا سر جھکتے جھکتے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے فرش پر جا لگے گا۔

میں "نہیں" اور "شاید" کے چکر میں پھنس گئی تھی۔

باسط بھائی تو ایسے ہی تھے مگر آصف بھی۔

کتنی عجیب بات تھی ہم بہنوں کو جن پر اپنی ذات سے بڑھ کر اعتماد تھا، وہی دھوکے باز نکلے تھے۔

شہری کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر میں سن ہی نہیں پا رہی تھی۔ میرا دماغ سائیں سائیں جو کر رہا تھا اور پورا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔ اُف کیسی چال چلی گئی تھی باجی کے ساتھ۔ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"سن رہی ہو ناں ماہم، یہ شہری کیا کہہ رہا ہے۔" ضمیر بھائی بولے۔

"ہوں۔" میں زمین پر پیر جماتے ہوئے بولی جو اکھڑ سے گئے تھے۔

"یار شہری، میرا باسط کے بارے میں قیاس درست تھا مگر یہ آصف بھی ایسا ہوگا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" ضمیر بھائی حیرت سے کہہ رہے تھے اور میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں یوں پھنسائے کھڑی تھی، جیسے زبردستی ملائی گئی ہوں۔

شہری کو ضمیر بھائی کو ساری رپورٹ دے رہا تھا مگر کن اکھیوں سے میری بگڑتی ہوئی حالت بھی دیکھ رہا تھا اس سے پہلے کہ میں بے ہوش کر نیچے گرتی۔ شہری نے لپک کر مجھے سنبھال لیا تھا۔

نہ جانے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جو نہیں ہونا ہوتا وہ ہو جاتا ہے۔

اور جو ہونا ہوتا ہے، وہ نہیں کی لامحدود وسعتوں میں کسی جگہ جا چھپتا ہے۔

کیوں چھپتا ہے؟ اور کیوں جا چھپتا تھا؟

اس کے متعلق میں کبھی ادراک کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی۔

مجھے تو بس اتنا احساس تھا کہ باسط بھائی کے ساتھ ساتھ آصف نے بھی مجھ پر قیامت ڈھائی تھی۔

آصف کی تمام جانفزا باتیں، بے تابیاں مجھے یاد آ رہی تھیں۔

ایک دن کسی بات پر میں روٹھ کر پیٹھ موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسٹیج ڈرامے کی ریہرسل میں بریک تھا ڈرامے سے متعلق تمام لڑکے، لڑکیاں قریبی کیفے میں چلے گئے تھے اور میں نے آصف کے ساتھ کہیں بھی جانے سے انکار کر دیا تھا تب آصف کسی رجسٹر کا خالی صفحہ ہاتھ میں پکڑ کر بولتا ہوا میرے پاس آ گیا۔ بہانے بنانے میں تو وہ ماہر تھا۔

"چاندنی! خدا کے لئے مجھ سے ناراض مت ہونا۔ پلیز، پکارو مجھے صدا دو، اپنے جھرنوں کی سی مترنم آواز میں مجھے تلاشو، ہاں چاندنی، میں منتظر ہوں۔ تمہاری نرم ملائم آواز کا، مجھے بلاؤ تا کہ میں پھر تمہارا ابحر الکاہل جیسا مسئلہ جان سکوں۔" آصف کی آواز میں محبت کے گھنگھرو چھنن چھنن بج رہے تھے۔

مانا کہ آپ فنکار ہیں مگر ہر وقت ڈراما نہیں چلتا۔" آصف کے انداز پر مجھے ہنسی آ گئی۔ جو ریہرسل کی

صورت میں مجھے بنا رہا تھا۔
"ناراض کیوں ہوگئی تھیں مجھ سے؟" وہ میری کمر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔
میرے جذبے اس کے قرب سے سلگ اٹھے۔ اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔
"بات تو بتاؤ ناں، کیوں چپ چپ سی تھیں۔ چلو سزا دے دو۔"
"تمہاری حرکتیں ایسی ہیں کہ اس وقت میں یہ بھول بیٹھی ہوں کہ کس بات پر ناراض ہوئی تھی۔" اس کو مسخروں کی طرح کان پکڑے دیکھ کر مجھے پھر ہنسی آ گئی۔
"یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے دیکھ کر سب کچھ بھول جاؤ۔"
کتنی گہری بات کی تھی آصف نے۔ اس کی بات کا مطلب مجھے اب سمجھ میں آ رہا تھا۔
کیا محبت کے رنگ اتنے پھیکے ہوتے ہیں، ہلکی سی اوس بھی برداشت نہیں کر سکتے۔
مجھے کراہیت محسوس ہو رہی تھی، ان لمحات پر جو آصف کے ساتھ میں نے گزرے تھے۔
مجھے تاسف ہو رہا تھا ان لفظوں پر جو میں نے آصف کی محبت میں ادا کیے تھے۔
باجی پر قیامت صرف باسط بھائی ہی نے نہیں ڈھائی تھی بلکہ آصف بھی اس ضمن میں برابر کے شریک تھے۔
خدا کا صد شکر تھا کہ میں ان کے مکر و فریب میں آتے آتے رہ گئی تھی ورگرنہ میرا بھی یہی حال ہوتا جو باجی کا ہوا تھا شاید اس سے بھی بُرا۔
آصف نے تو اپنا جال پھیلانے اور کسنے میں تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اپنی ساری مکاریاں اپنے احسانات تلے دبائی ہوئی تھیں۔ شہری ان کی کمینگیوں کی پوری پوری تفصیل لے کر آیا تھا کہ باسط بھائی کو تمام مواقع پر آصف ہی گائیڈ کیا کرتے تھے۔

♥ ♥ ♥

شہر میں جزوی ہڑتال کے باعث کالج میں جلدی چھٹی ہوگئی تھی۔ میں چپ چاپ اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ نصرت، گیت اور فرحانہ خوب چہک رہی تھیں مگر میں کسی کے ہنسی مذاق میں حصہ نہیں لے رہی تھی۔
"ماہم تجھے کیا ہوگیا ہے؟ ہم سے بولتی کیوں نہیں ہے؟" نصرت نے مجھے ٹہوکا مارتے ہوئے کہا۔
"اس وقت تم سب کی سن رہی ہوں، کیا بولوں؟" میں نے پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔
"کیوں، تیرے پاس کیا بولنے کا اسٹاک ختم ہوگیا ہے؟"
"شاید ایسا ہی ہے۔" میں سوچتے ہوئے بولی۔
"تمہارا ہیرو کیا کہیں گیا ہوا ہے، جو ہر وقت اسی ہی کے مراقبے میں رہنے لگی ہو؟"
"ہاں۔" اس سے مختصر دوسرا جواب نہیں ہو سکتا تھا۔
"کہاں گیا ہے وہ؟" نصرت پوچھ رہی تھی۔
"پتا نہیں؟" بلا سوچے سمجھے میرے منہ سے نکل گیا۔ میں نے آصف کی کمینگیوں کے بارے میں اپنی کالج کی فرینڈز کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔
"کیوں بھئی، پتا کیوں نہیں ہے؟ ابھی سے اتنی بے پرواہ ہوگئی ہو؟"
"تم جانتی ہو کہ باجی بیمار ہیں۔ میرا ذہن صرف اور صرف باجی کی جانب مبذول ہے۔ آصف کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں، نہ مجھے اس کا علم ہے اور نہ ہی اس کی خواہش۔" میں کلس کر بولی۔
"اوہ، یہ بات ہے! روٹھی ہوئی ہو ان سے۔" نصرت میرے کان میں ممنائی۔
"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"چھپالو، جتنا چھپانا ہے مگر بات اصل میں یہی ہے۔" اپنے ٹرن پر مڑتے ہوئے نصرت نے جتایا۔

گیت اور فرحانہ بھی ہاتھ ہلا کر اپنی راہ مڑ گئیں اور جب میں اسٹاپ پر پہنچی تو میرے روٹ کی ویگن سامنے رکے بغیر ہی گزر گئی۔
اب پتا نہیں، کتنا انتظار اور کرنا ہوگا۔ میں پیچھے نیم کے درخت کے نیچے جا کر کھڑی ہوگئی، یہاں کم از کم سایہ تو تھا ورنہ اسٹاپ پر دھوپ میں کھڑا ہونا تو قیامت تھا۔
"ماہم!" ایک مانوس سی آواز سنائی دی۔
اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے آصف کی آواز کی بازگشت یونہی سنائی دیا کرتی تھی اور اس وقت تو دل و دماغ پر سہیلیوں کی باتیں بھی چٹکیاں لے رہی تھیں۔
نہ جانے کتنی وضاحتیں مجھے گھڑنی پڑیں گی، کتنی تاویلیں بیان کروں گی۔ میرے دل پر ایک بھاری سا بوجھ خود پر آن گرا۔
"چاندنی کیا بہت ناراض ہو؟ میری بات بھی نہیں سنو گی کیا؟" کسی نے جذب سے پکارا۔
تڑپ کر میں مڑی تو آصف میری پشت پر کھڑا تھا۔
"آپ!" اسے دیکھ کر میرا دل ریزہ ریزہ ہوا جا رہا تھا۔
"چپ کیوں ہو؟ خدا کے لئے کچھ تو بولو۔" وہ میرے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا، وہی محبت بھرا لہجہ، وہی آنکھوں کے لشکے۔ ذرا بھی تو وہ بدلا نہیں تھا۔
میں چپ چاپ اسے دیکھتی رہی...... کہ اسی شہد آگیں لہجے سے تو اس نے مجھے اپنا اسیر کیا تھا، انہی آنکھوں کی طلسماتی کشش سے تو اس نے بے وقوف بنایا تھا۔
"چاندنی، خدا کے لئے کچھ تو بولو۔" وہ اپنے لہجے میں بے تابیاں سمیٹ کر کہہ رہا تھا۔
"کیا کروں گی بول کر۔" میں ہنسی جیسے ٹوٹا کانچ بج گیا ہو۔
"کیا بات ہے؟ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔" اس نے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش کی۔ یہ بھی اس کا ایک انداز ہوا کرتا تھا۔
"آصف، کیا آنکھوں دیکھی مکھی بھی نگلی جا سکتی ہے۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"مگر میں نے کیا کیا ہے؟ میرا کیا دوش ہے؟ میرا تو کوئی قصور ہی نہیں......" وہ معصوم سے لہجے میں کہہ رہا تھا اور اس اس کے بناوٹی لہجے کو خوب پرکھ رہی تھی۔ کتنا زبردست فنکار تھا وہ۔ اپنے لہجے کے زیر و بم میں جذبات کو گھول لینے کی پوری پوری قدرت رکھتا تھا۔
"چاندنی! باسط بھائی کی سزا مجھے مت دو۔ میں تو بھائی کا احترام کرتا ہوں۔"
"مت پیش کرو صفائیاں، کیا تمہارا قصور اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ تم اپنے بھائی کے جرم میں برابر کے شریک ہو، تم لوگوں نے جان بوجھ کر میری بہن کے ارمانوں کا خون کیا اور ان کی زندگی تلخ کر دی، کیوں آگ لگائی ان کے ارمانوں کو، کیا بگاڑا تھا انہوں نے۔ کیا صرف یہی کہ سچی محبت کی تھی اور باسط بھائی کے بہکاوے کی باتوں میں آگئی تھیں۔ اس کی اتنی بڑی سزا دی تم لوگوں نے، جھوٹ بولا گیا' مکر کیا گیا۔"
"خدا کے لئے چاندنی! میری بات کا یقین کرو، ورنہ میں تو کہیں کا نہیں رہوں گا۔ باسط بھائی ضرور لوٹیں گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ ارتقاء بھابھی اپنے گھر میں رہیں گی، باسط بھائی اور بچی کے ساتھ، میں باسط بھائی کو ضرور واپس لاؤں گا......"
"اب کوئی ضرورت نہیں رہی اس کی، ان سے کہنا کہ اب اپنی شکل نہ دکھائیں ہمیں۔ محبت کے نام پر بہت لوٹ لیا گیا۔"
"کیسی باتیں کر رہی ہوں تم، میں جو تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ میرا کیا ہوگا۔ میں نے تو کیا کیا

سوچا تھا کہ شادی کے بعد ہم دونوں لندن میں شفٹ ہو جائیں گے۔ پاکستان صرف ملنے کے لئے آیا کریں گے۔ وہاں ممی تمہیں تنگ نہیں کر سکیں گی باہر کے اسٹیج پر ہم دونوں اپنے ڈرامے کیا کریں گے۔ ذرا سوچو، ہم دونوں کی زندگی کتنی خوبصورت اور بھرپور ہوگی۔'' آصف نے سنہرے خوابوں کے ساتھ ساتھ پھر کمند پھینکی۔

''آصف، اب مجھے نہ ڈراموں سے دلچسپی رہی ہے اور نہ باہر جانے سے۔ اپنی زندگی میں ہی اتنے ڈرامے بن گئے ہیں کہ اب اس میڈیا سے ہی وحشت ہونے لگی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آئینے میں آپ دونوں بھائیوں کی شکلیں ایک جیسی ہیں۔''

''ماہم، یہ تم اپنے دل سے پوچھو کہ میں کیا ہوں؟''

''آصف صاحب ہم کچے ذہنوں کی لڑکیاں، دل کی راہ پر چل کر ہی تو لہولہان ہوتی ہیں اور اب تو میرے دل میں آپ کی کوئی بھی شبیہہ نہیں رہی ہے۔

مجھے تاسف ہے ان لمحات پر جو آپ کی معیت میں گزرے۔

مجھے خفت ہے ان جذبات پر جو آپ پر ایمان لے آئے تھے۔

میں نادم ہوں ان اوقات پر جب میں آپ سے ہنستی بولتی تھی۔''

''پاگل ہوگئی ہو کیا تم، کیا میرے بغیر رہ سکتی ہو؟'' اس نے آنکھوں میں محبت کے لشکارے بھر کر مجھے دیکھا۔

''آصف اگر میں تمہارے ساتھ رہوں تو پاگل ہو جاؤں گی۔ اب ہم دونوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ اپنے اپنے راستے پر مڑ جائیں۔''

''کیا ہو گیا ہے ماہم تمہیں، لگتا ہے اپنے حواسوں میں نہیں ہو، جاناں جب میں تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا سوچ نہیں سکتا، تو ایسا تم کیونکر سوچ سکتی ہو، یاد کرو، تم کہتی تھی آصف محبت اعتبار ہوتی ہے، میں بخدا تمہارے اعتبار کو ہمیشہ سلامت رکھوں گا۔''

''میں غلط کہتی تھی۔ میرا تجربہ غلط رہا، محبت اعتبار نہیں ہوتی بلکہ اعتبار محبت ہوتا ہے۔''

''بات ایک ہی ہے، کسی طرح بھی کہہ دو۔'' وہ ہنسا۔

''یہی تو اصل بات ہے کہ بات ایک نہیں ہے۔ احساس کی شدت ہر شخص کی جدا ہوتی ہے اور ہمارا رویئے اعتبار کے بارے میں ہیں۔ ہر کس و ناکس پر جس طرح اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح چاہت کے گیت سب کے لئے نہیں گائے جاسکتے۔

''نہیں ماہم نہیں۔ ایسا نہ کہو، تمہاری چاہت اتنی کم اعتبار نہیں ہو سکتی۔'' وہ اپنے ہاتھ مل رہا تھا میرا مطلب شاید اس کی سمجھ میں بھی آگیا تھا۔

''آصف صاحب، چاہت کسی پہاڑ کی طرح نہیں ہوتی کہ بغیر کسی کمی بیشی کے اپنی جگہ قائم رہے۔''

''میری محبت تو ایک پہاڑ کی طرح ہے، مجال ہے کہ ذرہ برابر ہل تو جائے۔'' وہ مجھے قائل کرنے کی ایک ناکام سی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''آصف، تمہاری سوچ کے زاویئے ہی غلط ہیں اگر یہ محبتیں اور چاہتیں پہاڑوں اور پتھروں جیسی ہوتیں تو ان میں لچک نہ ہوتی، گداز نہ ہوتا، احساس کی شدتیں نہ ہوتیں۔

''ہاں، میں ہی غلط ہوں۔ تم ہی ایک سچی ہو تمہاری محبت ماورائی تھی جو کچے دھاگے سے زیادہ کمزور ثابت ہوئی، اپنی وفاؤں کو تم خود ملیامیٹ کر رہی ہو، محبت کرنے والے کیا ایسے ہوتے ہیں؟ یہی تھی تمہاری محبت؟ یہی تھی تمہاری چاہت کہ بیچ منجدھار میں مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو۔'' آصف اب دوسرے تیور پر اتر آیا تھا۔

''سنو میری محبت اور چاہت تو میری روح کے پہاڑ کے اوپر جما گلیشیر تھا جسے بے اعتباری کے سورج نے پگھلا ڈالا۔ اب میری چاہ پانی بن کر بہ گئی ہے اب اگر میں چاہوں بھی تو نہ تم سے محبت کر سکتی ہوں اور نہ ہی تمہاری عزت، یاد رکھو جس محبت میں، عزت متوازن نہ ہو وہ محبت احترام کے قابل نہیں ہوتی۔ اب میری روح آزاد ہے اسے آزاد ہی رہنے دو۔'' میرے آنسو آنکھوں میں جھلملا رہے تھے مگر ان میں بچھڑی ہوئی محبتوں کا کوئی سوگ ہرگز نہیں تھا۔

ارتقاء باجی ہمیشہ سے اپنی خوابوں کی دنیا میں رہنے کی عادی تھیں۔ انہوں نے دل کی باتوں پر ہمیشہ سر جھکا دیا تھا لیکن اب یہ سحر ٹوٹ گیا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ حقیقتوں کے ناگ کیسے زہریلے ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ ناگوں سے کنارہ کش نہیں ہو پا رہی تھیں۔

نہ جانے کیا ہو گیا تھا انہیں، جو خود کو ڈسوا کر انہیں مزہ آرہا تھا۔ مجھے حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آیا کہ وہ مجھ سے مشورہ کئے بغیر آصف کے پاس پہنچ گئیں جہاں اس کے ڈرامے کی ریہرسل ہو رہی تھی۔

''بھابھی آپ!'' وہ انہیں دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔

''آصف! تم ہی باسط کو واپس لاسکتے ہو، میرے پیارے بھائی، باسط کو گھر لے آؤ، ورنہ میری بچی باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیم ہو جائے گی۔'' وہ سب کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ باسط بھائی شہلی سے شادی کر چکے ہیں، بلکہ شہلی ان کی پہلی بیوی ہے جو ہمارے ہی خاندان کی ہے۔'' آصف نے شاید پہلی دفعہ باجی سے سچ بولا تھا۔

''ہاں، اس کے باوجود بھی، مجھے باسط کی رفاقت درکار ہے، میں باسط کے بغیر نہیں رہ سکتی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ میری بچی کے باپ ہیں۔ باپ کے ہوتے ہوئے میں اپنی بچی کو یتیموں کی طرح نہیں پالنا چاہتی۔''

''بھابھی، آپ اس وقت تو گھر جائیں۔ باسط بھائی لندن سے آجائیں تو میں کچھ کرتا ہوں۔'' آصف نے کسی بچے کی طرح سمجھا بجھا کر انہیں گھر بھیجا۔

اس سے پہلے کہ ارتقاء باجی گھر پہنچتیں، مس ماہیا نے آڈیٹوریم سے مجھے فون کر دیا، فون میں نے ہی اٹھایا تھا۔ اسی وقت تو میں کالج سے آئی تھی۔ شولڈر سے کتابوں کا بیگ تک تو اتارا نہیں تھا۔

''ماہم! اپنی باجی کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو؟'' وہ تمسخر سے ہنسی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟ ہوش میں تو ہو!'' اس کا لہجہ میرے لئے کسی تازیانے سے کم نہیں تھا۔

''ہم تو ہمیشہ سے ہوش میں رہتے ہیں ہاں، اپنی باجی کو سنبھالو وہ بے ہوشی کے مظاہرے کرتی پھر رہی ہیں۔''

''شٹ اپ!'' میں نے غصے سے کہا اس سے قبل کہ میں ریسیور کریڈل پر پٹخ دیتی اس کی آواز سنائی دی۔

''چندا، میری پوری بات تو سنو لو، فون بعد میں توڑ دینا۔'' اس نے اپنی مکروہ آواز میں کہا۔

''جلدی بکو، میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے۔'' مارے غصے کے میرا برا حال تھا۔

''آج آپ کی باجی جان باسط کی محبت کی بھیک مانگنے آصف کے پاس آئی تھیں۔ اس کا کالر پکڑ کر دھواں دھار رو رہی تھیں۔''

''کیا؟'' مارے صدمے سے میں گنگ سی ہو گئی۔

''سن رہی ہو ناں، میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

"ہوں۔" میرے قدموں سے زمین نکلی جا رہی تھی۔

کیا منت سماجت سے سرکش گھوڑے واپس آ جاتے ہیں، اگر شوہر کو پھانستا تھا تو اپنی کیٹگری کا خیال رکھتیں، اپنی اوقات سے زیادہ پرواز کی تھی گرنا تو ان کے مقدر میں تھا ہی۔" وہ پھر قہقہہ لگانے کے لئے پر تولنے لگی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم مجھے کیا باور کرانا چاہتی ہوں؟"

"میرا خیال ہے کہ جو میں کہہ رہی ہوں تم بخوبی سمجھ رہی ہوں۔ ہم لوگوں نے تمہاری باجی کو بمشکل رخصت کیا ہے صرف ان کی وجہ سے ایک گھنٹے ریکارڈنگ میں تعطل رہا۔ تم جانو، وقت سے زیادہ بھی کوئی چیز ہوتی ہے، اگر وقت ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو دوسرے لوگوں کو تو بور نہ کریں۔" لہجہ گو لجاجت بھرا تھا مگر تضحیک کا انداز ٹاپ پر تھا اور میں نے فون بند کر دیا اس سے زیادہ سننے کی تاب مجھ میں نہیں تھی۔

باجی، آصف کے پاس کیوں چلی گئیں، اپنی انا، اپنے وقار کو انہوں نے کیوں ملحوظ نہیں رکھا، یہ سوچ میرے برچھیاں سی مار رہی تھی۔

بیگ اور فائل رکھ کر میں وہیں بیٹھ گئی۔ آیا بچی کو سلا کر میرے پاس آئی تو میں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی۔

"ماہم بی بی، سر میں درد ہے آپ کے، تیل لگا دوں سر میں؟"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں اچھل ہی پڑی۔ آیا کو آنکھوں کے اشارے سے میں نے منع کیا اور ریسیور اٹھا لیا۔

"ماہم! تم فنکارہ تھیں ہی مگر تمہاری باجی تو تم سے بڑی آرٹسٹ نکلیں......" آڈیٹوریم سے یہ غزالہ کا فون تھا۔ شاید یہ بھی ماہیا کی ملی بھگت تھی کہ مجھے ذہنی اذیت زیادہ سے زیادہ دی جائے۔

"آپ نے غلط نمبر پر رنگ کیا ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر بولی۔

"جھوٹ مت بولو ماہم، آخر تم لوگ کب تک سچ سے خوفزدہ رہو گے۔ تمہاری باجی آج کشکول لئے آڈیٹوریم میں آ گئیں کہ آصف اپنے بھائی کو ان کے نام خیرات کر دیں۔ اب بتاؤ۔ کہیں مانگنے والوں کو ایسی چیزیں مانگنی چاہئیں جو ان کی اوقات سے زیادہ ہوں۔"

"غزالہ!" مارے غصے کے میں چیخ ہی پڑی۔

"شکریہ ماہم کہ میرے کہنے پر تم نے سچائی سے اعتراف کر لیا کہ یہ رانگ نمبر پر بات نہیں ہو رہی مگر میری جان، تم بھی اچھی طرح جان لو کہ آصف تمہارا نہیں ہے وہ صرف اور صرف میری سہیلی ماہیا کا ہے۔ تم تو اس رئیس زادے کو دو دن سے جانتی ہو گی، جب کہ ماہیا اس کی محبت میں بارہ برس کاٹ چکی ہے۔"

"باسط، آصف اور تم سب ڈوب مرو، اپنی کمینگیوں کے ساتھ۔" میں نے دانت پیسے۔

"ہم ڈوبیں یا تیریں مگر خدا کے لئے تم اپنی باجی کی طرح کشکول ہاتھ میں لے کر ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

اف کتنی تذلیل کہ پسینہ بارش کی طرح مساموں سے پھوٹ پڑا۔ غزالہ کیا بکواس کر رہی تھی، مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا اور آخر لرزتے ہاتھوں سے ریسیور نیچے گر پڑا اور میں وہیں کوچ پر ڈھے کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

ارتقاء باجی جب گھر میں داخل ہوئیں تو ان کے چہرے کی پژمردگی خود ہی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ ماہیا اور غزالہ کی تمام باتیں تلخ ضرور تھیں، مگر سچ تھیں۔

"آپ کہاں چلی گئی تھیں باجی؟ میں تو کالج سے آ کر آپ کو گھر میں نہ پا کر پریشان ہو گئی تھی۔" حالانکہ میں کالج سے آنے کے بعد ٹی وی لاؤنج سے آگے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکی تھی۔

"آصف کے پاس گئی تھی۔ آیا کو بتا گئی تھی، اس سے پوچھا نہیں تم نے؟"

"مگر کیوں۔"

"دیور ہے وہ میرا، کیوں کیا بات ہے؟" انہوں نے ابرو تانے۔

"جب باسط ہی آپ کے اپنے نہ رہے تو آصف سے آپ کا کیا ناتا رہ جاتا ہے؟" میں نے کرب سے کہا۔

"اسی لئے تو گئی تھی اس کے پاس۔" طمانیت سے کہا گیا۔

"کیا؟" اب حیران ہونے کی میری باری تھی۔

"ہاں، آصف کے پاس اسی لئے گئی تھی کہ وہ باسط کو راہِ راست پر لے آئے، باسط آصف کی بہت مانتے ہیں اور پھر آصف میرا بے حد احترام کرتا ہے۔ دیکھ لینا وہ سمجھا لے گا اپنے بھائی کو۔"

"کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ آصف کے کہنے پر باسط بھائی کان دبا کر اپنے فلیٹ میں آ جائیں گے؟"

"ظاہر ہے ایسا ہی ہو گا اس سے پہلے بھی تو وہ بھاگ گئے تھے اپنی ممی کے پاس، آصف لے آیا تھا۔ اب باسط بھگوڑے ٹائپ شوہر ہیں تو میں کیا کروں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ وہ زندگی بھر بھاگتے رہیں گے اور آتے رہیں گے۔" انہوں نے انتہائی اطمینان سے ہنستے ہوئے کہا۔

"باجی، آپ کا خیال بالکل غلط ہے۔" ان کا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ وہ کیا ہیں، سب کے سامنے آ چکے ہیں۔ اب وہ ہرگز نہیں لوٹیں گے، ویسے بھی باسط اور آصف ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ دونوں نے گیم کھیلا تھا آپ کے ساتھ۔ یہی گیم شاید اب میرے ساتھ کھیلا جاتا کہ قدرت نے مجھے ان سفاک لوگوں سے بچا لیا۔ باجی! آصف کا شمار تو ان لوگوں میں ہے جو اپنی امارت، خوبصورتی اور گلیمر کو ٹرمپ کارڈ بنا کر، لڑکیوں کو گھیرتے ہیں۔ نہ جانے اس ٹائپ کی کتنی وارداتوں سے وہ منسلک ہوں گے۔ ہمیں تو شکر کرنا چاہئے کہ کیسے قزاقوں سے ہم بچ گئے ہیں۔"

"نہیں ماہم! تم بلاوجہ بدگمان ہو رہی ہو، آصف ایک مثالی انسان ہے۔" باجی کا اعتبار ابھی تک قائم تھا۔

"پیاری باجی! میری یہ رائے سو فیصد درست ہے کہ آصف اپنے بھائی کی طرح کمینے، شاطر بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔" میں نے چبا چبا کر کہا۔

قدموں کی چاپ پر میں چونکی تو یکدم ہراساں سی ہو گئی۔ شہری ضمیر بھائی کے کمرے کے دروازے پر ایستادہ اپنے روایتی اعتماد کے ساتھ کھڑا میرا سکون تباہ کر رہا تھا۔

"ارتقاء باجی! ماہم کا خیال یقیناً درست ہے۔" وہ باجی سے مخاطب تھا۔ مگر اس کا چہرہ میرے چہرے کو پڑھ رہا تھا۔

"نہیں، تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ میرا اجڑا گھر بس جائے اور میں اپنی بچی کو لے کر اپنے گھر میں چین سے رہوں۔ کوئی میرا گھر بنانا نہیں چاہتا۔ سب کی یہ خواہش ہے کہ میں باسط سے خلع لے لوں، کیا اسی لئے لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے کہ ذرا سے لڑائی جھگڑے پر قطع تعلق کر لیا جائے۔ تم لوگ کتنا ہی چاہو مگر یاد رکھو، میں باسط سے ہرگز خلع نہیں لوں گی۔"

"باجی! آپ کو خلع لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ آپ کو خود طلاق دے دیں گے؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو شہری تم، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں، اگر وہ اپنی پہلی شادی پر شرمندہ ہیں اور میرے سامنے نہیں آ رہے تو میں انہیں معاف کر دوں گی۔ میں اتنے چھوٹے ذہن کی عورت نہیں ہوں کہ اپنے شوہر کی خوشیوں کو پامال کروں۔" باجی نے رسان سے کہا۔

"باجی پلیز، آپ میری بات غور سے سنیں میں نے پوری معلومات حاصل کر لیں ہیں۔ باسط آپ کو طلاق دے رہے ہیں بلکہ کاغذات تو تیار ہو چکے ہیں؟" شہری نے انہیں اطلاع دی۔

"کیا واقعی؟" باجی کا چہرہ یک دم پیلا سا پڑ گیا۔

"ہاں باجی! آپ تو خدا کا شکر ادا کریں کہ ایک بُرے انسان سے آپ کا پیچھا چھوٹا، مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ باسط اور آصف کے بارے میں تمام تر حقیقت ہمیں بے حد تاخیر سے ملی، مگر بہر حال آپ کے ساتھ ہم سب کو بھی شکرانے کے نفل پڑھنے چاہئیں۔ میں نے جو معلومات حاصل کی ہیں ان کے مطابق باسط کا شمار ان عیاش نوجوانوں میں ہے جو تعلیمی اداروں میں دلپشوری کرنے کے لئے داخلہ لیتے ہیں، آپ چونکہ انہیں منفرد لگیں اور غلط ہتھکنڈوں سے ان کے ہاتھ بھی نہیں آئیں تو انہوں نے شادی کا ڈراما کر لیا، اس لئے یہ کھیل اتنے دن چل بھی گیا۔ ورنہ ثریا، فرحانہ، نگہت، عالیہ، رقیہ، صبا اور مس حمید کو تو تباہ کر کے رکھ دیا۔ شمیم آراء کا نام اس لئے نہیں لے رہا کہ اس نے خودکشی کر لی تھی۔"

"نہیں۔" باجی نے اپنا سر تھاما اور لہرا کر کھڑے کھڑے نیچے گر پڑیں۔ باجی کو گرتا دیکھ کر میں اور شہری ایک ساتھ ان کی جانب بڑھے۔

میں نے اور شہری نے ایک ساتھ ہی باجی کی کلائی پر ہاتھ رکھا تب میرے دودھیا ہاتھ شہری کے ہاتھ کے نیچے دب گیا۔

"ماہم!" میرے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے شہری پکار اٹھا، اس کا رواں رواں آنکھیں بن کر مجھے ہی تک رہا تھا۔

"باجی بے ہوش ہوگئیں ہیں۔" میں نے گھبرا کر کہا۔

"بے ہوش نہیں ہیں، نقاہت سے چکرا آ گیا ہے، تم دودھ میں گلوکوز ملاؤ، پی کر تقویت ہوگی۔"

باجی کے منہ سے جب گلاس لگایا تو بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھیں، یوں جیسے سارے سپنے آنسو بن کر بہہ رہے ہوں۔

"باجی پلیز! حوصلہ رکھیئے اللہ تعالیٰ ضرور بہتری کرے گا۔" میں انہیں بستر تک لے آئی۔

"میں کیسے حوصلہ کر لوں۔ اگر باسط مجھے دھوکا دے رہے تھے تو یہ دھوکا چند سال اور دے دیتے۔ انہوں نے اتنی جلدی کیوں میری خوشیاں چھین لیں۔ اگر باسط کے ساتھ رہنا خواب تھا تو میں خواب دیکھتی رہتی، میں خوابوں سے ہی بہل جاتی بتاؤ ماہم، بولو شہری مجھ پر یہ ظلم کیوں ہوا؟" وہ اپنے خوابوں کی طرح خود بھی ریزہ ریزہ ہو رہی تھیں۔

ابا جان نماز پڑھ کر آئے تو باجی کو یوں بلکتا دیکھ کر سراسیمہ سے ہو گئے۔ اف میرا بوڑھا باپ کتنے صدمے اور جھیلے گا...... مارے کرب کے میرے آنسو نکل آئے۔

"کیا ہوا ارتقاء کو......؟" وہ یک دم ہی بدحواس ہو گئے تھے۔

"چائے بنانے گئی تھیں، ہاتھ جل گیا، اسی سے تکلیف ہو رہی ہے۔" میں نے بات بنائی۔

"آبلہ تو نہیں پڑا......؟"

"نہیں، اللہ نے بہت بچایا، بس ذرا سی بھاپ لگی ہے، اس کی تکلیف ہے، دوا لگا دی ہے، ابھی ٹھیک ہو

جائیں گی۔"

"ارتقاء کیوں گئی باورچی خانے میں، مجیدن سے کیوں نہیں چائے بنوائی گئی۔" ابا جان کسی طرح بھی مطمئن نہیں ہو رہے تھے۔

"مجیدن حرا کو ٹہلانے گئی ہوئی تھی، باجی نے مجھ سے کہا ہی نہیں۔" میں ایک جھوٹ چھپانے کے لئے لگاتار جھوٹ بول رہی تھی۔ لہجے کی لرزش ایسی تھی کہ اب کھلی کہ تب کھلی......"

"پھوپھا جان آپ پریشان نہ ہوں، ارتقاء باجی اب ٹھیک ہیں۔ اللہ نے بال بال بچا لیا۔" شہری نے ابا جان سے کہا۔

"کیوں ارتقاء ٹھیک ہو ناں!" ابا جان باجی سے پوچھ رہے تھے جیسے تصدیق کر رہے ہوں۔

"جی ابا جان! اب تکلیف نہیں رہی۔" ابا جان کو دیکھ کر وہ اپنے آنسو اور آہیں اندر اتار لیا کرتی تھیں۔

ابا جان مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے تو باجی کی آنکھوں میں گہری سی بھر گئی۔

"باجی! اب آپ کو نہ صرف اپنا خیال رکھنا ہے بلکہ ننھی حرا کا بھی، ذرا سوچئے تو جب آپ خود ہی صحت مند نہیں ہوں گی تو معصوم حرا کی کیسے پرورش کریں گے جو ہوا بُرا ہوا مگر اب مزید بُرا نہیں ہونا چاہئے۔"

شہری ان کی پائنتی پر بیٹھ کر بزرگوں کی طرح کہہ رہا تھا۔

"شہری، میں سچ کہہ رہی ہوں کہ باسط بہت اچھے تھے۔ وہ ایسے نکلیں گے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"ارتقاء باجی! آپ خود اتنی اچھی ہیں کہ کسی کے بارے میں منفی پہلو سے نہیں سوچ سکتیں، شاید کسی کو اچھا آدمی بنانے کے لئے سب سے آسان نسخہ یہی ہوتا ہے کہ آپ اس پر تمام اچھائیاں زبردستی ٹھونس دیں اور وہ آپ کی نظروں میں اپنی اچھائیوں کا وزن لادے لادے پھرے۔" شہری نے رسان سے کہا۔

"شہری ٹھیک کہہ رہے ہو تم، مگر میں اپنی سوچ کی باگیں کیسے موڑوں، جو ہمیشہ سے باسط کو ایک محبت کرنے والے انسان کا درجہ دیتی تھیں۔ دل کا تختہ الٹنا کیا اتنا آسان ہوتا ہے، بتاؤ تم۔"

باجی کا یہ سچ خاصا تلخ اور اندوہناک بھی...... میری آنکھوں کے منظر دھندلا سے گئے۔

"تو رو رہی ہے پگلی!" پل بھر میں باجی نے بھانپ لیا کہ میری آنکھیں موتی سمیٹے بیٹھی ہیں۔

"نہیں باجی! رو کر کیا کروں گی، مجھے تو آپ کے رویئے پر حیرت ہو رہی ہے، آپ نے اپنے آپ کو اپنی سوچوں کے تلاطم کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔"

"کیوں، کیا یہ کوئی انہونی بات ہے؟" انہوں نے کرب آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں، یہ سو فیصد انہونی بات ہے۔ وہ اس لئے کہ سوچوں پر کبھی بھی کسی کا بس نہیں چلا، سوچیں تو ہمیشہ ذہن میں کسی فاتح فوج کی طرح پیش قدمی کرتی چلی جاتی ہیں، مگر یہ قطعی اپنا ارادہ ہوتا ہے جب ان قدموں کی دھمک پر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے سچائیوں کی راہ بھی دیکھ لی جائے، جو یقیناً آس پاس ہی ہوتی ہے اور کوشش سے دکھائی بھی دے جاتی ہے، مگر آپ تو ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھی ہیں۔"

"میں کیا کروں، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا؟"

"جو ہو چکا ہے، اس کے بارے میں سوچنا فضول ہوگا، آنے والے وقت کے لئے کیا پلان بنانا ہے، اس کے بارے میں سوچئے کہ پروردگار دکھ کی کوئی پرچھائیں بھی آپ پر نہ ڈالے۔" میں نے چہکتی ہوئی حرا کو ان کی گود میں دیتے ہوئے کہا جو مسلسل قلقاریاں مار رہی تھی۔

"مما!" حرا باجی کے چہرے پر اپنا منہ رکھ کر پیار کرنے لگی، باجی نے بے ساختہ اسے سینے سے لگا کر اس کا منہ چوم لیا۔

"اس بات پر ایک فرسٹ کلاس چائے ہو جائے۔" باجی کو مسکراتے دیکھ کر شہری نے آواز لگائی۔

''اگر باجی چائے کے ساتھ دو سلائس لینے کا وعدہ کریں تو چائے بنے گی ورنہ نہیں۔''
''مام، اس وقت چائے کی بے حد پیاس ہو رہی ہے اور تم ہو کہ نخرے دکھا رہی ہو۔''
''مجیدن سے بنوالوں گی۔'' میں ہنسی۔
''جی نہیں، اس کے ہاتھ کا جوشاندہ ہرگز نہیں پینا۔'' اس نے بُرا سا منہ بنایا۔
''مجھے افسوس ہے جناب، میں اس وقت چائے صرف اور صرف اپنی باجی کی وجہ سے بنا سکتی ہوں ورنہ نہیں۔''
''باجی پلیز، آپ میری خاطر سلائس اور چائے لے لیجئے ورنہ مجھے بحالتِ مجبوری کھانا کھا کر جانا پڑے گا۔'' وہ شرارت سے مجھے دیکھتا ہوا بولا۔
اس کی شکل دیکھ کر باجی نے مسکرا کر رضا مندی میں سر ہلا دیا اور میں باورچی خانے میں چلی آئی۔
اور وہ چلتر، باجی کو حرا کی باتوں میں لگا کر، میرے سر پر سوار تھا۔
''ماہم، کتنے دنوں بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں!'' وہ گہرا سانس لے کر کہہ رہا تھا۔
''اس میں بھی کیا میرا قصور ہے؟''
''ہاں صرف تمہارا قصور......'' اس کا لہجہ گہرا ہو گیا۔
''ضمیر بھائی کے پاس تم آتے تو تھے......'' میں نے یاد دلایا۔
''مگر تمہیں نہیں دیکھتا تھا......''
''آنکھیں خراب ہو گئی تھیں کیا......؟''
میرا پورا حال ہی خراب تھا، دیکھتا تو کیسے دیکھتا۔
''اب کیسے ٹھیک ہو گئے......''
''قدرت کو رحم آ گیا ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا......'' وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔
''ماموں جان اور ممانی کیسی ہیں؟'' اس کو بے حد قریب دیکھ کر میں نے موضوع بدلا۔
''یاد ہیں، وہ لوگ تمہیں؟'' وہ تمسخر سے بولا۔
''کیوں، بھولنے کی بھلا کیا بات تھی؟''
''اتنے دن ہو گئے، تم ہمارے گھر کون سی آئی ہو؟'' اسے احساس تھا میرے نہ جانے کا۔
''یہ بات نہیں ہے۔ ٹائم ہی نہیں تھا، میرے پاس۔''
''اور اب؟'' وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے مجھ سے پوچھ رہا تھا۔
''اب تو بالکل بھی نہیں ہے، کالج سے گھر اور گھر سے کالج۔ باجی کی دیکھ بھال اور حرا کی نگہداشت اور پھر ابا جان کی طبیعت بھی ایسی ہی رہتی ہے۔ گھر کی پریشانیاں تم سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔''
''تو پھر، ہمارے گھر نہیں آؤ گی تم؟'' وہ اپنے لہجے میں ملال گھول کر بولا۔
''یہ میں نے کب کہا ہے۔'' میں نظریں نیچے کیے ہوئے بولی۔
''ماہم! اس نے میری دراز چوٹی اپنے ہاتھ میں لپیٹی۔
''ہوں'' اس نے پیٹھ موڑے موڑے کہا۔
''ناراض ہو، مجھ سے؟''
''ناراض تو آپ تھے......''
''تھا مگر اب نہیں۔''
''اب کیوں نہیں......؟'' میری آنکھیں جگر جگر چمکنے لگیں۔

''وہ اس لیے کہ اب میری گمشدہ چیز مجھے مل گئی ہے۔'' وہ سرشاری سے بولا۔
''میں کیا، کوئی چیز ہوں۔'' میں نے دل میں سوچا، اس ناقدری پر آنکھیں بھر سی آئیں۔
''ماہم کی بچی، اب تم نہیں روؤ گی، یہ میرا حکم ہے سمجھیں۔' اس نے میرے چوٹی کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ کر زور سے کھینچا اور میں اچانک ہی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کے سینے سے آ ٹکرائی۔
ایک لمحے کے لیے وہ بھی میری طرح حواس باختہ ہو گیا اور پھر شرارتی آنکھوں سے گھورنے لگا۔
اپنی چوٹی کو اس کے ہاتھوں سے آزاد کراتے ہوئے، آنسو بھری آنکھوں سے میں نے اسے دیکھا تو وہ اپنی خوبصورت شربتی آنکھوں میں سارے جہان کی دلکشی اور محبت کی جھلمل روشنیاں سجائے مجھی کو تک رہا تھا۔
اس کے گداز لبوں سے پھوٹتی مسکراہٹ محبتوں کے سارے رنگ لیے ہوئے تھی۔ میرا دل دھڑک اٹھا۔ یہ ساری روشنیاں یہ خوبصورت رنگ میرے ہی تو تھے۔
شہری ان دنوں روز ہی آ رہا تھا، کرکٹ سے دلچسپی کی صورت میں اس کی دوستی ضمیر بھائی سے بھی بڑھتی جا رہی تھی۔
ارتقاء باجی یوں تو ٹھیک ٹھاک تھیں مگر مجھے احساس تھا کہ وہ ایسا صرف پوز کر رہی ہیں یا وہ چپ رہتیں یا پھر کاغذوں پر کچھ نہ کچھ لکھ کر ان کے پرزے کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دیتیں۔
اب وہ پچھلے ایک ہفتے سے نہ جانے کیا لکھ رہی تھیں کہ روتی ہوئی حرا کو بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھ رہی تھیں۔
یہ سب کچھ دیکھ کر میں اس لیے نظر انداز کر رہی تھی کہ اچھا ہے دل کی بھڑاس نکل جائے تو طبیعت ہلکی ہو جائے گی۔
شہری آیا تو زبردستی انہیں بالکونی میں لے کر کھڑا ہو گیا۔ بستر کی چادر ٹھیک کرنے کے بہانے میں نے تکیہ سیدھا کیا تو تکیے کے اندر سے طلاق نامہ باہر نکل آیا۔
باسط بھائی نے طلاق کے کاغذات ڈاک سے رجسٹرڈ بھجوائے تھے جسے وصول کر کے باجی نے کسی کو بتلایا تک نہیں تھا۔
آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا لرزتے ہاتھوں سے وہ لفافہ واپس اس جگہ رکھ دیا جہاں سے وہ نکلا تھا چھوٹے چھوٹے کاغذوں پر کوئی نظم انہوں نے پچاس بار اتاری ہوئی تھی اور میری نظریں اس نظم پر دوڑنے لگیں۔

رستہ بھولنے والی لڑکی! — موجِ ہوا نے کب دیکھی ہے
مرجھائے پھولوں کی خوشبو — آوارہ مہتاب کی کرنیں
کب گنتی ہیں پھیلے جگنو — رستہ بھولنے والی لڑکی!
کاش تمہیں کوئی سمجھائے — کچی عمریں کچے دھاگے
ڈوبتے سورج کے سب سائے — بچپن کے سب دن تھے اپنے

باجی کو کمرے میں آتا دیکھ کر میں نے وہ تمام پرزے ڈسٹ بن میں ڈال دیئے۔ پتا نہیں کون بدنصیب زیادہ تھا ارتقاء باجی یا باسط بھائی یا یہ سب قسمت کا گورکھ دھندا تھا۔
معلوم نہیں، آسمان سے بادل اتر رہے تھے یا آنکھوں کے منظر دھندلا رہے تھے۔ میری کیفیت اچانک ہی ایسی ہو گئی جیسے کہ برسوں کی بیمار ہوں۔
باجی شہری کی کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ لگتا تھا کہ وہ زمانے کے ساتھ جینے کا فن سیکھ رہی تھیں۔ باجی کی ہنسی میرے دل پر مزید چرکے لگا گئی۔ اس سے قبل کہ میں باجی کے ساتھ شہری بھی میرے چہرے کی زردی دیکھتا، میں غسل خانے میں گھس کر شاور کھول کر بیٹھ گئی۔

❤ ❤ ❤

سولہ اپریل سے کاؤنٹی چیمپین سکس اور ایم سی سی کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان مقابلہ لارڈز میں کھیلے جانے والے چار روزہ میچ سے ہو رہا تھا۔ اس مرتبہ کاؤنٹی سیزن پاکستانی شائقین کے لئے بڑا پرکشش سیزن ثابت ہو رہا تھا۔ ان سب کی نظریں اس سیزن پر مرکوز تھیں کیونکہ پاکستان کے چار نوجوان اور باصلاحیت کرکٹرز انگلش سیزن میں مختلف کاؤنٹیز کی جانب سے حصہ لے رہے تھے۔ آل راؤنڈر اکرم گزشتہ تین سال سے لنکاشائر کی جانب سے کرکٹ کھیل رہے تھے جب کہ تیز ترین بولر کا اعزاز ضمیر بھائی کو حاصل تھا۔ ضمیر بھائی نے گزشتہ سال بھی ایک انتہائی کامیاب سیزن کھیلا تھا۔ گو یہ ان کا کاؤنٹی کرکٹ میں پہلا سیزن تھا مگر ان کے نام کی دھوم ہر طرف مچ گئی تھی۔ اس سال پاکستان سے جو نئے کرکٹر کاؤنٹی کرکٹ میں اپنے جوہر دکھانے گئے تھے ان میں ضمیر بھائی کسی چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ ضمیر بھائی اپنے ساتھ شہری کو بھی لے گئے تھے۔ شہری کو وہ صرف کاؤنٹی کرکٹ دکھانے کے لئے لے گئے تھے۔ شہری کرکٹ بہت اچھا کھیلتا تھا مگر وہ زمانہ اور تھا جب پاکستان کے بے شمار کرکٹرز کاؤنٹی کرکٹ میں ایکشن میں نظر آتے تھے مگر ٹیسٹ اینڈ کاؤنٹی کرکٹ بورڈ کی جانب سے آہستہ آہستہ غیر ملکی کھلاڑیوں کی تعداد کم کئے جانے اور انگریز کرکٹرز کو کاؤنٹی کرکٹ کھیلنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جانے سے کاؤنٹی کرکٹ میں حصہ لینے والے پاکستانی کرکٹرز کی تعداد محدود سے محدود ہوتی چلی گئی۔ شہری کے جانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ وہاں جا کر کھیلے جانے والے کرکٹ سے آشنائی حاصل کرے۔

ضمیر بھائی انگریزی کپتان گراہم گوچ کی کاؤنٹی ایسیکس کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اس سے قبل ایسیکس...... کی جانب سے آسٹریلین بیٹس مین مارک وا کھیلتے تھے۔ ضمیر بھائی کی یہ پوری کوشش تھی کہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسی کارکردگی پیش کریں جس سے ایسیکس کو مارک وا کی کمی قطعاً محسوس نہ ہو۔

اور پھر واقعی پوری دنیا نے دیکھ لیا کہ ضمیر احمد جو ایسیکس کی جانب سے کاؤنٹی کرکٹ کھیلنے والے پاکستانی کرکٹر تھے، مین آف دی میچ قرار پائے۔

ضمیر بھائی کی شہرت چہار سو دیکھتے ہوئے ایسیکس کے کپتان مائیک گیٹنگ نے اپنی کاؤنٹی کی جانب سے مزید انگلش سیزن کھیلنے کی پیش کش کر دی۔ تب ضمیر بھائی جو صرف پندرہ دن کے لئے انگلینڈ گئے تھے، پورے تین ماہ بعد وطن لوٹے ان کی صحت تو ہمیشہ باہر جا کر اچھی ہو جاتی تھی مگر شہری بھی خوب سرخ و سفید ہو رہا تھا۔

''اے، تمہیں کسی نے نہیں کھلایا؟'' میں نے اسے چڑایا۔

''لڑکیوں نے کھلایا تھا۔'' وہ ہنسا۔

''کیا گود لے لیا تھا؟'' میں روانی میں کہہ گئی جملہ کہنے کے بعد میں خود ہی سرخ پڑ گئی کہ میں کیا بک گئی تھی۔

''ہاں! کہہ تو ایسا ہی کچھ رہی تھیں مگر کسی کو اتنی پھیلنے کی اجازت کہاں دیتا ہوں۔'' وہ کان کھجاتا ہوا بولا۔

تب میں کھسیا سی گئی۔

وہ لوگ تو روک بھی رہی تھیں۔'' وہ مزید اترایا۔

''رک جاتے، اب کرکٹ کی جانب رواں ہو تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔''

''ہاں...... تمہارے منہ میں گھی شکر آنا، جانا تو اب لگا ہی رہے گا! خیال یہی ہے کہ اب قومی ٹیم میں بھی سلیکٹ ہو جاؤں گا اس لئے اچھے خاصے وعدے وعید کر آیا ہوں۔

''صرف وعدے وعید......؟'' مجھے ہنسی آ گئی۔

چار، پانچ من کے وعدے کئے ہیں، کوئی معمولی باتیں کر کے نہیں آئے......'' وہ آنکھوں میں شوخی بھر کر بولا۔

''بڑے کنجوس ہو، ان بے چاریوں کو صرف ٹرخا آئے، تحفے تحائف دے کر آتے تو کچھ بات بھی تھی؟''

چوڑیاں، چھلے، پراندے دے آیا ہوں اور مہندی کی کون بھی۔'' وہ میرے ہاتھ پر بنے بیل بوٹے دیکھ کر بولا۔

''اونہہ، تحفہ بھی دیا تو غلط دیا، چسنکبری میموں کے دانت اس قدر پیلے ہوتے ہیں کہ کوئلے کا منجن دے آتے تو کم از کم ان بیچاریوں کے دانت تو چمک جاتے۔''

''اچھا! آئندہ یاد دلا دینا۔'' وہ بے ساختہ ہنستا ہوا بولا۔

''خود مانجھو گے جا کر؟'' میں نے رازدانہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا مضائقہ ہے، باہر جا کر لوگ کچھ نہ کچھ مانجھا ہی کرتے ہیں، ہم بلا گھمانے کے ساتھ ساتھ حسینوں کے دانت بھی مانجھ دیا کریں گے۔'' شرارتی جملوں میں اس سے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔

ظہیر بھائی کا خط ہی کے آیا تھا ان کا پورا کا پورا خط ہی محبت بھرا تھا بھانجی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا ثمرین اور ان کی جانب سے بچی اور باجی کے لئے خوبصورت کارڈز تھے اور بس۔

''اونہہ، یہ ماموں نے بھیجا ہے، باہر جا کر لوگ کیا اتنے بدل جاتے ہیں کہ اپنے بہن بھائیوں کو بھی صرف ملنے والے سمجھنے لگتے ہیں۔'' کارڈز کا پلندہ میں نے باجی کے سرہانے رکھ دیا۔

''ظہیر نے حرا کے لئے کیا کوئی چیز بھی بھیجی ہے!'' خط پڑھ کر ابا جان پوچھ رہے تھے۔

''دعا و پیار سے لبریز خوبصورت کارڈز بھیجے ہیں۔'' میں ہنس دی۔

''ٹھیک ہے جس کے پاس جس چیز کی کمی ہو، وہی دوسروں کو دیتا ہے۔'' باجی نے منطق گھڑی۔

''کیوں؟ کیا ہم ظہیر بھائی سے محبت نہیں کرتے۔'' یا ان کی صحت و سلامتی کے لئے دعائیں نہیں مانگتے۔''

''ڈاک کا نظام بے حد خراب ہے، انہیں یہ چیزیں تاخیر سے اور تڑپ تڑپ کر ملتی ہوں گی۔'' شہری نے حرا کو اچھالتے ہوئے کہا جو مارے خوشی کے خوب قلقاریاں مار رہی تھی۔

''ظہیر بھائی امریکہ جاتے وقت، تو خوب ڈائیلاگ بول رہے تھے کہ اپنے گھر کی حالت بدلنے کے لئے جا رہا ہوں اب بھانجی کے لئے کوئی تحفہ تک نہیں بھیجا گیا، بڑے بھائی ہو کر سوکھی مبارک باد پر ٹرخا رہے ہیں۔'' ظہیر بھائی کے رویے پر مجھے پہلی دفعہ غصہ آیا تھا۔

''پاگل ہو تم، ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ خدا کا ہزار ہا احسان ہے کہ ہمارے گھر میں ہر نعمت موجود ہے، آنے والا ہر دن پہلے سے بہتر ہے، تو ظہیر کے تحفے تحائف کی کیا ضرورت ہے۔'' ابا جان نے رسان سے مجھے سمجھایا۔

''ہاں، آپ تو بس ہر ایک کی کوتاہی نظر انداز کرتے رہا کریں۔'' میں بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئی۔

''اسے کیا ہو گیا ہے ارتقاء پہلے تو یہ ایسے نہیں سوچا کرتی تھی۔'' ابا جان کہہ رہے تھے۔

''پتا نہیں، اسے کیا ہو گیا ہے، لگے بندھے انداز میں کیوں سوچتی ہے۔'' باجی کی آواز بھی میرے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

''کسی کو کچھ نہیں ہوا، صرف گرمی لگ رہی ہے۔'' شہری میز بجاتا ہوا کہہ رہا تھا اور ابا جان اس کی بات پر ہنس رہے تھے۔

''ماہم! ٹھنڈا یخ ملک شیک بنا لاؤ، مجھے معلوم ہے تم بھی پیو گی۔'' وہ کمرے سے آوازیں لگا رہا تھا۔

♥ ♥ ♥

شہری کا سلیکشن ''سٹی کرکٹ کلب'' میں ہو گیا تھا۔ اس خوشی میں ممانی نے میلاد کا انعقاد کرایا تھا۔ سب ہی رشتے دار جمع تھے۔ فرحین بھی آئی ہوئی تھی، شاکنگ پنک پشواز کے ساتھ فیروزی شلوار دوپٹے میں نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ ارتقاء باجی بہانہ بنا کر گھر میں رک گئی تھیں اور میں چپ چاپ بیٹھی انہی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی کہ انہوں نے از خود اپنے آپ کو گھر میں قید سا کر لیا تھا کہیں پر بھی جانے کو تیار نہیں ہوتی تھیں حالانکہ شہری ان سے کتنا کہہ کر آیا تھا کہ آپ کو ضرور آنا ہے اس کے اصرار کو دیکھتے ہوئے وعدہ بھی کر لیا تھا مگر عین وقت پر آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''ہیلو کیسی ہیں آپ؟'' فرحین میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''ٹھیک ہوں۔'' میں زبردستی مسکرائی۔

''ارتقاء باجی کیوں نہیں آئیں..........؟''

''حرا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔'' میں نے پہلے سے سوچا ہوا بہانہ گھڑا۔

''اور اب کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے مجھے بغور دیکھ کر پوچھا۔

''میری طبیعت؟ مجھے کیا ہونا تھا بھلا؟'' میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ماہم! ایک بات پوچھ سکتی ہوں اگر اجازت دیں تو......؟'' وہ مجھے سر تا پا دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''پوچھئے.........'' میرے دل میں جھکڑ سے چل رہے تھے کہ نہ جانے یہ فرحین کیا پوچھنا چاہ رہی ہے۔ شہری نے اسے کیا کچھ بتا دیا ہے۔

''آپ میں اتنا چینج کیسے آ گیا؟''

'اور یہ بات ہے، اس کا سوال سن کر میں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کیسا چینج..........؟ میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکی ہوں۔''

''آپ نے کون سا سلمنگ سینٹر جوائن کیا ہے کہ بالکل ہی باریک ہو گئی ہیں میں تو اتنی کوشش کرتی ہوں مجال ہے کہ کچھ ہو جائے، لگتا ہے کہ خالی پانی بھی لگتا ہے۔'' وہ حسرت سے بولی۔

''ارے فرحین، میں موٹی تو کبھی تھی ہی نہیں، ازل سے دبلی ہوں، اس لئے اندازہ نہیں ہے کہ مزید دبلاپے کی طرف گامزن ہو چکی ہوں اور آپ موٹی کہاں ہیں۔ آپ تو ماشاءاللہ بہت اسمارٹ ہیں۔''

''ارے، میرا ذکر چھوڑیئے۔ آپ یہ بتایئے کہ آپ اتنی پیاری اور کیوٹ سی ہیں، شہری نے آپ کو یقیناً یہ بات بتائی ہو گی۔'' وہ رازدارانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''مگر، کیوں..........؟'' میں حیرت سے فرحین کو دیکھ رہی تھی۔

''وہ اس لئے کہ شہری یہ بات آپ کو بتانا چاہتا ہے۔'' فرحین کا لہجہ یکدم چور سا ہو گیا۔

''کیا اس نے آپ سے کچھ کہا تھا؟'' میں نے کریدا۔

''کہا تو نہیں تھا مگر مجھے اندازہ ہے۔'' وہ اپنے آپ پر قابو پا کر بولی۔

''بعض اندازے غلط بھی ہو سکتے ہیں۔'' میں نے جان چھڑانی چاہی۔

نہیں ماہم! یہ میرا اندازہ قطعی غلط نہیں ہو سکتا۔'' لہجہ وثوق بھرا تھا۔

''مگر کیوں..........؟'' میں الجھی نہیں۔

''میں شہری کو اتنا جانتی ہوں جتنا کہ کوئی نہیں جانتا ہو گا۔''

''معلوم ہے مجھے بتایا تھا اس نے کہ آپ اس کی دوست ہیں۔'' ذومعنی باتوں سے نہ صرف مجھے چڑ تھی بلکہ الجھن علیحدہ تھی۔

''اسی لئے تو پوچھ رہی ہوں کہ شہری نے آپ کو اپنی محبت کا یقین دلایا ہو گا اگر ایسا ہے تو آپ سمجھ لیجئے گا کہ وہ اپنے جذبوں میں بڑا راسخ ہے۔ اگر آپ اسے نہ ملیں تو وہ پاگل ہو جائے گا۔''

''فرحین پلیز، اسٹاپ دس ٹاپک۔'' میرا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا۔

''مگر کیوں، کیا آپ کو شہری کے جذبوں پر یقین نہیں؟''

''نہیں، میں اپنا دامن محبت کے نام پر جلانا نہیں چاہتی، ویسے بھی یہ سارے مرد ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، محبت کے نام پر تباہ کرنے والے، ان کے دل احساسات سے عاری ہوتے ہیں۔ ان کے جذبے تو ہوا کے جھکڑ کی طرح ہوتے ہیں جنہیں کوئی نہیں باندھ سکتا۔'' میری آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔ جن کے شعلوں میں مجھے باسط اور آصف کے مکروہ چہرے اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ نظر آ رہے تھے۔

''ماہم! پلیز، آپ سب کے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتیں۔''

''فرحین میں کیا کروں کہ میرا ایمان اب محبت سے اٹھ گیا ہے۔'' میں پانی پینے کے لئے کمرے میں آئی تو فرحین بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی گویا یہ سوچ کر آئی تھی کہ میرا پیچھا ہرگز نہیں چھوڑے گی۔

''ماہم، کیا آپ یقین کریں گی کہ شہری آپ کے بارے میں شروع سے ہی سنجیدہ ہے۔''

''چلئے میں یقین کر لیتی ہوں۔ اب تو آپ خوش ہے ناں۔'' میں نے چبا چبا کر کہا۔ شہری کی چمچی۔ میں زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

تب ہی دوسرے کمرے سے نکلتا ہوا شہری میرے قریب آ گیا اور سوچوں کی پٹڑی پر قابو پاتی ہوئی ذہن کی گاڑی یک دم رک سی گئی۔ آف وائٹ کرتے شلوار میں اس کا دراز قد مزید نمایاں ہو رہا تھا۔

''کون خوش ہیں؟ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''سب ہی خوش ہیں، سٹی کرکٹ کلب میں شامل ہو جانا واقعی ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔'' میں نے بات بنائی۔

''تمہیں کیا ہوا.........؟ تمہارے چہرے پر کیوں بارہ بج رہے ہیں؟'' شہری فرحین کی طرف دیکھتا ہوا بولا اس کا چہرہ دھواں دھواں سا تھا۔

''ہماری شکل ہی ایسی ہے، بارہ تو کیا سولہ اور اٹھارہ بھی بجتے ہیں۔'' وہ کھلکھلائی۔ اور میں اس کی ٹوٹتی ہوئی ہنسی پر چونک سی گئی زخموں کی ٹیسیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے من میں نہ جانے کون سا دکھ تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو نا؟'' میں نے متوحش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں تو ہمیشہ ٹھیک رہتی ہوں، کیوں شہری بتاؤ ناں اپنی کزن کو۔'' وہ ٹہوکا دے کر کہہ رہی تھی۔ لمحہ بھر پہلے کی کیفیت بھی اب باقی نہیں تھی۔

''تم تو ہمیشہ فرسٹ کلاس موڈ میں رہنے والی میری دوست ہو اور اس وقت فرسٹ کلاس چائے لے آؤ، ماہم شاید چائے کے چکر میں ہال سے اٹھ کر میرے کمرے میں چلی آئی ہیں۔'' وہ شوخ لہجے میں کہہ گیا۔

''ابھی لائی۔'' وہ چٹکی بجا کر کسی بوتل کے جن کی طرح غائب ہو گئی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آج ہی اچھی لگ رہی ہوں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے میرے لئے میں ہوں ہی اچھی۔''

مگر آج تم بے حد اچھی لگ رہی ہوں۔ اس آسمانی سوٹ میں میرے کمرے میں میرے پاس کھڑی ہوئی، بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' اس نے جذب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''قصور تمہارا نہیں ہے، اس عمر میں تمام لڑکوں کو لڑکیاں اچھی ہی لگا کرتی ہیں۔''

''اوں ہوں، سب لڑکیاں اچھی نہیں لگا کرتیں صرف وہ.......... جو آسمانِ محبت کا چاند ہو.....
اور چاندنی بن کر میرے دل میں اتر جائے۔

''تم نے سٹی کرکٹ کلب ناحق جوائن کیا، تمہیں تو شاعر ہونا چاہئے تھا۔'' میں نے اسے چھیڑا۔

''اسے تو تم ہماری اضافی خوبی سمجھ سکتی ہو، جب چھکا نہیں لگ سکے گا تو شعر سنا کر چھکے چھڑا دیا کریں گے۔''

''کچھ ایسا ہی نظر آرہا ہے بلا والا تو نہیں گھومے گا بس مشاعرہ پڑھ کر آجایا کرنا، شاید کوئی کپتان اللہ واسطے کے تمہارے اسکور میں شامل کر دے۔''

''ماہم کی بچی.........'' وہ میری چٹیا کھینچنے کے لئے لپکا مگر اسی اثناء میں ممانی جان کمرے میں آچکی تھیں۔

''ماہم بیٹی، تم یہاں ہو مہمان خواتین مغرب کی نماز سے فارغ ہولیں تو کھانا شروع کرا دیا جائے، تم آکر ذرا میرا ہاتھ بٹانا۔''

''اچھا ممانی جان۔'' میں اس کو منہ چڑاتی ممانی کے ساتھ باہر نکل آئی اور وہ اپنا گھونسا دوسرے ہاتھ پر مار کر رہ گیا۔

♥ ♥ ♥

کالج میں پارٹی تھی، سب کے ساتھ بے حد انجوائے کیا تھا۔ آج سب فرینڈز یونیفارم کے بجائے رنگا رنگ کپڑوں میں ملبوس تھیں اور سب ہی بہت پیاری لگ رہی تھیں! ہم سب ایک دوسرے پر ریمارکس پاس کرتے ہوئے کالج سے باہر نکلے.......... کہ یکا یک نصرت کی سینڈل کا اسٹریپ ٹوٹ گیا۔

''ہائے آج میری نئی سینڈل نے دغا دے دی۔ اللہ، اب پیر گھسیٹتے ہوئے گھر کیسے جاؤں گی۔'' وہ گھبرا سی گئی۔

''یہاں سے ملے گا کوئی رکشہ اور اگر نظر بھی آگیا تو رکشہ والا اتنے قریب جانے پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔''

''تم اس سے کہہ دینا پلیز جانا ہے، وہاں سے گھوم کر گھر چلی جانا۔'' مسرت کو ایسے موقع پر بھی مذاق سوجھ رہا تھا۔

''معلوم ہے کہ تمہارا منگیتر ملیر میں رہتا ہے۔ تمہاری سوچ مجال ہے کہ کبھی ملیر سے آگے بڑھے جو بھی بات کریں گی ملیر پہنچ کر دم لیں گے۔'' نصرت نے اچھی خاصی کھنچائی کر دی۔

''اللہ، میں کب ملیر کا ذکر کرتی ہوں، خواہ مخواہ کے بہتان نہ باندھو۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''کیوں، آج پارٹی میں امرود کی چاٹ کھا کر تم نے نہیں کہا تھا کہ چاٹ مزیدار ہے، ملیر کے امرود لگ رہے ہیں۔ صبیحہ جب نازش کا ایڈریس پوچھ رہی تھی تو تم نے وضاحت نہیں کی تھی، یو ون میں بیٹھ جانا، وہ ملیر ٹنکی سے ہوتی ہوئی جاتی ہے۔ رابعہ جب حیدر آباد جانے کا ارادہ ظاہر کر رہی تھی تو تم نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اب تیز گام ملیر کے اسٹیشن پر رکتی ہے، وہیں سے بیٹھ جانا، کینٹ اسٹیشن تمہیں دور پڑے گا۔''

''خدا تمہیں سمجھے۔ نصرت، بات کا بتنگڑ بنانا شاید اسی کو کہتے ہیں تمہاری سینڈل ٹھیک ٹوٹی ہے، خدا کرے، دوسری بھی ٹوٹ جائے اور تم یونہی پیر گھسیٹتی ہوئی تماشا بنتی ہوئی گھر جاؤ۔''

''ہاں، ہاں تم تو کہو گی۔ شکر ہے کہ یہ نہیں کہا کہ ملیر کی مارکیٹ سے.......... تو مجال ہے کہ سینڈل ٹوٹتی پیر ٹوٹ جاتا، ٹانگ میں فریکچر ہو جاتا مگر ملیر کی جوتی اچھی رہتیں۔'' نصرت نے اس قدر چبا چبا کر کہا کہ مسرت بھی اپنے قہقہے روک نہیں سکی۔

''بے وقوف حسیناؤ، یہ وقت آپس میں الجھنے کا نہیں ہے۔ یہ سوچو کہ نصرت کا مسئلہ کس طرح حل کیا

جائے۔'' گیت نے پہلی دفعہ زبان کھولی۔

''اے بے وقوف کیوں کہا، ہمیں..........؟'' مسرت نے آنکھیں دکھائیں۔

'میں نے سوچا، جب حسینہ کا الزام ہنسی خوشی برداشت کر سکتی ہو، تو ایک کھرا سچ بھی سہہ لو.....'' گیت بھی کم نہیں تھی۔

''دیکھا پھر الجھنے لگیں۔ یہ کسی کو احساس نہیں کہ میں کتنی دقت سے چل رہی ہوں۔'' نصرت مسرت کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی.........

''یار کیوں نہ ایک قلی کر لیں۔'' نجمہ دور کی کوڑی لائی۔

قلی کر لیں مگر کیوں بھئی؟'' سب یک زبان ہو کو حیرت سے بولیں۔

''اس موٹی کو اٹھا کر گھر تک پہنچا دے گا ورنہ یہ تو یونہی بور کرے گی۔ اتنی سخت گرمی میں صرف اس کی وجہ سے ٹھک ٹھک کر چلنا پڑ رہا ہے۔''

''نجمہ کی بچی، سوکھی، اب اگر کچھ بولی ناں تو ایمان سے یہی سینڈل اتار کر ماروں گی۔'' نصرت جھینپ ہی تو گئی تھی، اپنے شرارتی ٹولے کی تجاویز سن کر۔

''بھئی مار لینا مگر فی الوقت پارٹی کا مزہ غارت مت کرو، ہائے آج کالج میں کتنا مزہ آیا تھا اور یہ سارا مزہ نصرت کی بچی نے غارت کر دیا، میں تو سوچ رہی تھی روسٹ بروسٹ کا ذائقہ گھر جا کر دو گھنٹے بعد تک بھی رہے گا مگر اب تو سب بھول گئے کہ کیا کھایا تھا، کیا پیا تھا یاد ہے تو بس نصرت کی یہ دو ٹکے کی سینڈل جس نے بور کر دیا اور سخت گرمی میں ٹہلا کر ہمارے میک اپ کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم سب لوگ جاؤ، میں خود ہی گھر پہنچ جاؤں گی۔'' نصرت روہانسی ہوگی۔

''کاش، یہ بات تم ایک گھنٹے پہلے کہہ دیتیں، اب جا کر کیا کریں گے۔'' گیت مسکراتے ہوئے ہنسی تو پورا گروپ قہقہوں کی زد میں آگیا۔

''سنو، فیروزہ کا گھر قریب ہے۔ اس کے گھر سے کوئی چپل لے لیں گے اور یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ وہ آج پارٹی میں کیوں نہیں آئی۔'' میں نے نصرت سے کہا تو یک دم وہ کھل سی گئی۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے فیروزہ کا گھر تو بس دو قدم پر ہے۔'' وہ بشاشت سے بولی۔

''دو قدم پر ہمارے لئے ہے تمہارے لئے دو سو قدم پر ہے۔'' فرحین نے چھیڑا۔

''اب تم اپنی چونچیں بند رکھو، فیروزہ کی بہنیں سنیں گی تو کیا کہیں گی۔''

''کیا کہیں گی، یہی کہ بس اس کالج میں ان کی بہن کے سوا سب ہی علامائیں پڑھتی ہیں۔'' فرحین نے لہک کر کہا، یہ حقیقت تھی کہ فیروزہ بے حد کم گو اور سادہ سی لڑکی تھی۔

فیروزہ کے گھر ہم لوگ پہلی دفعہ آئے تھے۔ کسی مکان کے صرف دو کمرے کرائے پر لئے گئے تھے۔ وہ سات بہنیں اپنے والدین کے ساتھ ان چھوٹے چھوٹے کمروں میں گزارہ کر رہی تھیں۔ فیروزہ کے گھر جا کر اندازہ ہوا کہ غربت اپنے بازو پوری طرح پھیلائے ان سب پر حاوی ہے۔ ڈھنگ کی چار کرسیاں بھی ان کے ہاں نہیں تھیں، ہم سب چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔

''فیروزہ پارٹی میں کیوں نہیں آئیں؟'' فرحین نے پوچھا۔

''بس دل نہیں چاہا اور پھر بڑی آپا کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔'' وہ دھیرے سے بولی، چہرے پر ملال اور زردی ہم وزن تھی اور میں ایک نظر میں جان گئی کہ فیروزہ کے لئے کالج میں ریگولر اسٹوڈنٹ کے طور پر پڑھنا ہی مسئلہ ہو گا۔ وہ پارٹی میں آتی بھی تو کیونکر آتی۔

فیروزہ چونکہ انتہائی کم گو تھی اس لئے کبھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کن مشکلات سے کالج آتی ہوگی۔ یہ کالج

یونیفارم کتنے لوگوں کے بھرم قائم رکھتا ہے اس کی افادیت کا احساس آج ہو رہا تھا۔

فیروزہ کی بہنیں تمام کی تمام انتہائی خوبصورت تھیں بلکہ سلیقہ مند بھی، چھوٹا سا گھر ان کے سلیقے کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ابھی ہمیں بیٹھے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ چھوٹی بہن ایک ٹرے میں شربت کے گلاس سجا کر سب کے لئے لے آئی۔

''ارے، اتنا تو ہم لوگ ٹھونس کر آ رہے ہیں، اس کی بھلا کہاں گنجائش تھی۔'' فرحین سب سے پہلے گلاس چڑھاتے ہوئے بولی۔

''گرمی کس قدر ہے، پانی کتنی ہی بار پی لو، پیاس بار بار لگتی ہے۔'' فیروزہ کی بہن متانت سے سب کو گلاس دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

دوسرے کمرے میں ایک مانوس سی آواز ابھری تو میرے کان چونک سے گئے۔

''اچھا فیروزہ، ہم چلتے ہیں۔ آپ کے ہاں شاید کوئی مہمان وغیرہ بھی آئے ہوئے ہیں۔''

ارے، وہ تو صفدر بھائی ہیں...... مہمان تھوڑی ہیں......'' فیروزہ کے چہرے پر بشاشت سی پھیل گئی۔

''آپ کے بڑے بھائی ہوں گے......؟'' میں نے یونہی تکا چلایا حالانکہ میں واقف تھی کہ فیروزہ کا کوئی بھائی نہیں ہے۔

''نہیں، ہمارا کوئی حقیقی بھائی نہیں ہے، ابو جس کمپنی میں کام کرتے ہیں، صفدر بھائی بھی وہیں جاب کرتے ہیں۔''

''یہ کہئے کہ آپ کے ابو کے دوست ہیں۔'' صفدر کی یہاں موجودگی سے مجھے ان کی اوقات معلوم ہو رہی تھی کہ خوبصورت لڑکیوں کا گھرانا تھا۔

''وہ تو سب ہی کے دوست ہیں۔'' فیروزہ اپنی مخصوص دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''یہ بڑے گٹس کی بات ہوتی ہے کہ ایک شخص ہر عمر کے لوگوں کا دوست بن جائے۔'' نصرت نہ سمجھتے ہوئے بھی عادتاً بول اٹھی۔

ارے وہ تو بڑا پیارا بچہ ہے ہمارے گھرانے کا فرد ہی سمجھو۔ خدا اسے خوش رکھے، اس کے آنے سے پورے گھر میں رونق ہو جاتی ہے۔'' فیروزہ کی امی دعائیہ انداز میں ذکر کر رہی تھیں۔

''اچھا تو آپ کے رشتے دار ہوں گے؟'' لڑکیوں کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے میں نے قصداً پوچھا۔

''رشتے دار تو نہیں ہیں مگر رشتے داروں سے بڑھ کر ہیں۔'' فیروزہ دور کہیں سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہ موصوف جہاں چلے جائیں گے، چھا جانے کی صلاحیت ضرور رکھتے ہیں۔

فیروزہ کے گھر سے لڑکیاں ہنستی ہوئی باہر نکلیں۔ ہنسی مذاق کا سلسلہ جو فیروزہ کے گھر میں بیٹھنے کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا وہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

پارٹی پر تبصرے اپنے جاندار انداز میں ہو رہے تھے۔ لڑکیوں کو لاابالی پن کے ڈھیروں ڈھیر مطلب اخذ کئے جا رہے تھے لباس سے لے کر جیولری تک بحث کا موضوع بنی ہوئی تھی۔

''اگر سلمٰی کی سفید بندیا اور گرین بریسلیٹ ماہم نے پہنا ہوتا تو بندیا کی دلکشی میں بھی اضافہ ہو جاتا۔'' فرحین ہانک رہی تھی۔

''سلمٰی کی گرین ساری مجھ پر زیادہ سوٹ کرتی۔'' گیت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

کمبختو۔ آخر سلمٰی نے بھی تو کچھ نہ کچھ پہننا ہی تھا۔ یہ ڈاکوؤں کی طرح بنا پوچھے اس کی تمام چیزیں کیوں لینے لگی ہو۔'' نصرت نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا تو سب ہی کے دبے دبائے قہقہے فلک شگاف ہو گئے۔ یہاں تک کہ راہ چلتے لوگ بھی مڑ مڑ کر دیکھنے لگے اور میں سب کے قہقہوں سے بے نیاز چپ چاپ چل رہی تھی۔ فیروزہ اور صفدر، صفدر اور فیروزہ دو نام میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔

صفدر تمہارا مقام اگر میرے ذہن میں کبھی بہتر ہوتا تو صرف تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے فوراً ڈھے جاتا ہے صرف اسی وجہ سے!

بعض لوگوں کو شاید عزتیں راس نہیں آتیں۔ کمپنی میں جاب مل جانے کے باوجود...... تم آج بھی وہیں کھڑے ہو، جہاں پہلے دن تھے! چھچھورے اور کمینے سے۔

مارے نفرت اور کراہیت کے میں نے زمین پر تھوک دیا جیسے صفدر میرے سامنے کھڑے ہوں۔

♥ ♥ ♥

''میرا کوئی خط آیا۔''

''نہیں۔''

''کوئی ٹیلی فون آیا۔''

''نہیں۔''

''آج آلو گوشت تو نہیں پکا۔''

''وہی پکا ہے۔''

اُف ساری باتیں طبیعت کو مزید بور کر دینے والی تھیں۔ کالج سے آ کر جو سوال میں روزانہ کیا کرتی تھی ان کے اسی فیصد وہی جوابات تھے جو روزانہ مجھے مجیدن دیتی تھی۔

''چھوٹی بی بی، میں کھانا لے آؤں آپ کے لئے، آپ منہ دھو لیں۔''

''منہ ہاتھ دھونے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا، تم خواہ مخواہ میرا ہر وقت منہ مت دھلوایا کرو۔'' مجھے بے وجہ غصہ آ گیا۔

''اچھا کھانا لے آؤں آپ کے لئے؟'' وہ خوشامد سے بولی۔

''نہیں، مجھے نہیں کھانا ہر اندھ مارا آلو گوشت۔''

''کوئی اور چیز پکا دوں آپ کے لئے؟''

''نہیں۔'' میں بالوں میں برش مار کر بیگ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ...... کھانا نہیں کھائیں گی...... بڑے صاحب نے پوچھا تو کیا کہوں؟''

''ابھی آتی ہوں میں اپنے لئے ایک دو کتابیں لے آؤں تاکہ طبیعت کی کسلمندی ختم ہو۔'' دروازہ دھیرے سے برابر کر کے میں باہر آئی۔

کتابوں کی دکانیں ہمارے گھر سے کچھ زیادہ دور نہیں تھیں۔ موسم ابر آلود تھا۔ پیدل چلنا اچھا لگ رہا تھا میں اپنے پسندیدہ مصنفین کی کتابوں کے نام ذہن میں سوچے چل رہی تھی کہ اچانک قریب سے گزرتی ہوئی کار پر نظر پڑی۔ سرخ شیراڈ تو اپنی ہی تھی، ضمیر بھائی چلا رہے تھے مگر ان کے برابر بیٹھی ہوئی وہ موٹی سی لڑکی کون تھی جس نے شوخ سے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ لڑکیوں سے دوستی کرنے میں ضمیر بھائی کا کردار بے داغ تھا مگر وہ لڑکی...... کون تھی...... میرا ذہن چک پھیریاں سی لے رہا تھا۔ وہ دونوں شاید باتوں میں اس قدر مگن تھے کہ ضمیر بھائی نے مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔ حد ہو گئی دیدہ دلیری کی کہ اپنے گھر کے قریب ہی لئے لئے اڑ رہے ہیں اور بہنوں کو بھنک تک بھی نہیں ہے۔

''ہو سکتا ہے، کسی دوست کی بیوی کو ڈراپ کر رہے ہوں، کسی نے لفٹ لی ہو، میرا ذہن تاویلیں گھڑنے لگا۔

نہیں کوئی بات ہے ضرور، ضمیر بھائی اتنے سر جھکا کر تو کبھی ہماری بات نہیں سنتے تھے۔ وہ لڑکی ضرور کوئی

خاص لڑکی تھی جس کو آج سے پہلے میں، میں نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ میری یادداشت کے مطابق اس لڑکی کا تعلق ان کے کسی دوست یا جاننے والوں میں سے بھی نہیں تھا۔

کیسی کتاب اور کہاں کا پڑھنا، کتابوں کی دکان پر پہنچ کر بھی ذہن اسی سمت لگا رہا۔

''آپ کو کون سی کتاب چاہئے؟'' دکان دار یوں چپ چاپ کھڑا دیکھ کر مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

اس کی بات میں چونکی۔ بے دلی سے دو چار کتابوں کو الٹا پلٹا اور دکان سے باہر نکل گئی۔

شام کو ضمیر بھائی کو میں بغور دیکھ رہی تھی۔ گنگناتے ہوئے تیار ہو رہے تھے۔ شوخ سے رنگ کی بوشرٹ پہن رکھی تھی جسے مسلسل پرفیوم میں بسا رہے تھے۔

''کسی خاص تقریب میں جا رہے ہیں آپ؟'' میں نے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کرکٹرز جس تقریب میں چلے جائیں، وہ خاص ہی ہو جاتی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے۔

''کرکٹ سے متعلق کوئی تقریب ہے؟''

''نہیں......؟'' وہ بال سنوارتے ہوئے بولے۔

''کوئی گھریلو تقریب؟'' میں کسی کوئز پروگرام کے میزبان کی طرح جرح کر رہی تھی۔

''کہہ سکتی ہو......''

''پھر مجھے لے چلئے ناں، ایمان سے سخت بور ہو رہی ہوں آج۔''

''تم کیا کرو گی جا کر؟'' وہ چونکنے انداز میں بولے۔

''وہی، جو آپ کریں گے۔'' میں نے اپنی ہنسی روکی۔

''میرے تو وہاں کولیگز ہوں گے۔ تم تو وہاں کسی کو نہیں جانتی ہو۔'' یکدم وہ پریشان سے نظر آئے کہ میں کہیں ان کے ساتھ چل ہی نہ پڑوں۔

ضمیر بھائی آپ کے حوالے سے تو سب مجھے جان جائیں گے۔ کیا مضائقہ ہے ذرا میں بھی تو دیکھوں میرے بھائی کے چاہنے والے کون کون لوگ ہیں؟'' میں نے لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم......؟ میرا کون چاہنے والا ہو گا؟'' وہ یک دم بوکھلا گئے۔

''افوہ......آپ کے اتنے ڈھیر سارے فین نہیں ہیں کیا۔؟'' ان کی بوکھلاہٹ سے مجھے مزہ آیا۔

''ہاں ''فین'' تو میرے بہت سارے ہیں۔'' وہ کھسیا کر ہنسے۔

''میں بھی انہیں کے بارے میں کہہ رہی تھی۔''

''اچھا اچھا، یہ بات تھی۔'' بوکھلاہٹ ابھی تک طاری تھی۔

''ضمیر بھائی، ایسے معاملوں میں بہنوں سے چھپایا نہیں جاتا۔''

''کیسا معاملہ......؟'' انہوں نے پھر رسیاں تڑائیں۔

''آج دوپہر کا معاملہ، کس کے ساتھ جا رہے تھے، آپ تین بج کر بیس منٹ پر......؟''

''اوہ، یہ بات ہے، میں بھی حیران تھا کہ یہ ماہم کی بچی آج اتنی کرید کیوں کر رہی ہے؟''

''کون تھیں وہ محترمہ......؟''

''میری فین تھی اور بس......'' وہ مسکرائے۔

''صرف، فین......؟'' میں ہنسی۔

فی الحال تو فین ہی سمجھ لو، آگے کا معاملہ تو تم نے اور ارتقاء نے ہی سنبھالنا ہے۔'' وہ وہیں کوچ پر ٹک گئے۔

''کون ہیں؟ کیاں ہیں، کچھ تو پتا چلے۔''

''سیٹھ احسانی کی لڑکی ہے، وہی سیٹھ احسانی جن کی کپڑے کی ملیں ہیں۔'' انہوں نے فخر سے بتایا۔

''یہ کہئے نا کہ مل اونر کی صاحب زادی ہیں اور آپ کی فین بھی ہیں۔''

''ہاں، یہی بات ہے آج تو نہیں مگر جلد ہی تمہیں سوئٹی سے ملواؤں گا!''

''سوئٹی نام ہے ان کا......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، نام تو ان کا تانیہ ہے مگر گھر میں سب سوئٹی کہتے ہیں۔''

''اور آپ بھی انہیں سوئٹی کہتے ہیں۔'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''ظاہر ہے، جب سب گھر والے کہیں گے تو میں نہیں کہوں گا۔'' وہ ہنس کر باہر نکل گئے۔

اور میں اس اندازِ تخاطب پر ہی اندازہ لگانے لگی کہ تانیہ ضمیر بھائی کی زندگی میں کہاں تک داخل ہو چکی ہے۔

♥ ♥ ♥

کالج اور یونیورسٹی کے زمانے میں باجی مشاعروں میں بہت زیادہ تو نہیں، ہاں تھوڑا بہت حصہ ضرور لے لیا کرتی تھیں، ان کی نظمیں، غزلیں اکثر مختلف ماہناموں اور اخبارات میں بھی شائع ہو جاتی تھیں مگر جب باسط بھائی کے ساتھ ان کا افیر چلا تھا تو وہ لکھنا، لکھانا سب بھول بیٹھی تھیں۔ باسط بھائی کی محبت میں وہ اپنا آپ بھول گئی تھیں تو نظمیں، غزلیں کس خاطر میں آتیں، مگر باسط بھائی کی بے وفائی نے ان کے ہاتھ میں دوبارہ قلم پکڑا دیا تھا۔ اب وہ اپنا زیادہ سے زیادہ ٹائم لکھنے میں صرف کرتی تھیں۔

ضمیر بھائی کا بھی یہی خیال تھا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ لکھنا چاہیے۔ اس سے ان کے ڈیپریشن میں بھی کمی ہو گی مگر وہ تو مسلسل لکھنے میں لگی رہتیں، دن اور رات کی پرواہ کئے بغیر......

''کیا بات ہے باجی! یہ نظمیں غزلیں کچھ زیادہ ہی آپ کے سر پر چڑھ گئی ہیں۔ اتنا منہ نہ لگائیں کہ انہیں خواہ مخواہ ہی اترانے لگیں گی۔''

''ہم نے تو جس کو بھی منہ لگایا، وہی اترا گیا۔''

''دیکھئے جناب، فلسفہ نہیں چلے گا، بس آپ مجھے اتنا بتا دیجئے کہ کیا آپ کو لکھتے ہوئے اتنا انوالو ہو جانا چاہیے کہ آپ کو اپنے کھانے پینے کا بھی خیال نہ رہے، صرف اپنا بلکہ حرا کا بھی نہیں......آپ نے دیکھا ہی نہیں، مجیدن نے گندی بوتل میں حرا کا دودھ بنا دیا، پیتے ہی حرا کو الٹی آ گئی، کتنی کمزور ہو گئی ہے حرا آپ نے غور کیا۔''

''ماہم، میں اپنا مجموعہ ترتیب دے رہی ہوں آج کل۔ حرا ٹھیک ٹھاک ہے، بچے الٹیاں کرتے ہی رہتے ہیں، اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں تو پھر سکون ملے گا مجھے۔''

''اوہ، یہ بات ہے۔'' میں سیٹی بجاتے بجاتے رہ گئی۔

''ہاں، اکیلے پڑے کیا کرتی۔ سوچا کہ یہی کام کر لیا جائے، شاید اس کے سہارے ظالم وقت سے کوئی خوشی کشید کر لوں۔''

''خوشی کی بات اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ آپ کا نام آپ کی کتاب پر پکی روشنائی سے چھپا ہو گا، لوگ ذوق و شوق سے پڑھیں گے، نام بھی سوچا کچھ، کہ مجموعے کا کیا نام رکھا جائے گا''

''ہاں، سوچ لیا۔'' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

بتائیں گی یا یہ ابھی صیغۂ راز میں رہے گا۔ اکثر شاعر لوگ مجموعہ آنے سے پہلے اس کا نام یوں چھپاتے ہیں جیسے اپنی کسی خاص ڈش پر ڈھکن رکھ رہے ہوں۔''

''تال، پاتال۔'' کیسا رہے گا؟''

''آپ زیادہ بہتر جانتی ہیں، مجھے شعر کی سمجھ نہیں آتی تو نام کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آپ پال، چوپال بھی رکھ لیں تو بھی اچھا ہے، مال، اموال بھی ٹھیک رہے گا۔ یوں مناسب تو جال، دجال بھی رہے

گا۔ چال، متوال بھی خوبصورت نام ہے۔" میں ایک سانس میں بکے چلی گئی۔

"یہ چال، متوال کیا ہوا؟"

"آپ نہیں جانتیں؟ میں نے ہنسی روک کر پوچھا۔

"نہیں بھئی، مجھے نہیں معلوم کہ اس کا مطلب کیا ہے۔" انہوں نے سادگی سے کہا۔

"تو جان جایئے چال، متوال سے مراد متوالی چال، دلربا چال اور ٹھمکتی ہوئی ہیل زدہ ایڑیوں کی طرف اشارہ ہے۔"

"تم سے تو مشورہ کرنا بھی بے کار ہے۔" میری توضیح سن کر وہ بے اختیار مسکرا دیں۔

"آپ کا خیال غلط ہے بجو! شاعروں اور مصنفین کو اپنے تمام تر مشورے اپنے قارئین سے کرنے چاہئیں یہی لوگ درست مشورہ دے سکتے ہیں۔ اب آپ شاعری کی کوئی سی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں، یہ شاعر اپنی شاعری میں اپنے محبوب کی چالبازی کا ذکر کریں گے یا اس کی چالوں کا ورنہ اس کی چھم چھم کرتی چال کا......اپنے ہم عصروں سے تو مشورہ کرنا تک بے کار ہوتا ہے، وہ تو مارے جلاپے کے پڑھتے تک نہیں ہیں، مشورہ خاک دیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ آپ کا، واقعی بہت اچھے مشوروں سے نوازا آپ نے۔"

"کوئی بات نہیں، کتاب میں میں شکریہ دس سطروں میں ادا کر دیجئے گا۔ ہاں، تو بتایئے آپ اپنا مجموعہ کس کے نام الاٹ کریں گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے، کس کے نام ہونا چاہیے؟"

"مجھے کیا پتا، نہ میں نے کبھی کوئی کتاب لکھی ہے اور نہ ہی میں اس بارے میں سوچ سکتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اپنے نام ہی الاٹ کر لیں، یوں بھی ہما ہمی کا دور ہے، دوسرے کے نام معنون کرنے سے ویسے بھی دھچکا سا لگتا ہے۔"

"ماہم، میری یہ کتاب باسط کے نام ہوگی۔" انہوں نے دھماکا کیا۔

"باجی! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کیوں، کیا برائی ہے اس میں یہ سارا سوز اسی کا دیا ہوا ہے جو میرے اشعار میں اتر آیا ہے وہ جو مجھے چھوڑ کر جا چکا ہے مگر میں اسے اپنی روح سے الگ نہیں کر پاتی، چندا، یہ دل کے رشتے عجیب ہی ہوتے ہیں۔ متوازی شاہراہوں کے بجائے پگڈنڈیوں پر سفر کرتے ہیں تو اس میں میرا کیا دوش ہے میری تمام نظمیں غزلیں صرف اسی کے دم سے وجود میں آئی ہیں تو اس کے نام کیوں نہ ہو؟"

"باجی! جس کی رگ رگ میں بے وفائی ہو جس کا کام ہی دلوں سے کھیلنا ہو اس کے باوجود بھی آپ......" میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر انہیں دیکھا۔

"پگلی، کیا کبھی کوئی اپنی آنکھوں پر یہ پابندی عائد کر سکا ہے کہ تم خواب صرف ہماری مرضی کے دیکھو گی تو میں اپنے دل پر یہ کیسے فردِ جرم عائد کر دوں کہ اس شخص کے بارے میں بالکل نہ سوچا جائے جو میرے دل سے نکلا ہی نہیں ہے۔"

"حیرت ہے، آپ کے اندازِ فکر پر۔"

"حیرت زدہ بعد میں ہو لینا، آج تم کمال فرمانی سے مل لو وہ اس مجموعے کے بارے میں رائے دیں گے۔"

"وہ ہمارے گھر آئیں گے کیا؟"

"نہیں، وہ بے حد مصروف ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ کتاب کے لئے ان کی رائے، آج شام ہالیڈے ان

میں لے لی جائے ورنہ کل صبح وہ انگلینڈ چلے جائیں گے، کسی سہ ماہی سیمینار میں شرکت کے لئے۔"

"آپ بھی چلئے گا میرے ساتھ۔ کیا میں اکیلی جاؤں گی؟"

"پگلی، میں کہاں جاتی ہوں۔ فرمانی صاحب سے بات چیت صرف فون پر ہی ہوئی تھی۔ تم مجیدن کو اپنے ساتھ لے جانا، میں نے ضمیر بھائی سے کہہ دیا تھا کہ آج ڈرائیور گاڑی لے کر گھر پر ہی رہے۔"

کمال مہربانی صاحب نہ صرف مشہور شاعر تھے بلکہ شہر کی ہردلعزیز شخصیت بھی تھے۔ ان کا پبلشنگ کا اپنا ادارہ تھا جو ناولز اور مجموعے شائع کرتا تھا۔ باجی نے اپنی چند نظمیں، غزلیں انہیں بجھوائیں تو ان کا پہلا فون اسی لئے آیا تھا کہ وہ ان کی غزلیات کا مجموعہ شائع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ساری اطلاعات باجی نے مجھے بہم پہنچائی تھیں۔

اور آج میں اس سلسلے میں (ہالیڈے ان) جا رہی تھی......جہاں شام غزل کی تقریب میں مجھے کمال فرمانی سے ملنا تھا۔ ہوٹل کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کمال صاحب کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں مجیدن کے ساتھ دروازے کے سامنے والی نشست پر بیٹھ گئی تا کہ انہیں دیکھ کر اپنا مدعا جلد ہی کہہ پاؤں اور یہاں سے چلی جاؤں۔ پروگرام شروع ہونے میں کچھ دیر تھی مگر موصوف نظر ہی نہیں آ رہے تھے کہ اچانک ایک مانوسی ہنسی پر میں چونک سی گئی۔ نظریں ذرا ترچھی کیں تو باسط اپنی دلہن کے ساتھ نظر آ گئے شاید وہ بھی یہ پروگرام دیکھنے آئے تھے۔ سیاہ شیفون کی ساری اور گولڈن سیولس بلاوز میں شہلی مسلسل ان کی باتوں پر ہنس رہی تھی۔ نہ جانے وہ اس کے کانوں میں کون سی امرت ٹپکا رہے تھے باسط کا چہرہ شہلی کی ہمراہی میں نہ صرف دمک رہا تھا بلکہ احساسِ برتری کا خمار بھی چڑھائے ہوئے تھا۔ لوگوں کے اژدہام میں باسط شہلی کے پہلو میں بیٹھے یوں میٹھی میٹھی سرگوشیاں کرتے نظر آ رہے تھے کہ جیسے وہ ہنی مون کے مراحل میں ہوں۔ میں قصداً کھنکھاری تو باسط کی نظریں میرے اوپر پڑیں مگر دوسرے ہی لمحے وہ مکمل بے گانگی سے مجھے تک رہے تھے، یوں جیسے جانتے ہی نہیں تھے یا کبھی دیکھا نہیں تھا۔

ایک نظر ڈالنے کے بعد انہوں نے دوسری نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ باسط نے شاید شہلی کے کان میں کوئی پھلجھڑی چھوڑ دی تھی۔ اس کے فلک شگاف قہقہے لوگوں کو مڑنے پر مجبور کر رہے تھے مگر وہ باسط کے بازوؤں پر بے خود ہو کر گری پڑ رہی تھی۔

'اگر باسط اور شہلی یوں ہی ہنس ہنس کر میرا کلیجا چھلنی کرتے رہے تو شاید میرا دل غم سے پھٹ جائے، یکبارگی میں نے سوچا۔

مگر میں پورے آدھے گھنٹے اسی حالت میں بیٹھی رہی، نہ سانسیں تھمیں نہ ہی کچھ اور ہوا..........حد تو یہ تھی کہ کچھ دیر بعد ان کے قہقہوں کا اثر بھی مجھ پر نہیں ہو رہا تھا جو وہ قصداً مجھے سنا رہے تھے کہ دیکھو، تمہاری بہن کو چھوڑ کر ہم کتنے خوش ہیں اور مجھے اپنی قوتِ برداشت پر رشک آ رہا تھا۔ کمال فرمانی جب فرحین کے ساتھ اندر داخل ہوئے تو میں حیرت آمیز مسرت کے ساتھ ان کی جانب بڑھی۔ "ارے فرحی تم؟" بے ساختہ میں نے کہا۔

"یہ میرے بڑے بھائی ہیں کمال فرمانی۔" فرحین نے تعارف کرایا۔

"میں ارتقاء احمد کی چھوٹی بہن ہوں ماہم...... باجی کے کام کے سلسلے میں ہی میں یہاں آئی ہوں۔" فرمانی صاحب سے میں نے کہا۔

"سیمینار پر جانا میرا کینسل ہو گیا ہے کتاب پر رائے دینے کے لئے ابھی کافی وقت ہے، آیئے بیٹھتے ہیں۔" فرمانی صاحب نے شائستگی سے کہا۔

"انشاء اللہ پھر جلد ہی ملاقات ہوگی، فرحین تو ہمارے ہاں آ چکی ہیں۔ آپ فرحی کے ساتھ ہی غریب

خانے پر تشریف لائیے مجھے گھر پر کچھ کام ہے اس لئے چلوں گی۔'' میں معذرت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب باسط کے سامنے سے گزری تو وہ شہلی کو اشارہ کر کے کچھ بتا رہے تھے، شاید میرے بارے میں، میرے تن بدن میں آگ سے لگ گئی۔

میں نے مڑ کر ایک نظر انہیں دیکھا، میری نظروں میں ان کے لئے انتہائی نفرت ہی تھی اور پھر آگے کی جانب قدم بڑھا دیئے، یوں جیسے میں نے انہیں اپنے قدموں سے روند ڈالا ہو۔ فرحین کا فون اگلے ہی دن آ گیا، فون میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔

''ماہم! خوش ہو جاؤ، ارتقاء باجی کا مجموعہ انتہائی شان و شوکت سے شائع ہوگا، اتنا خوبصورت کہ باجی دیکھ کر خوش ہو جائیں گی۔ بھائی جان کہہ رہے تھے کہ سرورق بھی کسی مشہور معروف مصور سے بنوائیں گے۔''

''بے حد شکریہ کہ فرمانی صاحب ذاتی طور پر اتنی دلچسپی لے رہے ہیں ورنہ ان کے ادارے سے تو بڑے بڑے معروف لوگوں کی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔'' میں نے جواباً کہا۔

''تمہاری باجی کسی سے کم ہیں، اب ان کی غزلیں پورے شہر میں دھوم مچا دیں گی، تم انہیں یہ خوش خبری سنا دو۔''

فرحین کو باجی کے ساتھ ہونے والے واقعے کا علم تھا اسی لئے وہ بار بار کہہ رہی تھی کہ باجی کو بتا دو۔ یہ شہری کا بچہ ذرا سی بات بھی اپنے پیٹ میں نہیں رکھ سکتا۔ کیا ضرورت تھی، یہ سب باتیں فرحین کو بتانے کی۔ فرحین کا ہمدردی سے بھرا لہجہ مجھے ایذا پہنچا رہا تھا۔

''جی ضرور۔'' اس سے مختصر جواب اور نہیں ہو سکتا تھا اس سے قبل کہ فرحین مزید باتیں کر کے میرا دماغ چاٹتی میں نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''باجی، آپ کا مجموعہ بہت جلد شائع ہوگا۔'' میں نے انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر کہا۔

''ہوں!'' وہ کہیں کھوئی ہوئی تھیں۔

''باجی کہاں ہیں آپ......؟'' میں نے دکھ سے کہا۔

''کیا ہوا......؟ کیا بات ہے؟'' وہ چونک کر پوچھ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں۔'' میں چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

♥♥♥

میرے تھرڈ ایئر کے امتحان بے حد قریب تھے میں سب کچھ بھول بھال کر پڑھائی میں مصروف ہو گئی تھی۔ گھر سے کالج اور کالج سے گھر کے سوا کہیں جانا یاد نہیں تھا۔ گھر میں آتے ہی کتابیں لے کر اپنے کمرے میں بیٹھ جاتی، نوٹس بن رہے تھے، رٹے لگ رہے تھے دراصل ہم لڑکیوں کی پڑھائی امتحان کے ہی زمانے میں ہوتی ہے سیکنڈ ڈویژن لانے کے لئے سارا سال پڑھنا ویسے بھی ضروری نہیں ہوتا۔ مجیدن بیمار ہو گئی تو اس کا بیٹا اس کو آ کر لے گیا۔ اب حرا کی دیکھ بھال باجی ہی کر رہی تھیں۔ وہ مجھے دیکھتی اور آنے کے لئے ہاتھ بڑھا دیتی۔

''گڑیا، بس چند دن اور تمہاری آنٹی امتحان سے فارغ ہو لیں پھر تمہیں گود میں لیں گے۔''

اور وہ منہ بسور کر رہ جاتی۔ ہاں، ابا جان ضرور اسے شام کو سیر کرانے کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ اماں کی برسی آئی تو ابا جان کی طبیعت خراب سی ہوگی۔ طبیعت کی خرابی میں وہ بے حد حساس ہو جاتے تھے اور بڑبڑاہٹ علیحدہ لگ جاتی تھی۔

''لگتا ہے نگہت آرا! اب تم اکیلی نہیں رہو گی، اپنا ڈبا بھی کٹنے والا ہے۔'' وہ تنہا ہی بیٹھے تو خواہ مخواہ بڑبڑاتے۔

ضمیر بھائی پریکٹس پر تھے۔ انڈیا جانے والی ٹیم میں ان کا سلیکشن ہو چکا تھا۔ میں پڑھائی سے فارغ

ہوتی تو ابا جان کے پاس بیٹھ جاتی۔ مجھے دیکھ کر وہ ظہیر بھائی کی باتیں، اماں کی باتیں اور پرانے گھر کی باتیں کرتے ہی چلے جاتے۔ ان کی یادوں کی پٹاری میں تمام پھول ابھی تک مہک رہے تھے اور پرانی یادیں ان کے لئے کسی خزانے سے کم نہیں تھیں۔ میں روز رات کو دیر تلک ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے ان کی باتیں دلچسپی سے سنتی رہتی اور وہ بولتے چلے جاتے اور جب وہ بولتے بولتے تھک سے جاتے اور نیند ان کی آنکھوں میں گھلنے لگتی تب میں انہیں کمل اڑھا کر اپنے کمرے میں آ جاتی، اس وقت تک ارتقاء باجی بھی سو چکی ہوتیں، ایسی ہی ایک شب میں ابا جان کو دوا پلا کر کوریڈور میں آئی تو ارتقاء باجی کے کمرے سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز مجھے سنائی دی گھڑی کی جانب نظر اٹھی تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ دبے قدموں آگے بڑھی اور دراز میں سے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ سرخ زرتار ساری پہنے، فل میک اپ کئے زیورات سے اپنے آپ کو سجائے دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ ان کی گود میں باسط بھائی کی فریم شدہ تصویر رکھی تھی۔ آنسو ان کے رخساروں پر بہہ رہے تھے اور وہ دل گیر آواز میں تصویر سے مخاطب تھیں۔

''باسط! اگر تم ساتھ ہوتے تو آج ہم بھی شادی کی تیسری سالگرہ مناتے مگر تم نے تو اس دن کا بھی انتظار نہیں کیا، سالگرہ سے پہلے ہی وہ دہکتے کاغذ بھیج دیئے جنہوں نے میری روح تک جھلسا دی باسط، تم دیکھ رہے ہو ناں، میں نے تمہاری پسند کے کپڑے پہنے ہیں، تمہاری خواہش کے مطابق تیار ہوئی ہوں، یہ تمہاری ضد ہوتی تھی ناں کہ شادی کی سالگرہ پر میں اپنا عروسی لباس زیب تن کروں، اپنے آپ کو دلہنوں کی طرح سجاؤں تو دیکھو......تم سے الگ ہو کر بھی میں نے اپنے آپ کو اسی طرح سنوارا ہے۔

آج میں کیسی لگ رہی ہوں کچھ تو منہ سے بولو، تم تو میری صورت کے دیوانے تھے، مجھے دیکھے بنا تمہیں چین نہیں آتا تھا۔ مجھے پا کر تم اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان کہا کرتے تھے مگر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے، ظالم انسان، محبت کرنے کی سزا اتنی بھیانک تو نہیں ہوتی، جو تم نے مجھے دی، میرا قصور صرف اتنا ہی تھا ناں کہ میں نے تمہارے روئیں روئیں سے پیار کیا تھا، میری ہر دھڑکن تمہاری سلامتی کے لئے دعا گو رہتی تھی، میری ساعتیں تمہاری آہٹوں کی منتظر رہا کرتی تھیں۔ تمہارے لگاوٹ بھرے جملے میرے دل کے ایوان میں کسی ستارے کی طرح چمکتے تھے اور اب شہاب ثاقب بن کر ٹوٹ رہے تھے۔

شوہر تو بیوی کو چاہت کا تحفہ دیا کرتے ہیں اور تم نے طلاق کا تحفہ بھجوا دیا۔ یہ کیسی محبت ہے تمہاری کہ طویل ساعتوں میں سے سچائی کا ایک لمحہ بھی ادھار نہیں دے سکے۔ حالانکہ سیٹھ کہلاتے ہو تم۔

باسط غور سے دیکھو اور سچ سچ بتاؤ کہ تم نے مجھے دیا بھی تو کیا دیا۔

رفاقت کی چند بے کل راتیں۔

چند خوبصورت مگر ادھوری سرگوشیاں

تشنہ خواب

اضطراب

ڈر، خوف، تنہائیاں

یا پھر ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں

باسط، کیا تم نے محبت کا ڈھونگ اس لئے رچایا تھا کہ نکاح کے بعد میری دھجیاں بکھیر دو۔

ایک بچی میرے دامن میں پھینک کر اپنا رستہ بدل لو۔

بتاؤ، تم نے ایسا کیوں کیا۔ بولو میرے معصوم جذبوں سے ایک راہزن بن کر کیوں کھیلے۔

اتنا بڑا فریب مجھے کیوں دیا؟'' باجی نے تصویر دیوار سے دے ماری، بندے نوچ ڈالے ٹیکا کھینچ دیا، چوڑیاں میز سے ٹکرا کر توڑ دیں اس سے پہلے کہ میں انہیں پکڑتی وہ اپنی ساری جھیر جھیر کر چکی تھیں۔

"باجی، پیاری باجی......؟" میں بے اختیار ان سے لپٹ گئی مگر وہ اپنا گلا دونوں ہاتھوں سے دبائے بری طرح چیخ رہی تھیں۔

"سارے اعصاب دباؤ میں ہیں۔"

"ایکسٹریم ڈیپریشن، ٹوٹل انیگزائٹی اور پھر ہارٹ کولیپس بھی ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹرز کی باتیں ہتھوڑے بن کر لگ رہی تھیں۔

"خدایا، ارتقاء باجی کو کچھ نہ ہو۔" دل لرزتے لبوں سے بس ایک دعا کر رہا تھا۔ "انسان جتنے دن، دنیا میں خوش و خرم رہتا ہے۔ زندگی کو زندہ دلی کے ساتھ گزارنا پسند کرتا ہے لیکن ایک جھٹکا لگتے ہی اس کے حواس ٹھکانے آ جاتے ہیں، تب وہ دنیا اور زندگی دونوں سے خوف زدہ سا ہو جاتا ہے۔ یہ تو سنا ہی تھا کہ جب پتھر، پتھر، سے ٹکراتا ہے تو آگ بھڑک اٹھتی ہے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ کوئی پتھر کسی گیلی لچک دار شاخ پر پڑے تو وہ ٹوٹنے کے ساتھ بھڑک اٹھے۔ باجی کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہو رہا تھا وہ ٹوٹ بھی رہی تھیں اور جھلستی بھی جا رہی تھیں۔

ابا جان کی حالت قابلِ رحم تھی وہ چپ چاپ تھے ہاتھ میں تسبیح تھی جسے گھمائے چلے جا رہے تھے وہ کیا پڑھ رہے تھے، کیا سوچ رہے تھے۔ یہ خدا ہی جان سکتا تھا۔ ورنہ ان کی حالت تو اس قابل بھی نہیں تھی کہ وہ کسی بات کا جواب بھی دے سکیں۔

"ارتقاء ٹھیک ہو جائے گی ناں۔" کافی دیر کے بعد ان کے لبوں سے یہ جملہ اس طرح ادا ہوا کہ سارا جسم لرز رہا تھا۔

"باجی کو ہوش بھی آ گیا۔ میں ڈاکٹر صاحب سے پوچھ کر آتی ہوں۔" میں نے سرشار چہرے کے ساتھ بتایا۔

"ماہم! وہ ٹھیک ہے، کیا وہ ٹھیک ہے۔" ابا جان کسی بچے کی طرح پوچھ رہے تھے۔

"بالکل ٹھیک ہیں ہماری باجی، اللہ کا احسان ہے کہ انہیں کچھ نہیں ہوا۔"

میں ابا جان کو گھر لے کر آ گئی۔ وسوسوں اور واہموں سے بھرا دل ابا کو اس طرح دلاسے دے رہا تھا جیسے کسی معصوم بچے کو اس کی خواہش کے مطابق کہانی سنائی جا رہی ہو۔ ساری رات اسی طرح گزر گئی صبح فجر کی اذان کے وقت ضمیر بھائی کا اسپتال سے فون آیا کہ باجی خطرے کی حالت سے باہر ہیں تو میں بے اختیار سجدے میں گر پڑی۔

"اے خدا ذوالجلال۔ ہم تیرا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے تو ہمیں زندگی میں جتنی خوشیاں اور سکھ بانٹتا ہے ان کے مقابلے میں دکھوں اور تکلیفوں کی تعداد بے حد کم ہے مگر ہم ناشکرے ہیں کم ظرف ہیں کہ تیرا حق ادا نہیں کر پاتے۔ اے میرے مالک، تیرا کروڑوں بار شکر کہ ضعیفی کی حالت میں تو نے میرے باپ کو اس عظیم سانحے سے بچایا جو کسی بھی باپ کے لئے ایک جانکاہ صدمے سے کم نہیں۔" میں سجدے میں پڑی گڑگڑا رہی تھی اور میرا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

کتنے ڈھیر سارے دنوں کے بعد گھر سے نکلنا ہوا تھا، ورنہ باجی کی تیمارداری، میں نے ہر جگہ کا جانا ختم کر دیا تھا اور آج نصرت کے بے حد اصرار پر اس کے بھائی کی مہندی پر جا رہی تھی۔ خدا کا شکر تھا کہ اب باجی کی طبیعت بھی ٹھیک تھی انہوں نے بے حد محبت سے مجھے جانے کو کہا۔ وہ جانتی تھی کہ نصرت میری کلوز فرینڈ ہے۔ عرصے کے بعد بڑی چاہ سے میں نے اپنے آپ کو سنوارا تھا۔ سیاہ **شیفون** کی پشواز پر سرخ کامدانی کا بڑا سا ڈوپٹا لیا تھا۔ بال پشت پر کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ وعدے کے باوجود جب ضمیر بھائی گھر نہیں پہنچے اور نہ ہی ڈرائیور کے ہاتھ گاڑی بھجوائی تو میرا موڈ یک دم آف سا ہو گیا۔

"میں نہیں جاتی اب۔ اتنی دفعہ تاکید کی تھی کہ جلدی آیئے گا، پھر بھی نہیں آئے۔" میں نے دوپٹے کا گولہ سا بنا کر باجی کے بیڈ پر پھینک دیا۔

"تم نصرت کے ہاں فون کر لو، وہ تمہارے لئے گاڑی بھجوا دے گی۔"

"مجھے نہیں اچھا لگتا ہے کہ بجائے ان کے کوئی کام کریں۔ الٹا اپنے لئے کسی کو پریشان کریں۔ شادی کے گھر میں اپنے ہی کام، کیا کم ہوتے ہیں۔"

میں نے باجی کی رائے سے قطعی اتفاق نہیں کیا۔

"یہ تین گھنٹے سے جو تیاریاں کی گئی ہیں، وہ تو سب فضول میں گئیں۔" باجی میری پھولی ہوئی شکل دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔

"بس میں نے کہہ دیا کہ اب ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"کہاں جانے کے ارادے ہیں؟" شہری اندر آ کر میری آخری بات کا سرا پکڑے پوچھ رہا تھا۔

"جہنم میں۔"

"اچھا اتنا سج بن کر، اتنی تیاری سے تو کوئی جنت میں بھی نہیں جائے گا۔"

"بکو نہیں تم مجھے غصہ آ رہا ہے۔ اس وقت!"

"باجی، آپ بتایئے ناں، جنت میں تو تمام لوگ سفید لباس میں، وضو کر کے انتہائی سادگی کے ساتھ جائیں گے اور جہنم کا مجھے پتا نہیں کہ لوگ اس قدر تیاریوں سے جائیں گے۔"

"شہری! اس وقت مجھے غصہ آ رہا ہے، کوئی بات نہیں کرنا۔ آ جائیں ضمیر بھائی تو پوچھتی ہوں ان سے کہ جب آنا نہیں تھا تو وعدہ کیوں کیا تھا؟"

"شہری بیٹے! تم اسے لے جاؤ۔" ابا جان نے شفقت سے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"اونہہ میں ان کے ساتھ اسکوٹر پر بیٹھ کر جاؤں گی۔" میں غصے میں پھنکاری۔

"ماہم صاحبہ، بے شمار خواتین بائیک پر سفر کرتی ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ دھیرے دھیرے چلاتا ہوا آپ کو نصرت کے ہاں لے جاؤں گا۔"

"تم اور بائیک کو آہستہ چلاؤ، قطعی ناممکن۔ میں نے تمہارے ساتھ جا کر خودکشی نہیں کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر کس کے ساتھ جا کر کرو گی۔" وہ کان کھجاتا ہوا شریر سے لہجے میں بولا۔

"شہری!" میں پھنکاری۔

"میں سمجھا کہ شاید تمہارا اپنا ہی موڈ خودکشی کا ہو رہا ہو۔ ویسے بھی جہنم میں جانے کو کہہ رہی تھیں۔"

"بیٹے! تم آہستہ چلانا، بچی ہے ڈرتی ہے۔" ابا جان اسے سمجھا رہے تھے۔

"پھوپھا جان، میں تو اتنی آہستہ چلاتا ہوں کہ سائیکل والے بھی مجھے ہرا دیتے ہیں۔ بے حد آہستہ کیوں ماہم، ٹھیک کہہ رہا ہوں میں؟"

''مجھے نہیں پتا، مجھے تو بس غصہ آرہا ہے...... یہ ضمیر بھائی۔''
''افوہ، غصہ واپس آ کے کر لینا، آؤ میں تمہیں لے چلتا ہوں۔ سوچا تھا کہ پھوپھا کے گھر کھانا کھاؤں گا۔ چائے پیوں گا۔ فریج سے پھل فروٹ کھاؤں گا۔ مگر آج قسمت میں آپ کی غلامی لکھی تھی۔'' وہ دھیرے سے کان میں ممنایا۔
''دیکھو، بے ایمانی نہیں چلے گی۔ جیسا کہا ہے اسی پر قائم رہنا۔''
ہاں بھئی، بہت سلو چلاؤں گا۔ آج صبح سے طبیعت بہت پژمردہ سی ہو رہی ہے۔ بائیک کو فاسٹ چلانے کے قطعی موڈ میں نہیں ہوں۔''
''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' میں یک دم خوش سی ہو گئی۔ ایسے وقت جب میں بالکل ہی مایوس ہو چکی تھی۔ شہری کا مجھے لے جانا میرے لئے بے حد تقویت کا باعث تھا۔
''میں تمہیں چھوڑ کر آ جاؤں گا، وہاں کہاں انجانے لوگوں میں بیٹھ کر بور ہوں گا۔'' بائیک اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے حتمی لہجے میں کہا۔
''تو کیا میں رات کو اکیلی آؤں گی۔''
''تو کیا، میں رات بھر وہیں بیٹھا رہوں گا؟''
''ماہم، تم رات کو نصرت کے ہاں رک جانا، صبح ڈرائیور کو بھیج دوں گی۔'' باجی نے تجویز پیش کی۔
''نہیں بھئی، رات کو میں کہیں نہیں رک سکتی۔ کتنی ہی دیر ہو جائے مگر اپنے گھر آ کر سوؤں گی۔''
''ٹھیک ہے۔ پھر مت جاؤ۔'' اس نے چابی اچھالتے ہوئے کہا۔
''دیکھ رہی ہیں باجی آپ۔ دروازے پر کھڑا کر کے یہ موصوف کتنے نخرے دکھا رہے ہیں۔'' میں نے غصے سے کہا۔
''جا تو رہا ہوں۔ مجال ہے کہ احسان مان لو۔'' وہ ہنسا۔
''شہری بیٹا! تم اپنے گھر فون کر دو کہ آج یہیں رکو گے، مگر تم ماہم کے ساتھ ہی رہنا اور جب تقریب ختم ہو جائے تو گھر آ جانا۔ ضمیر جلدی آ گیا تو میں اسے بھیج دوں۔'' ابا جان نے تاکید کی۔
''ماہم! مہندی میں جانا، اتنا ضروری تو نہیں ہوتا۔ یہیں بیٹھو، اچھی سی چائے بناؤ، کھانا کھلاؤ، خواہ مخواہ پورے گھر کو ٹینشن میں مبتلا کر دیا ہے۔'' وہ چڑاتے ہوئے بولا۔
''پاگل تو نہیں ہو گئے تم، جانتے نہیں ہو کہ نصرت میری فرسٹ فرینڈ ہے۔ اس کے بھائی کی مہندی میں، میں نہ گئی تو ہماری پارٹی تو ہار جائے گی گانوں کی کتاب بھی میرے پاس ہے۔''
''بڑی فکر ہے، ہار جیت کی۔ یہ نہیں سوچ رہیں کہ میں رات کو دیر تک بور رہوں گا۔'' وہ اپنی بائیک ہاتھ میں پکڑ کر چلتے ہوئے بولا۔
''اتنی چہل پہل ہوگی وہاں کہ ہرگز بور نہیں ہو سکتے۔''
''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' اس نے مجھے گھورا۔
''جی ہاں، میں...... یہ بائیک لے کر کیوں ٹہل رہے ہو، کیا اسٹارٹ نہیں ہو رہی۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''یہ کہہ رہی ہے کہ کمپاؤنڈ سے باہر جا کر اسٹارٹ ہوں گی۔''
''اچھا، اور کیا کہہ رہی ہے۔'' میں تمسخر سے ہنستے ہوئے بولی۔
''اور یہ کہ آج کی شب، میری بورترین ہوگی۔ آپ محترمہ اپنی سہیلیوں میں جا کر مجھے بھول جائیں گی۔ اور ہر آیا گیا مرد مجھ سے پہلے سوال یہی کرے گا کہ آپ کون ہیں؟ اور یہاں کیوں بیٹھے ہیں اور کس کے

ساتھ آئے ہیں اور میں یہ کہتے کہتے تھک جاؤں گا کہ میرا نام شہریار ہے میں اپنی فرسٹ کزن ماہم احمد کے ساتھ آیا ہوں۔ آج ان کے چہیتے بھیا وعدے کے باوجود جھنڈی دکھا گئے۔ اس لئے یہ بورترین ذمے داری میرے سر پر آ پڑی۔''
''شرفاء کے لباس میں آتے تو ایسا نہ ہوتا۔ اب جین کی پینٹ اور سرخ بڑے بڑے پھولوں والی شرٹ میں تو ایسے ہی لگو گے۔''
''بائی دی وے، آپ کے خیال میں شرفاء کا لباس کیسا ہونا چاہئے۔'' اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔
''شلوار قمیض اور کھسہ۔''
''واقعی!'' اس نے گہری نظروں سے دیکھا۔
''اور کیا۔''
''چلو، آج تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔ راستے میں کسی اچھی سی دکان سے شیروانی، کلاہ اور بڑا سا پھولوں کا ہار بھی خرید لوں گا۔ ان کی مہندی ہو جائے گی، ہم اپنا نکاح پڑھوا لیں گے۔ مہمانوں کو بلانا بھی نہیں پڑے گا، انہی کے مہمانوں میں ہم بھی نمٹ جائیں گے۔'' وہ شوخی سے بولتا چلا گیا۔
''ہشت!'' میں شرم سے سرخ ہو گئی۔
''ماہم!'' اس نے جذب سے پکارا۔
''ہوں۔''
''کچھ نہیں...... بس جلدی سے چلتے ہیں اور جلدی آئیں گے۔'' وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک سا گیا۔
''ہاں، ہاں، بس جلدی واپسی ہوگی۔ ویسے بھی دلہن کا گھر خاصی دور ہے۔ نارتھ ناظم آباد سے کلفٹن کے قریب مہندی لے کر جائیں گے۔''
''اف اتنی دور جانا ہوگا، بھئی میں نہیں جا سکتا۔ معاف کر دینا۔''
اس نے اپنے دونوں ہاتھ مسخروں کی طرح جوڑ لئے۔
''شہری پلیز، تم جانتے ہو کہ میں وہاں جانے کے لئے کتنی **ایکسائیٹڈ** ہو رہی ہوں۔'' میرے ہاتھ بے اختیار اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو چھو بیٹھے۔
اس نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور اپنی بائیک کو کک مار کر اسٹارٹ کر لیا۔
''اپنے وعدے کے مطابق، تم بے حد آہستہ چلاؤ گے۔'' میں نے کوئی دسویں بار اسے یاد دلایا۔
''بے فکر رہو، آج میری بائیک تمہاری مرضی کے مطابق چلے گی۔''
''دیکھو، بے ایمانی نہیں چلے گی۔ قائم رہنا اپنی بات پر۔'' میں اپنے کپڑے سمیٹ کیریئر کو پکڑ کر بیٹھ گئی۔ آج مدتوں بعد بائیک پر بیٹھی تھی اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ کس طرح بیٹھوں۔
''سنو اپنا ایک ہاتھ میرے کندے پر رکھ دو اور دوسرا میری کمر میں حمائل کر دو۔'' وہ دھیرے سے شوخی سے بولا۔
''بکواس کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔''
''یار، تمہیں تو بائیک پر بیٹھنے کے طریقے بھی نہیں آتے۔'' وہ ہلکی رفتار سے چلاتا ہوا کہہ رہا تھا۔
''کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے تمہارے بتائے ہوئے طریقے سیکھنے کی۔'' تب ہی قریب سے ایک ساتھ تین، چار موٹر سائیکلیں گزر گئیں جن کے ساتھ بیٹھی ہوئی خواتین نے اپنے ساتھیوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے لپیٹا ہوا تھا۔
''دیکھا، اس طرح بیٹھتے ہیں۔ کم از کم دیکھ کر ہی سیکھ لو۔'' وہ ہنسا۔

”مجھے تو لگ رہا تھا کہ مشکیں کس رکھی ہیں انہوں نے۔“
”یہی سہی مگر پاس ہو کر تو بیٹھو۔“ وہ اِترایا۔
”شہری کے بچے باز آجاؤ۔“
”ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی، بیٹھی رہو اسی انداز میں کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ ناراضگی چل رہی ہے۔اور میں تمہیں گھر چھوڑنے جارہا ہوں، بچے ساس نے چھین لئے ہیں۔“
”کرتے رہو بکواس مجھے پروا نہیں ہے۔ عادی ہوں تمہاری ان کمینی عادتوں کی۔“ میں کیریئر تھامے بیٹھی رہی، موسم غیر متوقع طور پر اچھا ہو گیا تھا۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بائیک پر بیٹھنا واقعی اچھا لگ رہا تھا اور آج وہ انسانوں کی طرح چلا بھی رہا تھا۔
دھیمی سی رفتار پر چلتی ہوئی بائیک مجھے موٹر بوٹ لگ رہی تھی۔ جو پانی میں اچھلتی کودتی جارہی ہو۔ سارے منظر اپنے منظر تھے۔ بھاگتی ہوئی کاریں، بسیں، پھول بیچنے والے، پیشہ ور گداگر سب یکے بعد دیگرے نظر آرہے تھے...... ”ماہم!“ اس نے پکارا۔
”جی!“ سگنل پر رکی گاڑی کا مرد مجھے بڑے والہانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔غیر ارادی طور پر میں شہری کے قریب ہو گئی۔
”راستے میں کچھ کھا نہ لیں۔مہندی کا کھانا تو جب ملے گا جب سب لڑکیاں رو پیٹ لیں گی۔خاصی دیر ہو جائے گی۔“
”اسوقت کچھ کھانے کی تک ہے، ساڑھے نو بج رہے ہیں۔“
”کھانے کا تو یہی ٹائم ہے، اکثر لوگ خبرنامے کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں یا خبرنامے کے بعد۔“ وہ ہنسا۔
”کہیں کھانے بیٹھ گئے تو مزید دیر ہو جائے گی اور وہ لوگ چلے جائیں گے۔“ میں نے اکتا کر کہا۔
”ارے کوئی نہیں جاتا، یہ مہندیاں اب آدھی آدھی رات کو روانہ ہوتی ہیں۔ چلے جائیں تو چلے جائیں، ہماری جان بھی چھوٹے گی۔ایک لمبا چکر مار کر گھر واپس آجائیں گے۔“
”شہری! میں نے تم سے ڈراپ کرنے کو کہا ہے، بکواس کرنے کو نہیں۔ جب آتے ہیں، بھوکے آتے ہیں، ندیدے کہیں کے لگتا ہے مہندی کا کھانا آدھے سے زیادہ تم ہی کھا جاؤ گے۔کھانا کم پڑا تو میں تمہارا نام لے دوں گی۔ہاں۔“
”ہاں، ہاں میرا نام لے لینا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے نام کی ضرورت تمہیں تمام مواقع پر پڑے گی۔ مگر اس وقت میری خاطر ایک چکن روسٹ نہیں کھا سکتیں۔ذرا ٹیک لگ جائے گی، ایمان سے سخت بھوک لگ رہی ہے۔“
”چلو مرو، اتنے بھوکے تھے تو فریج سے نکال کر کچھ کھا لیتے۔“ میں رضامندی کی ہنسی کے ساتھ بولی
”زندہ باد!“ اس نے سیٹی بجائی اور قریبی ریستوران کے قریب اپنی بائیک روک دی۔
”آپ فیملی روم میں کھائیں گے یا باہر۔“ بیرا پوچھ رہا تھا۔
”باہر لان میں ٹھیک رہے گا، چکن بروسٹ اور دو سیون اپ لے آؤ۔“ گرما گرم بروسٹ واقعی لذیذ تھا مجھے بھی مزہ آگیا۔
”سوپ پیو گی یہاں کا سوپ بھی اچھا ہوتا ہے۔“
”کھانے کے بعد سوپ پیئں۔“ مجھے ہنسی آگئی۔
”ارے، سب چلتا ہے، کھانے میں اصول اور قاعدے نہیں چلنے چاہئیں۔صرف اپنا موڈ چلنا چاہیے۔“
”اوکے پھر منگالو۔“ میں کٹلس، ٹیچ اپ کے ساتھ کھاتے ہوئے بولی۔

سوپ واقعی لذیز تھا۔
”اچھا ہے ناں؟“ اس نے مزید تعریف کروانی چاہی۔
”مجھے تو اچھا نہیں لگا، بالکل کھٹی دال کا سا مزہ آرہا ہے۔“ میں نے اسے چڑایا۔
”ساس ملالو مزہ کھل جائے گا۔“ وہ اپنا پیالہ خالی کرتا ہوا بولا۔
”نہیں اب قلفی منگواؤ بہت منہ جل گیا ہے۔“ میں نے ٹشو پیپر سے اپنا گال تھپتھپایا۔
قلفی اچھی لگی تو کھاتے چلے گئے۔
”اب ایک کپ کافی کا ہو جائے تو آج کا کھانا یادگار ہو جائے گا۔“
”منگالو۔“ اس کی شکل دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔
”کافی پیتے ہوئے اچانک میری نظر رسٹ واچ پر پڑی تو میں یک دم اچھل کر کھڑی ہو گئی۔
”کیا ہوا؟“ مجھے گھبرایا ہوا دیکھ کر وہ یک دم پریشان سا ہو گیا۔
”ذرا دیکھو، پونے گیارہ ہو رہے ہیں۔نصرت انتظار کر کے مر گئی ہو گی۔“
میں نے اپنی ریسٹ واچ اس کے سامنے لہرائی۔
”اوہ یہ بات ہے۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بیٹھ گیا جیسے گہرا اطمینان نصیب ہوا ہو۔
”تم سن رہے ہو ناں کہ ہمیں بہت دیر ہو چکی ہے۔“ میں نے چبا چبا کر کہا۔
”ماہم، پھر چلیں وہاں جا کر کیا کریں گے۔نصرت کی نماز جنازہ یقیناً کل جمعے کی نماز کے بعد ہو گی۔ اس میں ضرور شرکت کریں گے۔“ وہ بے پروائی سے کہہ رہا تھا۔
”جلدی سے بل دو اور چلو میرے ساتھ۔“ میں اس کے کان میں دہاڑی۔
باہر بیٹھے ہوئے لوگوں کا خیال تھا۔ورنہ شور مچانے میں میں کم ہرگز نہیں تھی۔
”جیسی آپ کی مرضی، میڈم۔“ وہ یک دم مودّب ہو گیا۔اور پھر چیونٹی کی رفتار سے بائیک چلانے لگا۔“ اتنی آہستہ کہ حقیقتاً سائیکل سوار بھی اس سے آگے نکل رہے تھے۔
”اے تیز چلاؤ ناں کیا بارہ یہیں سڑکوں پر بجا دو گے۔“ مجھے ہول ہو رہا تھا۔
”نہیں بھئی، ٹھیک نو بج کر دس منٹ پر تم سے وعدہ کیا تھا کہ اب بائیک آہستہ چلاؤں گا۔اتنی جلدی وعدہ نہیں توڑا جا سکتا۔
”شہری پلیز! کچھ تو تیز کرو۔“ اس کی باتوں سے میں روہانسی ہو گئی تھی۔
”ماہم، کیا ہو گیا ہے تمہیں پڑھ لکھ کر ڈبو رہی ہو۔کیا ٹریفک کے اصول وقواعد کچھ نہیں جانتی ہو، کس قدر ٹریفک ہے ہر شخص اول جلول چلا رہا ہے۔ ذرا بھی تیز چلائی تو ایکسیڈنٹ ہو سکتا ہے تمہیں تو کچھ نہیں ہو گا مگر میں ضرور اگلے جہان کھسک جاؤں گا۔“
”بکواس مت کرو، صحیح رفتار سے چلاؤ۔“ میں نے جھڑکا۔
”ہاں، ہاں ہم بکواس ہی تو کرتے ہیں۔ ماہم بی بی، کاش تم یہ حقیقت جان سکتیں کہ ہم مردوں کا خون کس قدر ہلکا ہوتا ہے۔“ بائیک چلانے کے دوران اس نے اپنے سینے پر دو ہتڑ مارا۔
”ہاں، بہت ہلکا ہے تمہارا خون۔سب جانتی ہوں۔“ میں نے دانت پیسے۔
”ایمان سے، سب سے زیادہ مردوں کو نظر لگتی ہے۔ آج ہی کا اخبار پڑھ لو، چار موٹر سائیکل سوار حادثات میں کام آگئے مگر ان کے ساتھ پیچھے بیٹھنے والی خواتین کو کچھ نہیں ہوا۔وہ کپڑوں سے مٹی جھاڑ کر کسی کی سوک میں لفٹ لے کر چلی گئیں۔“
”پلیز شہری، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ میں اپنی ریسٹ واچ کی بھاگتی ہوئی سوئیوں کو دیکھ کر پریشان ہو

رہی تھی۔

”مائی ڈیئر ماہم! انسانی جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔ اس کا آپ کو احترام کرنا چاہیے اور میں تو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔ اگر آج تمہارے کہنے پر میں نے تیز چلائی اور مجھے کچھ ہوگیا تو میرے والدین تو غم سے نڈھال ہوجائیں گے اور مجھے یہ صدمہ رہے گا کہ قبرستان میں تمہاری نصرت میری پڑوسن ہوگی۔“ وہ مغموم لہجے میں بکے چلا گیا۔

”شہری کے بچے، مجھے دیر ہورہی ہے اور تم الل ٹائپ ہانکے جارہے ہو۔ دیکھ نہیں رہے کہ صرف تمہارے ٹھونسنے کے چکر میں کتنی دیر ہوگئی ہے۔

”اُف، بہتان کس قدر لگاتی ہو۔ اب ذرا میرے دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ کیا صرف میں نے ٹھونسا ہے۔“ وہ بائیک روک کر چہرے پر معصومیت سجائے کہہ رہا تھا۔

”ہاں، صرف تم نے ٹھونسا تھا۔ میں نے تو صرف تمہاری وجہ سے چکھ لیا تھا اور یہ دیر بھی صرف اور صرف تمہاری وجہ سے ہوئی ہے ورنہ میرا اس وقت تمہارے ساتھ باہر کھانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔“ میں دہاڑی۔

”ہائے میرے خدا، میرا کیا ہوگا۔ تھائی سوپ کے دو پیالے بغیر پروگرام کے محترمہ ڈکار گئیں، چکن بروسٹ کا ڈیڑھ ڈبہ ہضم، کولڈ ڈرنکس اور قلفیوں کا ذکر ہی نہیں۔ یہ مانا کہ میرے پورے دو سو پچپن روپے غارت ہوئے مگر میں اس وقت ان کا ذکر نہیں کروں گا ویسے بھی ایسی باتیں کرنا لڑکوں کو زیب نہیں دیتا اور پھر تم جیسی پیاری ہستی پر دو سو پچپن تو کیا ایک سو پچپن بھی خرچ کیے جاسکتے ہیں۔ ایک سو پچپن کا ذکر اس لئے کررہا ہوں کہ آئندہ میں تمہیں کسی سستے سے ریسٹورنٹ میں لے کر جاؤں گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم بھی اتنی ”کھاؤ“ نکلو گی۔

اس کی انہی باتوں میں نصرت کا گھر آگیا۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور وہ سب لوگ مہندی لے کر جا چکے تھے۔ میری آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آگئے۔ صرف شہری کی وجہ سے دیر ہوئی تھی۔

”انتظار کرتے کرتے ابھی نکلے ہیں وہ لوگ۔“ ایک بڑے میاں باہر کرسی پر بیٹھے کہہ رہے تھے۔

”وہی ہوا ناں جو تم چاہتے تھے۔ وہ سب چلے گئے۔“ میں نے اپنے آنسو بھی نہیں پونچھے۔

کلفٹن پارک نمبر ایک جانا ہے ناں تم بیٹھو ہم ان سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔“ وہ اپنی ٹھوکر سے بائیک اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

اور پھر ہواؤں میں اس کی بائیک اڑ رہی تھی، جیسے سڑک پر جیٹ دوڑ رہا ہو۔

”شہری پلیز، آہستہ چلاؤ۔“ میں اس کے قریب ہوتے ہوتے اس کی پشت سے چپک سی گئی تھی۔

”اوں ہوں، یہ اب آہستہ نہیں ہوسکتی۔ یہ تمہاری خواہش تھی کہ میں بائیک تیز چلاؤں۔ صرف تمہاری وجہ سے وعدہ ٹوٹا ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے۔“

”شہری پلیز، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ دو جگہ پر تو وہ سگنل پر بھی نہیں رکا تھا۔

”مجھے مضبوطی سے پکڑلو۔“ اور میں اپنا سر اس کی کمر سے ٹکائے اسے دونوں لرزیدہ ہاتھوں سے پکڑے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔

راستے میں اسپیڈ بریکر وہ ڈائی مار کر عبور کررہا تھا۔ یوں جیسے کسی نمائش میں کوئی کرتب باز مظاہرہ کر رہا ہو۔

وہ راستہ جو بھاری بھرکم ٹریفک کی وجہ سے پون گھنٹے میں طے ہوتا تھا۔ اس کے شارٹ کٹ اور تیز رفتاری کے باعث صرف پندرہ منٹ میں طے ہوگیا تھا۔

پھر وہی ہوا جو اس نے کہا تھا، لڑکی والے ڈنڈیوں پر ہار سجائے دولہا والوں کے استقبال میں سوکھ رہے

تھے اور وہ لوگ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔

”کیسے مزاج ہیں محترمہ کے؟“ وہ آنکھوں میں اترنے لگا۔

”ایمان سے، ابھی تک حواس ٹھکانے پر نہیں ہیں۔ توبہ خدایا، بائیک چلائی تھی یا اڑائی تھی۔“

”اپنی لپ اسٹک درست کرلو، کھانے کے دوران سب کھا گئی ہو۔“ وہ پرس سے شیشہ نکال کر سامنے کھڑا ہوگیا اور میں اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگانے لگی اور اس کے ہاتھ میں شیشہ ڈولنے لگا۔

”اب ہوئی نا بات۔“ وہ سرشاری اور شوخی سے مجھے دیکھ رہا تھا تب ہی دولھا والوں کی آمد ہوئی اور میں اسے چھوڑ کر نصرت کے پاس بھاگی چلی گئی ویسے بھی اس کے دیکھنے کا انداز مجھ میں کپکپی پیدا کررہا تھا۔

”اچھا، اس کے ساتھ آنا تھا۔ اس لئے ہمیں دیر کرائی۔“ نصرت مجھے شوخی سے دیکھتے ہوئے شہری کو نظروں میں تول رہی تھی، مگر وہ سب سے بے نیاز، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اپنے جوتوں کو اتنے غور سے دیکھ رہا تھا جیسے ان میں تیل برآمد ہوگیا ہو۔

”لڑکا تو بہت سیدھا سادہ اور معصوم سا ہے۔“ نصرت نے تبصرہ کیا۔

”شہری سیدھا اور معصوم ہے۔“ میں دل ہی دل میں ہنستی چلی گئی۔

♥ ♥ ♥

اور آخر ضمیر بھائی مجھے تانیہ کے ہاں لے جانے کو تیار ہو ہی گئے۔

”زیادہ بک بک نہیں کرنا وہاں۔“ راستے میں انہوں نے سرزنش کرنا ضروری سمجھی۔

”میں بک بک کرتی ہوں؟“ مجھے غصہ ہی تو آگیا۔

”ہاں، اچھا خاصا مراق ہے بولنے کا، بولنے پر آتی ہو تو بولتی ہی چلی جاتی ہو۔“

”آپ کہیں تو گونگی بن جاؤں، وہ سب چلاتے رہیں مگر میں اشاروں میں جواب دیتی رہوں گی۔“

”وہاں باؤلے پنے کی حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈھنگ سے بات کرنا۔ ان کے ہاں کی چھوٹی موٹی پارٹیاں بھی بڑی اے ون ٹائپ کی ہوتی ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ میں بہت سی بہترین تقاریب میں شرکت کرچکی ہوں اور متاثر تو میں کسی سے نہیں ہوتی۔ خواہ وہ کتنے ہی لاٹ صاحب کے بچے ہوں۔“ ضمیر بھائی کی باتیں سن کر میرا منہ پھول گیا۔

”ماہم، اتنی اچھی فیملی تم نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔ واقعی وہ بہت بڑے لوگ ہیں بڑے لوگوں کی بڑی ہی باتیں۔“ ضمیر بھائی گوڈے گوڈے مرعوب ہوچکے تھے۔

”حسب نسب تو ہمارا بھی اچھا ہے۔ کمینے تو ہم بھی نہیں کہلاتے۔“ میں جل ہی تو گئی۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت ہی اچھے ہیں۔“ ضمیر بھائی کھسیا کر ہنسے۔

”آپ کا مطلب میں سمجھ گئی ہوں۔ بہت متاثر ہوچکے ہیں، ان سے اور ان کی بیٹی سے۔“ میں دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی۔

”احسان ہاؤس میں سیٹھ احسانی نے ضمیر بھائی کو گلے لگا کر ریسیو کیا‘ تانیہ گلابی سوٹ میں کوئی شگفتہ پھول لگ رہی تھی، مکھن کی طرح چمکدار ہاتھ پاؤں، سرو قد، بڑی بڑی مسحور کردینے والی آنکھیں، گلابی گلابی چہرہ، خوبصورت محراب جیسے گہرے گلابی ہونٹ، اُف اس قدر حسن کہ میری آنکھیں تو خیرہ ہوگئیں۔ اس کی چھوٹی بہن نغمی بھی اسی کی طرح خوب صورت تھی۔ مجھے احسانی کی صرف دو ہی بیٹیاں تھیں اور دونوں ہی حسن و خوب صورتی سے مالا مال۔ ضمیر بھائی کی کہی ہوئی باتیں مجھے درست معلوم ہو رہی تھیں اور میں چپ چاپ ان دونوں بہنوں کو دیکھے چلی جارہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر فرصت سے بنایا تھا انہیں۔

”ہم تو ضمیر صاحب سے کہتے تھے کہ اپنی بہن سے ملوائیے۔ شکر ہے کہ انہوں نے آج ہماری بات مان

لی۔" تانیہ نے مسکرا کر میرے دونوں ہاتھ تھام لیئے۔ جتنی خوبصورت وہ تھی، ویسی ہی لوچ بھری آواز تھی۔ تانیہ کو دیکھ کر میں واقعی مسحور ہوگئی تھی۔ ضمیر بھائی اگر متاثر ہوئے تھے تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔

"آپ پڑھتی ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"ہم پڑھ چکے ہیں۔" ہنس کر شاہانہ لہجے میں کہا گیا۔

"اچھا۔" حالاں کہ دیکھنے میں وہ کم عمری لگ رہی تھیں۔

"ہاں، انٹر کے بعد چھوڑ دیا، دل ہی نہیں چاہا۔" انہوں نے اپنی بات پوری کی۔

"اور کیا مشاغل ہیں آپ کے؟" میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ پوچھوں تو کیا پوچھوں۔

"مشاغل تو بے شمار ہیں مگر فی الحال رائیڈنگ، ڈرائیونگ اور فلاور میکنگ کے شوق سب پر حاوی ہو چکے ہیں۔" تانیہ نے ہنس کر کہا۔

"شوق تو بہت اچھے ہیں۔" میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی، یہ ضمیر بھائی کہاں چلے گئے۔ ان کا گھوڑا ہمارا فلیٹ کے کمپاؤنڈ میں کہاں کھڑا ہوگا۔

"ماہم! ہم نے آپ کا ڈراما دیکھا تھا۔ بہت اچھا کام کیا تھا آپ نے۔" تانیہ چہکی۔

"جی!" میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ضمیر بھائی نے تو میرے ڈرامے کا کوئی شو نہیں دیکھا تھا۔ یہ تانیہ کو کس نے بتایا کہ میں اسٹیج کے کسی ڈرامے میں کام کر چکی ہوں۔

"آپ کا ڈراما وی سی آر پر دیکھا تھا۔ آصف کے ساتھ آپ نے بہترین کام کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ آصف کے ساتھ ہیروئن کی جوڑی صرف آپ ہی کی جچی ہے۔ آپ دونوں ایک ساتھ بہت پیارے لگے اور ایکٹنگ تو اس غضب کی تھی کہ ہم تعریف نہیں کرسکتے۔ واقعی آصف کی کسی ہیروئن نے اتنا متاثر نہیں کیا جتنا کہ آپ نے کیا۔ آصف تو ہمارے پسندیدہ ہیرو تھے ہی، اب ہم آپ کے بھی فین ہوگئے ہیں۔" تانیہ وسیع القلبی سے تعریف کررہی تھی۔

"وہ تو بس شوق ہی شوق میں ایک ڈراما کرلیا تھا۔ ورنہ ڈراما میری فیلڈ نہیں ہے۔" میں کھسیاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"فنکار لوگ شوق ہی شوق میں کام کرتے ہیں۔ بے زاری اور لاچاری سے کہاں کام ہوتے ہیں۔ آپ واقعی "اے ون" آرٹسٹ ہیں۔" تانیہ کے ساتھ نغمی بھی میری اداکاری کی مدح میں شامل ہوگئی۔

اور میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں پانی ملے تو ڈوب مروں۔ جتنا میں اس موضوع پر خاک ڈالنا چاہ رہی تھی، اتنی ہی وہ دونوں بہنیں ایکسائیٹڈ ہورہی تھیں۔

"پلیز بتایئے ناں، اب آپ آصف کے ساتھ کس ڈرامے میں آرہی ہیں۔"

"کسی میں بھی نہیں۔" میں نے تھوک نگل کر بمشکل کہا۔

"آخر وجہ؟ اتنی پیاری تو آپ دونوں کی جوڑی ہے۔"

"وجہ کیا ہوسکتی ہے۔ کچھ بھی نہیں، ہمارے خاندان کی لڑکیاں ڈراموں میں کام نہیں کیا کرتیں۔ اجازت ملنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ ایک ڈرامے میں کام کرنے کی اجازت گھر سے کیوں کر مل گئی۔"

"ضمیر تو بہت براڈ مائینڈڈ ہیں۔ ہم ان سے کہیں گے کہ وہ آپ کو اجازت دے دیں۔ ہمیں تو شوبزنس سے منسلک لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔" تانیہ بہت زعم سے کہہ رہی تھی، یوں جیسے ضمیر بھائی اس کے اشاروں پر ناچتے ہوں یا اس کی کسی بات کو رد کرنا ان کے لئے قطعی ناممکن ہو۔

"تانیہ پلیز، مجھے شوق ہی نہیں رہا تو آپ خواہ مخواہ اپنی بات ہلکی کریں۔ آپ یقین کیجئے، ڈراما کرنا تو

ایک طرف میں تو اب ڈراما دیکھنے کی بھی روادار نہیں رہی۔ کالج کے بعد گھر میں اتنی مصروف ہوتی ہوں کہ کہیں آنے جانے کا وقت بھی نہیں ملتا۔" میں روہانسی ہوکر بولی۔

"یہ تو آپ اپنے آپ پر ظلم کررہی ہیں۔ اتنی ٹیلنٹڈ ہوکر اپنے فن کو ضائع کررہی ہیں۔ لوگ تو ساری زندگی اچھے مواقع کے انتظار میں رہتے ہیں اور آپ کا تو ڈراما اتنا ہٹ گیا، اخبار و رسائل میں اس قدر تعریف ہوئی۔ اس کے باوجود بھی...... حیرت ہے۔" نغمی تاسف سے مجھے دیکھ رہی تھی جیسے میری نادانی پر اسے افسوس ہورہا ہو۔

"اگر اسٹیج پر دو چار ڈرامے اور کرلیتیں تو تمہیں ٹی وی پر اچھا خاصا چانس مل جاتا۔" تانیہ بھی اپنی بہن کے ساتھ تاسف میں شراکت دار بن گئی۔

"آصف، آصف، آصف۔" میرا سر گھوم کر رہ گیا۔ وہ دونوں مسلسل آصف کی تعریف و توصیف کے گن گا رہی تھیں میں کرسی سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے سوچ رہی تھی۔

"آصف تم جھوٹے تھے، تمہاری تمام باتیں جھوٹی تھیں۔ تم نے مجھے پُرسحر نظروں سے پرچایا تھا جس کی کسک میں آج بھی محسوس کرسکتی ہوں۔"

تم نے کہا تھا...... نہ جی سکوگی...... تم مجھ بنا۔

میں نے کہا تھا۔

جی کے کیا کرنا ہے۔

تمہارے بنا......

بھلا چاند بھی کبھی

ہوا ہے تاروں سے دور

گل سے بھی کوئی

کرپایا ہے خوشبو کو جدا......

سب یاد ہے مجھ کو...... تم نے کہا تھا

سمندر سے کبھی...... لہریں ہوئی جدا

پھر میں اور تم...... کیسے ہوں گے جدا؟

مگر اب ایک پل کو سوچو ذرا کہ

اب میں بھی تم سے دور ہوں

اور تم بھی ہو مجھ سے کوسوں دور

میں بھی جی رہی ہوں اور تم بھی

کہ تمہارا میرا ساتھ

رشتہ تھا محض کچھ

خوب صورت ڈائیلاگز کا!

"لگتا ہے کہ اسٹیج چھوڑ کر آپ کو بھی افسوس ہوا ہے، جب ہی تو گم صم ہوگئیں۔" نغمی میری پریشان صورت سے نتائج اخذ کررہی تھی۔

"شہرت پاکر کون اسے ٹھوکر مارتا ہے۔" تانیہ اندازہ لگاتی ہوئی نظروں سے مجھے ٹٹول رہی تھی کہ میں ایسا کیوں کررہی ہوں۔

"اگر میرا شوق سلامت رہتا تو یقیناً میں مزید "پلے" ضرور کرتی۔ بہرحال اپنا ہلکا پھلکا شوق اب کالج

کے ڈراموں میں حصّہ لے کر پورا کرلیا کرتی ہوں۔'' میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ کم بختوں کی
دوسرے موضوع پر بات کرو میں زیرلب کوستے ہوئے کہہ رہی تھی۔
''سوری ماہم! آپ بھی نہ جانے کیا سوچنے لگی ہوں گی۔ دراصل آصف ہمارے فیورٹ ہیرو ہیں۔
ہم ان کا کوئی پلے مس نہیں کرتے۔ یہ اتفاق تھا کہ جن دونوں آپ کا ڈرامہ چلا ان دونوں ہم سڈنی میں
کرکٹ میچ دیکھنے گئے ہوئے تھے۔ بعد میں آپ کا ''پلے'' وی سی آر پر دیکھا۔''
ثانیہ ذہین تھی میرا چہرہ پڑھنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔
''سنا ہے، آج کل آصف اپنا کوئی ''پلے'' لے کر مشرق وسطی کے دورے پر گئے ہوئے ہیں۔'' نغمی اپنی
معلومات میں اضافہ کرنے کی متمنی تھی۔
''میں لاعلم ہوں۔'' اس سے مختصر جواب شاید کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔
''آصف از اے وَنڈر بوائے۔'' نغمی اپنی کسی دوست کو دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔
''آصف جیسے ہیرو، بہت کم ہوتے ہیں۔ اپنا ڈائیلاگ ظالم یوں ادا کرتا ہے جیسے کہ حلف اٹھا رہا ہو۔''
ثانیہ بھی شگوفہ چھوڑ کر کسی مہمان کو ریسیو کرنے بڑھ گئی۔
اور میری آنکھوں میں جیسے خون سا اتر آیا کمینے انسان، دیکھو اب بھی تمہارا نام مجھے ایذائیں پہنچا رہا
ہے۔ یہ میرے لئے انتہائی اذیت کا مقام ہے کہ لوگ تمہارا نام میرے نام کے ساتھ نتھی کریں۔ تم جیسے
ہو، وہ صرف میں ہی جان سکتی ہوں تمہارے بارے میں لوگوں کی رائے کتنی ہی نفیس کیوں نہ ہو مگر تم یقین
کرو کہ جب بھی تمہارا کوئی تعلق میرے ساتھ جوڑا جاتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی نے میرے
شفاف دامن پر گندے چھینٹے ڈال دیئے ہوں۔''
''آصف، خدا تمہیں غارت کرے۔'' میں اپنے لب کاٹتے ہوئے پژمردہ سوچوں میں گرفتار ہو چکی
تھی۔ ضمیر بھائی کے ساتھ جس شوق کے ساتھ یہاں آئی تھی، وہ آصف کے ذکر کے ساتھ ہی ہوا ہو
گیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ پر لگ جائیں اور میں یہاں سے اڑ کر چلی جاؤں۔ اب نہ ثانیہ اچھی لگ رہی
اور نہ ہی یہ پُررونق محفل۔ میرا دل خواہ مخواہ ہی ملول سا ہو گیا تھا۔
''لگتا ہے، آپ ہمارے ہاں آکر بہت بور ہوئی ہیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد ثانیہ میرے پاس کھڑی
سے کہہ رہی تھی۔
''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔'' جملے میرے حلق میں
پھنس رہے تھے۔
''ریئلی!'' اس نے شوخی سے میری آنکھوں میں جھانکا۔
''وائے ناٹ......'' میں زبردستی مسکرانے لگی۔
''ڈانس کریں گی آپ، چائے کے بعد۔'' ثانیہ چہکتی ہوئی مجھ سے پوچھ رہی تھی۔
''نہیں۔'' میرا چہرہ یک دم سرخ سا ہو گیا۔
''ڈانس تو شاید آپ کو آتا ہے۔'' وہ سمجھی کہ شاید میں شرما رہی ہوں۔
''ثانیہ پلیز۔'' میں نے ہولے سے اس کے دودھیا ہاتھ دبا دیئے ورنہ وہ ڈرامے کے حوالے کے
گفتگو کا رخ وہیں لے جاتی جہاں سے سلسلہ بڑی مشکل سے منقطع ہوا تھا۔
تب ہی ڈانس کے لئے اناؤنسمنٹ ہوئی اور لوگ سامنے ڈانسنگ فلور پر اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔
میں ایک گھریلو سی خاتون کے برابر جا کر بیٹھ گئی۔ ثانیہ اور نغمی ڈانسنگ فلور پر چلی گئیں مگر مجھے حیرت
وقت ہوئی جب ضمیر بھائی ثانیہ کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کا دایاں ہاتھ اپنی انگلیوں میں پھنسائے

ہولے اسٹیپ لے رہے تھے۔
''ہوں!'' باہر جا کر اس کی ٹریننگ بھی کی ہے جس سے ہمیں لاعلم رکھا۔
ثانیہ کا چہرہ خوشی سے سرشار ہو رہا تھا۔ وہ اپنا سر ضمیر بھائی کے سینے میں گھسائے مسلسل مسکرا رہی تھی اور ضمیر
بھائی دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کے بالوں میں منہ دیئے کسی چابی کے گڈے کی طرح گھوم رہے تھے۔
''ابھی سے یہ عالم ہے تو بعد میں خدا جانے کتنے ناچیں گے۔ انگلیوں پر یا اشاروں پر۔
میں خود ہی سوچ کر مسکرانے لگی۔
''چاندنی بیٹے کیا سوگئیں تم؟'' ابا جان نماز پڑھ کر آئے تو مجھے بے وقت لیٹا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگے۔
''نہیں ابا جان، بس یونہی لیٹ گئی تھی۔'' بیڈ کور سے اپنی آنکھیں پونچھ کر میں اٹھ بیٹھی۔ اپنے آپ پر
قابو پانے کی میں ویسے ہی ماہر تھی۔
''ظہیر کا خط آیا ہے۔ اس کا کوئی دوست امریکا جانے والا ہے، اس نے اپنے اور ثمرین کے لئے کچھ
کپڑے اور جوتے منگوائے ہیں۔ ڈرائیور موجود ہے تم میرے ساتھ چلی چلو تاکہ ان کے لئے چیزیں
خریدی جاسکیں۔''
''لوگ تو امریکا سے یہ چیزیں لاتے ہیں۔ ظہیر بھائی پاکستان سے منگوا رہے ہیں۔'' میں نے حیرت
سے کہا۔
وہاں مہنگے ملتے ہوں گے، جب ہی تو اس نے لکھا ہے۔''
''یہ ثمرین بھابھی تو شروع سے ہی امریکا میں رہی ہیں جاپانی اور امریکی کپڑوں کی بجائے پاکستانی
کپڑے پہننے کا شوق ہوگیا ہے لیکن مجھے یاد ہے کہ دو ماہ پہلے بھی آپ نے کسی کے ہاتھ ان کو کچھ چیزیں
بھجوائی تھیں۔'' مجھے ابا جان کے ساتھ نہیں جانے کیوں اس وقت دل نہیں چاہ رہا تھا۔
''کوئی فرق نہیں پڑتا، ظہیر ہم سے نہیں کہے گا تو کس سے کہے گا۔'' ابا جان سادگی سے کہہ رہے تھے۔
''مگر انہوں نے تو ہم لوگوں کے لئے کچھ نہیں بھیجا۔ ایسی بہت ساری چیزیں جو یہاں بہت مہنگی ملتی ہیں
اور امریکا میں بہت سستی ہیں۔''
اور پھر یہی ہوا کہ بازار سے مطلوبہ تعداد سے زیادہ چیزیں خریدی گئیں۔
''ابا جان ظہیر بھائی نے ایک جوڑی چپل منگائی ہے اور آپ چار خرید رہے ہیں۔''
''اُفوہ بعد میں کام آجائیں گے اس وقت لے جانے والا موجود ہے آسانی سے چلی جائیں گی۔'' وہ
پیک کرواتے ہوئے بولے۔
کتنے شاداں نظر آرہے تھے وہ ظہیر بھائی کے لئے شاپنگ کرتے ہوئے۔ واقعی ماں باپ کا مقابلہ دنیا کا
کوئی رشتہ نہیں کرسکتا۔ ان کی محبت کی اپروچ ہی مختلف ہوتی ہے۔ نام و نمود سے قطعی بے پروا۔
اور ایک ظہیر بھائی تھے اتنا عرصہ ہو گیا تھا امریکا گئے ہوئے۔ مہینے میں ایک مختصر سا خط لکھ کر سمجھتے تھے کہ
انہوں نے اپنا فرض ادا کردیا ہے۔
فون بھی زیادہ تر پاکستان سے ہوتے تھے۔
''ظہیر بھائی، آپ بھی تو ہمیں فون کیا کریں۔ جب دیکھو ہم ہی آپ کو فون کرتے ہیں۔'' ایک دن
فون پر میں نے ان سے شکایت کی۔
''چندا! پاکستان سے فون کرنے میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔'' انہوں نے ذہانت سے معمور لہجے میں کہا
''وہاں سے فون کرنے میں ایسے کیا نقصانات ہیں۔'' ان کی بات پر مجھے حیرت ہو رہی تھی آخر لوگوں
کے فون امریکا سے آتے ہی تھے۔

''ہونا بے وقوف، اتنا نہیں سمجھتی ہو کہ روپے کے مقابلے میں ڈالر پچاس گنا مہنگا ہے مجھے اپنا بل ڈالرز میں دینا ہوگا، جب کہ تمہارے فون کا بل بے حد کم ہوگا جب بھی فری کا موقع لگ گیا تو فون کرلوں گا۔''
اور میں دکھ کے گہرے سائے میں اترتی چلی گئی تھی۔ ظہیر بھائی کی باتوں سے واقعی ڈالرز کے بھبکے آنے لگے تھے کتنی جلدی بدل گئے تھے وہ ہر بات ہر چیز کو قیمت میں کنورٹ کرنے لگے تھے۔ گھر کے بدلے حالات ان کی نظر میں بھی تھے۔ جب بھی خط آتا فرمائشوں کے بوجھ سے لدا پھندا آتا جسے ابا جان اور ضمیر بھائی خوشی خوشی پورا کرتے۔ مگر میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھ کر رہ جاتی۔ ظہیر بھائی ایسے نہیں تھے جیسے وہ ہو گئے تھے یا شاید وہ شروع سے ایسے ہی تھے۔ ہم انہیں پہچان نہیں سکے تھے انسان کو سمجھنا اور پہچاننا دنیا کا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ اب ابا جان تمام چھوٹے پیکٹوں کا ایک بڑا پیکٹ بنا رہے تھے اور میں اپنی کتاب منہ سے لگائے لیٹی تھی۔ جس میں شعروں کا شہد قطرہ قطرہ کر کے میرے من میں درد کی صورت اتر رہا تھا۔

''ماورا پبلشرز کے پاس سے کتابیں خرید کر سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ فیروزہ پر نظر پڑی وہ سڑک پر کھڑے ٹھیلے سے پھل خرید رہی تھی۔ صفدر اپنا اسکوٹر لئے پاس ہی کھڑے تھے۔''
''ہیلو! صفدر بھائی۔'' میں قصداً ان کے سر پہنچ گئی۔
''ارے ماہم تم!'' ان کا چہرہ اتر جانے کے بجائے کھل سا گیا۔
''دیکھئے، کیسے پھل خریدتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے آپ کو۔'' میں ان کے کانوں میں ممنائی۔
''کیا کھاؤ گی۔'' سامنے ہی اسنیک بار ہے۔'' وہ خوش دلی سے بولے۔
''کتابیں دیکھ رہے ہیں آپ، کس قدر خریدی ہیں۔'' میں نے بڑے سے پیکٹ کی جانب اشارہ کیا۔
''گھر جا کر ان کو ہی گھول کر پیوں گی۔'' میں ہنسی۔
''تم بالکل نہیں بدلیں، ویسی ہی ہو، جیسی اول دن تھیں۔'' ڈائیلاگ بولنے کا موقع انہوں نے فوراً ہی ڈھونڈ لیا۔
''اول دن میں کیسی تھی؟'' دل چاہا کہ وضاحتیں طلب کروں مگر فیروزہ کو دیکھ کر مجھے یاد آ گیا کہ صفدر کس قماش کے لڑکے ہیں؟ منہ میں آئے جملے میں نے اپنے ہی لبوں سے کچل ڈالے۔
''ضمیر بھائی کیسے ہیں؟
''ارتقاء باجی اور ان کی گڑیا کا کیا حال چال ہے۔''
''ظہیر بھائی اور ثمرین بھابھی۔ پاکستان تو نہیں آ رہے۔''
''صفدر کسی ٹیپ کی طرح سوال پر سوال کر رہے تھے اور میں ہوں ہاں میں ٹال رہی تھی۔ میری نظریں فیروزہ کا جائزہ لے رہی تھی۔ کالج میں تو کس کر چٹیا بنا کر آتی تھی مگر اس وقت اس نے بالوں کو لپیٹ کر گدی کے اوپر جوڑا سا بنایا ہوا تھا۔ قمیص کی فٹنگ بھی خاصی کسی ہوئی تھی۔ صاف ستھرے پیر سیاہ سینڈلوں میں پھنسے خاصے خوش نما نظر آ رہے تھے۔
فیروزہ کی میری جانب سے پشت تھی۔ اس لئے ابھی تک اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔
''ہمارے دفتر کے ساتھی کی بڑی لڑکی علیل ہے، اسی کو دیکھنے کے لئے اسپتال جا رہے ہیں۔'' صفدر نے پچاس کا نوٹ پھل والے کو دیتے ہوئے کہا۔
''ماہم تم!'' فیروزہ پھلوں کا لفافہ لے کر پلٹی تو مجھے صفدر کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کر نہ صرف حیران ہوئی بلکہ چہرے پر پشیمانی کا پسینہ بھی پھوٹ پڑا، یوں جیسے مجھے دیکھ کر ملال ہوا ہو۔
''ماہم، یہ فیروزہ ہیں۔ ہمارے کولیگ منشی فضل دین کی صاحب زادی۔'' صفدر نے تعارف کی رسم

نبھائی۔
''ماہم کو میں جانتی ہوں۔ یہ میری کلاس فیلو ہیں۔'' اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔
''رئیلی!'' صفدر استفہامیہ لہجے میں مجھ سے پوچھ رہے تھے۔
''ہاں بھئی میرا اور فیروزہ کا تو روز کا ساتھ ہے۔'' مجھے اس کی گھبراہٹ پر ہنسی سی آئی۔
''آپ ماہم کو جانتے ہیں۔'' فیروزہ الجھی الجھی سی صفدر سے پوچھ رہی تھی۔
''ماہم ہماری رشتے دار ہیں۔'' صفدر کے لہجے میں ارمان سمٹنے لگے۔
آپ نے بتایا ہی نہیں۔'' وہ کھسیا کر پوچھ رہی تھی۔
''ایسا کبھی موقع ہی نہیں آیا۔ آج یہ نظر آ گئیں تو بتا رہا ہوں کہ ان محترمہ سے ہماری بڑی قریبی رشتے داری ہوتی ہے۔'' لفظ ''قریبی'' پر خاصا زور دیا گیا۔
''صفدر بھائی، اسپتال کا ٹائم ختم ہو جائے گا۔'' فیروزہ لفافہ لے کر اسکوٹر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ انداز یوں تھا کہ جلدی جلدی سے بھاگ چلو، میں تمہارے کسی رشتے دار سے نہیں ملنا چاہتی۔
''اس وقت ذرا جلدی میں ہوں۔ انشاء اللہ جلد ہی گھر آؤں گا۔'' صفدر خدا حافظ کہہ کر بڑھ گئے۔
''اونہہ، گھر آؤں گا۔ یوں جیسے میرے پاس فرصت کے اوقات کی بھرمار ہے۔ تم یونہی نزلے کھانسے کے مریضوں کی تیمارداری کرتے رہو۔ اور ایسے ہی کسی دن غارت ہو جانا۔'' میں نے خواہ مخواہ کوسا۔
''جیب میں دمڑی نہیں، رفاہی کام کریں گے۔'' میں گھر کی جانب جاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ یہ سب لڑکیوں کے پاس رہنے کے خوبصورت بہانے ہیں۔ دل کی تاویل پر مجھے ہنسی آ گئی۔
واقعی انسان اپنی سرشت سے باز نہیں آ سکتا۔ لوگ خواہ کتنی ہی باتیں بنائیں، کتنے ہی نام دھریں، وہ وہی کرتا ہے جو اس کی عادت ہوتی ہے جو اس کا دل چاہتا ہے اور صفدر تو ان معاملات کے ہمیشہ سے رسیا تھے۔
کافی دیر سے دروازے پر بیل ہو رہی تھی۔ ابا جان باہر ٹہلنے گئے ہوئے تھے۔ مجیدن کے کان میں تو کبھی آواز ہی نہیں پڑتی تھی۔ میں اسی آلکس میں بیٹھی تھی کہ باجی دروازہ کھول دیں تو مجھے اٹھنا نہ پڑے مگر باجی بھی شاید شاور لے رہی تھیں۔ ناچار خود ہی اٹھنا پڑا۔ دروازہ کھولا تو صفدر کی اماں اپنی چھوٹی بیٹی کے ساتھ کھڑی تھیں۔
''ارے، آپ اندر آیئے۔'' میں دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔
''اس صفدر کو تو فرصت ہی نہیں ہے پتا نہیں، کہاں کہاں مارا پھرتا ہے۔ اب ثریا کی شادی کے کارڈ مجھے ہی بانٹنے پڑ رہے ہیں۔'' انہوں نے شادی کے کارڈ سامنے رکھ دیئے۔
کیا صفدر بھائی نے ٹیوشنز وغیرہ اور بڑھالی ہیں؟'' میں نے چندرا کر پوچھا۔
''اب کہاں پڑھتا ہے وہ ٹیوشن، عرصہ ہوا سب چھوڑ دیں۔ جب سے نگوڑی کمپنی میں ملازمت ملی ہے، اسی میں شام ہو جاتی ہے۔ بقیہ وقت دوستوں میں اڑا دیتا ہے۔ کب سے کہہ رہا تھا کہ تم لوگوں کے کارڈ خود دے کر جاؤں گا مگر اب اس کے پاس تو ٹائم ہی نہیں ہے۔''
''ماہم باجی! آپ مہندی کے دن سے ہمارے گھر آ جایئے۔'' فریدہ نے محبت سے کہا۔
''مہندی پر تو نہیں مگر شادی پر ضرور آئیں گے۔'' میں نے وعدہ کیا۔
''مگر مہندی پر تو شادی سے زیادہ مزہ آتا ہے۔ ہم نے اتنے مزے مزے کے گانے تیار کئے ہیں کہ سن کر ہنسی نہ رکے۔''
فریدہ کہہ رہی تھی اور میری آنکھوں میں نصرت کے بھائی کی مہندی والی وہ شب گھوم گئی جب میں

سہیلیوں کے گروپ میں دوزانو بیٹھے ہوئے ڈف بجاتی ہوئی گا رہی تھی اور شہری سامنے بیٹھا ہوا صرف مجھے ہی دیکھ رہا تھا یوں جیسے مجھے آنکھوں کے راستے اپنے دل میں اتار رہا ہو۔ اور میرے گیتوں کو امرت سمجھ کر پی رہا ہو۔

وعدہ ہے دل تجھ کو دوں گی
پر آج نا...... پر آج نا
دلہن تیری بنوں گی پر آج نا
آنکھوں میں گجرا بالوں میں گجرا
ہاتھوں میں مہندی رچاؤں گی
ہونٹوں پر مل کے لالی
سانسوں میں خوشبو جگاؤں گی
تو جو کہے گا میں وہ کروں گی
ساجنا پر آج نا

میں نے گیت ختم ہی کیا تھا کہ ونس مور، ونس مور ایک شور مچ گیا۔ لڑکیاں، لڑکوں نے تالیاں پیٹ پیٹ کر اپنی ہتھیلیاں سرخ کر لی تھیں مگر شہری اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے مجھے یوں دیکھے چلا جا رہا تھا جیسے اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔

''اے تیرا یہ لمبو کچھ زیادہ نہیں دیکھ رہا۔'' نصرت ڈھولک کی رسیاں کستے ہوئے میرے کہنی مار کر بولی۔

''وہ کم کس طرح دیکھ سکتا ہے اس کی آئی سائیڈ سلس بائے سکس ہے۔'' میں ہنسی۔

''مگر اس طرح تو نہیں دیکھنا چاہیے کہ صرف تجھے ہی دیکھ رہا ہے۔''

''اچھا، میں کہہ دیتی ہوں کہ تھوڑا سا نصرت کو بھی دیکھ لوں۔''

''ماروں گی ایک ہاتھ۔'' وہ کھسیا گی۔

''پھر وہ بے چارہ کیا کرے، مہندی میں آیا ہے، گانے کیا وہ آنکھ بند کر کے سنے۔'' میں نے دوسرے گانے کی تیاری کرتے ہوئے نصرت کے کان میں کہا۔

''کم بخت، وہ گانے سن نہیں رہا بلکہ گانے دیکھ رہا ہے۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' میں ڈھولک کے ساتھ دف بجاتے ہوئے شہری کو دیکھ کر مسکرائی۔ واقعی اس کی آنکھیں صرف مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا کہ پلک جھپکنا بھی بھول گیا ہے۔ لڑکیوں کی تالیوں کے ساتھ میں نے دوسرا گیت شروع کیا۔

مہندی سے واپسی پر وہ اپنی بائیک دھیمی رفتار سے چلاتے ہوئے صرف ایک ہی ٹکڑا گنگنا رہا تھا۔

''مگر ہمیں بھول نہ جانا۔''

''ماہم باجی، آپ شادی میں بھی آئیں یا بعد میں معذرت کرتے ہوئے کہہ دیں گی کہ میں بھول گئی تھی۔'' فریدہ مجھے ہلا ہلا کر کہہ رہی تھی۔

''ارے، کیوں نہیں آئیں گے بھلا۔'' میں سر جھٹک کر پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔

''مہندی میں آ جاتیں تو اچھا لگتا۔'' صفدر کی اماں لاڈ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''بچی ہونے کے بعد باجی مسلسل بیمار سی رہتی ہیں۔ حرا کی دیکھ بھال کے ساتھ ابا جان کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے میں گھر کو چھوڑ دینا میرے لئے مشکل ہوگا۔ بہر حال شادی میں ہم سب آئیں گے۔'' میں نے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔

''سنا ہے کہ ارتقاء کو طلاق ہو گئی ہے۔ ابھی شادی ہوئے عرصہ ہی کتنا گزرا تھا کہ طلاق کا بار بھی سہہ لیا بچی نے۔'' وہ بات جو ہم ایک دوسرے سے بھی چھپا رہے تھے خاندان میں گردش کر چکی تھی۔

''بس قسمت کا چکر تھا کیا کہہ سکتے ہیں۔'' میں نے بات ٹالی۔

''بچی تو نہیں مانگی ہو گی انہوں نے۔'' وہ کرید رہی تھیں۔

''خدا کا شکر ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔''

''ہاں بھئی، لڑکی لے کر وہ کرتے بھی کیا۔ لڑکا ہوتا تو وہ چھین کر لے جاتے۔ تم لوگ سیدھے ہو، خواہ مخواہ لڑکی رکھی۔ انہی کم بختوں کے منہ پر مار دینی تھی۔ کہ لو پالو، پوسو اور شادی کے موقع پر اپنی دولت کو آگ لگاؤ۔'' وہ اپنی ذہنی اپچ کے مطابق تعزیت کر رہی تھیں۔

اور ان کی باتوں سے میرے زخموں کے ٹانکے از خود کھلتے چلے جا رہے تھے۔ مجیدن شربت بنا کر لائی تو ان کو دینے سے قبل ایک گلاس میں خود ہی چڑھا گئی۔

''ماموں ممانی آتے ہیں تمہارے ہاں؟'' لگتا تھا وہ تحقیقات کرنے آئی ہیں۔

''جی ہاں، آتے ہیں نہ آنے کی بھلا کیا وجہ ہو گی۔''

''شہری کیسا ہے؟ میرا تو ان کے ہاں میلاد میں بھی نہیں جانا نہیں ہوا تھا۔''

''جی، سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔''

''اگر ضمیر پہنچا دیں تو ان کے کارڈ تمہیں دے جاؤں؟''

''آپ دے جایئے، میں پہنچوا دوں گی۔''

باجی نہا کر باہر آئیں تو صفدر کی اماں سے لپٹ گئیں۔ ''ارتقاء بیٹی، صبر کرو اللہ کو یہی منظور تھا۔'' نہانے کی بشاشت جو چند لمحے پہلے ان کے چہرے پر نظر آ رہی تھی۔ وہ یک دم معدوم سی ہو گئی۔ اس سے قبل کہ صفدر کی اماں دو چار رونے کی آوازیں نکالتیں باجی کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔

اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ دکھوں کے قدم تو برق رفتاری سے بڑھتے ہی ہیں مگر یہ عزیز و اقارب بھی دوسروں کے دکھوں سے بڑی محبت کرتے ہیں۔

''باجی، آپ مجھ سے وعدہ کر چکی ہیں کہ اب آنسو ہرگز نہیں بہائیں گی پلیز!''

''ارے، یہ تو ساری عمر کا رونا ہے، کب تک چپ رہے گی، رونا تو اللہ نے اس کے نصیب میں لکھ دیا۔ بچی کا ساتھ ہے، دوسری شادی ہونا بھی مشکل ہے۔ آج کل اچھی اچھی کنواریاں اپنے چونڈے سفید کر لیتی ہیں اور انہیں کوئی بر نصیب نہیں ہوتا۔ یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ باپ بھائی بھی کب تک کھلائیں گے۔ بھاوج گھر میں آئے گی تو سب سے پہلے ارتقاء نظروں میں تلے گی۔ کل کو بچی جوان ہو گی تو اس کی شادی کا الگ فضیتا اٹھے گا۔'' صفدر کی اماں اپنی جہالت کے راگ نہ جانے کب تک الاپتیں مگر میں باجی کا ہاتھ پکڑ کر باہر بالکونی میں لے گئی۔ جہاں پھولے پھولے گالوں والی سرخ و سفید حرا مجیدن کا ہاتھ پکڑ کر ٹہل رہی تھی۔ باجی کو دیکھا تو مما کہہ کر دونوں ہاتھ بڑھا دیئے اور باجی بھی بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا کر چومے چلی گئیں۔

''مما پاری۔ مما پاری۔'' حرا خوش ہو ہو کر تالیاں بجا رہی تھی۔'' تب ہی باجی کے پژمردہ چہرے پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''بچے قدرت کا کتنا خوبصورت انعام ہیں جو اپنی معصوم حرکتوں اور پیاری برکتوں سے تمام تر تھکاوٹ ختم کر دیتے ہیں، باجی کی پوری توجہ حرا کی جانب مرکوز ہو چکی تھی تب میں خاموشی سے اندر اٹھ آئی، یہاں صفدر کی اماں کو خدا حافظ بھی کہنا تھا۔

حرا کی دوسری سالگرہ تھی۔ میں نے باجی کا کمرہ خوب سجادیا تھا۔ حرا کے بیڈ کے چاروں جانب رنگین غبارے اور خوب صورت جھالریں لٹکادی تھیں گو کسی مہمان کو نہیں بلایا تھا مگر شہری اور ماموں ممانی کو کہہ دیا گیا تھا اور ضمیر بھائی نے مووی بنوانے کا بھی انتظام کردیا تھا۔

سبز کاہی کامدانی کے کرتے شلوار میں حرا بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اپنے کمرے کو یوں سجا دیکھ کر وہ خوشی سے اٹھلاتی پھر رہی تھی۔ مووی کا کیمرہ اس کی تمام حرکتوں کو مقید کررہا تھا۔

عرصے کے بعد آج باجی نے اپنے آپ کو سنوارا تھا۔ شیفون کی ڈارک نیوی بلیو ساری میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

شہری بہت سارے پیکٹ لے کر داخل ہوا تو حرا اس کو دیکھ کر لپک کر بڑھی، وہ اس سے مانوس بھی بہت تھیں

اور شہری نے اسے فوراً ہی گود میں اٹھالیا۔

"بنی کس کی ہے؟" شہری نے حرا کا ماتھا چوم کر پوچھا۔

"ماموں دان کی۔" حرا نے اپنے دونوں ہاتھ شہری کے گلے میں حمائل کردیئے۔

"یہ ہوئی ناں بات۔" وہ حرا کو بے اختیار اچھالنے لگا۔ حرا کے گول مٹول چہرے پر مسرت بھری قلقاریاں ایک منفرد حسن پیش کررہی تھیں۔ بچے ہنستے ہوئے کتنے خوبصورت لگتے ہیں، شاید کائنات کی خوب صورتیوں میں ایک خوب صورتی یہ بھی ہے۔

حرا ہنسنے پر آئی تو ہنسے چلی جاتی۔ دائیں گال پر ننھا سا ڈمپل پڑ جاتا اور ایسے میں اسے دیکھ کر بے اختیار پیار آجاتا، واقعی بے حد خوبصورت بچی تھی۔ شہری اسے تحفہ دے کر ابا جان سے باتوں میں مصروف ہوا تو وہ میری جانب بڑھ آئی۔

"آنٹی آپ بھی اوپر کریں۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے بولی۔

"مجھے نہیں آتا، اچھالنا، ڈھائی مَن کی تو تم ہو۔" میں نے اس کے سرخ سفید گال پر چٹکی لی۔

"ماموں دان دیکھو آنٹی کو۔" وہ قمیص کا دامن پکڑ کر ٹھنک رہی تھی اور شہری سے شکایت کررہی تھی۔

"اپنی گڑیا کو میں خود اچھالوں گا۔" شہری نے اسے دوبارہ گود میں لے لیا۔ شہری کے پاس آتے ہی وہ خوب چہکنے لگی تھی۔

ضمیر بھائی آئے تو وہ ان کی گود میں چڑھ گئی۔ اور جب باجی کی گود میں بیٹھ کر اس نے کیک کاٹا تو سب سے پہلے کیک کا ٹکڑا باجی کے منہ میں رکھا۔

"بیٹا، پہلے آپ کھایئے۔" باجی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"پہلے امی دان۔" وہ باجی کے منہ میں کیک رکھ کر نہال ہوگئی اور مجھے یوں دیکھا جیسے خوشیوں کی تمام تر کرنیں باجی کے چہرے پر سمٹ آئی ہوں۔

باجی! حرا کی معصوم اور پیاری حرکتیں دیکھ کر ہنس رہی تھی اور شہری چٹکلے چھوڑ رہا تھا۔ ابا جان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، ضمیر بھائی حرا کی شرارتوں میں اس کا ساتھ دے رہے تھے اور سب کو بے حد خوش دیکھ کر مجھے طمانیت کا احساس ہورہا تھا۔

"خدا کرے کہ میری باجی ہمیشہ یونہی خوش رہیں۔" میں نے آنکھیں بند کرکے سوچا!

"اے بابا جی، گیان دھیان میں مصروف ہو کیا؟" شہری اپنا کافی کا مگ لے کر میرے پاس آگیا۔

"ٹھونس لیا سب کچھ یا ابھی اور کھاؤ گے۔؟" میں نے اس سے کہا۔

"اگر آپ کی اجازت ہو اور آپ ساتھ دیں تو دوسرا راؤنڈ شروع کیا جاسکتا ہے؟ مگر شرط یہ ہے کہ تم ساتھ دو۔" وہ گہرے لہجے میں بولا۔

"اجازت تو پوری پوری ہے مگر افسوس کہ میں اتنی پیٹو نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ تمہارے برابر کا کھا سکوں۔" میں ہنسی۔

"ہاں۔ مادام! اس کا اندازہ ہے مجھے۔ صرف ایک بار غلطی سے انوائیٹ کرنے کا مجرم ضرور ہوں۔ ابھی تک مالی پریشانی چل رہی ہے۔ خدا کی قسم کس قدر نقصان کروایا تھا تم نے میرا لڑکیاں اتنا کب کھاتی ہیں۔" وہ شوخی پر آیا تو لہجہ بھی بدل گیا۔

"شہری کے بچے، کنجوس اب تم خوشامد بھی کرو تو میں تمہارے ساتھ نہ جاؤں۔" میں نے دانت پیسے۔

"واہ بھئی واہ! میرا کیا دماغ خراب ہے جو اپنے پیسوں میں آگ لگانے کے لئے خوشامدیں کروں گا۔ یہ بھی خوب ہے، اپنے گھر میں کچھ نہیں کھاتا ہیں، اس دن ہوٹل میں، میں میزبان کیا بن گیا کہ مجھ پر ظلم توڑ دیئے۔" وہ مزید اوچھا بن گیا۔

"شہری، اسٹاپ دس ناٹ ٹاک......" مارے غصے کے میرا منہ سرخ ہوگیا یہ بھی اچھا تھا کہ سب لوگ باجی اور حرا کے اردگرد تھے، شہری کی کمینی باتیں دوسرا کوئی نہیں سن رہا تھا۔

"ہاں، اب ہوئی نا بات چہرے پر سرخی بھی آگئی، ایمان سے یہی چہرہ تو میں دیکھنا چارہا تھا تمہارا۔ اب رنگ آیا ہے رخساروں پر۔"

"اے جتنے تم چھچھورے ہو، اس سے زیادہ چھچھوراپن دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اسے لتاڑا۔

"کبھی تو کچھ سن لیا کرو۔" وہ اپنے مگ میں مزید کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

"یقین کرو شہری، تمہاری بے پرکی باتیں سن کر مجھے وحشت ہوتی ہے مجھے اس ٹائپ کی باتیں ہرگز پسند نہیں ہیں۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"بائی دی وے۔ کس ٹائپ کی باتیں تمہیں اچھی لگتی ہیں تاکہ میں انہیں پلو سے باندھ لوں۔" اس نے میرا دوپٹے کا پلو تھام لیا۔

"ہشت!" میں یک دم سرخ سی ہوگئی

اور عین اسی لمحے فرحین گھر میں داخل ہوئی۔ اسی وقت شہری جھک کر مجھ سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"ارے، آپ کے ہاں تو شاید کوئی پارٹی ہے۔" ایسے موقع پر آکر وہ خجل سی ہوگئی۔ اس کی نظریں میرے ساتھ ساتھ شہری کو بھی تول رہی تھیں۔

"آیئے ناں آپ، سب گھر ہی کے لوگ ہیں۔" میں نے اسے بٹھایا۔

"اب آپ سمجھ لیجئے گھر والوں میں ایک مہمان بھی شامل ہوگیا ہے۔"

"ہم تمہیں مہمان نہیں سمجھتے۔" ارتقاء باجی ٹرالی لے کر اس کے پاس آگئیں۔

"باجی، آپ کی غزلیں کتابت ہوگئی ہیں۔ ان کی پروف ریڈنگ آپ خود کرلیجئے تاکہ غلطی کا کوئی احتمال نہ رہے۔" ایک بڑا سا پیکٹ اس نے باجی کو تھمایا۔

"اتنی جلدی کتابت ہوگی۔" باجی سرشاری پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں، بھائی جان ہر کام مستعدی سے کرنے کے عادی ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کتاب کے نام اور انتساب کے بارے میں جلد ہی بتادیں۔"

"اب باتیں ساری کتاب ہی کی ہوں گی۔ یا کیک کی بھی ہوں گی۔ آج حرا کی سالگرہ ہے۔ پہلے تم

"کیک کھاؤ۔" شہری نے کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا اس کی پلیٹ میں رکھ دیا۔

"ارے، اتنا زیادہ میں کیوں کر کھا سکوں گی۔" وہ کیک سے بھری پلیٹ کو حیرت سے دیکھ کر بولی۔

"بھئی، اپنا تو یہ تجربہ ہے کہ لڑکیاں بہت زیادہ کھاتی ہیں۔" وہ مجھے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

"حبشن ہوتی ہوں گی وہ۔" فرحین ایک چھوٹا سا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں یار، شاید ہوتی ہوں مگر دیکھنے میں بظاہر اتنی ان کھانی نظر آتی ہیں کہ ایک بسکٹ میں ان کا پیٹ بھر جائے مگر جب کھانے پر آتی ہیں تو پورے دو سو بچپن روپے کا مال ہضم کر جاتی ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتیں۔"

میرے لئے بیٹھنا خاصا مشکل تھا اس لئے وہاں سے اٹھنے میں ہی خیریت سمجھی۔

"ارے ماہم، بیٹھو تو سہی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔" وہ مسرت کے کوندے اپنے ہونٹوں پر لہراتے ہوئے بولا۔

"اپنی بقیہ گپیں اب فرحین کو سناؤ۔ اتنی دیر سے تمہاری باتیں سن کر میرے کان دکھنے لگے ہیں۔ فرحین پلیز تم ہی ان کے دکھڑے سن لو۔"

فرحین ہنس رہی تھی، باجی پیکٹ کھولے اپنی غزلوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"میں حرا کے کپڑے تبدیل کرنے لگی تا کہ شوخ سی گلابی فراک میں اس کی تصویریں بن جائیں۔"

"آنٹی، میں باہر جاؤں؟" فلیٹ کے کمپاؤنڈ میں وہ کھیلنے کی شوقین ہو چکی تھی۔

"نہیں چندا!! اس وقت آپ کے گھر میں مہمان ہیں۔ اور پھر رات بھی ہو چکی ہے۔ صرف شام کو باہر جاتے ہیں وہ بھی مجیدن کے ساتھ۔" میں اسے تنبیہ کر کے باورچی خانے میں بڑھ گئی تا کہ رات کے کھانے کا انتظام چیک کر لوں۔ کیونکہ مجیدن صبح سے مصروف تھی۔

"ماہم کھانا جلدی لگاؤ۔ مجھے کہیں جانا بھی ہے۔" ضمیر بھائی خوشبوؤں میں بسے باورچی خانے میں چلے آئے۔

شامی کباب تلتے ہوئے ایک نظر میں نے ضمیر بھائی پر ڈالی وہ بڑی محنت سے تیار ہوئے لگ رہے تھے۔

"آج تانیہ کو ہرا دیں گے۔" میں ہنسی۔

"بک بک مت کرو، کھانا لگاؤ۔" وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔

میز سیٹ کر کے جب میں نے باجی کو پکارا تو وہ ہنوز اپنی غزلوں میں محو تھیں اور فرحین ممانی جان کے ساتھ باتوں میں مست تھی۔

"حرا کہاں ہیں؟" شہری ادھر ادھر دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

"ابھی تو یہیں تھی۔ کہیں باہر نہ چلی گئی ہو؟" میں دروازے سے باہر لپکی۔ کمپاؤنڈ سنسان پڑا تھا۔ شاید اس وقت ٹی وی پر بچوں کا کوئی پسندیدہ پلے چل رہا تھا۔

"اللہ! یہ حرا کہاں چلی گئی؟" میرے مساموں سے پسینہ پھوٹ پڑا۔

باجی اڑوس پڑوس میں دوڑیں مگر حرا تو کہیں بھی نہیں تھی۔ نہ یہاں، نہ وہاں۔

"حرا۔ ابا جان باہر نکل کر بری طرح چیخے اور ضمیر بھائی بدحواس ہو کر ابا جان کے پیچھے لپکے۔

ماموں جان ننگے پیر ہی نکل گئے۔

شہری اپنی بائیک لے کر لپکا۔

"حرا..... حرا!" ہر طرف اسی کی پکار تھی اور میرے دل میں اندیشوں کے ناگ سر اٹھا رہے تھے۔

پورے کمپاؤنڈ میں ایک شور سا مچ گیا تھا۔ فلیٹ کا ہر شخص اپنے اپنے طور پر اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

"ابھی یہیں تو تھی۔"

"کچھ دیر پہلے دروازے کے پاس تھی۔"

بچوں نے کمپاؤنڈ میں کھیلتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ پھول سی بچی چند منٹوں میں غائب ہو گئی تھی۔ خدا جانے حرا کو زمین نگل گئی تھی یا آسمان، اس کا کہیں بھی کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔

"لگتا ہے، حرا کو کسی نے اغوا کر لیا ہے؟" ممانی جان دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" باجی تھرا سی گئیں۔

"ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔" رات دن بچے اغوا ہوتے ہی ہیں۔"

"میری بچی بہت چھوٹی سی ہے۔ غیر مانوس شخص کے پاس تو جاتی بھی نہیں۔ اس نے تو رو رو کر ڈھیر کر دیا ہوگا۔" باجی نڈھال سی ہو گئیں۔

"ارتقاء! تم فون کے پاس بیٹھ جاؤ، شاید ابھی کہیں سے تاوان کے سلسلے میں کوئی فون آجائے؟" محلے کی ایک خاتون نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"آنٹی، میرا دل نہیں مانتا، ڈاکو بھی انسان ہوتے ہیں۔ وہ اتنے شقی القلب نہیں ہو سکتے اتنے معصوم بچوں کو کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ میری حرا کہیں نہیں چلی گئی ہے۔ ابھی آجائے گی۔"

"بیٹی خدا کرے کہ ایسا ہی ہو مگر خیال یہی ہے کہ وہ کسی کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ کوئی ڈاکو اسے اٹھا کر لے گیا ہے۔"

"ڈاکوؤں کے دلوں میں تو پتھر فٹ ہوتے ہیں، ان میں رحم کا مادّہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ دیکھ لینا، ابھی تاوان کے لئے فون آجائے گا۔"

"مسجدوں میں اعلان بھی کروا دو۔"

محلے کی خواتین، مشوروں کا پٹارہ کھول بیٹھی تھی اور باجی کا چہرہ سرسوں کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔

"ارتقاء باجی آپ ہمت سے کام لیجئے۔ حرا انشاء اللہ ضرور مل جائے گی لیکن اگر آپ نے ہمت ہار دی تو کیا ہوگا۔ حرا کو ہم سب ڈھونڈیں گے۔ آپ پریشان ہرگز نہ ہوں۔" فرحین نے باجی کو دلاسا دیا۔

گھر کے مرد حرا کو ڈھونڈ کر ابھی واپس نہیں آئے تھے کھانے کی میز پر کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ گھر میں موجود خواتین کی نظریں دروازے پر لگی ہوئی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی، باجی پاگلوں کی طرح لپکیں ان کا ڈولتا لرزتا وجود ٹیلی فون اسٹینڈ تک پہنچا۔ ریسیور اٹھا کر ابھی کوئی آواز بھی نہیں سنی تھی کہ ریسیور ہاتھ سے چھوٹ کر کریڈل پر گر گیا۔

فرحین نے دوڑ کر ریسیور کانوں سے لگایا۔ مگر لائن کٹ چکی تھی۔

"لگتا ہے، ڈاکوؤں نے رابطہ قائم کیا تھا مگر ارتقاء کی گھبراہٹ کے باعث لائن کٹ گئی۔" ممانی جان

غمگین لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''ڈاکوؤں کو ہمارے گھر کا فون نمبر کیسے معلوم ہوسکتا ہے حرا بتلا نہیں سکتی' شاید کوئی رانگ نمبر ہوگا۔'' باجی ازخود اپنے آپ کو دلاسا دے رہی تھیں۔

''ارے ڈاکوؤں کو سب خبر ہوتی ہے پہلے انہوں نے تمام معلومات کی ہوں گی۔ ان کو تو ایک ایک بات معلوم ہوتی ہے ہمارے بہنوئی کو جب اغوا کیا تھا تو ان کو یہاں تک معلوم تھا کہ بھائی صاحب کی پہلی بیوی سے ایک بچہ بھی ہے اور وہ ٹرین کے حادثے میں ختم ہوگئی تھیں۔'' محلے کی ایک خاتون وثوق سے کہہ رہی تھیں۔

''کیا معلوم کہ وہ اس وقت فون پر بچی کی آواز بھی سنواتے۔ ہمارے یہاں ایک دوست کے ساتھ ایسا ہوا تھا ان کے لڑکے کو اسکول جاتے ہوئے اغوا کیا تھا اور جب بھی لڑکے کے گھر فون ملاتے لڑکے کی روتی ہوئی آواز سنواتے۔ کم بختوں نے بچے کو بہت مارا تھا۔'' دوسری خاتون نے بھی سنے سنائے تجربے سے معلومات میں اضافہ کیا۔

باجی بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھیں۔ محلے کی عورتوں کی باتیں ان کے سینے میں انی بن کر لگ رہی تھیں۔

''پلیز، آپ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں جائیں، اس طرح کی باتیں سن کر ارتقاء باجی کی حالت مزید خراب ہو جائے گی۔'' فرحین نے انتہائی خاموشی سے کمرے میں بھری خواتین کو انکے گھروں میں بھجوایا۔

''ارے، ہم تو بچی کی اور ارتقاء کی محبت میں آگئے تھے ورنہ ہمیں اپنے گھریلو کاموں سے کہاں فرصت ہے۔'' دو چار عورتیں بُرا مان رہی تھیں۔

''پلیز، آپ چوئشین کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ باجی لو بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں ان کے لئے کوئی بھی شاک خطرناک ہوسکتا ہے۔'' فرحین انتہائی متانت سے سب کو سمجھا رہی تھی۔

''خدا ماں کی ممتا کو سلامت رکھے۔ بچی ہنسی خوشی گھر واپس آئے۔'' اب خواتین ارتقاء باجی کو ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''پلیز، آپ سب حرا کے لئے دُعا کریں۔ میں آپ سب کی دعاؤں کی محتاج ہوں۔'' باجی ہاتھ جوڑ کر ان کے سامنے چلی آئیں۔ بکھرے بال، متورم آنکھیں اور ہاتھ جوڑ کر گھگیایا ہوا لہجہ سب ہی کی آنکھوں کو پرنم کر گیا۔

''بے فکر رہو بیٹی حرا ہماری بھی بچی ہے وہ جب تک نہیں آئے گی۔ چین ہمیں بھی نہیں ملے گا۔ تم کھانا کھا کر پرسکون ہو کر بیٹھو ہمارا رواں رواں حرا کے لئے دُعا گو ہے۔''

''میں کیسے کچھ کھا سکتی ہوں، آج حرا نے اپنی سالگرہ کی خوشی میں دوپہر کو بھی فیڈر نہیں پی، میری گڑیا صبح سے بھوکی ہے پتا نہیں کہاں ہوگی؟'' باجی اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور سب کی آنکھوں میں آنسو لبالب بھر گئے تھے۔

''باجی پلیز، آپ صوفے پر آکر بیٹھ جائیں، حرا ابھی آجائے گی۔'' میں نے باجی کو سہارا دے کر بٹھایا۔

''آخر میری بچی کہاں چلی گئی؟ کس نے اٹھا لیا میری بچی کو! نہ جانے کس حال میں ہوگی وہ معصوم۔''

''شاید کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر راستہ بھول گئی ہو۔ یقیناً کوئی نہ کوئی اسے گھر پہنچا جائے گا۔ شہری نے مسجدوں میں اعلان کروا دیا ہے۔'' میں نے باجی کو تسلی دی۔

''نہیں ماہم، میرا دل نہیں مانتا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ گیٹ پر ہمہ وقت چوکیدار ہوتا ہے، اس نے حرا کو

کمپاؤنڈ سے باہر جاتا ہوا نہیں دیکھا اور پھر وہ آج تک کبھی بھی کمپاؤنڈ سے باہر نہیں نکلی۔''

''باجی! ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ چوکیدار مغرب کی نماز پڑھنے اٹھا ہو، اسی اثناء میں حرا باہر نکل گئی ہو۔''

''مگر کمپاؤنڈ میں تو ہر وقت چہل پہل رہتی ہے اگر ایسا ہوتا تو کوئی نہ کوئی ضرور اسے ٹوکتا۔''

''کہیں ایسا تو نہیں، کوئی جان پہچان کا شخص حرا کو لے گیا ہو!'' مہمانی جان نے اچانک کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''مثلاً کون لے جاسکتا ہے؟'' باجی کی سوچ کی اڑان دوسری جانب پرواز کرنے لگی۔

''باسط لے سکتا ہے؟ آخر وہ اس کا باپ ہے۔'' سب کے دلوں میں آنے والا شک ممانی جان کے ہونٹوں سے پھوٹ پڑا۔

''نہیں ممانی جان، باسط نے کبھی بھی حرا کے لئے کلیم نہیں کیا۔ انہوں نے بچی کو کبھی دیکھا نہیں، مانگا نہیں تو اغوا کیوں کرتے؟''

''ارتقاء! یہ مت بھولو کہ باسط حرا کا باپ ہے۔ یہ خون کے رشتے عجیب رشتے ہوتے ہیں۔ بظاہر ان کی سطح کتنی ہی ساکت اور ساکن نظر آئے مگر ان میں ابال آنے میں لمحہ نہیں لگتا شاید ہی ایسا کوئی لمحہ باسط کی زندگی میں آگیا ہو۔''

''ایسا ہوتا تو وہ حرا کو مانگ لیتے۔'' باجی تذبذب میں تھیں۔

''حرا کو کوئی تم سے مانگے تو کیا تم دے دوگی؟''

''ہرگز نہیں، میری بنجر زندگی کا ایک وہی تو سہارا ہے۔'' باجی کے آنسو شعلے سے بن گئے۔

''یہ بات، یہ حقیقت باسط کو بھی معلوم ہوگی کہ تم حرا کو اسے ہرگز نہیں دو گی اور پھر شہلی سے بھی اس کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی اس کا گھر اولاد کی نعمت سے محروم ہے اسی لئے وہ اپنی بیٹی لے گیا ہے۔''

''مگر باسط تو حرا کو پہچانتے تک نہیں ہیں اور نہ ہی حرا ان کی شکل سے مانوس ہے۔ اگر وہ زبردستی کرتے تو حرا تو شور مچا دیتی۔''

''بے وقوف مت بنو، یہ کام یقیناً ایک پلان کے تحت کیا گیا ہوگا۔ باسط کا یہ کام آصف بھی کرسکتا ہے وہ بچی کو پہچانتا بھی ہے، جانتا بھی ہے، بچی نے بھی گاہے بہ گاہے اسے دیکھا ہے۔'' مہمانی جان کی تشویش کافی حد تک درست نظر آرہی تھیں۔

''اگر یہ کام باسط یا آصف نے کیا ہے تو تاوان کے سلسلے میں کوئی فون نہیں آئے گا۔'' باجی دور کہیں سوچتے ہوئے بول رہی تھیں۔

''مگر ایک فون تو آچکا ہے۔'' میں گھبرا کر بولی۔ باجی کی بوکھلاہٹ اور ریسیور کا گرنا مجھے یاد تھا۔

''مگر وہ فون کسی نے نہیں سنا، یہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کسی ڈاکو کا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو وہ دوبارہ رابطہ قائم کرسکتا ہے۔ ہمارا فون بزی نہیں ہے۔'' فرحین کسی ماہر جاسوس کی طرح اپنی رائے کا اظہار کر رہی تھی۔

یکدم باجی تیزی سے اٹھیں اور کوئی نمبر ڈائل کرنے لگیں، ایک دفعہ، دو دفعہ، تین دفعہ، مگر کوئی رسپانس ہی نہیں مل رہا تھا اور پھر لگاتار انہوں نے کئی نمبر ڈائل کئے۔ لگتا تھا سارے نمبر ہی بزی ہیں۔ تنگ آکر انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کہاں کر رہی تھیں آپ فون؟'' میں نے ان کی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔

''باسط کو، آصف کو، ان کی ممی کے ہاں، ہر جگہ فون کیا مگر لگتا ہے کہ سب نے جان بوجھ کر ریسیور کریڈل سے نیچے رکھ دیئے ہیں تاکہ باہر سے کوئی فون ہی نہیں آنے پائے۔''

"کیا خیال ہے کہ اگر فون مل جاتا تو وہ یہ اقرار کر لیتے کہ حرا انکے پاس ہے۔"

"یہ تو نہیں معلوم کہ وہ اقرار کرتے یا نہیں مگر ان کے لہجے سے میں یہ ضرور اندازہ کر لیتی کہ وہ میری حرا کو لے گئے ہیں۔"

"نہیں باجی، آج کل سب سے زیادہ دھوکا یہ لہجے ہی دیا کرتے ہیں۔ شوگر کوٹیڈ لہجوں سے کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ان کے اندر کتنا زہر بھرا ہوا ہے اور وہ سب دوغلے رویوں کے ماہر ہیں۔" میری آنکھوں میں خون سا اتر رہا تھا۔ زندگی کے کتنے سارے دکھ ہمیں باسط اور آصف کے توسط سے ملنے تھے۔ پہلے ہی کیا کم ستم کیا تھا انہوں نے جواب وہ ایک ماں کی زندگی لے اڑے تھے۔

"کہیں شہلی حرا کو مار نہ رہی ہو۔ وہ تو اس کی سوتیلی ماں ہے۔ اس کے دل میں کسی صورت حرا کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہو ہی نہیں سکتے۔" باجی کا لہجہ لہولہان ہو رہا تھا۔

"ارتقاء تسلی رکھو، شہلی ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔ حرا بہرحال باسط کی اولاد ہے، باسط نے تمہارے ساتھ خواہ کتنے ہی منفی رویے روا رکھے ہوں مگر اپنی اولاد کے ساتھ کسی کو بُرا سلوک نہیں کرنے دے گا۔" ممانی جان ہر ممکن طریقے سے باجی کو سمجھا رہی تھی۔

مگر ان کی ممی حرا کو اپنی پوتی تسلیم نہیں کرتیں۔ مجھ سے سخت نفرت کرتی ہیں۔ میں نے بارہا فیاں مانگیں مگر اس شقی القلب عورت کا دل نہیں پسیجا۔" باجی کی آنکھوں میں برکھا اتر آئی۔

"اولاد کی محبت بہت بُری ہوتی ہے۔ اگر ایسا کچھ ہوا تو باسط اپنی ماں سے بھی ٹکرا جائیں گے۔"

"نہیں، وہ بہت ڈرتے ہیں اپنی ماں سے، کروڑ پتی ماں کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ممی کی ہر بات خواہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو، انکے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔" باجی سسک رہی تھیں۔

"نہیں ارتقاء تم غلط سوچ رہی ہو۔ باسط حرا کے دشمن نہیں ہو سکتے۔" ممانی جان اپنی جانب سے ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں کہ ارتقاء باجی کی ہمت ٹوٹنے نہ پائے۔

یونہی رات کا ایک بج گیا۔ ضمیر بھائی، ابا جان، ماموں جان اور شہری سر جھکائے لوٹ آئے حرا کا کہیں بھی کوئی پتا نہیں چلا۔

ابا جان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ضمیر بھائی کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ شہری نے پولیس کی تمام چوکیوں کو مطلع کر دیا تھا۔ ماموں جان ایدھی سینٹر میں رپورٹ لکھوا آئے تھے۔

"کل حرا کی تصویر کے ساتھ اخبار میں گمشدگی کی رپورٹ شائع کروا دیتے ہیں تاکہ کوئی رابطہ کرنا چاہے تو کر لے۔" ضمیر بھائی ایک گہرا سانس لے کر بولے۔

"مگر آج کی رات حرا کیسے سوئے گی۔" باجی اپنے کمرے میں جا کر رو رہی تھیں۔

"نیند کے وقت بچے سو جاتے ہیں، وہ بھی سو گئی ہوگی۔" ماموں جان اپنے بھاری دل کے ساتھ باجی کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے مگر آنکھیں ان کی بھی جھلملا رہی تھیں۔

"نہیں، وہ نہیں سو سکتی، دیکھئے اس کا نپل کمرے میں رکھا ہے۔ اسے ابھی تک چوسنی منہ میں لے کر سونے کی عادت ہے اتنی بڑی ہو گئی ہے مگر چوسنی کے بغیر نہیں سو سکتی۔ ایسے میں وہ آج کیونکر سوئے گی۔"

"حرا بیٹی، آجاؤ جلدی سے آجاؤ۔" ابا جان باجی کی پژمردہ حالت دیکھ کر کسی بچے کی طرح کہہ رہے تھے۔

"پھوپھا جان پلیز، اپنے آپ کو سنبھالئے۔ پریشانیاں ہمیشہ وقتی ہوا کرتی ہیں، حرا انشاء اللہ جلد گھر آجائے گی پولیس چوکس ہو چکی ہے۔ ہر طرف ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ ریلوے اسٹیشن اور ائر پورٹ کی سیکورٹی تک باخبر ہے۔ مجرم، حرا کو لے کر کہیں فرار نہیں ہو سکتے۔" شہری ابا جان کے یخ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بیٹھ گیا۔

"باسط کے گھر بھی جا کر جھانکا یا نہیں۔" ممانی جان نے گھر کے مردوں کی توجہ دلائی۔

باسط کیوں لے جائے گا۔" لڑکا ہوتا تو شاید یہ حرکت کر بھی لیتا مگر اس نے تو کبھی اس بارے میں کچھ کہا ہی نہیں۔ تم خواہ مخواہ بے پر کی لے کر بیٹھ گئیں۔" ماموں جان کو ممانی کا یہ کہنا پسند نہیں آیا تھا۔

"پھر بھی معلوم کرنے میں کیا حرج ہے۔ اپنے طور پر اندازہ کر لو کہ کہیں وہ کم بخت نہ ملوث ہوں۔" ممانی جان اپنے موقف پر بدستور قائم تھیں۔

"امی کی بات کچھ کچھ دل کو لگتی ہے۔ شاید باسط اور آصف نے یہ گیم کھیلا ہو کہ مقدمے بازی سے تو بچی ملنی مشکل ہے چلو اٹھا لاتے ہیں۔ حرا کی سالگرہ کا دن ان کو بھی یاد ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ تاک لگائے سے ہوں کہ کب بچی باہر آئے اور وہ اپنا کام دکھا جائیں۔" شہری نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کمپاؤنڈ کے سامنے بیکری والے کا یہ کہنا ہے کہ آج شام چار بجے سے ایک وائٹ شیراڈ چکر لگا رہی تھی۔ گاڑی میں ایک خاتون اور تین مرد تھے۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے اس نے گاڑی کو کمپاؤنڈ کے سامنے رکا ہوا بھی دیکھا تھا۔ خاتون بدستور گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی مگر تینوں مرد گاڑی میں نہیں تھے۔" ابا جان کے حواس بحال ہوئے تو پہلی بات انہوں نے یہی بتائی۔

"بیکری والے کو ان کی شکلیں جانی پہچانی نہیں لگیں؟"

"ہاں، اس کا یہی خیال ہے کہ شاید اس نے انہیں کہیں دیکھا ہو مگر وہ ان نوجوانوں کو بغور نہیں دیکھ پایا، ایک تو اس وقت بیکری میں رش تھا، دوسرے اس کا یہ خیال تھا کہ وہ لوگ شاید کسی کا مکان تلاش کر رہے ہیں۔"

"پھوپھا جان! اب تو یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ باسط اور آصف پر گہری نظر رکھی جائے۔ آپ بے فکر رہیں، میں اپنے دوستوں کے توسط سے خاصی معلومات کر لوں گا۔" شہری کا لہجہ وثوق سے بھرا تھا۔

"شاید تم لوگوں کا ذہن صحیح سمت کام کر رہا ہو مگر باسط یا آصف کے پاس وائٹ شیراڈ نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچی کو اغوا کرتے وقت وہ اپنے ساتھ شہلی یا ممی کو لینے کا رسک نہیں لے سکتے۔" ارتقاء باجی نفل پڑھ کر آئیں تو بات کرنے کے قابل ہوئیں۔

"وائٹ شیراڈ کسی سے مانگی جا سکتی ہے۔ اغوا کئے جانے والے اسی فیصد کیسز میں وائٹ کار استعمال کی جاتی ہے سب سے بری بات یہ ہے کہ وائٹ رنگ کی کار کا پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ ٹریفک میں آسانی سے مکس اپ ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ شہر کراچی میں سفید کاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ رہی بات خاتون کو بٹھانے کی تو ایسا کر کے انہوں نے عقل مندی سے گیم کھیلا۔ روتا تڑپتا بچہ اگر کسی عورت کی گود میں موجود ہو تو دیکھنے والوں کو لمحہ بھر کے لئے بھی شک نہیں ہوتا۔ یقیناً یہ کارستانی باسط اور آصف کی نظر آ رہی ہے مگر میں ان کا بھرکس نکال دوں گا۔" شہری نے اپنے دوسرے ہاتھ پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

تبھی اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ سب کی نظریں وال کلاک پر گئیں۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

"اس وقت کس کا فون ہو سکتا ہے۔ ارتقاء باجی تیزی سے اٹھیں مگر ضمیر بھائی نے انہیں آنکھ کے اشارے سے روک دیا۔ اور ریسیور خود اٹھا لیا دوسرے سیٹ کا ریسیور شہری نے جا لیا۔

فون پر کوئی لڑکی تھی یا آواز سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا۔

"آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟" شہری پوچھ رہا تھا۔

"ضمیر سے۔" وہ ہنسی۔

"کیوں، آپ کے پاس آپ کا ضمیر نہیں رہا۔" بے وقت کی بک بک سے شہری کو غصہ آ گیا تھا۔

"مگر ہمارا ضمیر تو یہاں رہتا ہے۔" خاصے رسیلے لہجے میں کہا گیا۔ ضمیر بھائی کے ہاتھ سے ریسیور گرتے گرتے بچا شہری نے ضمیر بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

’’میں ضمیر بول رہا ہوں۔ آپ کون بول رہی ہیں؟‘‘ اس وقت وہ خاصے گھبرائے ہوئے تھے۔

’’حیرت ہے، اتنی جلدی بھول گئے۔ پہچان بھی نہیں پا رہے، میں تانیہ بول رہی ہوں۔‘‘ لہجہ لاڈ بھرا تھا شہری نے ضمیر بھائی کو گہری نظروں سے یوں دیکھا کہ جیسے وہ انہیں نظروں میں تول رہے ہوں اور اپنا ریسیور نیچے رکھ دیا۔

’’آج شام کو آپ آئے کیوں نہیں ڈنر پر، سب آپ کا انتظار کرتے رہے۔ میں نے تو آج کا کھانا بھی نہیں کھایا، صرف آپ کی وجہ سے۔ آج کی شام آپ کے نہ آنے سے بے حد بور گزری ہے اور ایک آپ ہیں کہ اپنے گھر میں اتنے مست ہیں کہ ایک فون بھی نہیں کر سکے اور ہمارا خیال بھی نہیں آیا۔‘‘ وہ ایک سانس میں کہے چلی گئی۔

’’تمہاری ساری باتیں درست مگر میں شام سے سخت پریشان ہوں، میری بھانجی کو کسی نے اغواء کر لیا ہے ہم اسی کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے مگر پھر بھی کچھ پتا نہیں چلا کہ یہ کس کی حرکت ہے۔‘‘

’’ہمیں بتانا تو چاہیے تھا ڈیڈی کچھ کرتے۔‘‘ وہ بھی پریشان ہو گئی۔

’’پریشانی میں کچھ سجھائی نہیں دیتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کریں۔ اس سلسلے میں تم سے کل بات کروں گا۔‘‘ اس سے قبل کہ تانیہ گفتگو کا دورانیہ طویل کرتی، ضمیر بھائی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

’’کس کا فون تھا؟‘‘ سچویشن کچھ ایسی تھی کہ وہاں بیٹھا ہر شخص صرف یہی پوچھ رہا تھا اور حیران بھی تھا کہ رات کے ڈھائی بجے ضمیر بھائی کو کسی لڑکی نے فون کیوں کیا؟

’’بینک کی طرف سے آج ایک عشائیہ تھا میں وہاں پہنچ نہیں پایا تو وہاں پر موجود ہمارے فینز کافی دیر تک انتظار کرتے رہے اور آخر ان میں سے ایک نے گھر فون کر کے میری خیریت دریافت کر لی۔‘‘

’’اچھا تو یہ آپ کی فین کا فون تھا!‘‘ شہری نے دھیرے سے ضمیر بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یوں کہا جیسے پوچھ رہے ہو کہ جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ضمیر بھائی شہری سے نظریں چرا کر کپڑے تبدیل کرنے چلے گے اور ابا جان وہیں جانماز بچھا کر سجدے میں گر گر دعائیں مانگنے لگے۔ باجی بار بار باہر کی جانب کھڑکی سے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے ابھی حرا آتی ہوئی انہیں نظر آ جائے گی اور میں یوں ساکت سی سب کو دیکھ رہی تھیں جیسے پتھر کی ہو گئی ہوں۔ گھر والوں کی مغموم صورتیں دیکھ کر میری آنکھیں غم سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ آنسو رخساروں پر جمے کھڑے تھے اور میرے ہونٹ دانتوں تلے دب دب کر زخمی ہو چکے تھے۔ خون کی باریک سی لکیر تھوڑی کو بھگوتی ہوئی گردن تک جا رہی تھی۔

’’ماہم، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ پلیز حوصلہ رکھو۔‘‘ شہری میرے پاس آ کر میری پشت تھپتھپاتا ہوا بولا تو بہت سی بے نام سی چیخیں آزاد ہو گئیں اور میں اس کے شانے سے سر لگا کر بے تحاشا رونے لگی۔

’’حرا! میری پیاری بھانجی مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے میں نے اسے گلابی لیس فراک پہنائی تھی، بالوں میں ربن باندھا تھا اور وہ کسی گڑیا کی طرح دمک رہی تھی اور اب وہ ہم میں نہیں ہے نہ جانے کس کے پاس ہے۔‘‘

’’پلیز ماہم، اپنے آپ کو سنبھالو ہمیں ارتقاء باجی کا بھی خیال رکھنا ہے اور دشمنوں کے منصوبوں کو بھی خاک میں ملانا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ہم حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کریں۔ تم باجی کو نیند کی گولی دے دو اور خود بھی آرام کرو ہم سب یہیں ہے، صبح ہو جائے تو پھر کچھ کرتے ہیں۔‘‘ شہری کا باہمت لہجہ امید کے چراغ روشن کر رہا تھا۔

میں باجی کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ باجی کے ساتھ میں نے بھی نیند کی گولی کھالی تھی مگر ہم دونوں

کی آنکھوں میں نیند کا دور دور نہیں تھا دماغ صرف اور صرف حرا کے گرد گھوم رہا تھا۔

’’سالگرہ کے دن بچی کا صدقہ پہلے اتارنا چاہیئے تھے۔ لگتا ہے کہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔ مووی بھی تو خوب شوق سے بنوا رہی تھی۔ کیسے کیسے پوز بنا رہی تھی، میوزک پر اس کی اچھل کود دیکھنے کے قابل تھی۔ مووی میکر بھی اس کی شوخ حرکتوں پر مسکرا رہا تھا اور وہ کسی چابی کی گڑیا کی طرح حرکتیں کر رہی تھی یقیناً اس کو نظر لگ گئی۔‘‘ باجی اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھیں اور میرا دل یہ سوچ کر پھٹا جا رہا تھا کہ کہیں خدانخواستہ حرا نہ مل سکی تو کیا ہوگا؟

مووی میکر جاتے ہوئے کہہ کر گیا تھا کہ کل شام کو مووی مل جائے گی، حرا کی مووی دیکھنا کیا کسی کے بس میں ہوگا۔

’’خدایا، ہماری حرا ہمیں مل جائے، اے پاک پروردگار، ہمارے گھر آنے والی قیامت کو روک دے۔‘‘ میرے لب لرزتے ہوئے دُعائیں مانگ رہے تھے کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ باجی اور میں دونوں ہی اپنے خیالوں سے چونک اٹھے۔ نماز پڑھ کر دیر تک تلاوت کرتے رہے اور جب ٹی وی لاؤنج میں آئے تو ضمیر بھائی اور شہری حرا کو ڈھونڈنے نکل چکے تھے۔

شہری اور ضمیر بھائی صبح کے نکلے نکلے دن کے تین بجے گھر میں داخل ہوئے، اب وہ اپنے طور پر باسط اور آصف کے معمولات کا جائزہ لے رہے تھے۔ آج باسط اپنے آفس میں نہیں آئے تھے جب کہ دن کے ایک بجے ان کا اپائمنٹ ایک بزنس پارٹی سے تھا۔ دن کے گیارہ بجے انہوں نے اپنا اپائمنٹ ناسازی طبع کا بہانہ کر کے کینسل کروا دیا تھا۔ آصف کے ڈرامے کی ریہرسل آج بارہ بجے سے ڈھائی بجے تھی۔ آصف جو ہمیشہ وقت سے پہلے آڈیٹوریم میں پہنچنے کے عادی تھے، وہ بے حد تاخیر سے پہنچے، وہ بھی اس لئے کہ مس ماہیا دس دس منٹ بعد ان کو گھر پر فون کر رہی تھیں۔ آج وہ اتنے حواس باختہ تھے کہ بار بار اپنے ڈائیلاگ بھول رہے تھے جب کہ آج ان کی ریہرسل کا پانچواں دن تھا۔

’’کیا ہو گیا ہے آصف تمہیں، اپنے ڈائیلاگ کیوں کھا رہے ہو؟‘‘ مس ماہیا نے کئی بار آصف کو ٹوکا بھی تھا۔

’’سخت بھوک لگ رہی ہے مجھے، نہ رات کا کھانا کھایا تھا اور نہ ہی آج صبح ڈھنگ سے ناشتا کر سکا ہوں اور تم یہ چاہتی ہوں کہ ڈائیلاگ بھی نہ کھاؤں۔‘‘ وہ زبردستی کے قہقہے کے ساتھ بولا تھا۔

’’رشید صاحب! پلیز دس منٹ کا بریک دے دیں تا کہ آپ کا ہیرو اپنی پیٹ پوجا کر سکے۔‘‘ ماہیا نے پروڈیوسر سے کہا۔

’’اوکے!‘‘ رشدید صاحب مسکراتے ہوئے ریٹائرنگ روم میں چلے گئے تھے۔ تب ماہیا سب کے سامنے اپنے ہاتھوں سے آصف کو نوالے کھلا رہی تھی۔ یہ اس کی بے غیرتی کی حد تھی کہ وہ آصف کے لاڈ سب کے سامنے اٹھایا کرتی تھی۔ ایکسٹرا فنکار کونے کھدوروں میں منہ دیئے ہنس رہے تھے مگر ماہیا اور آصف کو کسی کی پروا ہی نہیں تھی۔ دس منٹ بعد ریہرسل پھر شروع ہوئی مگر نہ جانے آج کیا بات تھی کہ آصف سے جم کر اداکاری نہیں ہو رہی تھی۔

’’آصف صاحب، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا آپ ریہرسل کرنے کے موڈ میں نہیں لگ رہے۔‘‘ رشید صاحب آصف کی غائب دماغی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

’’رات میں دیر تک مطالعہ کرتا رہا اور جب سونے کے لئے لیٹا تو نیند ہی نہیں آئی۔ اسی وجہ سے طبیعت میں کسلمندی سی محسوس کر رہا ہوں، گھر جا کر شاور لے کر دیر تک سوؤں گا۔ آج کی ریہرسل کینسل کر دیں، کل ہم فائنل ریہرسل کر لیں گے۔‘‘ اور یوں آصف بھی مقررہ وقت سے پہلے گھر چلے گئے۔

''اونہہ ذلیل، بدمعاش بچی کو اغوا کر کے لے گیا۔ ظاہر ہے کہ بچی کو بہلاتا رہا ہوگا۔ سوتا تو کیونکر سوتا، مطالعہ تو کبھی اس کے باپ نے بھی نہیں کیا ہوگا۔'' باجی زہر اگل رہی تھیں۔

''باسط نے بچی کو تو اغوا کر لیا مگر اوسان خطا ہو گئے ہوں گے اس لئے وہ اپنی حواس باختہ شکل دکھانے باہر نکلے ہی نہیں۔'' شہری نے کہا۔

''تم لوگوں کو پولیس اسٹیشن جا کر اپنے شبے کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔'' ابا جان طیش میں آ گئے۔

''ہم پہلے یہ اندازہ کر لیں کہ حرا ان کی کوٹھی میں موجود ہے۔ پھر میں ڈی ایس پی کرائمز برانچ سے کہہ کر اسی وقت چھاپا پڑوا دوں گا۔'' ضمیر نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''حرا کو گھر سے گئے اتنی دیر ہو چکی ہے، آخر آپ لوگ کب تک اندازے لگائیں گے۔ میں جاتی ہوں باسط کے گھر اور ان کے گھر کا چپّہ چپّہ دیکھ کر آتی ہوں، دیکھوں گی کہ وہ حرا کو کیونکر چھپا سکیں گے۔'' باجی کے لئے انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''نہیں ارتقا! ان لوگوں کو چوکنا مت کرو ورنہ وہ حرا کو کسی دوسری جگہ بھی منتقل کر سکتے ہیں۔'' ماموں جان سمجھا رہے تھے۔

''ایسا کرنا خاصا مشکل ہوگا۔ میں نے اپنے دو دوستوں کو ان کی کوٹھی پر نظر رکھنے کو کہا ہے۔ ان کے ہاں ہر آنے جانے والا گاڑی کی نمبر پلیٹ کے ساتھ ان کی ڈائری میں موجود ہوگا۔ حرا اگر کوٹھی سے باہر نکلی تو وہ بچی کو چھین لیں گے۔ وہ حال ہی میں جوڈو کراٹے کی جدید تربیت لے کر جاپان سے آئے ہیں۔''

''ارے بیٹا، کیسی بچوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ اب کلاشنکوف اور راکٹ لانچر کے سامنے جوڈو کراٹے کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے، خدا بدمعاشوں سے کسی کا پالا نہ ڈالے ورنہ شریف آدمی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔'' ماموں جان کہہ رہے تھے۔

''سیٹھ احسانی میرے احباب میں سے ہیں۔ انہوں نے سی آئی اے کو مطلع کر دیا ہے ان کے آدمی سادہ لباس میں باسط کی کوٹھی پر نظر بھی رکھ رہے ہیں۔ حرا یقیناً اسی شہر میں ہے، شاید ہمارے آس پاس ہی موجود ہو۔ وہ بہت جلد ہم سے آ ملے گی مگر اس مشکل وقت کو سب نے ہمت کر کے گزارنا ہے۔'' ضمیر بھائی باجی کو زبردستی جوس کا گلاس دیتے ہوئے کہہ رہے تھے اور باجی جوس کا گلاس اس بے دلی سے پی رہی تھیں جیسے کوئی کڑوی کسیلی دوا اُن کے حلق میں انڈیلی جا رہی ہو۔

حرا کا تلاش گم شدہ کا اشتہار تمام اخبارات میں صفحہ اول پر شائع ہوا تھا۔ وہ قومی ٹیم کے ہیرو کی بھانجی تھی۔ اخبارات نے سہ حرفی خبر بھی لگائی تھی۔ اشتہار میں تصویر وہی دی گئی تھی جو اس کی سالگرہ کے روز کھینچی گئی تھی۔ اخبار میں خبر اور تصویر کا لگنا تھا کہ فون کی گھنٹی ہمہ وقت چیخنے لگی اور تمام عزیز و احباب گھر آنے لگے۔ گھر میں ہر وقت ایک ہجوم سا رہتا۔ دس لوگ جا رہے ہیں تو پندرہ آ رہے ہیں۔ حرا کو کھوئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ میری حالت غیر سی ہو رہی تھی۔ ابا جان اور باجی کو سنبھالتے سنبھالتے میں خود ادھ موئی سی ہو رہی تھی۔ دل و دماغ میں صرف ایک ہی پکار تھی کہ اگر حرا نہ ملی تو؟''

حرا کے بغیر تو کسی بھی خوشی کا تصور ناممکن تھا۔ میرے کانوں میں اس کی معصوم آوازیں مسلسل گونج رہی تھیں۔ مہمانوں کا ایک اژدہام رخصت ہوا تھا، میں باجی کے پاس تھکی تھکی سی بیٹھی تھی۔ ہم دونوں چپ چاپ بیٹھے اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے کہ بیرونی دروازے سے مخصوص چاپ کی آواز آئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دروازے کے وسط میں آصف کھڑا تھا۔

''حرا کہاں ہے؟''

''کیوں لے گئے تھے تم اسے؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے بغیر میں مر جاؤں گی، تم اسے اڑا لے گئے اگر اسے لے ہی جانا تھا تو پہلے مجھے تو مار دیا ہوتا۔'' باجی کے آنسو ایک دم ہی رواں ہو گئے۔

''بھابھی پلیز، حرا میری بھتیجی ہے۔ میں اس کو لے کر جانا چاہتا تو آپ کے سامنے لے جا سکتا تھا، اغوا کرنے کی بھلا تک کیا تھی۔ میری نظر آج کے اخبار میں اس اشتہار پر پڑی تو گھبرا کر چلا آیا۔ کب سے غائب ہے وہ؟ آپ کے خیال میں اس کو کون لے جا سکتا ہے؟''

''تم جھوٹ بولتے ہو حرا کو تمہیں لوگ لے کر گئے ہو، یقیناً باسط نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔''

''اس سے ہمیں کیا حاصل ہوتا۔ ممی نے جب آپ کو نہیں قبولا تو وہ آپ کی بیٹی کو کیونکر اپنے گھر لانا پسند کرتیں۔'' آصف افسوس بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''آصف صاحب، ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں کا یہ بھی کوئی انداز ہو۔ باجی کو اذیت دینے کا کوئی طریقہ ہو۔ باجی کو اذیتیں دینے کا دور ابھی ختم نہ ہوا ہو، طلاق دینے کے باوجود دل کی پھانس نہ نکلی ہو۔'' میں انتہائی نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

''نہیں ماہم! ایسا نہ کہو۔ میں جانتا ہوں کہ باسط بھائی ایک برے انسان ہیں ارتقاء بھابھی کے ساتھ انہوں نے نا انصافی کی۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ میری ماں ایک ظالم اور خود پسند عورت ہیں، ان کے آگے کبھی کسی کی نہیں چلی مگر میں یہ بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کہ حرا کو میں نے، باسط بھائی نے یا ممی نے اغوا کیا ہے یا کرایا ہے۔ میں تو خود پریشان ہو گیا ہوں کہ معصوم بچی کو کس نے اغوا کر لیا ہے۔ اس سلسلے میں میری تمام تر کوششیں تم لوگوں کے ساتھ ہوں گی۔'' اس کے لہجے میں ملال اور غم دونوں کی آمیزش تھی۔

''حرا کے ساتھ جب آپ کا کوئی واسطہ ہی نہیں تھا تو غم کیسا؟ آپ کو تو خوش ہو گئی کہ باجی کو ایک اور غم کا سامنا کرنا پڑا۔'' مجھے اس ایکٹر کی کسی بھی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم ماہم! حرا کے ولدیت کے خانے میں باسط بھائی کا نام ہی لکھا جائے گا۔ باپ بیٹی کا رشتہ ایسا نہیں ہوتا کہ الگ رہنے سے ختم ہو جائے۔ اگر بچی کو کچھ غلط لوگ اغوا کر کے لے گئے تو ہمارے لیئے بھی یہ سانحہ ہے۔''

''اچھا، یہ بات ہے آج آپ، باپ بیٹی کا حق بتانے تشریف لائے ہیں۔ یہ حق آج سے پہلے تو یاد نہیں آیا تھا۔ اخبار میں تلاشِ گم شدہ کا اشتہار دیکھتے ہی یاد آ گیا۔'' شہری گھر میں داخل ہوا تو وہ آصف کو دیکھ کر کھول ہی تو گیا۔

''شہری پلیز، تم تو میرے دوست رہے ہو، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''ہاں صفی، میں نادم ہوں اس دوستی پر جو اس گھرانے پر قہر بن کر ٹوٹی۔ کاش، میں تمہارا دوست نہ ہوتا تو تمہاری فیملی کے بارے میں کچھ تو معلومات کرتا، میری ارتقاء باجی یوں تو پامال نہ ہوتیں۔''

''بات کو غلط رنگ نہ دو شہری۔ باسط بھائی کی غلطی کو میں کب درست مانتا ہوں مگر میرے بے لوث جذبے کو نفرت کی نظر سے نہ دیکھو۔ یقین کرو، حرا کے اغوا کی خبر پڑھ کر میں بے کل ہو گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرا سواگت نفرت بھرے جملوں سے ہوگا مگر میں پھر بھی چلا آیا کہ مجھے اس کی ہرگز پروا نہیں تھی، میری بھتیجی میری جان اغوا ہو گئی ہو کیونکر میں سکون سے بیٹھ سکتا تھا۔''

''مجھے آپ سے گہری ہمدردی ہے۔ بہت افسوس ہوا کہ آپ کے لئے یہ صدمہ خاصا گہرا ہے۔ آپ کی بھتیجی انشاءاللہ بازیاب ہوگی۔ کیا آپ بتا سکیں گے کہ میں آپ کو مبارکباد کہاں آ کر پیش کروں؟'' شہری چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔

''شہری تم بھی ایسے ہو سکتے ہو، مجھے تاسف ہو رہا ہے۔'' آصف نے پیشانی سے پسینہ پونچھا۔

''تم بھی کیا مطلب؟ تمہیں جاننے کے بعد تو ہر شخص کو تمہارے سائے سے بھی دور رہنا چاہئے۔''

''ارتقاء بھابھی، دیکھئے اس وقت میں صرف حرا کی وجہ سے آیا ہوں، میری یہ خواہش ہے کہ اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کرسکوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ............!''

''اے مسٹر! ارتقاء بھابھی کو تمہارا بھابھی کہنے کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ تم یہاں سے فوراً نو دو گیارہ ہو جاؤ۔'' شہری نے آصف کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''شہری پلیز! آصف کو بات کرنے دو، یہ ہمارے گھر آئے ہیں اور میرے نزدیک گھر آیا دشمن بھی احترام کے قابل ہوتا ہے۔''

''باجی، آپ جانتی نہیں ہیں کہ یہ کتنا فراڈی شخص ہے۔'' شہری سیخ پا ہو گیا۔

''ہاں، سب جانتی ہوں اس کے باوجود میں ان کی بات سننا چاہوں گی۔'' باجی کا لہجہ نہایت اطمینان بھرا تھا۔

''شکریہ آپ کا کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔'' وہ باجی کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''ماہم، چائے بھجوادو۔'' باجی نے آنکھ کے اشارے سے یوں کہا کہ جیسے تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔'' شہری پہلے ہی پیر پٹختا ہوا دوسرے کمرے میں جا چکا تھا۔ ''اب بتا دو آصف کہ میری حرا کہاں ہے؟ کیا شرائط ہیں تمہاری؟ کتنا تاوان چاہئے تمہیں؟ اور کب تک؟'' باجی دھیمے لہجے میں بولتی چلی گئیں جیسے کہ یہی معاملات طے کرنے کے لئے انہوں نے آصف کو روکا ہو؟

''شرائط، تاوان؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' وہ حیران سا انہیں دیکھ رہا تھا جیسے ان کی غائب دماغی پر کوئی شک ہو۔

''سودا طے کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ اس وقت ہمارے کمرے میں کوئی دوسرا موجود بھی نہیں ہے۔ ہاں اب سچ سچ بتا دو کہ باسط نے کتنی رقم پر معاملہ طے کرنے کو کہا ہے۔'' وہ انتہائی رازداری سے بولیں۔

''بخدا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ حرا میرے پاس ہوتی تو میں کیا آپ کو بیچتا؟''

''کیوں نہیں، ایسا اکثر ہوتا ہے۔ باسط جب میری زندگی دو کوڑی کی کر سکتے ہیں تو وہ اپنا خون بھی بیچ سکتے ہیں اور شاید اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتے ہوں۔'' باجی کا نفرت بھرا لہجہ چیختا چلا گیا۔

''بھابھی جان، انہوں نے جو حرکت کی ہے اس کی سزا اللہ تعالیٰ انہیں خود دے رہا ہے۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اب وہ کبھی باپ نہیں بن سکتے۔ مگر جیسا آپ سوچ رہی ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔''

''ہوں اگر ایسا ہے جیسا تم کہہ رہے ہو تو حرا کی ضرورت یقیناً انہوں نے محسوس کی ہوگی اور اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ حرا باسط کے پاس ہے۔'' وہ ہسٹریائی انداز میں چیخیں کہ میں اور شہری دونوں ان کے پاس دوڑے چلے آئے۔

''آصف آپ اس وقت چلے جائیے۔ باجی کی حالت درست نہیں ہے۔'' میں نے ان سے جانے کو کہا حالانکہ دل یہ چاہ رہا تھا کہ دھکے مار کر باہر نکال دوں۔

''نہیں آصف، ابھی نہیں جانا۔'' باجی برق رفتاری سے دوسرے کمرے میں گئیں اور ایک لفافہ ہاتھ میں لے کر آئیں۔ ''یہ تم حرا کو دے دینا۔''

''حرا کو دے دوں؟'' آصف سوالیہ نظروں سے سب کو دیکھ رہے تھے۔

شہری نے لفافہ کھولا تو حرا کی چوسنی بھی اور فیڈر میں دودھ بھرا ہوا تھا۔

''بھابھی جان، میں آپ سے قسمیہ کہہ رہا ہوں کہ آپ غلط سمجھ رہی ہیں، حرا ہمارے پاس نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں نے مان لیا کہ تم درست کہہ رہے ہو مگر پھر بھی یہ فیڈر اور چوسنی اپنے گھر لے جاؤ۔

میں حرا کی عادت جانتی ہوں۔ وہ بہت ضدی ہے۔ کسی دوسری بوتل میں دودھ ہرگز نہیں پیتی اور اس چوسنی کے بغیر وہ سو نہیں سکتی۔''

''بھابھی پلیز!'' آصف کی حالت دگرگوں سی ہو گئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے یہاں آکر اس صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

''ارے، میں تم پر شک نہیں کر رہی، مجھے تمہاری بات کا یقین آ گیا ہے مگر ایسے ہی ساتھ لے جانے میں کیا حرج ہے۔ فرض کرو، حرا گھومتی گھامتی تمہارے گھر آ نکلی تو تم اسے دودھ کس میں دو گے۔ کم از کم تمہیں پریشانی تو نہیں ہوگی۔'' باجی کے لب مسکرا رہے تھے اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

میں نے انہیں دونوں ہاتھوں سے سنبھال کر کوچ پر لٹایا اور نفرت بھری نگاہ آصف پر ڈالی کہ اب دفعان بھی ہو جاؤ۔

میری نگاہ کا مطلب وہ فوراً ہی سمجھ گیا تھا، اسی وقت باہر نکل گیا۔

''ذلیل انسان ہمارا تماشا دیکھنے آیا تھا کہ زخمی کتنے لہولہان ہو گئے ہیں۔'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''یہ سب باسط کا پلان ہوگا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ کہ ہمارے وار سے کتنوں کے جگر چھلنی ہوئے ہیں۔''

''پہلے تو میرا یہ خیال تھا کہ حرا کو آصف اور باسط نے اغوا کیا ہوگا مگر اب آصف کی صورت اور اس کی باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ کام صرف اور صرف انہی لوگوں کا ہے۔'' مہمانی جان جو اب تک خاصی خاموشی سے آصف کو دیکھ رہی تھیں، آصف کے جانے کے بعد وثوق بھرے لہجے میں بولیں۔

''جھوٹا، بدبخت قسمیں کھا کر کہہ رہا تھا کہ حرا ہمارے پاس نہیں ہے۔''

''اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے حرا کو اغوا کرنے کے بعد کسی دوسرے مکان میں رکھا ہے، پولیس کو اس جانب بھی توجہ دینی پڑے گی۔'' شہری کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا بڑبڑا رہا تھا۔

حرا کو اغوا ہوئے وہ چھٹا روز تھا کہ شہر کے ایک متمول علاقے سے ایک پانچ سالہ لڑکا اغوا ہو گیا۔ بچہ اپنے دروازے پر کھڑا تھا، ڈرائیور اس کو اسکول پہنچانے کے لئے گاڑی پورچ سے باہر نکال رہا تھا کہ ایک کار سے دو اجنبی بچے کو لے اڑے۔ بچے کی چیخیں ماں کے کانوں تک پہنچی ہی تھیں کہ وہ پراسرار کار غائب ہو چکی تھی۔ اخبارات نے اس واقعے پر خاصا احتجاج کیا تھا۔ بچے کے ساتھ حرا کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ بردہ فروشوں کے اس عمل پر ہر طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا تھا باجی کو خاصے صبر و تحمل سے کام لے رہی تھیں مگر اغوا کے دوسرے واقعے کا ان پر خاصا اثر پڑا اور وہ اخبار پڑھ کر یوں تڑپ کر روئیں کہ جیسے اغوا ہونے والا وہ بچہ بھی ان ہی کے جگر کا ٹکڑا ہو۔ وہ ایک ٹک اخبار ہی کو دیکھے چلی جا رہی تھیں۔ فرحین اور ان کے بھائی کمال فرمانی روزانہ ہی آ رہے تھے۔ آج وہ آئے تو انہوں نے حرا کی تصویر کے ساتھ بہت سارے پمفلٹ باجی کو دکھائے۔ کمال صاحب کا خیال تھا کہ جاہل طبقہ اخبار نہیں دیکھتا۔ یہ پمفلٹ وہ تمام بسوں کے اڈوں پر لگوائیں گے تاکہ حرا کے بارے میں کوئی اطلاع مل سکے۔ اس پمفلٹ پر انہوں نے اپنے ٹیلی فون نمبرز اور ایڈریس دیا تھا۔

باجی نے تمام پمفلٹ دیکھ کر ایک طرف رکھ دیئے۔ اس سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ جب کثیر الاشاعت اخباروں میں روز اشتہار چھاپنے سے کچھ نہیں ہوا تو اب کیا ہوگا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا، ان کی مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔

''اللہ پھر بھروسا رکھیں، کرنے والا تو وہی ہے۔'' کمال فرمانی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، اسی ذاتِ باری سے امید ہے جو یہ دن گزر رہے ہیں ورنہ حرا کے بغیر ایک ایک لمحہ انتہائی بوجھل ہے۔'' باجی کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''پلیز ارتقاء باجی! اپنے آپ کو سنبھالیں، انشاء اللہ حرا ضرور ملے گی۔'' فرحین نے باجی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''کب ملو گی حرا، کب آؤ گی؟'' فرحین کے جانے کے بعد باجی اپنے آپ سے کہہ رہی تھیں۔

''میری پیاری گڑیا، جلدی سے آجاؤ، دیکھو امی کو زیادہ تنگ نہیں کرتے، میں شام کو آئس کریم بھی کھلاؤں گی اور گڑیا بھی دلواؤں گی۔ شاباش، جلدی سے آجاؤ، میں دس تک گنتی گن رہی ہوں جلدی سے امی کے پاس آجاؤ ایک، دو، تین، چار، پانچ......''

باجی ابھی یہیں تک گن پائی تھی کہ ابا جان مسکراتے لبوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

''کیا ہوا؟'' میں نے اور باجی نے یک دم ایک آواز میں پوچھا۔ ابا جان کے چہرے پر کتنے دنوں کے بعد خوشی کی رمق نظر آئی تھی ورنہ ان کا چہرہ پژمردہ ہو گیا تھا۔

''ظہیر کا خط آیا ہے امریکا سے، اس نے کسی کے ہاتھ دستی بھیجا ہے میں باہر کھڑا تھا، ابھی ایک ڈرائیور دے کر گیا ہے۔'' وہ خوشی سے سرشار لفافہ کھول رہے تھے۔

اور میرے اور باجی کے چہرے کی خوشیاں معدوم ہو گئی تھیں۔ ابا جان ظہیر بھائی کا خط پڑھ کر خوشی محسوس کر سکتے تھے مگر اس وقت ہم دونوں بہنوں کی خوشیاں صرف اور صرف حرا کی ذات میں مقید تھی۔

ظہیر بھائی کا خط پڑھے بغیر میں باجی کو لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''بے حس، ذلیل انسان، کمینہ کہیں کا۔'' ابا جان اپنے کمرے میں بڑبڑائے تو میں ننگے پیر بھاگ کر پہنچی، تو ظہیر کا خط پڑھ کر آج تک ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا، یہ آج ابا جان کو کیا ہو گا تھا۔ ظہیر بھائی نے ایسا کیا لکھ دیا تھا؟

''اپنے آپ کو زیادہ ہی عقل مند سمجھتا ہے بد بخت کہیں کا۔'' ابا جان نے لفافہ پرے ہٹا دیا۔ وہ خوشی جو چند لمحے پہلے ان کے چہرے سے عیاں تھی اب معدوم ہو چکی تھی۔

''خیریت ہے؟'' میں وہیں بیٹھ گئی۔

''اس کمینے کو جب حرا کی گمشدگی کی اطلاع ملی تو خط بھیجا ہے۔ تسلی سے زیادہ خط میں فرمائشیں ہیں کہ ان کے پیدا ہونے والے بچے کے لئے کپڑے بھیجے جائیں، یہاں لقمہ کھانا بھی زہر ہو رہا ہے، وہاں ان صاحب کو ہری ہری سوجھ رہی ہے بھانجی کی گم شدگی کو اتنا لائٹ لے رہے ہیں کہ جیسے کوئی فکر کی بات ہی نہیں ہے۔ بے غیرت، کم بخت دور جا کر سب کو ہی بھول گیا۔''

میں نے خط اٹھایا تو پہلی سطر پڑھ کر ہی ایک طنزیہ مسکراہٹ میرے لبوں پر آ گئی۔ ظہیر بھائی نے لکھا تھا، ابا جان اسی لئے تو میں پاکستان کو چھوڑ آیا ہوں کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ حرا کے کھونے کا غم آپ لوگ اتنا نہ کریں۔ مل جائے تو اچھا ہے اور نہ ملے تو یہ بھی اچھا ہوا گا، ارتقاء کی دوسری شادی کرنے میں آسانی رہے گی۔ ارتقاء چار دن رو کر صبر کر لیں گی مگر بچی کی موجودگی میں ان کی دوسری شادی ہونا واقعی ایک مسئلہ ہو گا۔ پاکستان میں اچھی اچھی کنواری لڑکیوں کو ڈھنگ کے بر نہیں ملتے تو ارتقاء تو پھر ایک بچی کی ماں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ضمیر خوب کما رہے ہیں۔ ضمیر کے توسط سے کسی اچھی جگہ ارتقاء کی شادی کر دیں، آپ بھی خوش رہیں، ہم بھی خوش ہیں۔ آپ کو یہ سن کر مزید خوشی ہو گی کہ آپ بہت جلد دادا بننے والے ہیں، آپ کی بہو کہہ رہی ہیں کہ نومولود، دادا کے گھر سے آئے ہوئے کپڑے پہنے گا۔ ویسے بھی امریکا میں کاٹن کے کپڑے خاصے مہنگے ملتے ہیں۔ میرے خیال سے بچے کے لئے پچیس تیس جوڑے مناسب رہیں گے۔ باقی آپ کی مرضی، یہاں گرمی خاصی سخت ہوتی ہے۔ میرے لئے لان کے شلوار کرتے اور اپنی بہو کے لئے بھی سوتی جوڑے بھجوا دیجئے گا۔ آپ کا بیٹا ظہیر، امریکا۔

خط پڑھ کر میں نے واپس لفافے میں ڈال دیا اور چپ چاپ بیٹھ گئی، ظہیر بھائی کے خط سے مجھے بھی رنج پہنچا تھا۔

ابا جان نے ایک نظر مجھے دیکھا اور لفافے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دیئے۔ ظہیر بھائی کا خط جو دس دس دفعہ پڑھا جاتا تھا، آج ایک ہی دفعہ پڑھ کر ریزہ ریزہ کر دیا گیا تھا۔

''ارتقاء کو کچھ مت بتانا ورنہ اسے مزید تکلیف ہو گی۔'' ابا جان اپنے خاموش آنسوؤں کو پی رہے تھے۔

''ظہیر بھائی کے سوچنے کا انداز اب بالکل ہی بدل گیا ہے، پہلے تو وہ ایسے نہیں تھے۔'' میں تاسف سے سوچ رہی تھی۔

''ثمرین کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ آنکھوں کے ہوتے ہوئے بھی ہر چیز اسی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔'' ابا جان کا ملال کم نہیں ہو رہا تھا۔

جب میں کافی دیر تک وہیں بیٹھی رہیں تو باجی بھی چلی آئیں۔

''ظہیر بھائی کو تو شاید معلوم نہیں ہو گا کہ ہم پر کیا قیامت ٹوٹ چکی ہے۔'' ان کا اشارہ خط کی جانب تھا۔

''ہاں، اسے اس قیامت کا بالکل علم نہیں ہے جو ہم پر بیت رہی ہے۔'' ابا جان نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور باجی بت سی بن کر وہیں بیٹھ گئیں، یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ وہ ظہیر بھائی کے خط سے قطعی لاعلم تھیں۔

تانیہ اور نغمی اپنے والد سیٹھ احسانی کے ساتھ پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی تھیں کوئی اور موقع ہوتا تو میں تانیہ کے قدموں میں پھول بچھا دیتی کہ میرے بھائی کی محبت پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی تھی مگر سچویشن ایسی تھی کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

ان کا چکا چوند کرتا ہوا حسن، قیمتی جیولری، بیش قیمت لباس کی جانب بھی دیکھنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔

''سی آئی اے کی رپورٹ کے مطابق، اس معاملے میں باسط یا ان کی فیملی کا کوئی فرد ملوث نہیں ہے تاہم کڑی نگرانی جاری ہے۔ بچی سے ان کا قطعی کوئی رابطہ نہیں ہے اور وہ نہ صرف ان کے بلکہ ان کے کسی بھی دوست احباب کے گھر میں نہیں ہے، ویسے بھی وقوعے کے روز ان کے اپنے گھر میں ایک پارٹی تھی۔ ان کی فیملی کا کوئی فرد گھر سے باہر نہیں تھا۔'' سیٹھ احسانی ابا جان کو بتلا رہے تھے اور سب ہمہ تن گوش تھے۔

''انکل، کہیں ایسا تو نہیں کہ حرا کو اغوا کرنے کے منصوبے میں ان کے ہاں پارٹی کا انعقاد شامل ہو۔ فلموں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ملزم گھناؤنے جرائم کرتے ہیں اور ان کی موجودگی دوسرے شہروں میں دکھائی جاتی ہے۔ ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے ثبوت موجود ہوتے ہیں۔ میٹنگز اٹینڈ کرنے کی شہادتیں ہوتی ہیں اور ایسے گواہ بہ آسانی خرید لئے جاتے ہیں۔'' ارتقاء باجی کو بالکل یقین نہیں تھا کہ اس معاملے سے باسط یا ان کے گھر کا کوئی فرد الگ ہو سکتا ہے۔

''خیال تو نہیں کہ ایسا ہی ہوا ہو گا مگر چونکہ ان لوگوں پر شبہ زیادہ ہے اسی لئے ان کی نگرانی ہنوز جاری ہے۔ ہو سکتا ہے، چالبازی میں زیادہ ہی استاد ہوں اور ابھی گرفت میں نہ آئے ہوں۔ بالفرض اگر بچی ان کی تحویل میں ہے تو یہ لوگ ہرگز بچ نہ سکیں گے ہماری کوششیں اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک بچی برآمد نہیں ہو جاتی۔'' احسانی صاحب کا لہجہ ہمدردی سے معمور تھا۔

''ضمیر کو انڈیا کا میچ مس نہیں کرنا چاہیئے، حرا انشاء اللہ ضرور مل جائے گی۔'' تانیہ اس معاملے میں پہلی دفعہ بولیں۔

''ضمیر بھائی کو انڈیا جانا تھا، انہوں نے تو اس بات کا گھر میں ذکر ہی نہیں کیا تھا۔'' میں حیران نظروں سے شہری کو دیکھنے لگی جو سب کی باتیں انتہائی سنجیدگی سے سن رہا تھا۔

"ضمیر بھائی نے مجھے بھی نہیں بتایا۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"مگر مجھے بتایا تھا انہوں نے کہ بمبئی، کلکتہ اور بنارس میں میچ کھیلنے جانا ہے۔" تانیہ نے رسمی سی شرماہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا جیسے یہ اطلاع اس کے بھاگ لگانے کے مترادف ہو۔

"ٹھیک ہے، چلے جائیں یہاں ان کو کون روک رہا ہے۔" ارتقاء باجی کچھ بجھ سی گئیں۔

"روک تو کوئی نہیں رہا مگر وہ حرا کی وجہ سے نہیں جا رہے۔ حالانکہ میں نے تو بہت سمجھایا کہ آپ کی غیر موجودگی میں ڈیڈی یہاں کا پورا پورا خیال رکھیں گے آپ اپنے فیوچر کا خیال کیجئے۔" تانیہ اپنی ڈائمنڈ کی انگوٹھیوں سے کھیلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک کیا اس نے فیصلہ۔ ذہنی پریشانی میں جاتا تو وہاں بھی اچھی پرفارمنس نہیں دے پاتا۔ بہن کو دکھی چھوڑ کر وہ کیسے جا سکتا ہے۔" ابا جان کا لہجہ خاصا اونچا تھا۔ لگتا تھا کہ انہیں تانیہ کا انداز بھایا نہیں تھا۔

"ارتقاء بیٹی کی پریشانی وقتی ہے، انشاء اللہ جلد ختم ہو جائے گی۔ لیکن اگر ضمیر نے یہ میچز چھوڑ دیئے تو آئندہ اس کے کپتان بننے کی امید کم ہو جائے گی۔" سیٹھ احسان گو ہنس کر کہہ رہے تھے مگر ان کے جملے خاصے کس کر لگ رہے تھے۔ اب ان کا آنا کسی کو بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ عقل مندی یہی تھی کہ ان کے جملوں کو پی لیا جائے۔ اس لئے سب ہی خاموش سے ہو گئے تھے مگر باجی کی نظریں اپنے پیروں پر گڑی جا رہی تھیں، یوں جیسے وہ ضمیر بھائی کی ترقی میں حائل ہوں۔ ان کے فیوچر کے آگے کوئی دیوار ہوں۔ تانیہ کی آمد، اس کا لہجہ اور اس کا انداز بہت کچھ بتا رہا تھا۔ آنے والے وقت کی کٹھنائی کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ خاموشی جب زیادہ گھمبیر ہو گئی تو سیٹھ احسانی جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اپنی بہتر خدمات کی بار بار پیش کش کر رہے تھے۔

"تم بے فکر رہو۔ ضمیر بھائی میچ کھیلنے ضرور جائیں گے، چاہے حرا ملے یا نہ ملے۔" باجی نے بڑے ضبط کے ساتھ تانیہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"باجی! یو آر ویری گریٹ۔ سو نائس آف یو۔" وہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی مگر اس کے جاتے ہی باجی اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے لیٹ گئی تھیں، مجھے یقین تھا کہ اب آنسوؤں کا ریلا بڑے زور و شور سے بہہ رہا ہو گا۔ آنسوؤں کے جلوس جو تنہائی میں نکلتے ہیں، وہ مجمع میں کہاں نظر آ سکتے ہیں۔

شہری، نغمی کا مذاق اڑا رہا تھا کہ کیسے سختی سے ہونٹ دابے بیٹھی رہی، ایک لفظ منہ سے نہیں پھوٹا انداز کیسا مغرورانہ تھا جیسے انسپیکشن کرنے آئی ہو۔

"ہاں، وہ لوگ پہلی دفعہ آئے تھے۔ مجھ سے تو وہ مل چکی تھیں مگر دیگر لوگوں کو تو پہلی دفعہ ہی دیکھ رہی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے گھر کا جائزہ لے رہی ہوں۔" شہری کے تبصرے پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"اس طرح دیکھتے ہیں پہلی دفعہ کہ گھور گھور کر دیکھ رہی تھی سب کو۔ زبیدہ پھوپھو موٹی ضرور ہیں مگر اتنی بری نہیں لگتیں مگر اس کو بہت بری لگ رہی تھیں۔ اس کی نظریں ان کو بار بار تول رہی تھیں۔ میرے خیال سے پانچ سو چالیس کلووزن کیا تھا اس کی آنکھوں نے!"

"بڑا گہرا مشاہدہ کیا تم نے نغمی کا، وہ تمہیں کس زاویئے سے دیکھ رہی تھی۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"لگتا ہے، سب سے زیادہ میری وجاہت سے متاثر ہوئی۔ گاہے گاہے اس کی نظریں میرے چہرے پڑ رہی تھیں۔" وہ اترایا۔ بعض دفعہ تو اس کی آنکھیں مجھ پر نثار ہو رہی تھیں۔

"چھ دن سے تمہاری شیو نہیں بنی۔ آئینے میں شکل دیکھو، کس قدر برے لگ رہے ہو۔ تمہیں دیکھ کر وہ یہ سوچ رہی ہو گی کہ ان کے ہاں ان کے نوکر مالکوں کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ بس اس لئے نظر پڑ گئی ہو گی تم پر اس کی۔" میں نے دانت پیسے۔ اس کا بے ہودہ مذاق ذرا بھی پسند نہیں آیا تھا۔

"ارے، ایسے ہوتے ہیں نوکر، ایسے بوا سے، ایسے شہزادے سے۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"یہ تو تمہارا خیال ہے نا، کسی دوسرے سے بھی پوچھو کہ تم ہو کیا؟"

"چلئے آج لگے ہاتھوں آپ ہی بتا دیجئے کہ ہم آپ کے نزدیک کیسے ہیں۔" "آپ ہمیں کیا سمجھتی ہیں؟ ہم آپ کو کیسے لگتے ہیں؟" وہ آنکھیں بند کر کے جھوم کے بولا، جیسے اس میں اس کی تعریفوں کے گن گانے لگوں گی۔

"بے حد خراب، بے حد کنڈم، انتہائی بور۔" میں نے چبا چبا کر کہا۔

"محترمہ، جھوٹ بولنے کا مقابلہ نہیں ہو رہا، سچ بولئے اور ایمانداری سے بتایئے کہ مہاراج شہریار، آپ کے شہر دل میں کون سے گریڈ کے مکین ہیں۔"

"تیسرے درجے کے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا واقعی۔" اس کا چہرہ اتر سا گیا ہنستے ہوئے چہرے پر چند ہی لمحوں میں ٹھیکرے برس رہے تھے۔

"جو بندہ شکل دیکھ کر اندازہ کرنا نہ جانتا ہو، اس کا درجہ تھرڈ گریڈ ہی ہونا چاہیئے۔"

"اوہ، شکر خدا کا کہ تم نے صرف محاورے کی مٹی پلید کی ورنہ دل سے تم بھی دیوانی ہو میری۔" وہ لگا اترانے۔

"ہشت!" میں شرم و غصے سے سرخ سی پڑ گئی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی کافی دیر سے بج رہی تھی اور میں کاہلی سے سامنے ہی بیٹھی تھی۔ بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے اٹینڈ کروں۔ کئی دنوں سے تمام لوگوں کو حرا کے اغوا کی کہانی سناتے سناتے میں تھک سی گئی تھی۔ میرا یہ نظریہ تھا کہ اپنا غم صرف اپنا ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کو بتانے سے نہ تو وہ کم ہوتا ہے اور نہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ حرا کو اغوا ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے، کھانا بھی کھایا جا رہا تھا اور پانی بھی پی رہے تھے مگر اس کی جدائی ہنوز اتنی تڑپ آمیز تھی جتنی کہ پہلے دن تھی۔ آنکھیں اب بھی صرف اسی کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ دل میں اسی کا ارمان تھا۔ گھنٹی کی آواز جب مزید ناگوار محسوس ہوئی تو میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" میں نے دھیرے سے کہا تھا۔

"ہوں، ماہم بول رہی ہو؟" دوسری جانب آصف تھا جو میری آواز فوراً ہی پہچان گیا تھا۔

"جی فرمایئے۔" میرے لہجے میں یک دم تناؤ سا آ گیا، یوں جیسے بکو کیا کہنا ہے؟

"ماہم! میں نے پتا چلا لیا ہے کہ حرا کو ڈاکوؤں نے اغوا کیا ہے۔"

"مسٹر! یہ آپ کوئی نئی بات نہیں بتا رہے، یہ کام ڈاکو ہی کیا کرتے ہیں، شریف انسانوں میں ایسی کمینگی نہیں ہوتی کہ دوسرے کو آزار پہنچائیں۔"

"میری بات تو سنو، حرا خیریت سے ہے اور اسی شہر میں ہے، چند دن پہلے جو بچہ اغوا کیا گیا تھا وہ بھی اس کے ساتھ ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" میرا لہجہ یکدم ڈھیلا ہو گیا۔

"ڈاکوؤں نے بچے کے باپ سے رابطہ قائم کیا ہے، ایک کروڑ مانگ رہے ہیں۔ باتوں کے دوران نہ جانے ان کے منہ سے کیسے نکل گیا کہ آپ کا بچہ اکیلا نہیں ہے، اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی بچی بھی ہے میرا خیال ہے کہ وہ یقیناً حرا ہی ہو گی۔"

"ڈاکوؤں نے باسط بھائی سے تو رابطہ قائم نہیں کیا۔ آخر باپ تو وہی ہیں، پیسے والے بھی ہیں۔ ان کا مطالبہ پورا بھی کر سکتے ہیں۔" میرا لہجہ از خود تمسخر آمیز ہو گیا۔

"ماہم، یہ وقت آپس کے جھگڑوں کا نہیں ہے میری یہ پوری کوشش ہو گی کہ ڈاکو اس بچے کے ساتھ ہماری حرا کو بھی چھوڑ دیں۔"

"ارے، یہ اتنا آسان کام نہیں ہے، وہ بغیر پیسے کے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اسی پیسے کے لئے لوگ زندگی سے کھیل جاتے ہیں۔ آصف صاحب، پیسہ بہت بڑی حقیقت ہوتا ہے اور اس کی زندہ مثال ارتقاء باجی ہیں، باسط بھائی نے ان کے ساتھ کیسا گیم کھیلا ہے۔ میرے خیال سے اتنی جلدی آپ یہ سب باتیں نہیں بھول پائے ہوں گے۔"

"ماہم، مَیں بُری باتوں پر مٹی ڈالنا پسند کرتا ہوں۔ اس وقت مجھے صرف اور صرف حرا کی رہائی درکار ہے اور یہ کام انشاء اللہ میں کروا کے رہوں گا۔" آصف نے فون از خود ہی بند کرتے ہوئے کہا۔

اور میرا ذہن خواہ مخواہ آصف کی جانب چلا گیا۔ اس کی شخصیت کا یہ کون سا انداز تھا جو لطف و کرم کا پہلو لئے ہوئے تھا۔

حرا سے اس کی محبت، چاہت اور تڑپ خاصی حیران کن تھی۔ واقعی خون کسی بھی وقت جوش مار سکتا ہے۔ اس لئے مجھے احساس ہو رہا تھا۔ آصف کی خامیاں ایک جانب تھیں مگر اس کی یہ خوبی نظر انداز کرنے کے قابل ہرگز نہیں تھی۔ گو اب ارتقاء باجی کا ہر تعلق ختم ہو گیا تھا، باسط بھائی ان کے لئے ایک نامحرم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے باوجود وہ حرا کی گمشدگی کے لئے پریشان ہو رہا تھا، ہراساں نظر آتا تھا۔ نہ صرف میں بلکہ شہری نے بھی اس کو کم ذلیل نہیں کیا تھا، اس کے باوجود وہ حرا کے لئے تگ و دو کر رہا تھا۔

اگلے دن شام کو میں اور باجی مہمانوں کے ایک ہجوم کو رخصت کر کے ہی بیٹھ گئے تھے کہ آصف آ گیا۔ چہرے پر سرشاری نمایاں نظر آ رہی تھی۔

"ماہم، میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ حرا کا سراغ لگا کر رہوں گا۔"

"کیا پتا چلا، کہاں ہے وہ؟" باجی بے تابی سے بولیں۔

"ابھی پتا چل جائے گا کہ وہ کس کے پاس ہے۔" آصف نے پاس رکھے ڈیک میں اپنا ٹیپ لگا دیا۔

کوئی چھوٹا بچہ کہہ رہا تھا۔ "آؤ حرا بال سے کھیلو، مزہ آئے گا۔"

"جاؤ میں نہیں کھیلتی، میں امی دان کے پاس جاؤں گی۔" حرا کہہ رہی تھی۔

"انکل کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنی امی کے پاس بہت جلد چلے جائیں گے۔ دیکھو یہ انکل بھی اچھے ہیں، کتنے سارے ہمارے لئے کھلونے لائے ہیں۔ انکل کہتے ہیں کہ جب ڈیڈی ان کو گفٹ دے دیں گے تو وہ ہم کو چھوڑ آئیں گے۔"

اور باجی حرا کی آواز سن کر بے خود سی ہو گئیں۔ ٹیپ انہوں نے دوبارہ روائینڈ کیا، حرا چہک رہی تھی۔ "جاؤ، میں نہیں کھیلتی، میں امی دان کے پاس جاؤں گی۔" ایک بار، دو بار وہ بار بار یہی ایک جملہ سنے چلی گئیں۔

خدا کا شکر کہ میری حرا زندہ ہے۔ آنکھوں میں آیا ہوا کہر اب برسات بن چکا تھا۔

"آصف، یہ ٹیپ آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟" میں انتہائی ملائمت سے پوچھ رہی تھی۔

"شہزادہ (بچہ) جو اغوا ہوا ہے، اسی کے گھر ڈاکوؤں کے فون آ رہے ہیں اور وہ لوگ فون ٹیپ کر رہے ہیں۔ میرے ایک دوست کے اس فیملی سے ٹرمز ہیں۔ میں ایک ٹیپ کی کاپی کروا کر اس لئے لے آیا کہ اس میں حرا کی آواز ہے اور یہ اندازہ بھی ہو رہا ہے کہ شہزاد اور حرا کو کسی ایک ہی ڈاکو نے اغوا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شہزاد کے والدین سے معاملات طے پا جانے کے بعد ڈاکو یہاں رابطہ قائم کریں۔ فی الحال تو ان کے ہاں بات چیت جاری ہے۔ ایک کروڑ سے اسٹارٹ لینے کے بعد اب وہ پانچ لاکھ پر آ گئے ہیں، آگے دیکھئے اب کہاں پر جا کر معاملہ نمٹتا ہے۔"

"آپ چائے پئیں گے یا کولڈ ڈرنکس۔" آصف کو متشکرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے میں پوچھ رہی تھی۔

"صرف چائے مگر وہ بھی آپ کے ہاتھ کی۔" وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"آصف، اس کیسٹ کو میں اپنے پاس رکھ لوں۔" باجی کسی معصوم بچے کی طرح پوچھ رہی تھیں۔

"وائے ناٹ، یہ تو میں آپ کے لئے ہی لایا ہوں۔"

میں جب چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو باجی اپنے کمرے میں وہی کیسٹ سن رہی تھیں اور آصف اکیلا بیٹھا ٹی وی کے پروگرام انتہائی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ لیجئے چائے۔" پرچ میں چمچہ بجا کر میں نے اسے متوجہ کیا۔

"آج کتنے عرصے بعد تمہارے ہاتھ کی چائے نصیب ہوئی ہے۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ رہا تھا۔

میں نیچی نظریں کئے چائے کے سپ لیتی رہی۔

میں بہت بُرا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو، ہے ناں، وہ شائستگی سے پوچھ رہا تھا!

"جو باب بند ہو چکا ہے اسے کھولنے کا کیا فائدہ، کوئی دوسری بات کیجئے۔"

"مجھے حق تو نہیں ہے مگر پھر بھی میں یہ چاہوں گا کہ تم مجھے جھوٹا نہیں سمجھنا، کیونکہ میرے جذبے سچے تھے، میرے خلوص میں کوئی آمیزش نہیں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ وقت کا پہیہ میرے تمام جذبوں کو کچلتا چلا گیا مگر یہ یاد رکھ لینا کہ میں بے گناہ تھا باسط بھائی کے گناہوں کے تمام تر عذاب میں نے سمیٹے ہیں۔ میری شفاف شخصیت پر جتنے دھبے باسط بھائی کی وجہ سے لگے ہیں وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بھائی کا معاملہ تھا۔ شربت کے گھونٹ کی طرح پیتا چلا گیا مگر میری محبت پر حرف آ گیا اور میں تمہاری نظروں میں کمینہ بن گیا مگر ماہم......!"

"پلیز، آصف صاحب، گزری باتوں کا اب تذکرہ کرنا بیکار ہوگا، ختم کیجئے اس قصہ کو، اس بارے میں، میں اب مزید کچھ اور نہیں سننا چاہتی۔" میں اپنا چائے کا کپ رکھ کر کھڑی ہو گئی، ناچار اسے بھی خدا حافظ کہہ کر جانا پڑا مگر جاتے سمے اس کے پھڑکتے نتھنے اور سکڑے ہوئے لب یہ ظاہر کر رہے تھے کہ جیسے وہ آج بہت کچھ کہنے کے لئے آیا تھا اور اپنے تمام جملوں کو اپنے منہ میں داب کر اسے لے جانا پڑا تھا۔ اسے شاید یہ گمان بھی نہیں تھا کہ میں اسے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دوں گی۔ اسی لئے وہ جاتے وقت اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ ایک کیسٹ لا کر وہ اپنے تمام پچھلے داغوں کو مٹا دے گا اور میں اس کی ہر زیادتی کشادہ دلی کے ساتھ معاف کر دوں گی۔

"نہیں آصف، میں اتنی نادان ہرگز نہیں ہوں کہ تمہاری باتوں میں آ جاؤں گی۔ حرا سے تمہاری محبت اور چاہت پر یقین کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ میں تم پر پروانہ وار نثار ہونے لگوں گی۔"

شہری نے رات کو آ کر جب کیسٹ سنا تو ششدر سا رہ گیا۔

"لگتا ہے، اس میں بھی آصف کی کوئی چال ہے۔"

"چال وال کوئی نہیں ہے، وہ حرا کا چچا ہے، اپنی بھتیجی کے لئے سرگرداں ہے اور بس۔" میں نے عام سے لہجے میں اس کی طرف داری کی۔

"ماہم صاحبہ، یہ چچا جان آج سے دو سال پہلے بھی تو زندہ تھے، آج سے پہلے تو وہ اتنے بے چین کبھی نہیں ہوئے تھے۔"

"بس محبت ہے کبھی بھی آ جائے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا بات ہے، بڑا ساتھ دے رہی ہو ان حضرت کا؟" شہری کو غصہ ہی تو آ گیا۔

"سچی بات کہنا کیا جرم ہے۔ آصف کی جو بات اچھی ہے، وہ کہی جائے گی۔ باجی حرا کے لئے تڑپ رہی

تھیں ایسے میں حرا کی آواز سن کر انہیں سکون ملا ہے اب ان کو یقین آ گیا ہے کہ حرا بہت جلد ان سے آ ملے گی۔ آصف کہہ کر گیا ہے، وہ اس سلسلے میں اپنی تمام تر توانائیاں خرچ کر دے گا مگر حرا کو ضرور برآمد کروائے گا۔''

''سنو، مجھے تو لگتا ہے کہ یہ ڈاکو اور آصف سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ آصف نے ہی اغوا کر لیا اور اب آصف ہی برآمد کروا کے اس خاندان کا محسن بن جائے گا۔'' شہری کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اگر ایسا ہو جائے تو وہ محسن تو ضرور بن جائے گا، چاہے حقیقت کچھ بھی ہو، ہمیں ہر حال میں اپنی حرا چاہیے صرف اس کی وجہ سے ہم نے اپنے دشمن تک کا خیر مقدم کیا ہے۔''

''یہ تو کوئی غلط بات ہے، جذبوں کو یوں بے مہار نہیں ہونا چاہیے۔''

''آپ کو کیا پتا کہ محبت کیا ہوتی ہے اور عشق کیا ہوتا ہے۔ حرا سے مجھے محبت ہی نہیں بلکہ عشق بھی ہے، وہ ہمارے گھرانے کا ایسا چراغ ہے جس کے دم سے پورے گھرانے میں روشنی ہے۔''

''حرا کے لئے ہم سب سرگرداں ہیں، حرا ہمیں بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ تمہیں۔'' شہری کا لہجہ روکھا سا ہو گیا۔

''یہ میں نے آپ سے کب کہا ہے؟'' میں مسکرائی۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو اور کیا کہہ رہی ہو، میرے لئے واقعی سمجھنا مشکل ہو رہا ہے۔'' اسنے تیکھی نظروں سے مجھے گھورا۔

''لگتا ہے، آج بہت تھک گئے ہو، کڑک دار چائے بنا کر لاتی ہوں، حواس ٹھکانے آ جائیں گے۔ میں باورچی خانے کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے بولی تو وہ ایک گہری سانس لے کر وہیں لیٹ گیا۔

اور جب میں چائے بنا کر لائی تو وہ زوردار خراٹوں کے ساتھ گہری نیند سو چکا تھا۔

ضمیر بھائی انڈیا میچ کھیلنے جا چکے تھے۔ اخبارات میچ کی کوریج کے ساتھ ساتھ کی ان پارٹیز کا بھی آنکھوں دیکھا حال لکھ رہے تھے جن میں ہمارے ہیروز شرکت کر رہے تھے۔ آج صبح اخبار انکا صفحہ کھولا تو اس میں ضمیر بھائی کی کتنی تصویریں نمایاں طور پر شائع ہوئیں تھیں اور ہر تصویر میں انڈین فلم اسٹارز ان کے پہلو میں تھیں۔ کسی نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال رکھے تھے' کوئی بے حد قریب ہو کر انہیں پھولوں کا گلدستہ پیش کر رہی تھی۔

حرا کے اغوا کے بعد سے ماموں جان، ممانی اور شہری ہمارے گھر ہی تھے۔ شہری نے میرے ہاتھ سے اخبار لیا تو ''ہرا'' کا نعرہ لگا دیا۔

''اس قدر چیخنے کی کوئی بات نہیں تھی، معلوم بھی ہے کہ گھر میں آدھے لوگ ابھی سو رہے ہیں۔'' میں نے لتاڑا۔

''ضمیر بھائی واقعی لکی ہیں، انڈیا جا کر خوب مزے آ رہے ہیں۔''

''تم جیسے مردوں کی ذہنیت بس یہیں تک ہے کہ دو چار خوب صورت لڑکیاں آگے پیچھے ہوں تو تمہارے لئے یہ زندگی کی معراج ہو جاتی ہے۔'' میں نے دانت پیسے۔

تم تب جلنا جب میں قومی ٹیم میں سیلکیٹ ہو جاؤں گا اور ایسے ہی شاندار دورے کیا کروں گا۔''

''میری بلے جوتی، قومی ہیروز پر آخر تھوڑا بہت حق ان کے فینز کا بھی ہوتا ہے اگر وہ خوش ہو کر تحائف پیش کریں یا تصویریں بنوائیں تو اس میں جلنے کی کی بات ہوئی۔'

''شاباش! تم تو بہت اچھی ہو، بے حد کشادہ ذہن کی مالک، مجھے پوری امید ہے کہ مستقبل میں بھی انہی نظریات کی مالک رہو گی۔ یہ نہ ہو کہ جب اپنے بھائی کا معاملہ ہو تو ڈائیلاگ بول دو اور جب بات ہماری

ہو تو تم چڑھائی کر دو۔'' اس کی آنکھیں شرارت سے ڈوبنے لگیں۔

''فضول صبح صبح بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلا گھمانا کیا سیکھ گئے۔ اپنے آپ کو کرکٹرز سمجھنا شروع کر دیا۔ خیالوں ہی خیالوں میں اتنے اوپر مت جایا کرو جہاں سے اترنا بھی مشکل ہو۔''

''ماہم بیگم۔ یہ بات تم اپنی دل کی کتاب میں لکھ لو کہ مجھے ہمیشہ اوپر ہی جانا پسند ہے۔'' شہری آج تمہاری بات سوچتی ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ تم نے کیسا سچ کہا تھا۔

''اگر تم کہو تو یہ بھی لکھ لوں کہ میں اتنی بلندی پر جانا چاہتا ہوں کہ جہاں سہارے کے لیے کوئی بھی شجر نہ ہو۔'' میں نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

''اے لڑکی، ہمیں اپنا سہارا معلوم ہے، ہم شجر و حجر پر بھروسا کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔'' اس نے شربتی نگاہوں سے دیکھا۔

اور میں نے نگاہوں سے بچنے کے لئے اپنا منہ اخبار میں چھپا لیا۔

ابھی دن کے گیارہ ہی بجے تھے کہ تانیہ کا فون آ گیا۔

''ماہم، تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس کی آواز کافی متوحش سی تھی۔

''انڈیا میں یہ فلمی ہیروئنیں ہمارے ضمیر کو کتنا پریشان کر رہی ہیں۔''

''نہیں بھئی، ضمیر بھائی پریشان تو نہیں ہیں۔'' تانیہ کی بات سمجھ کر مجھے مزہ آنے لگا۔

''آپ کو کیا معلوم کہ وہ لوگ پاکستانی کھلاڑیوں کی کس قدر عاشق ہیں۔ ان کے ساتھ اپنے اسکینڈل بنوا کر شہرت حاصل کرتی ہیں، دو چار نے تو خواہ مخواہ ضمیر کو اپنی فلموں میں ہیرو کی آفر دے دی ہے۔''

''کیا واقعی؟'' میں نے زبردستی کی خوشی کا اظہار کیا۔

''میں نے ضمیر کو فون کیا تھا، وہ مجھے بتا رہے تھے۔''

''پھر ضمیر بھائی کا کیا خیال ہے۔ شوٹنگز میں حصہ لینے کے لئے کیا رک جائیں گے؟'' میں بدستور تانیہ کو کلسا رہی تھی۔

''نہیں بھئی، ہمارے ضمیر ایسے ہرگز نہیں ہیں۔ وہ لوگ چاہے کتنا ہی لالچ دیں، وہ واپس پاکستان آئیں گے، مال و دولت کی ان کو یہاں بھی کمی نہیں ہو گی۔''

''آپ کے ضمیر بھائی کب آ رہے ہیں؟'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''اب صرف بنارس میں کھیلا جانے والا میچ رہ گیا ہے۔ انشاءاللہ ایک ہفتے میں ان کی واپسی ہو جائے گی۔ اس سے زیادہ رہنے کی اجازت بالکل نہیں دوں گی۔ خواہ مخواہ انڈین ایکٹرز گلے کا ہار بن جاتی ہیں۔ ایک پاکستانی فلمی اداکارائیں بھی ہیں، مجال ہے کہ کسی کو زیادہ لفٹ دیں۔ اکثر تو میچ بھی نہیں دیکھتی ہیں اور جو دیکھتی ہیں تو ان کو بھی یہ اوچھے انداز نہیں آتے۔''

''آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ ضمیر بھائی وہاں بھی کس قدر پاپولر ہیں، ہر کوئی انہیں پسند کرتا ہے۔ آپ کے لئے تو یہ فخر کی بات ہوتی۔'' میں نے ہمدردانہ رائے دی۔

''ہاں، فخر کی بات اس وقت زیادہ ہو گی جب ہر خاص و عام کو معلوم ہو گا کہ میں ان کی مسز ہوں۔ شادی سے پہلے تو یہ فخر ادھورا سا لگتا ہے جب میں ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر تقاریب میں شرکت کروں گی تب بے شک انڈیا کی پوری فلم انڈسٹری آ جائے مجھے ہرگز پروا نہیں ہو گی۔'' تانیہ انتہائی بے تکلفی سے کہہ گئیں۔

''ضمیر بھائی کو فون کریں تو گھر کی خیریت سے مطلع کر دیجیے گا۔''

''آپ بے فکر رہیں، میں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حرا گھر آ گئی ہے۔''

"مگر کیوں، یہ تو غلط بات کی ہے آپ نے۔" مجھے غصہ ہی تو آ گیا۔

"ارے، آپ تو ناراض ہو گئیں، ایسا میں نے ڈیڈی کے کہنے پر کیا تھا تاکہ وہ وہاں یکسوئی سے کھیل سکیں۔ صرف پہلا میچ ڈرا ہوا اور اب تک وہ تین میچ جیت چکے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ حرا کے آنے کی خبر سن کر ان کا تمام ذہنی بوجھ اتر گیا ہے۔ آپ کو تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ یہاں بیٹھ کر بھی میں ان کا کتنا خیال رکھ رہی ہوں اور ان کی اس کامیابی میں، میرا بھی کتنا ہاتھ ہے۔" تانیہ فخر اور تکبر سے کہہ رہی تھی۔

"تھینکس سوچ۔ آپ واقعی بہت ہاتھ بٹا رہی ہیں۔" میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کس سے بات کر رہی تھیں؟" ابا جان پوچھ رہے تھے۔

"ہیں ایک کلف دار بیگم وہی بک بک کر رہی تھیں۔" میں نے بات چھپالی۔

مجھے تانیہ کی باتوں پر غصہ آ رہا تھا، کم بخت ابھی سے اتنا زیادہ اترائی تھی، نہ ہم نے رشتہ دیا تھا اور نہ ہی کوئی اس سلسلے میں تقریب منعقد کی گئی تھی، اس کے باوجود ضمیر بھائی کو "ہمارے ضمیر" کہہ کا ذکر کرتی تھی۔

شرم وحیا یا لحاظ ذرا بھی تو اس میں نہیں تھا اپنے حسن اور دولت پر اس قدر ناز تھا کہ کسی دوسرے کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھی۔

اتنی خود پسند لڑکی کا ہمارے ساتھ گزارہ ہو سکے گا۔

وہ ہم سب کے ساتھ خوشی خوشی رہ سکے گی۔

کیا وہ دو نندوں اور سسر کو برداشت کر سکے گی۔

اس کا دل پانچ کمروں کے اس فلیٹ میں لگ جائے گا۔

ان تمام سوالوں کا جواب "نہیں" تھا جو میرا دل دیے رہا تھا۔ مجھے تو خطرے کی وہ گھنٹیاں بھی سنائی دے رہی تھیں جو تانیہ کے آنے کے بعد اس گھر میں بجنی تھیں۔

غلطی تو ضمیر بھائی کی بھی تھی، انہوں نے بالا ہی بالا تانیہ کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ اس سے ضرور شادی کریں گے اس لئے وہ تھوڑی بہت قدر ومنزلت جو شادی سے پہلے سسرال والوں کی ہوتی ہے، ہم اس سے بھی محروم رہ گئے تھے۔ تانیہ کی ضمیر بھائی سے روزانہ فون پر بات چیت ہو رہی تھی اور ضمیر بھائی اس سے بات کر کے اتنے مطمئن ہو جاتے تھے کہ انہیں ایک فون گھر پر کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔ چلو اگر تانیہ نے یہ جھوٹ بول ہی دیا تھا کہ حرا مل گئی ہے تو وہ ایک مبارکباد کا ہی فون گھر کر دیتے، شاید اب انہیں گھر فون کر کے زیادہ خوشی نہیں ہوتی تھی۔ ظہیر بھائی تو شادی کے بعد بدلے تھے مگر ضمیر بھائی شادی سے پہلے ہی بدل رہے تھے۔ لڑکی پسند کرتے ہی انہوں نے اپنے آپ کو اسی کے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا تھا۔

"ضمیر بھائی ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" میں وہیں فون کے پاس بیٹھی کھول رہی تھی، شاید زیر لب بھی بڑبڑا رہی تھی۔

"کیا بات ہے چاندنی کیا سوچ رہی ہو؟" ابا جان نے مجھ غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں ابا جان، بس یونہی......" میں گڑبڑا سی گئی۔

"اوں ہوں، کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ یہ کلف دار بیگم کون ہیں؟" انہوں نے تم سے کیا کہہ دیا جو پریشان بیٹھی ہو۔" وہ شاید اندازہ لگا رہے تھے۔

"ارے وہ تو ہماری کالج فیلو ہے، بلا رہی تھی، اپنے ہاں، میں نے منع کر دیا کہ جب تک میری بھانجی گھر واپس نہیں آ جاتی، میں کسی تقریب میں شرکت نہیں کر سکتی۔" میں نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"حرا انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد گھر آ جائے گی۔ رات کمال فرمانی صاحب کا بھی فون آیا تھا۔ شہر کے

مختلف حصوں میں پمفلٹ لگانے سے خاصا فرق پڑا ہے اور کئی لوگوں نے ان سے رابطہ قائم کیا ہے۔"

"ارے، یہ کمال صاحب انتہائی شریف آدمی ہیں۔ بے چارے کیا کر سکیں گے، سوائے ایک نظم یا غزل لکھنے کے۔" میں تاسف سے بولی۔

"دیکھو کیا ہوتا ہے، بہرحال کوشش تو وہ بھی کر رہے ہیں حالانکہ مصروف آدمی ہیں، ان سے ہماری دوستی بھی زیادہ نہیں ہے، خون کا بھی کوئی رشتہ نہیں ہے اس کے باوجود وہ ہماری پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھے ہوئے ہیں اور جو اپنے ہیں، وہ دور بیٹھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ حرا نہ بھی ملے تو کوئی بات نہیں، اچھا ہے کہ جان چھوٹی ورنہ حرا کا وجود گھر والوں کے لئے بھی ایک مسئلے کی طرح رہتا۔" ابا جان ظہیر بھائی کے خط کو بھول نہیں سکے تھے۔

"چھوڑیے ابا جان، ظہیر بھائی دور بیٹھے ہیں، انہیں وہاں بیٹھ کر ہماری پریشانی کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا ورنہ وہ ایسا ہرگز نہیں لکھتے۔" میں نے دل کا بوجھ کم کرنے کی سعی کی۔

"جو گھر میں رہتا ہے، وہ کھیلنے چلا گیا اگر چلا گیا تھا تو حرا کے لئے ایک فون ہی کر لیتا۔ ایسا بھی کیا شوق کہ وہاں تمام تقریبات میں دھوم دھام سے شرکت کر رہے ہیں اور اپنے گھر کی ماتم بھری فضا بھولے بیٹھے ہیں۔"

"اس میں ضمیر بھائی کا کیا قصور۔ ارتقاء باجی نے انہیں خود بھجوایا ہے اور ایک فون ان کا آیا بھی تھا، میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔ نہ جانے میں آپ کو بتانا کیونکر بھول گئی۔ شاید ان دنوں گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت زیادہ تھی۔" میں نے بہت سے تلخ آنسو اپنے اندر اتار کر کہا اور وہاں سے ہٹ گئی اس وقت ضمیر بھائی کی اس سے زیادہ وکالت کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔

باجی حرا کی الماری سیٹ کر رہی تھیں، اس کی تمام نئی فراکیں ہینگر میں لگا کر الماری میں ٹانگ رہی تھیں، سالگرہ میں آنے والے تحائف اور دیگر دوسرے کھلونے اس کی ٹیبل پر سجا دیئے تھے۔

"ماہم! ذرا دیکھو تو حرا کی تمام چیزیں میں نے باہر نکال لی ہیں، وہ آ کر خوش ہو جائے گی ناں۔" مجھے اپنے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر انہوں نے آواز لگائی۔

"ہاں، باجی وہ بہت خوش ہو گی آپ اس کے بیڈ پر کارٹونوں والا بیڈ کور بچھا دیجیے۔" حرا کو وہ "بیڈ کور" بے حد پسند تھا۔

"کیا خیال ہے پردے بھی تبدیل کر دوں دل بھر گیا اس ڈیزائن کو دیکھ دیکھ کر۔" انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ کل آپ کے ساتھ شفیق سنز چلتے ہیں، وہاں سے اچھے سے پردے لاتے ہیں۔ اپنی حرا کی پسند کے تبسم آنٹی کے ہاں کے پردے اچھے لگے تھے ویسے ہی لائیں گے۔"

"کل چلو گی اگر حرا آ گئی تو کیا کہے گی کہ امی نے اسکا کمرہ بھی نہیں سجایا۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں بولیں۔

میں نے چونک کر باجی کو دیکھا ان کی ذہنی حالت پر کچھ شک سا ہوا مگر وہ انتہائی معصومیت سے میری جانب دیکھ رہی تھیں، جیسے میرے جواب کی منتظر ہوں۔

"ٹھیک ہے، آج سہ پہر کو چلیں گے۔ اب تو خوش ہیں ناں۔" میں مسکرائی۔

"آل رائٹ، میں اتنے اور چیزیں بھی سوچ لیتی ہوں کہ حرا کے لئے اور کیا کیا لینا ہے بچی کو گھر سے گئے بیس دن ہو گئے ہیں، ایسا لگ رہا ہے کہ نہ جانے کتنا عرصہ بیت گیا ہے اس کے بغیر۔ اب وہ آئے گی تو اس کا سارا کام میں خود کیا کروں گی۔ مجیدن سے کہوں گی تم صرف گھر کا کام دیکھو۔ نہلانے کے لئے

بھی صرف میں ہی لے کر جاؤں گی۔" وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھیں۔

اور میں اپنے بستر پر جا گری، نہ جانے کیوں چیخیں مار مار کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

ابھی نیند بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ باجی نے دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔ "ماہم، جلدی سے اٹھ جاؤ۔"

"کیا بات ہے باجی؟" میں نے مندی مندی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"ارے کیا گھوڑے بیچ کر سوئی تھیں بازار نہیں جانا کیا؟"

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ ابھی صرف ساڑھے تین ہی ہوئے تھے۔

"اتنی جلدی؟" میں نے اپنی آنکھوں کو بمشکل کھولا۔

"جی نہیں، بہت دیر ہو چکی ہے تم تیاری میں بھی پندرہ بیس منٹ لو گی، نکلتے نکلتے چار بج جائیں گے اور مارکیٹ پہنچنے میں بھی آدھ گھنٹہ لگے گا، سہ پہر ہو ہی جائے گی۔"

"اف بڑا ٹائٹ شیڈول ہے آپ کا۔" میں فوراً ہی اٹھ گئی، واش بیسن سے چھپکا مار کر دو چار برش بالوں میں مارے اور اپنا بیگ کاندھے پر لٹکالیا۔ "لیجئے صرف پانچ منٹ میں تیار ہو گئی۔ ڈرائیور سے کہیے کہ گاڑی نکالے۔"

ایک تو بازار میں بھی کافی رش تھا اور دوسرے باجی آج دل بھر کے خریداری کے موڈ میں تھیں۔ پردے لئے گئے تو وہ بھی دو طرح کے لائٹ اور ڈارک۔ "حرا کا دل اگر اندھیرا کرنے کو چاہے تو ڈارک کلر کے بھاری پردے لٹکا دیں گے۔ ورنہ چنبیلی اور کاسنی رنگ کی بیلوں والے لگیں گے۔"

گڑیاں تو ڈھیر ساری خرید لی تھیں۔ ڈانس کرتی ہوئی گڑیا، وائلن بجاتی ہوئی گڑیا، اپنے بچے کو سلاتی ہوئی گڑیا، فیڈر پیتی ہوئی گڑیا اور بولتی ہوئی گڑیا۔"

"گڑیا کا گھر بھی لے لیتے ہیں اور اچھے قسم کا پلاسٹک کا گڑیا کا فرنیچر بھی۔" وہ کھلونے کی دکان پر کسی بچے کی طرح جمی ہوئی تھیں۔

جو دل چاہے خریدیئے۔" میں وہیں ایک کرسی پر ٹک گئی مجھے معلوم تھا کہ اس کے بعد اور بھی کوئی چیز نظر آئی تو اسے اتنی ہی دلچسپی سے خرید لیں گی۔

بڑے بڑے دس پیکٹ اٹھا کر جب ہم کھلونوں کی دکان سے باہر نکلے تو راہ گیر مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"کیا خیال ہے، میں یہ سامان گاڑی میں رکھ آؤں۔ ورنہ شاید لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جائے کہ ہم اپنی دکان بھی کھولنے والے ہیں۔"

"ٹھیک ہے رکھ آؤ۔"

جب میں پیکٹ گاڑی میں رکھ کر آئی، اتنے میں وہ دو چار چیزیں اور خرید چکی تھیں۔

"اب کیا لینا ہے، دو چار فراکیں اور لے لیتے ہیں۔" وہ انتہائی اطمینان سے ایک جدید دکان میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔ لانگ شرٹ، ہاف شرٹ، اسکرٹ، پینٹ، شرٹ، بلوچی کام کے کرتے، لہنگا خریدتی ہی چلی گئیں۔

"اب میچنگ، سوکس اور ربن لینے ہیں۔" میں گاڑی میں سامان رکھ کر تیسرا پھیرا لگا کر آئی تو وہ ہنوز تازہ دم تھیں۔

"بس باجی، اب بقیہ خریداری حرا کے آنے پر بھی رکھیے۔ اسے اپنے ساتھ بازار لائیں گے تو وہ اپنی پسند کی اور چیزیں لے لے گی۔" میں نے تھکاوٹ سے بے حال ہوتے ہوئے لہجے میں سمجھایا۔

"او کے، مجھے احساس ہے کہ تم بہت تھک چکی ہو، پھر بھی چند جوسز کے ڈبے لے لوں۔ اس کو بہت پسند ہیں۔"

میں نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی، رات کے نو بج رہے تھے۔ باجی نے جلدی جلدی سب چیزیں خریدیں اور اطمینان سے گاڑی میں آ گئیں۔

ڈگی میں سامان رکھنے کے باوجود شیراڈ میں مختلف سائز کے تھیں ڈبوں سے بھر گئی تھی۔ باجی نے ہزاروں روپے کا سامان خرید لیا تھا۔ گو وہ بھی اتنی شاپنگ نے کی قائل نہیں تھیں وہ اکثر کہتی تھیں کہ بچوں کی چیزیں چھوٹی ہو کر بے کار ہو جاتی ہیں، صرف اتنی ہی چیزیں خریدنی چاہئیں جتنی کہ ضرورت ہو گی مگر آج انہوں نے اپنا ہی ریکارڈ خود توڑ دیا تھا۔

"حرا یہ سب کچھ دیکھ کر بہت خوش ہو گی ناں۔" وہ بار بار پوچھ رہی تھیں۔

"جب ہم اتنے خوش ہو رہے ہیں تو وہ تو اس سے دس گنا زیادہ خوش ہو گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

گھر پہنچتے پہنچتے دس کا ٹائم ہو گیا تھا۔

"اتنی دیر لگا دی تم لوگوں نے۔ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔" ابا جان حسب عادت دروازے پر کھڑے تھے۔ گھر کے کسی بھی فرد کو اپنے مقررہ وقت سے آنے میں کچھ دیر ہو جاتی تو وہ دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنی اس عادت پر وہ آج بھی قائم تھے۔

"آپ یہ تو دیکھئے کہ کتنی ساری شاپنگ کر کے آئے ہیں ہم لوگ۔" میں نے شہری کے سامنے سارے پیکٹ رکھ دیئے وہ ایک ایک پیکٹ کھول کر دیکھنے لگا۔

چابی سے چلنے والے جہاز، چھوٹی بڑی کاریں، ہاتھ ہلاتا ہوا ببوا، چنگھاڑتی ہوئی ٹرین، شہری نے سب میں ہی چابی بھر دی۔

ٹی وی لاؤنج میں شور سا مچ گیا۔ باجی ایک ایک کھلونا دیکھ کر کسی بچے کی طرح خوش ہو رہی تھیں اور ابا جان باجی کے ہنستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

"ارے، اتنی لمبی فراک، یہ تو ماہم کے بھی پوری نہ آئے۔" شہری بھی ہر پیکٹ کھول کر تمام چیزیں قالین پر پھیلا رہا تھا، شاید اس کو بھی یہ بدلتا ہوا ماحول اچھا لگ رہا تھا۔ شہری کی شرارتوں سے ماموں جان اور ممانی بھی لطف لے رہی تھیں۔

تب ہی فون کی گھنٹی بجی۔

"افوہ اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا۔" باجی نے برا سا منہ بنایا۔

"ماہم، کہہ دو کہ رانگ نمبر ہے۔" شہری نے حکم دیا۔

"خود کہہ دو ناں، دیکھ نہیں رہے ہو کہ کتنی تھکی ہوئی آئی ہوں۔"

"بازار سے سات گھنٹے مٹر گشت کرنے میں نہیں تھکیں مگر فون اٹینڈ کرنے میں تھک جاؤ گی۔"

"ٹیلی فون تمہارے زیادہ قریب رکھا ہے، مجھے دو قدم زیادہ بڑھانے ہوں گے۔" میں نے آلکس سے کہا۔

"جی نہیں، میں اس وقت کسی سے بھی مغز ماری کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ ٹرین کی چابی بھر رہا ہوں، وہ اپنے ٹریک پر دوڑے گی، لال ٹرین سے بھی زیادہ۔"

"چاندنی بیٹے! تم دیکھ لو، شاید تمہاری سہیلی نصرت کا ہوگا۔ تمہارے پیچھے دو دفعہ فون کر چکی ہے۔" ابا جان نے مجھ سے کہا۔

"ہاں، ہاں دیکھ لو شاید آج اپنی مہندی کا بلاوا دے رہی ہو۔ لے چلوں گا میں تمہیں، اب کے دو سو پچپن روپے تم خرچ کر دینا، حساب برابر ہو جائے گا۔" شہری نے شرارت سے کہا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل چیخ رہی تھی۔

"بیٹھے رہو گوند لگا کے تم اب اٹھنا نہیں۔" میں بے دلی سے اٹھی۔

"ڈی ایس پی کرائمز برانچ اسپیکنگ۔" ایک رعب دار آواز سنائی دی گئی۔

"ہیلو!" میں چونکی سی ہوگی۔

"مسٹر ضمیر احمد سے بات کرنی ہے حرا کے سلسلے میں۔"

"وہ میچ کھیلنے انڈیا گئے ہوئے ہیں۔ میں ان کی بہن بول رہی ہوں، آپ مجھ سے بات کر سکتے ہیں۔"

"بی بی، آج شام ہمیں چوکھنڈی کے قبرستان سے دو سالہ بچی کی لاش ملی ہے۔ لاش چونکہ خاصی مسخ شدہ حالت میں ہے اس لئے یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس بچی کی ہے۔ آپ متعلقہ پولیس اسٹیشن پر شناخت کے لئے آسکتی ہیں۔"

میں نے ایک نظر باجی کو دیکھا وہ قہقہے لگا رہی تھیں۔ شہری تمام کھلونے چلا کر کسی بچے کی طرح شور مچا رہا تھا ابا جان حرا کی فراکیں ممانی جان کو دکھا رہے تھے۔

"کیا آپ مجھے بتا سکیں گے کہ بچی نے کس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔"

میں نے لرزتے وجود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا جواب زلزلوں کی زد میں تھا۔

"بچی گلابی رنگ کی فراک پہنے ہوئے ہے۔" ڈی ایس پی صاحب کی آواز سنائی دی۔

"حرا!" ایک دلدوز چیخ میرے لبوں سے برآمد ہوئی اور...... میرے ہاتھ سے ریسیور نیچے گر گیا۔

"ماہم! کیا بات ہے؟"

"کیا ہوا حرا کو۔"

"ماہم، بولو نا!"

آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں اور مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میری پیاری بھانجی حرا، ہم سے دور چلی گئی تھی میرا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"ماہم! پلیز کچھ بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے؟" ارتقاء باجی اور شہری کھلونے ہاتھ سے پھینک کر میری جانب لپکے۔

"باجی! حرا مل گئی ہے۔" میں سسکیاں بھرتے ہوئے بولی۔

"توبہ ہے کہ تم نے تو ڈرا ہی دیا۔ پگلی اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ چلو ہم اسے جا کر لے آتے ہیں۔" باجی کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہوگئیں۔

"ارے خوشی میں بھی تو انسان رو پڑتا ہے۔ حرا کے ملنے کی خوشی کم تھوڑی ہے۔" ممانی جان نے مجھے سینے سے لگالیا، آنسوؤں کا طوفان جو تھما پڑ گیا تھا، وہ پھر منہ زور ہوگیا۔

"دیکھو چاندنی! اب رونا دھونا نہیں ہوگا، بہت رو لئے تم...... اتنے دنوں بعد بچی گھر میں آرہی ہے، سب مسکراتے چہروں کے ساتھ اس کا سواگت کریں گے۔" ابا جان کھلے پڑ رہے تھے۔ شہری ان کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

ابا جان کی بات سن کر باجی بلاوجہ قہقہے لگانے لگیں گھر کی مغموم فضا میں ان کے فلک شگاف قہقہے عجیب سے لگ رہے تھے۔

"باجی! آپ گھر پر رہیں، ماموں جان اور شہری جا کر حرا کو لے آئیں گے۔" میں باجی کے سرشار چہرے پر نظر ڈال کر بوکھلا سی گئی تھی...... وہ اپنے بالوں میں جلدی جلدی برش مار رہی تھیں۔

"کیا میں حرا کو لینے نہیں جاؤں؟" انہوں نے استفہامیہ نظروں سے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں باجی! ہم لوگ گھر میں بیٹھ کر انتظار کریں گے حرا کا، وہاں پولیس اسٹیشن پر کچھ ٹائم بھی لگ سکتا ہے۔"

"پھر تو ہمیں ضرور جانا چاہیے، میری بچی تو پولیس اسٹیشن پر گھبرا رہی ہوگی۔"

"مگر میرا خیال تھا کہ گھر کے مردوں کا جانا ہی بہتر رہے گا۔" میں نے شہری کو مدد کے لئے اشارہ کیا۔

"ہاں، باجی! ماہم ٹھیک کہہ رہی ہے، ہم یوں گئے اور یوں آئے۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"ماہم! کیا تم بھی نہیں جاؤ گی۔ کیا سوچے گی حرا امی بھی نہیں آئیں اور آنٹی بھی نہیں تم بھی چلو اور میں بھی چلتی ہوں۔ کتنے دن سے جدا ہے میری بچی۔ اپنے بازوؤں میں سمیٹوں گی تو چین ملے گا۔"

"باجی پلیز! آپ تو گھر پر ہی رکیں، میں ابو اور ماہم کو ساتھ لے جاتا ہوں۔" وہ مجھے سہما ہوا دیکھ کر شہری از خود اندازے لگا رہا تھا۔

"میں بھی چل رہا ہوں بھئی۔" ابا جان شیروانی ہاتھ میں لے کر آگئے میرے ذہن میں جھکڑ سے چلنے لگے۔

"ابا جان آپ بھی!" میری پھٹی پھٹی آنکھیں ان کی مسرتوں کا اندازہ کرنے میں ناکام ہورہی تھیں۔

"کیوں بھئی کیا مجھے نہیں جانا چاہیے؟ حرا مجھے دیکھ کر اتنی ہی خوش ہوگی جتنا کہ تم سب کو دیکھ کر آخر میں اس کا نانا ہوں یہ کوئی معمولی بات نہیں۔" ابا جان خوش دلی سے کہہ رہے تھے۔

شہری آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھ رہا تھا کہ پھوپھا کو ساتھ لے جانے میں مضائقہ ہی کیا ہے۔

"نہیں، ہرگز نہیں۔" میں نے آنکھ کے اشارے سے منع کیا۔

"کیا بات ہے ماہم! کچھ تو بتاؤ۔" شہری نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"قیامت آچکی ہے۔" میں نے اپنے آنسو دوپٹے کے پلو سے پونچھے۔

"چاندنی بیٹے، میں چلوں یا پھر گھر میں ہی رکوں؟" ابا جان عجیب تذبذب میں تھے۔

"ابا جان پلیز، آپ گھر پر ہی رکئے، حرا بھی آجائے گی۔ باجی کے پاس کسی نہ کسی ذمے دار شخص کا ہونا ضروری ہے۔" اب میں اپنی چیخیں اندر ہی اندر گھوٹ رہی تھی۔

"کچھ منہ سے تو پھوٹو۔" شہری مسلسل میرے کان میں منمنا رہا تھا۔

"بھئی جلدی جاؤ، حرا بے چین ہو رہی ہوگی گھر کے لئے، ٹھیک ہے، میں اتنے گھر سنگوا لیتی ہوں۔"

باجی لاؤنج میں بکھری ہوئی چیزیں برق رفتاری سے سمیٹ رہی تھیں۔

اور پھر گاڑی میں بیٹھتے ہی میرے آنسو بھل بھل بہنے لگے۔

"اب تو بتا دو نا کہ کس کا فون تھا؟ کچھ بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا۔" شہری ڈرائیونگ کرتا ہوا پریشان سا پوچھ رہا تھا۔

"ڈی ایس پی صاحب کا فون تھا، آج شام چوکھنڈی کے قبرستان سے ایک بچی کی لاش ملی ہے، انہوں نے شناخت کے لئے بلوایا ہے۔"

"ہوں یہ بات ہے۔" اسٹیئرنگ پر شہری کا ہاتھ بھی کانپ گیا۔

''اب ایسے میں باجی یا ابا جان کا جانا مناسب نہیں تھا باجی تو بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں، ابا جان کی عمر اس قابل نہیں کہ ایسے سانحات کا مقابلہ کریں اسی لئے میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔''

''تو ہم حرا کی لاش لینے جا رہے ہیں۔'' ماموں جان کا لہجہ بھی گلوگیر ہو گیا۔

''شہری، کیا ہم حرا کو اپنی گاڑی میں ہی لے جائیں گے۔ یا ایمبولینس میں لانا ہوگا۔'' میں اپنے لرزتے وجود کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں سوائے کفن کی سفیدی کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، یوں لگتا تھا کہ سوائے کفن اور حرا کے کچھ باقی ہی نہ رہا ہو۔''

''کیا ڈی ایس پی صاحب وثوق سے کہہ رہے تھے کہ وہ حرا کی لاش ہے۔'' شہری کچھ الجھ سا رہا تھا۔

''بچی کا چہرہ چوں کہ مسخ ہو چکا ہے، اس لئے وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ پا رہے تھے۔ مگر بچی نے چوں کہ گلابی فراک پہنی ہوئی ہے اس لئے خیال یہی ہے کہ وہ......'' باقی جملہ میری سسکیوں کی گونج میں ڈوب گیا۔

''ارے یہ کیا ہو گیا؟'' شہری یک دم نڈھال سا ہو گیا۔ گلابی لیس کی فراک پہنی ہوئی حرا، اس کی آنکھوں میں گھوم گئی تھی۔ شہری کا چہرہ یک دم پیلا سا پڑ گیا تھا، اس کے بعد اس نے کچھ نہیں پوچھا۔

مذکورہ پولیس اسٹیشن کا گھر سے فاصلہ کافی تھا اور بھاگتی ہوئی کار بھی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور میں ان لمحات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ جب میں اپنی پیاری حرا کو ساکت و صامت حالت میں اپنی بانہوں میں لے کر آنے والی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ جب ہم واپس پہنچیں گے تو باجی فلیٹ سے باہر کھڑی ہوں گی اور جب چہکتی کھلکھلاتی حرا کے بجائے گھر میں بچی کا تابوت داخل ہوگا تو باجی کی کیا حالت ہو جائے گی۔ آنے والے وقت کے بارے میں سوچ سوچ کر میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے پولیس اسٹین کے کمپاؤنڈ میں رکی تو حالت ناگفتہ بہ ہو گی۔ ڈی ایس پی صاحب کے قریب ایک ٹیبل پر ایک چھوٹی بچی سفید چادر اوڑھے لیٹی تھی۔ چادر میں سے اس کے چھوٹے چھوٹے سے گلابی پیر باہر دکھائی دے رہے تھے۔

''لاش کافی مسخ شدہ حالت میں ہے مگر میرا خیال ہے کہ خاتون پہلے آپ دیکھیں۔'' ڈی ایس پی صاحب نے چادر اٹھا کر مجھے مخاطب کیا۔

بچی کو دیکھ کر میں نے ایک چیخ ماری اور بے اختیار بچی کے منے منے سے ہاتھوں کا بوسہ لے لیا۔ آنسو تھے کہ بھل بھل سے چلے جا رہے تھے۔

ماموں جان نے اپنا سر شہری کے کندھے پر رکھ دیا۔

''گویا یہی ہے آپ کی حرا۔'' ڈی ایس پی صاحب نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''نہیں، یہ حرا نہیں ہے۔'' میں نے بچی کے پیروں کو چوم کر سفید چادر بچی پر ڈال دی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ بچے خواہ کسی کے بھی ہوں سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔'' معصوم فرشتے سے، ساٹن کی گلابی فراک پہنے وہ دبلی پتلی سی بچی یقیناً میرے لئے اجنبی تھی مگر اس کے لئے میرے جذبات وہی تھے جو اس وقت کسی بھی خونی رشتے کے ہو سکتے تھے۔

''ہماری حرا کب ملے گی؟'' ماموں جان سراسیمہ سے پوچھ رہے تھے۔

''کوشش ہو رہی ہے، انشاء اللہ بہت جلد مل جائے گی۔'' ڈی ایس پی صاحب تسلی دے کر دوسری خاتون کے ساتھ آنے والے لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئے جنہیں شاید بچی کی شناخت کے لئے بلوایا گیا تھا۔

''میری سیمارانی!'' ماں نے بچی کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔'' پورے اکیس دن بعد ملی ہے پھر بھی سو رہی

ہے، اٹھ کر ماں سے نہیں ملے گی۔'' وہ اسے کلیجے میں سمیٹ کر بیٹھ گئیں۔

''خاتون صبر کیجئے گو کہ یہ لفظ بہت چھوٹا ہے مگر پلیز آپ اپنے آپ پر قابو پائیں۔'' ڈی ایس پی صاحب تسلی دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

''کیسے قابو پا لوں اپنے آپ پر، اتنے دنوں بعد میری گڑیا مجھ سے ملی ہے، اس سے یہ تو پوچھ لوں کہ ظالموں نے چاقوؤں کے وار منہ پر کیوں کئے۔ میں تو تاوان دینے کے لئے پیسے جمع کرتی پھر رہی تھی۔ انہوں نے انتظار بھی نہیں کیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ میں نے آج تک ایک تھپڑ بھی اس کے رخسار پر نہیں مارا اور انہوں نے میری سیما کا یہ حال کر دیا۔''

''بیٹے گھر چلو۔'' ماموں جان یہ دلگداز منظر دیکھ کر دل پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ شہری بوجھل دل کے ساتھ، مجھے اور ماموں جان کو گاڑی کی طرف لے کر بڑھا۔

''خدا کرے کہ ہماری حرا زندہ سلامت ہمیں مل جائے۔'' شہری کہہ رہا تھا۔

''پاک پروردگار، ہر ماں کا بچھڑا ہوا بچہ صحیح سلامت مل جائے۔ خدا اولاد کا............... دکھ دشمن کو بھی نہ دے۔'' ماموں جان کانپتے لبوں سے کہہ رہے تھے۔

''باجی سے جا کر کیا کہیں گے۔؟'' میں نے شہری کی طرف دیکھا۔

''یہی کہ بازیاب ہونے والی بچی کسی اور کی تھی۔'' شہری نے دھیمے لہجے میں کہا۔

میرا خیال صحیح تھا، باجی اور ابا جان فلیٹ سے باہر تھے اور ان کے ساتھ کمپاؤنڈ کے بہت سارے لوگ بھی حرا کا انتظار کر رہے تھے، فلیٹ کی چند بچوں کے ہاتھ میں تو ہار تک تھے۔ گاڑی رکتے ہی، باجی بھاگ کر آئیں، میری بچی، میرا حرا۔ وہ دیوانہ وار کہہ رہی تھیں۔

''باجی! آج جو بچی بازیاب ہوئی ہے۔ وہ حرا نہیں ہے۔'' میں اپنے آنسو پیتے ہوئے اندر چلی گئی۔

''ہوں، بہت ناراض ہے وہ مجھ سے۔'' اسی لئے آج بھی نہیں آئی۔'' باجی کے ہاتھ سے حرا کی گڑیا پھسل گئی۔

❤❤❤

تانیہ اپنی چھوٹی بہن نغمی کو ساتھ لے کر اچانک ہی ہمارے گھر آ گئی تھیں۔ اس وقت شہری، کمال فرمانی صاحب سے ڈرائنگ روم میں باتیں کر رہا تھا۔ فرحین، باجی کے کمرے میں ان کے سر میں زبردستی تیل لگا رہی تھی اور تسلی کے پھاہے بھی رکھتی جا رہی تھی۔

''آپ بے فکر رہئے، کمال بھائی بہت کوشش کر رہے ہیں، حرا بہت جلد آپ سے آن ملے گی۔''

''ارے آپ! میرے کمرے میں آ جائیے۔'' میں تانیہ اور نغمی دونوں کو اپنے کمرے میں لے آئی۔

''آج کی گڈ نیوز سنی آپ نے۔؟'' تانیہ نے چہک کر کہا۔

''ہمارے گھرانے کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے کہ میں نے تو عرصے سے کوئی گڈ نیوز نہیں سنی۔'' میں نے تاسف بھرے لہجے میں اس سے آنکھیں چار کیں۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں، میرا مطلب کچھ اور ہے۔'' تانیہ نے شانے اچکائے۔

''پھر میں واقعی آپ کی بات نہیں سمجھ پائی ہوں۔'' میری حیرانگی بجا تھی۔

''جی نہیں چھپا رہی ہیں آپ!'' نغمی نے ہنس کر اپنی بہن کو آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ یقین کیجئے، میں اس ہنر سے قطعی نابلد ہوں۔ میری خوشی، میرا غم میرے چہرے سے پڑھا جاتا ہے، میں اپنے قلبی احساسات کو چھپانے کی قطعی سکت نہیں رکھتی۔''

''آج شام کی فلائٹ سے ضمیر آ رہے ہیں'' تانیہ نے سرشاری سے بتایا، اس خبر سے اس کا چہرہ کسی

گلاب کی طرح کھل رہا تھا۔

''ہاں! آج آفس سے فون آیا تو تھا کہ ضمیر بھائی آ رہے ہیں۔'' میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

''آپ کو تو خوشی نہیں ہوئی اس خبر سے؟'' وہ کہنیوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولی۔

''یہ کوئی ایسی...... انہونی بات تو نہیں، انہیں تو آنا ہی تھا۔''

''بہر حال اپنے اپنے محسوس کرنے کی بات ہے۔ کاش آپ مجھ سے پوچھیں کہ میرے دل کا کیا عا ہے۔'' تانیہ نے آنکھیں بند کر کے جھوم کر کہا۔

''اچھا، یہ بات ہے، پھر مبارک ہو۔'' میں جبراً مسکرائی۔

''تھینک یو۔'' اس نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو اپنے ہاتھ سے مزید بکھیرتے ہوئے کہا۔

''آپ کے ہاں سے کون کون ائیر پورٹ جائے گا۔'' نغمی بھی اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہ رہ تھی۔

''صرف ڈرائیور چلا جائے گا، وہی لاتا ہے انہیں ہمیشہ۔'' میں زبردستی مسکرا کر بولی۔

''واقعی آپ نہیں جائیں گی؟'' تانیہ کو حیرت پہ حیرت ہو رہی تھی۔

''نہیں۔''

''سرکاری سطح پر ان کی ٹیم کا استقبال ہو رہا ہے، وہ لوگ میچ جیت کر آ رہے ہیں اور آپ انہیں ریسو کرنے بھی نہیں جا رہی۔'' نغمی نے بھی حیرت سے ابرو چڑھائے۔

''نہیں۔''

''سرکاری طور پر ان کی ٹیم کا استقبال ہو رہا ہے، وہ لوگ میچ جیت کر آ رہے ہیں اور آپ انہیں ریسو کرنے بھی نہیں جا رہی ہیں۔'' نغمی نے بھی حرت سے ابرو چڑھائے۔

''آج کل تو حرا کی گم شدگی کی وجہ سے ہم سب لوگ اپ سیٹ ہیں مگر نارمل حالات میں بھی ضمیر بھائی ہمارا ائیر پورٹ آنا پسند نہیں، ویسے بھی وہ آئے دن اپنے میچز کے سلسلوں میں باہر جاتے رہتے ہیں۔' میں اکتا کر بولی۔

''ہائے اللہ! میں تو آج انہیں ریسیو کرنے جاؤں گی اگر انہوں نے مائنڈ کیا تو میں کیا کروں گی نغمی؟' تانیہ اب زعم بھرے لہجے میں نغمی سے مخاطب تھی۔

''ضمیر بھائی آپ کو منع نہیں کر سکتے۔'' نغمی کے لہجے میں فخریہ احساس پوری طرح رچا ہوا تھا۔

''اگر ناراض ہو گئے تو؟'' ناز و انداز کے تیر ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

''ضمیر بھائی بھی کبھی آپ سے ناراض ہو سکتے ہیں، آپ ہی ان سے ناراض ہو جاتی ہیں تو وہ گھنٹوں آپ کی خوشامدیں کرتے رہتے ہیں۔'' نغمی یقیناً مجھے معلومات پہنچا رہی تھی کہ تانیہ کی رسی کہاں تک دراز ہو چکی تھی۔

''اللہ ماہم، آپ مجھے مشورہ دیجئے نا۔ مجھے ائیر پورٹ پر دیکھ کر ان کا موڈ آف تو نہیں ہو گا؟'' تانیہ چبا چبا کر کہہ رہی تھی اور اس کی بے حیائی مجھے قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''ارے یار، کچھ تو بولو۔'' نغمی نے مجھے ٹہوکا دیا گویا اعتراف کر لو کہ ان کی بہن کی دسترس کہاں تک ہے۔

''آپ کو دیکھ کر وہ یقیناً خوش ہوں گے۔'' میں زبردستی مسکرائی۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے، کل شب وہ فون پر کہہ رہے تھے کہ کراچی پہنچ کر سب سے پہلے تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میں چپ رہی۔'' تانیہ کی باتیں اب مجھے واقعی بری لگ رہی تھیں۔

''ہاں، وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ تمہیں دیکھے بنا یہاں بھی میرا دل نہیں لگ رہا۔'' وہ ضمیر بھائی کے

دل کی راز طشت از بام کر رہی تھی۔

''انہوں نے مجھ سے یہ کہا، انہوں نے مجھ سے وہ کہا۔ تانیہ کے معطر جملے کسی صورت میں ختم نہیں ہونے میں آ رہے تھے اور میرا سر مارے درد کے پھٹا جا رہا تھا، اس ٹائپ کی لڑکی پہلی بار دیکھی تھی جو مجھے اپنی چاہت کے قصے سنا کر مرعوب کرنا چاہ رہی تھی اور اس کے رسیلے قہقہے مجھے بے حد زہریلے لگ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسے دھکے دے کر نکال دوں۔ آج پہلا موقع تھا کہ مجھے ضمیر بھائی کا تذکرہ برا لگ رہا تھا۔

''اللہ، وہ تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ وہ جب بھی باہر میچ کھیلنے گئے ہمیشہ انجوائے کیا، مگر اس دفعہ صرف میری وجہ سے ان کا انڈیا میں دل تک نہیں لگا۔'' تانیہ نے لہرا کر کہا۔

''اگر انہوں نے، آپ سے ایسا کہا تو یقیناً گپ ماری ہو گی۔ انڈیا جا کر تو ہمیشہ ضمیر بھائی کا خوب دل لگا ہے، یقین نہ آئے تو یہ میگزین ہی دیکھ لو۔'' میں نے شوبزنس کے کئی رسالے ان کے سامنے ڈال دیے، جن میں مختلف تقریبات میں ضمیر بھائی خوب چہکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ شوخی و شرارت ان کے چہرے پر تھی، ہر پوز ان کا کھکھلاتا ہوا لگتا تھا۔

''تقریبات میں جا کر بندہ منہ بنا کر بیٹھنے سے تو رہا، یہ تو ایٹی کیٹس کا تقاضا ہے، تانیہ نے رسالے دیکھ کر دوسری جانب اچھال دیے۔

''کیوں مزہ نہیں آیا تصویریں دیکھ کر؟'' میں ہنسی۔

''اپنا دل بہت بڑا ہے، کسی پلیئر کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ ایویں تو نہیں کیا۔ چلو نغمی گھر چلو، ائیر پورٹ جانے کی تیاری بھی کرنی ہے۔'' تانیہ مسکراتے ہوئے اپنا بیگ شولڈر پر لٹکاتے ہوئے بولی۔

''ارے اتنی جلدی، کچھ دیر تو بیٹھیے۔'' میں منافقت کی یہ رسم نبھانے پر مجبور تھی۔

''ضمیر آ جائیں تو آئیں گے۔'' وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی چل دی۔

شہری، کمال فرمانی صاحب کو گاڑی تک چھوڑ کر آیا ہی تھا کہ وہ جا رہی تھیں، ہنستی مسکراتی اور اٹھلاتی ہوئی۔

''ارے اتنی جلدی میں ہیں آپ لوگ؟'' شہری نے تعجب سے پوچھا۔

''پھر ملیں گے۔'' وہ ہاتھ ہلا کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئیں۔

''آئے بھی وہ۔ گئے بھی وہ۔'' شہری ابھی تک باہر ہی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''مگر فسانہ ختم نہیں ہوا بلکہ خوب دھڑے سے شروع ہو چکا ہے۔'' میں شہری کے کان میں چیخی۔

''کیا مطلب، میں سمجھا نہیں۔''

''مطلب یہ کہ تانیہ کے ضمیر آج آ رہے ہیں، اسی کا نقارہ بجانے آئی تھیں نکلیں یوں نہیں کہ انہیں ائیر پورٹ جانے کی تیاری کرنی تھی۔''

''اوہ یہ بات ہے۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجا کر رہ گیا۔

''جی ہاں جناب بالکل یہی بات ہے۔ آج محترمہ کو چالیس پچاس سنگار بھی کرنے ہوں گے۔ ڈریسز کے لئے انتخاب کا مسئلہ الگ ناکوں چنے چبوائے گا۔''

''ارے اس طرح تو ہونا ہے اس طرح کے کاموں میں، تم مٹی پاؤ اس موضوع پر اور ہمارے لئے یعنی شہنشاہ قلب و جان کے لئے ایک خوشبو والی اچھی مہک دار چائے بنا لاؤ، بالکل اسی طرح جیسے ٹی وی پر کوئی لڑکی مسکرا کر اپنے ہیرو کو پیش کرتی ہے۔''

''میں چائے بناتی ہوں، تم ٹی وی کھول کر بیٹھ جاؤ، جب اشتہار آ جائے تو گھونٹ بھر لینا۔ ٹھیک ہے۔'' میں ہنستی ہوئی کچن میں چلی آئی۔

ضمیر بھائی کو گھر تک جلوس کی شکل میں لایا گیا تھا۔ وہ ہنستے مسکراتے گھر میں داخل ہوئے مگر یہاں تو ہر چہرہ اداس تھا۔

”ارے اتنی خاموشی، اتنی اداسی! کیا کسی کو میرے جیت جانے کی خوشی نہیں ہوئی۔“

”بہت ہوئی ہے مگر ہمارے دل میں غم کا سمندر اس قدر ٹھاٹھیں مار رہا ہے کہ ہر خوشی اسی میں ڈوب جاتی ہے۔“ ابا جان کا لہجہ بھرا سا گیا۔

”حرا کے ملنے کے بعد آپ سب اتنے مغموم ہیں کہ میری ساری خوشی کافور ہو گئی ہے۔ ارتقاء اتنی ہی افسردہ ہیں، جیسا انہیں کہ چھوڑ کر گیا تھا، ماہم کی آنکھیں ویسی ہی متورم ہیں، جیسے روزانہ رونے کی عادت پال لی ہو ابا جان کے تفکرات پہلے سے زیادہ بڑھے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور شہری کی شرارتیں شوخیاں بجھی ہوئی سی ہیں، ماموں جان، خاموش ہیں اور ممانی جان سراسیمہ ہیں۔ حیرت ہے مجھے آپ سب کے رویوں پر کہ حرا کے مل جانے کے بعد بھی سوگ کم نہیں ہوا۔“

”مگر حرا ملی کہاں ہے؟“ ابا جان نے چونک کر ضمیر بھائی کو دیکھا۔

”میں نے تو سنا تھا کہ حرا مل گئی ہے۔“ وہ ہچکچا کر بولے۔ دلی دھچکا ان کے چہرے سے ہویدا تھا۔

”کس سے سنا تھا؟ اور سنا تھا تو ہم سے تصدیق کیوں نہ کی۔“ ابا جان نے گھیرا۔

”دوست تھا میرا، مجھے یقین تھا اس پر۔“ وہ گھبرائے۔

”ہر دوست، دوست نہیں ہوتا اور ہر شخص پر یقین بھی نہیں کیا جاتا۔“ میں نے گہرے لہجے میں کہا۔

”مگر وہ ایسا نہیں ہے یقیناً اسے غلط فہمی ہوئی ہو گی۔“ ضمیر بھائی کا چہرہ سبکی کے احساس سے سرخ پڑ گیا۔

”اب آپ اس سے دوبارہ تصدیق کر لیجئے گا کہ اس نے اتنا بڑا جھوٹ آپ سے کیوں بولا؟“ تانیہ کی یہ حرکت میرے نزدیک قابل معافی نہیں تھی۔

”ہاں، ہاں پوچھ لیں گے بلکہ بہت پوچھیں گے۔“ ضمیر بھائی مکاری سے بولے۔

میں ان کی تمام چلتر پنے کی حرکتیں خوب سمجھ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے ان پر تاؤ آ رہا تھا۔ یوں بے وقوف بنا رہے تھے جیسے ہم بے خبر ہوں۔

باجی اصل حقیقت سے قطعی لاعلم تھیں، پھر بھی وہ اپنے آنسو سمیٹ کر اپنے کمرے میں چل دیں۔

”میں آج ہی پریس کانفرس کرتا ہوں کہ آخر انتظامیہ نے میری بھانجی کی بازیابی کے لئے اب تک کیا کیا ہے؟ اور مزید کیا کچھ کرے گی؟ ہم جو اپنے ملک کے لئے جی جان سے محنت کرتے ہیں، ملک سے باہر جا کر اپنے ملک کا نام روشن کرتے ہیں، کیا ہمارا اتنا بھی حق نہیں ہے کہ انتظامیہ ہمارے جان و مال کی حفاظت کرے اور ہماری پریشانیوں پر خصوصی توجہ دے۔“

ضمیر بھائی کی پریس کانفرنس خاصی پرہجوم رہی جو اگلے دن ہی انہوں نے سیٹھ احسانی کے ہاں عشائیے کے بعد کی تھی۔

پریس نے اس کانفرنس کی کوریج بڑے بھرپور طریقے سے دی۔ ظہیر بھائی کے ساتھ پس منظر میں تانیہ اور نعمی کی بھی تصویریں شائع ہوئیں، جب کہ سیٹھ احسانی ہر تصویر میں ان کے برابر جمے ہوئے تھے۔“

”سیٹھ صاحب کا عشائیے کا خرچا تو وصول ہو گیا۔“ تصویریں دیکھ کر میں نے اخبار رکھ دیا۔

❤❤❤

مجیدن کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ میں ظہیر بھائی کے کمرے میں گئی تو چہار سو ان کی چیزیں بکھری ہوئی نظر آئیں۔ انکی تمام چیزیں الماری میں رکھ کر جو مڑی تو اٹیچی سے گلابی رنگ جھانکتا ہوا نظر آیا نہ چاہتے

ہوئے اٹیچی کھولی تو اس میں میرے اور ارتقاء باجی کے لئے ڈھیروں سامان تھا، حرا کے لئے کئی فراکیں تھیں، ابا جان کے لئے شیروانی کا کپڑا موجود تھا۔ اس دفعہ وہ میری کئی سال پرانی فرمائش پر کامدانی کی ساریاں اور کندن کے خوبصورت سیٹ بھی لائے تھے۔ ارتقاء باجی کے پسندیدہ سوٹ بھی تھے۔ ایمیٹیشن جیولری بھی اور چوڑیاں تو شاید ہر رنگ کی تھیں۔

”اللہ، یہ ضمیر بھائی کتنا ساز و سامان اٹھا لائے۔“ میں مسرور سی ہو گئی یقیناً وہ یہ تمام چیزیں، حرا کی گمشدگی کے باعث نہیں دے پائے تھے۔

”خدایا، حرا جلدی سے آ جائے تو جینے میں بھی مزہ آ جائے۔“ میں ضمیر بھائی کے بستر کی شکنیں دور کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ تکیہ ہاتھ میں پکڑ کر جھٹکا تو ڈھیر ساری تصویریں بستر پر آ گریں۔ حیرت سے تصویریں دیکھیں تو چند لمحے پہلے کی بشاشت معدوم ہو گئی، ہر تصویر تانیہ ہی کی تھی اور تصویریں بھی ایسی کہ انہیں دیکھ کر میں خود پسینے پسینے ہو گئی۔

تانیہ کسی تصویر میں صرف بکنی پہنے سوئمنگ کر رہی تھی، کہیں یوگا کی مشقیں ہو رہی تھیں کسے بندھے لباس میں ایک ایک انگ نمایاں نظر آ رہا تھا، شب خوابی کا لباس برائے نام تھا اور اس پر ان کی طوفانی انگڑائی نے رہا سہا لباس بھی دھجی دھجی کر دیا تھا۔ گھوڑے پر سواری کرتے ہوئے، ناچتے ہوئے، گاتے ہوئے، حد تو یہ تھی کہ نہاتے ہوئے، جھاگ بڑے ٹب میں صرف ان کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ خدا جانے یہ قیامت خیز تصویریں کس نے کھینچی تھیں۔ میں نے جلدی سے تمام تصویریں ان کے تکیے میں بھر دیں اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

ایک تو تانیہ بے حد خوبصورت تھی اور پھر لبھانے کے انداز اس قدر جان لیوا تھے کہ ضمیر بھائی جیسے انسان کا گھن چکر بن جانا ایک فطری امر تھا۔

”ایسے تکیے پر سر رکھ کر اچھے اچھوں کے ہوش اڑ جائیں، یہ ضمیر بھائی کیوں کر سوتے ہوں گے۔“ مجھے اپنی سوچوں پر خود ہی ندامت ہو رہی تھی۔ یہ ضمیر بھائی ایسے تو نہیں تھے۔

اماں کی تربیت ایسی ناقص تو نہیں تھی کہ وہ ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ کر لپک رہے تھے۔ ظہیر بھائی تو کچھ بننے کے لئے خوار ہوئے تھے مگر ضمیر بھائی تو بن کر خوار ہو رہے تھے۔ وہ قومی ہیرو تھے ان کا اپنا مرتبہ تھا، ان کی اپنی عزت و عظمت تھی، ان کے باوجود بھی تانیہ نے انہیں چوپٹ کر دیا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟“ ممانی جان نماز پڑھ کر، میرے ہی پاس چلی آئیں۔

”کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔“ میں کھسیا سی گئی جیسے کسی نے چوری پکڑ لی ہو۔

”نہیں کچھ تو ضرور ہے آج تم نے ظہر کی نماز بھی ادا نہیں کی، جب کہ تم بروقت نماز ادا کرتی ہو۔“ ممانی جان تکیہ لے کر وہیں لیٹ گئیں۔

”ممانی جان لوگ کیسے گر جاتے ہیں، جب کہ ان کی آنکھیں بھی صحیح سلامت ہوتی ہیں۔“ میں نے دور کہیں سوچتے ہوئے پوچھا۔

”وہ گرنا چاہتے ہیں اس لئے گر جاتے ہیں۔“ وہ مسکرائیں۔

”یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔“ میں نے رخسار پر گری ہوئی لٹ کو واپس کان کے پیچھے اڑسا جو دھیرے دھیرے مجھے ڈس رہی تھی۔

”بعض لوگ گڑھے کو گڑھا نہیں سمجھتے اور بعض گرنے کو بھی تیرنا سمجھتے ہیں۔“ ممانی جان نے کیسی گہری بات کہہ دی تھی، میں سوچے چلی جا رہی تھی۔

”ویسے کون گر گیا۔؟“ وہ اپنی تسبیح مکمل کر کے بولی۔

❤❤❤

"تیرنے والے بندے کو میں گرتا ہوا اُلجھی تھی۔" میں قصداً مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی کہیں وہ کچھ اور پوچھ لیتیں تو میں ضمیر بھائی کا نام کہاں تک چھپاتی۔

ضمیر بھائی کی پریس کانفرنس کا انتظامیہ کی کوششوں پر کوئی اثر پڑا تھا یا نہیں مگر شام کو تاوان کے سلسلے میں فون آنے لگے ایک کے بعد ایک دہشت ناک آوازیں، اکل کھرے لہجے، جن میں محبت کی خوشبو دور دور تک نہیں تھی۔

"بچی ہمارے پاس ہے، پچاس لاکھ روپے دے دو اور بچی کو ہم سے لے لو۔"

"بیٹے! ہمارے پاس پچاس لاکھ روپے کہاں ہے۔" ابا جان نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں ہے؟ اتنے بڑے کرکٹر کی بھابی ہے۔ سالا، پریس کانفرنس میں بیان تو ایک کروڑ کے ناقف دیتا ہے، کیا اس کے کھیسے میں پچاس لاکھ نہیں ہوں گا، اڑے ضرور ہوں گا، پچاس لاکھ نکالو اور اپنی حرا مرا لو۔"

"ان کے ٹیلی فون سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب جو بھی فون آئے، احسانی صاحب کے آفس کا بندہ ڈیل کرے گا، اب تو اٹھائی گیرے بھی ڈاکو بنے بیٹھے ہیں، ایسے فون سن کر ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ضمیر بھائی پرسکون لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"یہ لوگ بڑے شقی القلب ہوتے ہیں۔ چند دن پہلے ایک چھوٹی سے بچی کو مار کر پھینک دیا تھا۔" میں سہمی جا رہی تھی۔

"میرے پاس کہاں سے آئے پچاس لاکھ، میں تو پچاس ہزار بھی نہیں دے سکتا۔ ایسے لوگوں کو تو وہ روپے بھی نہیں دینے چاہئیں، حوصلہ افزائی ہوتی ہے ان بدبختوں کی، آخر لوگ اس لئے تو نہیں کماتے کہ تھیلے بھر بھر کے خود ہی ان کے حوالے کر دیں اور وہ مفت خورے بنا ہاتھ پیر ہلائے عیاشی کریں۔ لوگوں کو اغوا کرنا اپنا پروفیشن بنالیں۔

میں ضمیر بھائی کی باتوں کا مفہوم سمجھ رہی تھی، اس لئے تکلیف کی شدت کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔

"دھندا سمجھ لیا ہے کمینوں نے اور یہ پیسے والے لوگ ہی ان ڈاکوؤں کا دماغ مزید خراب کر رہے ہیں، چپ چاپ منہ مانگا تاوان ادا کرتے ہیں اور گھر آ کر اصل حقیقت قبولتے بھی نہیں مارے ڈر کے ایسا سانپ سونگ جاتا ہے کہہ دیتے ہیں کہ ڈاکوؤں نے ترس کھا کر چھوڑ دیا۔ اگر کوئی دمڑی نہ دے تو پھر دیکھو کتنے لوگ اغوا ہوں گے اور کتنے لوگوں کو یہ مار مار کر پھینکیں گے اگر ہم کچھ نہ دیں تو یہ ڈاکو بھلا کر ہی کیا سکیں گے۔"

"یہ سب کتابی باتیں ہیں بیٹے، جس پر پڑتی ہے اس سے پوچھو، وہ اپنی اولاد کے لئے زندگی بھر کا جمع جتھا داؤ پر لگا دیتا ہے انسانی زندگی انمول ہے، بس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔" ابا جان تاسف سے کہہ رہے تھے۔

"یہ سب بے کار کی باتیں ہیں، پیسہ بہت بڑی چیز ہے یہ پھینکنے یا بہانے کی چیز نہیں ہے۔" ضمیر بھائی اپنے موقف پر بدستور قائم تھے۔

احسانی صاحب کے ہاں کا بندہ نہ صرف ڈاکوؤں کے فون ریکارڈ کر رہا تھا بلکہ ان سے بات چیت بھی جاری تھی۔ کمال فرمانی صاحب کو بھی اس امر کی اطلاع ہو چکی تھی، وہ اپنے گیسٹ میں ڈاکوؤں سے ہونے والی گفتگو بھر رہے تھے گھر کے سب ہی لوگ ٹینشن کی حالت میں وہیں کھڑے تھے۔ ایسے میں ضمیر بھائی حسب معمول پوری طرح تیار ہو کر باہر نکلے، جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"کہاں جا رہے ہو اس وقت تم؟" ابا جان کے لہجے میں للکار تھی۔

"حرا کے سلسلے میں ہی جا رہا ہوں۔ مشورے کرنے ہیں اپنے دوستوں سے۔ گھر میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے تو کچھ نہیں ہو سکتا نا۔" انہوں نے پرفیوم کا اسپرے کر کے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔

"ضمیر بھائی پلیز ایک منٹ۔" ارتقاء باجی نے انہیں پکارا۔

"ضمیر بھائی وہیں رک گئے، کمال فرمانی صاحب بھی چونک کر باجی کو دیکھنے لگے جو حسرت و یاس کی تصویر بنی کھڑی تھیں۔

"ہاں کہو ارتقاء، کیا بات ہے؟" ضمیر بھائی نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا

"آپ پلیز اس کو بیچ دیں۔" وہ اپنے ہاتھ میں زیوری پوٹلی لئے کھڑی تھیں۔

"کیا خیال ہے کہ یہ پچاس لاکھ کے زیورات ہوں گے۔ ارے یہ تو بمشکل چند ہزار کے ہوں گے۔" اس سے حرا کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے چھوٹی سی تھیلی ہاتھ میں وزن کر کے واپس باجی کو لوٹا دی اور تیز قدموں سے باہر نکل گئے۔

باجی خفت سے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"باجی، پلیز! پیسے کا بندوبست ہو جائے گا آپ پریشان نہ ہوں۔" میں ڈولتے ہوئے دل سے انہیں تسلی دے رہی تھی۔

"نہیں ہو سکتا، بندوبست مجھے معلوم ہے" باجی روتی ہوئی اپنی کمرے میں چلی گئیں۔

"فرحین چپ چاپ آزردہ سی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ تب ہی ڈاکوؤں کا فون آ گیا۔ سیٹھ احسان کا بندہ ریسیور لے کر آگے بڑھا۔

"ٹھہرو، مجھے بات کرنے دو۔" کمال فرمانی صاحب نے ریسیور اٹھا لیا۔ اب وہ نہ سمجھ میں آنے والی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ شاید ڈاکوؤں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کمال صاحب تو اس طریقے سے بول رہے ہیں جیسے کہ مذکورہ زبان ان کی اپنی مادری زبان ہو۔" میں نے فرحین کے کان میں سرگوشی کی۔

"بھائی جان کو مقامی زبانیں سیکھنے کا شوق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنے ملک میں بولی جانے والی ہر زبان ہمیں آنی چاہئے۔ غیر ملکی زبانوں کو سیکھنے سے بدرجہا یہ بہتر ہے کہ ہم اپنے ملک کی زبانیں سیکھیں تاکہ اپنے وطن کے کسی بھی حصے میں اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھیں۔"

"ٹھیک کہتے ہیں وہ۔" کمال صاحب کو روانی سے بولتا دیکھ کر میں بھی متاثر ہو گئی۔ ٹیلی فون پر بات کا اختتام ہوا تو کمال صاحب نے آنکھ کے اشارے سے فرحین کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل گئے

باجی کی سسکیوں کی آواز لاؤنج تک بدستور آ رہی تھی۔ ابا جان پریشان ہو کر اب ٹہل رہے تھے، شہری بھی سر نہوڑائے بیٹھا تھا۔

"شہری بیٹے، ہمارے پاپوش نگر والے مکان کی اندازاً کتنی مالیت ہو گی۔" ابا جان متفکر سے پوچھ رہے تھے۔

"یہی کوئی چار لاکھ تک زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار لاکھ۔" شہری نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم کل کسی اسٹیٹ بروکر سے بات کرو کہ فوری ادائیگی کے طور پر ہمیں کتنی رقم مل جائے گی، میرا سب کچھ حرا کے لئے ہے۔ پاک پروردگار، اسے ساتھ خیریت کے گھر لے آئے۔" ابا جان باجی کو دلاسا دینے کے لئے ان کے کمرے میں چلے گئے۔

اور میں جو بہت دیر سے اپنے آپ پر قابو پائے بیٹھی تھی، بے اختیار رو دی، باجی کی بے بسی اور ضمیر بھائی

کی بے حسی پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"اے، رونا دونا بالکل نہیں ہوگا۔ میرا دل کہتا ہے کہ حرا زندہ سلامت ہم سے آن ملے گی۔" شہری میرے پاس چلا آیا۔

"بہت مشکل ہے۔ اتنا پیسہ ہم کسی صورت میں جمع نہیں کر سکتے۔"

"مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ حرا کو انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔" ممانی جان میرے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی باجی کے پاس چلی گئیں۔

"بے فکر رہو ماہم! ڈاکو تاوان کی رقم کم کر دیں گے۔ شہزاد جس کو اغوا کیا گیا تھا۔ اس بچے کے والدین سے بھی پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا گیا تھا اور آخر میں پانچ لاکھ پر آ گئے تھے۔ شہری نے تسلی دی۔

"مگر یہاں تو معاملہ معروف کرکٹر کی بھانجی کا ہے۔ ڈاکوؤں کا خیال ہوگا کہ ضمیر بھائی بہ آسانی ان کا تاوان پورا کر دیں گے۔"

"یہ ساری پریشانیاں تم مجھے دے دو، انشاء اللہ حرا کا بال بیکا نہیں ہوگا۔" ڈاکوؤں نے شہزاد کے گھر ایک ہفتے فون کئے تھے، اس کے بعد انہوں نے تاوان کی رقم کم کی تھی۔ ایسا ہی وہ یہاں بھی کریں گے اور پھر میری بائیک کھڑے کھڑے بک سکتی ہے میرے کتنے دوست اس کو خریدنے کے امیدوار ہیں، بینک میں جتنے بھی پیسے ہیں وہ سب میری حرا کے ہیں۔ تم ایک دو دن اور صبر کر لو، ڈاکوؤں کا ٹارگٹ گھٹنا شروع ہو جائے گا۔"

"اور پھر دو دن تو کیا، چار دن گزر گئے، ڈاکوؤں نے کوئی فون ہی نہیں کیا۔ فون کی ہر گھنٹی پر سب لپکتے اور منہ لٹکا کر بیٹھ جاتے۔ کتنی عجیب بات تھی، پہلے ڈاکوؤں کے ٹیلی فون سن کر پریشانی ہو رہی تھی اور اب ان کے ٹیلی فون نہ آنے کی وجہ سے پریشانی اور گھبراہٹ کا توازن بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"اب کیوں سانپ سونگھ گیا، بدبختوں کو۔" ممانی جان بڑبڑائیں۔

"اپنی اہمیت جتا رہے ہوں گے، دیر سے فون کریں گے تو منہ مانگا تاوان مل جائے گا۔ حالاں کہ ان کی یہ قطعی غلط فہمی ہے" ضمیر بھائی بال سنوارتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"ایسا لگتا ہے کہ ڈاکوؤں کو اب پچاس لاکھ کی بھی پروا نہیں رہی، کہیں وہ میری بچی کو بردہ فروشوں کے حوالے نہ کر دیں۔" ارتقاء باجی مستقل ٹیلی فون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" میرے آنکھوں کے پیمانے چھلکنے کو بے تاب ہو گئے۔

"ایسا مت سوچو، اللہ تعالیٰ ضرور بہتر کرے گا۔ قطرہ قطرہ تو مل کر دریا بن جاتا ہے۔ میں جمع کروں گا پیسہ چاہے مجھے سب کے سامنے ہاتھ ہی پھیلانے پڑ جائیں۔" شہری کا لہجہ فولاد کی طرح پر عزم تھا۔

میرے خاموش آنسو چپ چاپ بہہ رہے تھے۔ میں جانتی تھی کہ پچاس لاکھ کی رقم کوئی معمولی رقم نہیں تھی مگر وہ میرا سر تھپتھپاتے ہوئے بدستور نہ صرف مجھے تسلیاں دے رہے تھا بلکہ اپنے رومال میں میرے آنسو بھی سمیٹ رہا تھا۔ ارتقاء باجی، ابا جان کی پکار پر اندر کمرے میں آ گئیں اور عین اس لمحے آصف داخل ہوا اس کی نظریں کسی برمے کی طرح شہری پر جم گئیں، یوں جیسے اسے شہری کا میرے قریب بیٹھنا ناگوارا گزر رہا ہو۔

"ہونہہ! شہری کے بچے! تجھ سے تو میں ہی نمٹوں گا۔ کمینے تیری یہ ہمت کہ ماہم کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھے۔" وہ زیرِ لب بڑبڑا بھی رہا تھا اور شاید دل میں کھول بھی رہا تھا۔

"فرمایئے، کیسی زحمت کی، آپ نے؟" شہری نے ناگواری سے پوچھا۔

"میں دراصل یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ ڈاکوؤں سے بات چیت کرنے میں کہاں تک پیش رفت ہوئی؟"

"ذلیل لوگوں سے بات چیت کرنا، کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ وقت لگتا ہے اس میں۔" شہری نے دانت پیسے۔

"پھر بھی کچھ کم تو کیا ہوگا انہوں نے، میں نے کمال فرمانی صاحب کو فون بھی کیا تھا کچھ معلوم نہیں ہو سکا وہ گھر پر نہیں تھے، اس لئے یہاں چلا آیا۔" اس نے اپنے آنے کی توجیہ پیش کر دی۔

"مسٹر، فون ہمارے گھر آئے گا، کمال فرمانی صاحب کے گھر پر نہیں، آپ بہرحال اپنی معلومات بڑھاتے پھریں، اچھا مشغلہ ہے یہ بھی آپ جیسے لوگ ہر طرح کی باتوں میں اپنا مشغل ڈھونڈ ہی لیا کرتے ہیں، آپ تو پھر ماشاء اللہ اداکار ہیں۔" شہری انتہائی اہانت بھرے لہجے میں بولا۔

"شہری! مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی کہ......" وہ بقیہ جملہ ادھورا چھوڑ کر سرخ چہرے کے ساتھ بولا۔

"آپ جیسے لوگ ہماری امیدوں پر پورے نہیں اترے تو میں کب تک دوستی کے نام پر بے وقوف بن سکتا تھا۔" شہری نے نفرت سے کہا۔

"میں اس وقت تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتا۔ ماہم! کیا ارتقاء باجی سے میری بات ہو سکے گی؟" بھابھی کا لفظ اس نے دانستہ ادا نہیں کیا تھا، اب وہ شہری کو قطعی نظر انداز کر کے مجھ سے مخاطب تھے۔

"باجی آرام کر رہی ہیں۔" اس وقت شہری نے دانت کچکچائے۔

"ماہم پلیز! تم ہی میری ایک بات سن لو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئی گھگیایا۔

"تشریف رکھئے اور بتایئے، کیا بات ہے؟" اب میں اس کی جانب متوجہ تھی۔

"ماہم! میں یہ بتانے آیا تھا کہ......" وہ ایک لمحہ رکا اور بغور میری آنکھوں میں دیکھا کہ جیسے کوئی خاص الخاص بات ہو۔

"جی، کہیے۔ میں سن رہی ہوں۔"

"ماہم! تم اندر جاؤ۔" شہری نے تیز و تند نظروں سے آصف کو دیکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"ماہم! پلیز، صرف ایک منٹ، میری بات تو سن لو۔" شہری کو بپھرا دیکھ کر آصف کا لہجہ ملتجی سا ہو گیا۔

"شہری! مجھے بات تو سننے دو۔" میں تذبذب میں پڑ گئی نہ جانے کیا بتانے آیا ہو۔

"ماہم! تم نے میری بات نہیں سنی؟" شہری غصے میں غضب ناک ہو رہا تھا۔

میں نے ایک نظر آصف کے چہرے پر ڈالی جو امید بھری نظروں سے مجھے تک رہا تھا اور پھر شہری کو دیکھا جو سرخ بھبھوکا ہو رہا تھا۔ اس کا یہ انداز میں آج پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی، تب میں فوراً بھاگی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی اور آصف بھی شاید رکا نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز مجھے اپنے کمرے تک میں آ رہی تھی۔

"خدایا یہ کیا ہو رہا ہے۔"

میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"آصف، کیوں آیا تھا۔؟"

"وہ بار بار اپنی بے عزتی کے باوجود بھی کیوں آ رہا تھا۔"

"کیا حرا کے بارے میں اس کی کوئی بات اہم ہو سکتی تھی۔"

سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہو گیا تھا۔

باجی الگ منہ لپیٹے پڑی تھیں۔ ڈاکوؤں سے ہونے والی تیز و تند بات چیت نے ان کے اعصاب پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ تاوان ایک بڑی رقم نے ان کی ذہنی حالت خاصی مخدوش کر دی تھی۔

پاپوش نگر کا مکان جلد بازی میں بیچنے کی صورت میں ڈھائی لاکھ میں جا رہا تھا۔ بردکر بھی دوسرے کی

مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔

ضمیر بھائی نے صاف کہہ دیا تھا کہ ان کے پاس کوئی بینک بیلنس نہیں ہے۔ ہاں ابا جان نے اپنے ریلوے سے ملا ہوا فنڈ سامنے رکھ دیا تھا جو صرف دو لاکھ تھا۔ ممانی جان کا خیال تھا کہ جلد بازی میں مکان نہ بیچا جائے کیوں کہ بروکر صحیح قیمت نہیں لگا رہا تھا اور اس وقت دو ڈھائی لاکھ انتہائی حقیر رقم تھی۔

میں اندر کمرے میں ریوالورنگ چیئر پر بیٹھی خود کو گھمائے چلی جا رہی تھی، حرا کا مسئلہ انتہائی گھمبیر بن رہا تھا کہ کوئی آس کا سرا ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میری کرسی کسی پنڈولے کی طرح گھوم رہی تھی۔

”ضمیر بھائی، آپ سیٹھ احسانی سے کچھ رقم مانگ لیجئے، کروڑوں کا بزنس ہے ان کا، وہ آپ کو ہرگز منع نہیں کریں گے۔“ ایک دن پریشان ہو کر میں نے ان سے کہا تھا، مسئلے کو حل کرنے کی کوئی دوسری صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

”پچاس لاکھ مانگوں ان سے کہ آپ اپنی بیٹی کی سگائی سے پہلے مجھے پچاس لاکھ دے دیں، یہ میرے خاندان کی ضرورت ہے۔“ طنزیہ کہا گیا۔

”ڈاکو بھی کم کر دیں گے پیسے، اتنے سارے تھوڑی لیں گے۔“ میں نے سمجھایا۔

”مجھے کیا معلوم کہ ڈاکوؤں کا ٹارگٹ کہاں تک جائے گا۔ گھٹے گا یا بڑھے گا؟ کئی دن ہو گئے انہوں نے فون تک نہیں کیا ہے۔“

”فون تو ان لوگوں کا ضرور آئے گا میرا دل کہتا ہے کہ پیسے بھی وہ یقیناً کم کر دیں گے۔ آپ احسانی صاحب سے رقم بطور ادھار ہی لے لیجئے۔“

”ماہم جی، یہ اغوا کا کیس ہے، کسی کپڑے کا پرنٹ نہیں ہے کہ وہ گاہک کو خوش کرنے کے لئے پیسے کم کرتے جائیں گے۔“ ضمیر بھائی چڑ کر بولے۔

”دکانداری بہرحال دکانداری ہوتی ہے اور آج کل اغوا کرنے والے اس کو بطور پیشہ اپنائے ہوئے ہیں، اسی پر گزارہ ہوتا ہے ان کا۔ ایک کو اٹھاتے ہیں تو دس بارہ خاندانوں کا دھندا چلتا ہے۔ اپنے کاروبار میں وہ لچک تو ضرور رکھیں گے۔ یاد رکھئے گا، آپ میری بات“ میرے لہجے میں تلخی گھلتی چلی گئی تھی۔

نئی نئی دوستی میں ادھار مانگ لوں، اپنی عزت داؤ پر لگا دوں۔ آج وہ مجھ سے آگے بڑھ کر ملتے ہیں، کل وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے پیسے کا تقاضا کریں گے۔ تم کیا چاہتی ہو کہ میں ساری زندگی ان کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا رہا ہوں۔“ ان سے نظر نہ ملا سکوں۔ نہیں، میں یہ سب نہیں کر سکوں گا۔ انہوں نے اپنے دوسرے ہاتھ پر گھونسا مارتے ہوئے کہا تھا۔ یہ ان کے اضطراب کی پہچان ہوتی تھی۔

”سیٹھ صاحب کا قرض واپس کر دیا جائے گا مگر اس وقت جو یہ جانکنی کی صورت حال ہے، وہ تو ختم ہو جائے گی نا۔ پلیز ضمیر بھائی کچھ کیجئے، کچھ کر لے۔“ میں بے اختیار رو دی تھی۔

”بے وقوف مت بنو ماہم! جیسا تم چاہ رہی ہو ایسا ہونا ناممکن ہے۔ میں جو کوشش کر سکتا تھا وہ کر رہا ہوں حرا کی گم شدگی کی رپورٹ گورنر اور صوبائی وزیر تک پہنچ گئی ہے۔ اعلیٰ حکام بچی کی بازیابی کے لئے سرگرداں ہیں، اس سے زیادہ میں کیا کر سکوں گا۔“

”آپ دیکھ نہیں رہے کہ ارتقاء باجی کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ نہ کھا رہی ہیں اور نہ پی رہی ہیں۔ ایک دم ہڈیوں کا ڈھانچا بن کر رہ گئی ہیں۔ حرا آ جائے تو باجی بھی جی اٹھیں گی۔“

”یہ ارتقاء تو ہمیشہ کی ہونق ہیں، خود تو پریشان ہوتی ہی ہیں، دوسرے کو اپنے سے زیادہ کرتی ہیں۔ اس شہر میں رات دن اغوا کے کیس ہوتے ہیں مگر لوگ اسے اطمینان سے ڈیل کرتے ہیں، ایسا نہیں ہوتا کہ گھر کو ماتم کدہ بنا دیا جائے۔“ خدا جانے اس گھر کو کس کی نظر لگی ہے، گھر میں ہر وقت سوگ سا رہتا ہے۔ کبھی

باسط کی کمینگیوں کا ماتم تو کبھی ارتقاء کی طلاق کا دھماکا، اور اب حرا کی گم شدگی۔ خدا جانے ابھی کون کون سے ہنگامے باقی ہیں۔“ وہ زچ ہو کر بولے۔

”ضمیر بھائی! ان تمام کاموں میں باجی کا تو کوئی دوش نہیں ہے۔ یہ سکھ اور دکھ تو تقدیر کی جانب سے ملتے ہیں، کاتب تقدیر نے یہ پریشانیاں لکھ دی تھیں سو مل رہی ہیں اور پھر یہ دکھ تن تنہا باجی کا تو نہیں ہے، ہم سب کا ہے۔ ایسے حالات میں نہ تو ہنسا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مسکرا سکتا ہے کسی ماں کا جگر کا ٹکرا چھین لیا جائے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت مسکرانے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ باجی تو پھر بھی بہت صبر سے کام لے رہی ہیں، جب کہ لو بلڈ پریشر کی مستقل مریضہ ہیں، مجھے تو یہ خوف ہے کہ کہیں وہ بیمار ہی نہ پڑ جائیں، دھان پان سی تو وہ ویسے ہی ہیں۔“

”پھر بھی بہت ہو گیا اب۔ حرا اگر ان کی قسمت میں ہے تو ضرور ملے گی ورنہ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔“ وہ اکتا کر بولے۔

”یہ آپ کہہ رہے ہیں ضمیر بھائی، آپ! جب کہ آپ جانتے ہیں کہ......“ باقی جملے میرے حلق میں ہی گولے بن کر اٹک گئے تھے۔

”ماہم! تمہیں ارتقاء کی بے حد پروا ہے، کبھی اپنے بھائی کی بھی پروا کی کہ اس اغوا کے کیس سے میری ساکھ پر کتنا برا اثر پڑا ہے۔ جہاں جاتا ہوں لوگ ایک ہی بات پوچھتے ہیں۔“

”بچی ملی یا نہیں، شکر کیجئے کہ لڑکی جوان نہیں تھی ورنہ ملنا نہ ملنا برابر ہوتا۔“

”ڈاکو کیا کہہ رہے ہیں، آپ نے کتنی بولی لگائی؟“

”اور میں لوگوں کی باتوں کا جواب دیتے وقت پاگل ہو گیا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا کیا حشر کروں مگر سوائے خون کے گھونٹ پینے کے کچھ نہیں کر پاتا۔“

”ضمیر بھائی! اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے جو ہمارے ہمدرد ہیں وہی پوچھتے ہیں۔“

”تمہارا خیال غلط ہے لوگ چسکے لینے کے لئے ایسی باتیں پوچھتے ہیں۔ کہانیاں سننے کے شوقین ہوتے ہیں، مزہ آتا ہے انہیں ان باتوں میں...... مجھ سے سن کر اسے دس سے ضرب دے کر آگے بڑھانے میں انہیں آسانی رہتی ہے، اس لئے وہ روزانہ تازہ مواد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حرا کی گم شدگی میرے کیریئر پر بھی برا اثر ڈال رہی ہے۔ پرسوں صرف خراب فیلڈنگ کی وجہ سے میں اچھا اسکور نہ کر سکا۔ مگر پریس میں یہ تبصرہ شائع ہوا کہ کرکٹر ضمیر احمد کے ذہن پر بھانجی کے اغوا کا اثر اتنا شدید ہے کہ وہ اچھا اسکور کرنے میں ناکام رہے۔ انہیں چاہئے کہ فی الحال کھیل میں حصہ لینے کے بجائے گھر میں آرام کریں۔“

”جب ہی تو کہتی ہوں کہ آپ روپیہ کسی سے مانگ لیجئے۔ آپ اتنے بڑے کرکٹر ہیں، آپ کو تو دس لوگ ادھار دے سکتے ہیں۔ سیٹھ احسانی سے مانگتے ہوئے شرم آ رہی ہے تو کسی اور سے مانگ لیں تا کہ یہ بک بک تو ختم ہو۔ آپ کو بھی سکون ملے اور اوچھے لوگوں کی منافقت سے بھی بچے رہیں۔“

”یہ بھی خوب رہی، ڈاکوؤں کا تاوان ادا کروں تا کہ ڈاکو یہ سمجھیں کہ انہوں نے صحیح جگہ ہاتھ ڈالا تھا، پھر ڈاکو ابا جان کو اٹھا کر لے جائیں، میں کاسہ گدائی لے کر پھر نکل جاؤں، ڈاکوؤں کو یہ یقین آ جائے کہ بہت بڑا کرکٹر ہے، ادھر ادھر ہاتھ مارنے کے بجائے صرف اس کی گردن دبوچے رہو، ہماری چاندنی ہوتی رہے گی۔“

”خدا نہ کرے، کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔“ ضمیر بھائی کی باتیں سن کر میرا سر گھومنے لگا تھا۔

”غلط نہیں کہہ رہا ہوں، آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے۔ یاد نہیں کہ پہلے ڈاکوؤں نے عمران صاحب کے

بیٹے بابر کو اٹھایا تھا ہاں وہی عمران صاحب جن کا بہت بڑا کپڑے کا بزنس ہے۔ پچیس لاکھ میں بیٹا چھوڑا تھا، پھر عمران صاحب کو اٹھا کر لے گئے، دن دہاڑے گھر کے سامنے سے، چالیس لاکھ لے کر چھوڑا انہیں، وہ تو بہت بڑے بزنس مین تھے تو دے دیا اتنا پیسہ مگر ڈاکوؤں کو تو چاٹ لگ گئی۔ ان کے ہاں رات دن گمنام کالیں آتی رہتی ہیں کہ آج اس کو اٹھا لیں گے کل اس کو اٹھا لیں گے۔ بے چار ایک ہی سال میں مریض دکھائی دینے لگے ہیں اور ان کے بزنس کی الگ کمر ٹوٹ گئی ہے۔"

"میں نہ جانے کب تک کرسی پر بیٹھی اپنے ذہن کو ہچکولے دیتی رہتی کہ مجیدن نے صفدر اور ان کی اماں کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ حرا کے اغوا کے بعد پہلی دفعہ آئے تھے

"اے لو، ہمیں پتا ہی نہیں چلا کہ حرا کھو گئی ہے۔" صفدر کی اماں برقعے کی ڈوریاں ڈھیلی کرتے ہوئے بولیں۔

"مگر حرا کی گم شدگی کی خبر تو اخبار میں شائع ہوئی تھی۔" میں نے حیرانی سے انہیں دیکھا کہ کیوں جھوٹ بول رہی ہو، بھلا اتنی بڑی بات تمہیں معلوم ہی نہ ہو۔

"ارے میں کہاں پڑھتی ہوں اخبار۔ جب سے فریدہ اور شاہدہ کا رشتہ طے کیا ہے، انہی کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہوں، میری ثریا اتنی بھاگوان تھی کہ جس دن اس کی شادی کی تاریخ ٹھہری میری فریدہ اور شاہدہ کے لئے اتنے اچھے رشتہ آئے کہ کیا کسی سلیقہ مند کو جڑیں گے لڑکیاں بھی اتنی رغبت سے کہاں اخبار پڑھتی ہیں، پھر کوئی سا بھی اخبار پڑھ لو، خبریں سارے اخباروں کی ایک جیسی، لڑائی، ہنگامے، جھگڑے، ایک دوسرے پر بہتان تراشیاں، بیٹا، اخبار پڑھ کے کیا سر میں درد کرنا ہے ہاں گھر میں واحد اخبار چاٹنے والے صرف صفدر ہیں جو یہاں تھے ہی نہیں تو پھر ہمیں کیسے پتا چلتا۔ کل صفدر ہی نے بتایا تو آج چلے آئے۔" صفدر کی اماں نے خوب غصے سے ساری روائیداد سنائی۔

"یہ صفدر کہاں چلے گئے تھے؟" میں نے استفہامیہ نظروں سے پوچھا۔ کیا فیروزہ کے گھر میں ہی رہنا شروع کر دیا تھا۔ دماغ اس طرف جا رہا تھا۔

"میں اپنی کمپنی کی طرف سے تین ہفتے کے لئے امریکا گیا ہوا تھا۔ وہاں بالٹی مور میں جان ہوپ کنس یونیورسٹی میں سیمنار میں شرکت کی تھی، کل ہی واپسی ہوئی ہے تو یہ جانکاہ خبر کمال فرمانی صاحب کے توسط سے معلوم ہوئی۔" صفدر افسوس کر رہے تھے۔

"ہم پر تو قیامت گزر گئی ہے، حرا کے اغوا نے جیتے جی مار دیا ہے۔"

"ڈاکو! کتنا مانگ رہے ہیں؟" صفدر کی اماں پوچھ رہی تھیں۔

"پچاس لاکھ۔" ماموں جان انہیں تفصیل بتانے لگے۔

"اے ہے، اتنی سی پودنی کے کون پچاس لاکھ دے گا۔ ہمارے محلے میں ایک جوان جہاں لڑکے کو اغوا کیا تھا۔ ماشاء اللہ ایک لاکھ بیس ہزار میں چھوٹ کر آ گیا۔ دوسرا لڑکا، پیلی بلڈنگ سے اغوا ہوا تھا، وہ تو صرف پچاس ہزار میں چھوٹ کر آ گیا۔ لگتا ہے، تم لوگوں نے صحیح طریقے سے ڈاکوؤں سے بات چیت نہیں کی۔" ان کی اماں جہالت کے قصے سنانے میں مگن ہو رہی تھیں۔

"بات کی تھی، سمجھایا بھی تھا کہ مطلقہ ماں کی واحد بچی ہے۔ اس کی زندگی کا سہارا ہے، خوشامدیں بھی کی تھیں اور اللہ رسول (ﷺ) کا واسطہ بھی دیا تھا مگر ان کا ایک ہی جواب تھا ہمیں ہر قیمت پر پچاس لاکھ ہی چاہئیں۔ وقت نہیں ہے ہمارے پاس، تم سے بک بک کرنے کا، ہم کو ڈاکو مت کہو، ہم نے اغوا جیسی صنعت کی بنیاد ڈالی ہے۔ صنعت کار ہیں ہم لوگ۔ مصروفیت بھی بہت ہے۔ ایسے بہت سے آپریشن ہمارے پاس ہیں، ہمیں سب سے نمٹنا ہے۔ اگر ایک ایک کیس پر اتنا وقت لگایا تو پھر کر لی دوکانداری۔"

"گالیاں دینی چاہیے تمہیں کم بختوں کو، ڈھائی گھڑی کی آئے منحوسوں کو۔" صفدر کی اماں کے مشورے جاری تھے۔

"جو لوگ التجا نہ سنیں، وہ کچھ بھی نہیں کر بن سکتے۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"تو پھر بھی پچاس لاکھ تو بہت ہیں، کہاں سے آئے گا اتنا پیسہ اور اگر آ بھی گیا تو بالشت بھر کی لونڈیا کے کون دے دے گا۔ میں تو کہتی ہوں کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اب کے ڈاکوؤں کا فون آئے تو صاف صاف کہہ دو کہ بھیا رکھ لو بچی کو اپنے پاس۔ پالو پوسو بڑی ہو جاؤ تو جہیز دے کر شادی کر دینا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ!" صدر کی اماں کی باتیں سن کر میرا خون کھول رہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں چندا! اتنے پیسوں میں تو پچاس دفعہ شادی ہو جائے۔" وہ بلاوجہ مسکرائیں۔

"اماں پلیز، آپ کو تو کچھ نہیں پتا، آپ کچھ نہ بولیں۔" صفدر نے شاید میرے چہرے پر ناراضی کی لکیریں پڑھ لی تھیں۔

"حرا ہمارے لئے کوئی معمولی ہستی نہیں ہے۔ اتنی چھوٹی بچی کی غیر موجودگی سے ہمارا گھر اور ہم سب کے دل جس طرح بھائیں بھائیں کر رہے ہیں میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔" میری آنکھوں میں کہر سمٹ آیا تھا۔

"جانتا ہوں میں، احساس ہے مجھے۔" صفدر تاسف سے کہہ رہے تھے۔

"اگر حرا نہیں ملی تو خدا جانے اس گھرانے کا کیا حشر ہوگا۔" میرے لب کانپ رہے تھے مجھے باجی کی موت یقینی نظر آ رہی تھی اور اس کے بعد کیا ہونا تھا، میں اس کی بابت سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"ماہم! پریشان مت ہو، انشاء اللہ حرا مل جائے گی۔ آج کمال فرمانی صاحب سے بات ہوئی، وہ کافی پرامید ہیں۔"

"آپ کمال فرمانی کو جانتے ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ان سے میری بہت پرانی دوستی ہے، ان کے ادارے میں بھی کافی عرصے کام کیا ہے۔ ارتقاء کو غزلیں ان کے ادارے میں بھیجنے کا مشورہ میں نے ہی دیا تھا کمال صاحب ارتقاء کا مجموعہ چھاپنا چاہتے ہیں، یہ بات بھی میرے علم میں پہلے ہی سے تھی۔"

"حرا کے بارے میں، وہ کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہی کہ جلد مل جائے گی۔ وہ اس سلسلے میں کافی کوشش کر رہے ہیں۔"

"کیسے مل جائے گی حرا، ڈاکوؤں کا فون تک تو آیا نہیں۔" میری پریشانی بجا تھی۔

"سنادی ہوگی کمال فرمانی نے اپنی کوئی بے ہودہ سی غزل، شاید اس بات پر ڈاکو برا مان گئے ہوں۔ آخری دفعہ بات کمال صاحب نے ہی کی تھی نا......!" شہری چڑ کر بولا۔

"وہ تو انہی کی زبان میں، شاید ان کو سمجھا بجھا رہے تھے۔" ماموں جان نے خفیف سا ہو کر کہا۔ شہری کی یہ بات انہیں پسند نہیں آئی تھی۔

"ہوں، اپنی غزل کا الٹا سیدھا ترجمہ کر رہے ہوں گے۔ غزل خدا جانے کیا ہوگی۔ ترجمے کے بعد اللہ تعالیٰ جانے کیا بن گئی ہوگی۔ بس اس پر وہ چپ ہو کر بیٹھ گئے۔ خود ہی فون کرنے کو کہا تھا، مگر وعدے کے باوجود سب کو انتظار کرا رہے ہیں۔ پھوپھا جان بھی اسی انتظار میں ہیں کہ فون آئے تو پاپوش نگر کے مکان کو بیچ باچ دیں۔ مگر ڈاکو کم بختوں کی زبانیں بند ہو گئی ہیں۔ لگتا ہے، کمال فرمانی کی غزلوں نے ان کے حواس خمسہ کو بری طرح ایسا تباہ کیا کہ وہ بولنے سے بھی گئے۔" کوئی اور موقع ہوتا تو شہری کی بات سن کر سب مسکرا اٹھتے مگر اس وقت سب خاموش تھے۔

"میرے خیال سے آپ مکان کو بیچنے کے بجائے گروی رکھ دیں تاکہ مکان بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے اور رقم بھی مل جائے۔" صفدر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کون رکھ لے گا گروی؟ کس کے پاس ایسی فالتو رقم ہوگی جو ہمیں دے دے گا۔؟" ابا جان کا لہجہ چور چور تھا۔ زندگی کے بہت سے تجربے انہی دنوں میں ہوئے تھے۔

"میں آپ کو چار لاکھ تک قرضہ دلوا دوں گا۔ ایک صاحب ہیں میرے جاننے والے، بے حد خدا ترس ہیں اور نیک بھی، پھر جب بھی آپ ان کی ادائیگی کریں گے تو انہیں سود بھی نہیں درکار ہوگا۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، اگر ایسا ہو سکتا ہے تو تم اس سلسلے میں ان سے فوری بات کر لو۔" ابا جان کے چہرے پر اطمینان کی کرنیں نظر آنے لگیں۔

"آپ سمجھئے کہ میں نے ان سے بات کر لی، میرا ان کا روزانہ کا ساتھ ہے، وہ مجھے ہرگز منع نہیں کر سکتے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کو رقم کب تک درکار ہوگی؟"

"تم بندوبست کر رکھو۔ ہم فون کے منتظر ہیں کہ دیکھو، اب ڈاکو کیا کہتے ہیں، اس کے بعد ہی رقم گھر لانا۔" ابا جان نے ماموں جان سے مشورہ کر کے کہا۔

"کیا واقعی، ایسا ہو جائے گا؟" ارتقاء باجی بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

"انشاء اللہ ایسا ضرور ہوگا، آپ اطمینان رکھیں۔" صفدر نے بڑے جذب سے کہا، ایسے وقت اس کا لہجہ بڑا مضبوط تھا۔

کتنے سارے دن ہو گئے تھے کالج گئے ہوئے۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ ان دنوں کالج بھی کھلے ہوئے تھے اور پڑھائی بھی خوب ہو رہی تھی۔ افروز حال ہی میں قریبی اپارٹمنٹ میں شفٹ ہوئی تھی۔ میں نے سوچا، اس سے کچھ نوٹس ہی لے آؤں۔ اس کا اپارٹمنٹ مین روڈ پر تھا اس لئے فلیٹس کے نیچے زبردست مارکیٹ بھی بنی ہوئی تھی۔ میرا موڈ چونکہ پیدل چلنے کا تھا، اس لئے چپ چاپ سائیڈ پر چل رہی تھی۔ بھاگتی ہوئی کاریں اور ہنستے مسکراتے لوگوں کو دیکھنے کے بجائے اب میں کالج کی ہی بابت سوچ رہی تھی۔ اپارٹمنٹ فلیٹ کے بغلی گیٹ میں داخل ہونے سے قبل اچانک ہی میری نظر باہر کے ریستوران پر پڑی جہاں ضمیر بھائی، تانیہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں تیزی سے فلیٹ سائیڈ میں مڑ گئی۔ ضمیر بھائی کا یوں سرعام تانیہ کو لے کر پھرنا کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔

افروز کا فلیٹ کارنر پر ہی تھا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ اپنی بالکونی میں کرسی ڈالے اسٹڈی کر رہی تھی۔ میں اس کے پاس جا کر بیٹھی تو سیدھی نظریں ضمیر بھائی اور تانیہ پر جم گئیں دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہنس رہے تھے۔ تانیہ نے وہی پرپل کلر کی کامدانی بھاری پہنی ہوئی تھی۔ جو ضمیر بھائی کی اٹیچی میں رکھی ہوئی تھی۔ اسی رنگ کے نگینوں کا سیٹ پہنا ہوا تھا۔ ضمیر بھائی مسلسل چہک رہے تھے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی آئس کریم تانیہ کو کھلا رہے تھے اور تانیہ کھلی پڑ رہی تھی۔

"ہوں، اب معلوم ہوا کہ آپ کا دل گھر کی مغموم فضا میں کیوں نہیں لگتا ہے، تانیہ بیگم کا طمانیت بھرا وجود ہی آپ کی شگفتگی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ جس سامان کی آپ کی بہنوں نے بھی فرمائشیں کی تھیں وہ تمام چیزیں تانیہ کو گفٹ کر دی گئی تھیں۔" تمام گفٹس ان کی اٹیچی سے غائب تھے۔

"اے، کہاں دیکھ رہی ہو؟" افروز میری نگاہوں کے ٹارگٹ کا اندازہ کر کے ہنسی۔

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی۔" میں کھسیا سی گئی۔

"یہ لیلیٰ مجنوں روز آتے ہیں، جب تک بیٹھے رہتے ہیں، مسلسل ہنستے بولتے رہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں

آتا، ان کے پاس لطیفوں کا اسٹاک کہاں سے آتا ہے۔" افروز مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ارے چھوڑو ان کو، میں تو صرف نوٹس لینے آئی ہوں یہ پتا نہیں، ابھی کب تک کالج نہ آنا ہو۔ میں نے اپنی کرسی ترچھی کر لی مگر نظریں مسلسل ضمیر بھائی کی جانب تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرخ شیراڈ لمحے بھر میں غائب ہو چکی تھی مگر میری آنکھوں پر پڑا دبیز پردہ ہٹ چکا تھا۔

ضمیر بھائی گھر سے جاتے وقت یہی بہانہ گھڑ کے جاتے تھے کہ حرا کے سلسلے میں جا رہا ہوں آج فلاں صاحب سے ملنا ہے تو آج فلاں صاحب سے اور آج شام بھی جاتے وقت بے صبری دکھا رہے تھے۔

"مجیدن! تم نے چائے بنانے میں دیر کر دی۔ اب نہیں پیوں گا ادریس صاحب کو جا کر پکڑنا ہے، بڑے کام کے آدمی ہیں، جانے میں تاخیر ہوئی تو وہ نکل جائیں گے۔"

اونہہ، کام کے لوگ اور آپ کا کام بھی دیکھ لیا، مجھے دل میں ہنسی آ رہی تھی کہ ضمیر بھائی گھر کے تمام لوگوں کو کس آسانی سے بے وقوف بنا رہے تھے۔ روزانہ رات گئے آتے، تب ان کے نخرے دیکھنے کے قابل ہوتے۔

"تھک گیا ہوں، بھوک کا ٹائم نکل گیا ہے، کچھ نہیں کھا سکتا، حرا کے مسئلے نے تو بھوک پیاس سب ختم کر کے رکھ دی ہے۔"

ظاہر ہے کہ جب ہوٹلوں میں کھاتے پھریں گے تو گھر میں کیا خاک کھائیں گے مگر گھر والوں پر ان کے احسانات کا وزن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

ضمیر بھائی کی شادی کے بعد ہم لوگ کیونکر تانیہ کے ساتھ رہ سکیں گے۔ یہ خیال میرے دل میں جوار بھاٹے کی طرح اچھل رہا تھا۔

یہ اعتماد کے رشتے اتنے نازک کیوں ہوتے ہیں کہ جو ایک ہی جھٹکے میں ختم ہو جاتے ہیں۔ میں بھاری دل اور بھاری دماغ کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

"یہ انشاء جی پر نوٹس ہیں اور یہ غالب سے لے میرا جی تک۔" افروز کاغذات کا پلندا میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مگر میری آنکھوں میں ابھی تک وہی ہاتھ کسی سینما کی اسکرین کی طرح سامنے تھے جو تانیہ کو محبت سے سنبھالے ہوئے لے جا رہے تھے۔ اس کی ٹھمکتی ہوئی چال، بڑی قاتلانہ ہو رہی تھی اور ضمیر بھائی کی بلائیں لیتی ہوئی نگاہیں اس کی اداؤں کو مزید بانکپن عطا کر رہی تھیں۔ کتنے قریب تھے وہ ایک دوسرے کے۔ لگتا تھا کہ کوئی نیا شادی شدہ جوڑا ہو۔

"تم بالکل پریشان مت ہو، میں تمہارے لئے نوٹس تیار کرتی رہوں گی۔" افروز چلتے وقت دلاسا دے رہی تھی اور میں پژمردگی سے سر ہلا رہی تھی۔ مجھ میں قطعاً یہ جرأت نہیں تھی کہ اس وقت اپنی دلی کیفیات کی عکاسی ایمانداری سے کرنے کے قابل ہوتی۔ ہم بہنوں کے نصیب ہی شاید کھوٹے تھے۔ ارتقاء باجی کو اگر طلاق نہ ہوتی تو شاید آصف بھی اتنا برا بن کر سامنے نہ آتا۔

باسط نے محبت کی تھی، ارتقاء باجی نے محبت کی تھی مگر نصیب دونوں کے ہی کھوٹے رہے تھے۔ بقول آصف کے اب وہ بھی باپ نہیں بن سکتے تھے اور باجی ماں بن کر بھی اجڑ گئی تھیں میں دھیرے دھیرے گھر کی جانب قدم بڑھا رہی تھی مگر میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اگر باسط اور آصف نے ہمیں دھوکا بھی دیا تھا تو ظہیر بھائی اور ضمیر بھائی بھی کم ظرف نکلے تھے، انہیں اپنی خوشیاں اتنی عزیز تھیں کہ بہنوں کے دکھ بھول گئے تھے۔

ایسے ہوتے ہیں بھائی!

بہنیں، جن پر جان دیا کرتی ہیں ان کے رویے ایسے ہو سکتے ہیں؟

اماں کی موت پر جو بھائی ہمارے دم کے ساتھ پھرا کرتا تھا، اب اسے ہمارا دم نکلتا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ حرا کی گم شدگی کو وہ جس لائٹ انداز میں لے رہے تھے ایسا رویہ تو کسی غیر انسان کا بھی نہیں ہو سکتا تھا میرا وجود اب زلزلوں کی زد میں تھا۔

کس طرح میں گھر پہنچی، یہ میرا دل ہی جانتا تھا۔ ابھی دروازے کو اندر کی جانب دھکیلا نہیں تھا کہ ابا جان کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''شہری بیٹے! تمہیں آصف کو یوں ڈانٹا نہیں چاہیے تھا، ہم تو خود اسے منہ نہیں لگاتے مگر گھر آئے دشمن کو بھی یوں ذلیل کرنا اچھا نہیں لگتا۔ اس وقت تم نے اس کے ساتھ اچھی خاصی زیادتی کر ڈالی۔ شکر ہے کہ میں گھر میں نہیں تھا۔''

''کیوں آتا ہے وہ بار بار۔؟'' شہری کے لہجے میں بارود بھرا ہوا تھا۔ وہ چیخ کر بولا۔ ''یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ برا انسان نہیں ہے؟''

''یہ میں کب کہہ رہا ہوں، ارتقاء کے ساتھ ہونے والی زیادتی میں کیونکر بھول سکتا ہوں، مگر اس وقت وہ صرف حرا کی وجہ سے آ رہا ہے۔'' ابا جان کہہ رہے تھے۔

''پھوپھا جان! آپ اس کی مکاریاں ہرگز سمجھ نہیں سکتے، وہ بہت بڑا ایکٹر ہے حرا کی گم شدگی اس کے لئے محض بہانہ ہے اور وہاں یہاں آنے کے لئے صرف اس بہانے کی آڑ لے رہا ہے اور بس۔''

''یہ مت بھولو تم کہ آصف، حرا کا چچا بھی ہے، خونی رشتے ختم نہیں ہو سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حقیقت میں بچی کی گم شدگی سے پریشان ہو۔'' ابا جان نے رسان سے سمجھایا۔

''نہیں پھوپھا جان! میں آپ کی بات نہیں مان سکتا، جب باسط کو اپنی بیٹی کی پروا نہیں ہے تو اسے اتنا ایکٹو بننے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ صرف اور صرف مکار آدمی ہے میں اس کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔'' لہجہ پھر بلند ہونے لگا۔

''کیا پتا، وہ یہاں باسط کے کہنے پر آتا ہو، باسط از خود یہاں آتے ہوئے اپنی سبکی محسوس کرتے ہوں۔'' ابا جان کی سوچ سمجھ ایسی بے جا نہیں تھی۔ میں باہر دروازے پر کھڑی ہوئی اب اسی سمت سوچ رہی تھی۔ کہ ایسا شخص جس سے قدرت نے باپ بننے کا وصف چھین لیا ہو، اس کی اکلوتی بچی اگر اغوا ہو جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی یقیناً وہ ہر فولاد سے ٹکرا جائے گا، یہ میرے دماغ کا فیصلہ تھا۔

''میں جانتا ہوں باسط کو بھی، رنگیلے میاں کو سوائے گھومنے اور جھومنے کے قطعی فرصت نہیں ہے۔ میرے دوست بتا رہے تھے کہ باسط بہت ڈرنک کرتے ہیں اور جس بچی کو انہوں نے دیکھا ہی نہیں تو اس بچی کی محبت کیونکر ان کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔ سخت بے حس انسان ہیں وہ، میں اب ان کی رگ رگ سے واقف ہو چکا ہوں۔ ارتقاء باجی کے سلسلے میں کافی تحقیقات کرنی پڑی تھی جب وہ باجی کو چھوڑ کر لندن چلے گئے تھے۔ کمینگی ختم ہے ان لوگوں پر، پھوپھا جان آپ کچھ نہیں جانتے، کچھ بھی نہیں، وہ جھنجھلا رہا تھا۔

''دفع کرو ان کم بختوں کو، جو ارتقاء کی قسمت میں تھا، وہ ہو گیا۔ اس زمانے میں برے لوگوں سے بھی دشمنی رکھنا کوئی عقل مندی کی دلیل نہیں ہے ہم نے معاف کر دیا ہے۔ اب خدا ہی ان کو سمجھے گا حشر کے میدان میں۔ ہماری روح کا کرب اسی دن ملے گا۔ جب ہم کسی کے خلاف کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتے تو بے کار میں اچھلنے کا فائدہ۔'' ابا جان کا لہجہ حزن و ملال کے خزانے سمیٹے تھے۔

''پھوپھا جان! کمینے انسان کی کمینگی کو معاف تو کیا جا سکتا ہے مگر بھلایا نہیں جا سکتا۔ میں کیا کروں، میری آنکھوں میں خون اتر آتا ہے جب میں آصف کو یہاں دیکھتا ہوں۔'' شہری کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔

تب ہی میں دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس وقت کسی بھی موضوع پر بات کرنے کی مجھ میں قطعی سکت نہیں تھی، سر مارے درد کے پھٹا جا رہا تھا۔ اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ مجیدن کو آواز دے کر دراز سے ٹیبلٹ نکال کر کھا لیتی، نہ جانے کب تک میں یونہی بے سدھ پڑی رہی، پیروں میں سے سینڈلیں تک اتاری نہیں گئی تھی۔ بیگ ہنوز شولڈر سے چمٹا ہوا تھا۔

''ارے بی بی! آپ یونہی لیٹ گئیں۔'' مجیدن میرے کمرے میں آئی تو اس نے پیروں کو سینڈلوں سے آزاد کیا اور بیگ ہاتھ سے نکال کر میز پر رکھا۔

''ایک کپ گرم چائے لے آؤ۔'' میں اپنے بھاری سر کو تکیے سے سہارا دیتے ہوئے بولی۔

''رات کا کھانا نہیں کھائیں گی آپ؟ ارتقاء باجی بھی آپ کی منتظر ہیں، دو دفعہ آپ کو سوتا دیکھ کر جا چکی ہیں۔'' مجیدن کا لہجہ راز داری لئے ہوئے تھا۔

''کوئی خاص بات ہے کیا؟'' میں نے کنپٹیوں کو دباتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں، آپ کے جانے کے بعد آصف صاحب دوبارہ آئے تھے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے تھے مگر شہری میاں نے انکار دھتکار کر نکال دیا۔ بابو جی تو نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے اس وقت' ارتقاء بی بی کو بھی سامنے نہیں آنے دیا۔''

''اب کیا کر سکتے ہیں، اب تو وہ نکال دیئے گئے۔'' مجیدن کی بات پر میں مسکرا دی۔

''مگر ارتقاء بی بی کہہ رہی تھیں کہ پتا نہیں، وہ کیا کہنے آیا تھا۔''

''ایسے ہی آئے ہوں گے، حرا کی خیریت معلوم کرنے، مغویوں کے گھر آنے والے تمام مہمانوں کی گفتگو کا لب لباب یہی ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

میں چائے پی کر لیٹی ہوئی تھی کہ ارتقاء باجی کمرے میں دوڑی ہوئی آئیں۔

''سنو! کمال فریانی صاحب کا فون آیا ہے کہ کل ہم سب بھٹائی پارک میں پہنچیں۔''

''کیوں بھئی، اتنی دور مشاعرہ کروا رہے ہیں وہ۔ آپ کو معلوم ہے کہ بھٹائی پارک کتنا دور ہے، یونیورسٹی سے بھی آگے ہے۔ پورے بیس منٹ کی یونیورسٹی سے ڈرائیو ہے۔ وہی پارک جڑا تھا انہیں مشاعرے کرنے کے لئے۔'' میں نے تمسخر سے کہا۔

''پاگل ہو تم، مشاعرے میں نہیں بلایا، وہ کہہ رہے تھے کہ ہم سب کے لئے ایک اچھی خبر ہے۔ یقیناً حرا سے متعلق کوئی بات ہو گی۔ فرحین روزانہ فون پر مجھے تسلیاں دیتے ہوئے یہی کہتی ہے کہ اس کے بھائی، حرا کے لئے بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ خیال درست ہو مگر کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ تمام بات فون پر ہی بتا دیتے، اگر ایسا ان کے لئے مشکل تھا تو گھر آ جاتے یا پھر اپنے گھر پر ہمیں بلا لیتے۔ اب بھلا شہر سے دور بھٹائی پارک میں بلانے کی کیا تک ہے مانا کہ وہ پارک بہت خوبصورت ہے اور شہر سے دور ہونے کے باعث پھولوں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ مگر یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا۔''

''شاعر آدمی ہیں نا...... کوئی بھی اچھی بات پھولوں کی موجودگی میں کہنا چاہ رہے ہوں گے۔'' شہری سیب کھاتا ہوا بولا۔

''مگر اتنے سارے پھولوں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی، ایک آدھ پھول کو ہی بلا لیا ہوتا۔'' میں ہنسی۔

''اچھی بات ہے کہ پورا پھولوں کو ٹوکرا جائے گا۔'' شہری ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

باجی سرشاری ہو گئی تھیں۔ ابا جی کا چہرہ بھی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ کمال فریانی صاحب کی شخصیت ہمارے گھرانے میں قابل یقین اور قابلِ اعتماد سمجھی جاتی تھی۔

یقیناً کمال صاحب نے اس الجھی ہوئی دوڑ کا ایسا سرا ڈھونڈ لیا تھا جو کامرانی کی طرف جاتا تھا۔

سب کو مطمئن دیکھ کر میں بھی اطمینان سے لیٹ گئی، اتنا آرام کرنے کے باوجود بھی دل و دماغ تھکا تھکا سا تھا۔ ایک انجانا سا دکھ میرے پورے وجود کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا۔

"بی بی! آپ کا کھانا، میں کمرے میں لے آؤں؟ اب صرف آپ ہی رہ گئی ہیں۔" مجیدن سر پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے، اب میں سوؤں گی۔ تم میرے کمرے کا پردہ برابر کردو اور لائٹ بھی آف کر دو۔"

اس کے جاتے ہی میں نے ٹیلی فون بستر پر رکھ کر ایک جانا بوجھا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو! پہلی ہی گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا۔

"میں بول رہی ہوں۔" ایک لمحے کے لئے میں چپ سی ہو گئی۔

"ارے ماہم تم، زہے نصیب!" وہ سرشار ہو گیا۔ فوراً ہی پہچان گیا تھا وہ۔

"آصف صاحب! مجھے معلوم ہوا کہ آپ گھر آئے تھے۔"

"کیا تم اس وقت گھر پر نہیں تھیں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی نہیں، میں باہر تھی۔" میں دھیرے سے بولی۔

"جب ہی وہ کرتب باز بہت اچھل رہا تھا، ذرا بھی ڈھنگ نہیں ہے اسے بات کرنے کا، بدتمیز کہیں کا، جب کہ میں صرف آپ سے بات کرنے آیا تھا ارتقاء باجی سے۔" آصف غصے بھرے لہجے میں بولا۔

"وہی بات معلوم کرنے کی غرض سے اس وقت میں نے آپ کو فون کیا ہے۔"

"ماہم! تم نے مجھے باسط بھائی کی زیادتیوں کی سزا دی ہے، اپنی محبت سے محروم کیا ہے مگر آج میں آپ کو۔"

"پلیز آصف صاحب! آپ صرف وہ بات بتایئے جس کے لئے آپ کئی بار آئے۔" میں نے اس کی جذباتی گفتگو کو کاٹتے ہوئے کہا۔

"پلیز ماہم! پہلے میری بات سن لو، بیچ میں ٹیلی فون مت بند کر دینا۔" اسے شاید میرے لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب میں کیا کروں گی۔

"جی فرمایئے، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ اور کچھ کہنے کے لئے آپ کے پاس کیا کچھ بچا ہے؟" میرا لہجہ پھنکاریں لئے ہوئے تھا۔

"ماہم! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں آج بھی وہی آصف ہوں جس پر تمہیں کبھی مان ہوا کرتا تھا۔"

"پھر!"

"مجھے حرا اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ تم کو۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"ٹھیک ہے، ہو گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ پچاس لاکھ کی رقم ایک بہت بڑی رقم ہے۔ ضمیر بھائی جیسے شرمیلے اور معاف کرنا کہ کم ہمت انسان کسی سے قرض بھی نہیں مانگ سکتے حتیٰ کہ سیٹھ احسانی سے بھی نہیں۔"

"جی......؟" اس کی معلومات اور لہجے کی سچائی پر میں متحیر تھی، کم از کم ضمیر بھائی کے بارے میں اس کا خیال سو فیصد درست تھا۔

"اس لئے میں نے ممی سے جائیداد میں سے اپنے حصے کے پچاس لاکھ روپے مانگ لئے ہیں۔" اس نے جوشیلے انداز میں کہا۔

"آصف کیا کہہ رہے ہو تم!" میری زبان لڑکھڑا سی گئی۔

"ہاں، چاندنی! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتا، ارتقاء باجی کو مغموم نہیں دیکھ سکتا۔ حرا کی تڑپ میں بھی اتنی ہی محسوس کرتا ہوں جتنا کہ تم سب اور یہ پیسے دے کر میں کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔ یہ فرض بنتا ہے میرا، شاید اسی طرح میرے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا ہو سکے۔"

"آصف! تم اس نہج پر بھی سوچ سکتے ہو، میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ واقعی کیا آپ کی ممی نے آپ کو پچاس لاکھ روپے دے دیئے ہیں؟" مجھے ابھی تک اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ میرا رواں رواں متحیر ہو رہا تھا۔

"ہاں چاندنی! میں نے ممی سے چیک لکھوا لیا ہے جو اس وقت بھی میری پاکٹ میں ہے میں آج دو دفعہ اسی چیک کو دینے کے لئے آیا تھا مگر دونوں دفعہ دھتکارا گیا۔ شہری نہ جانے مجھے کیا سمجھتا ہے۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے آصف کہ شہری نے تمہارے ساتھ واقعی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔" میں شرمندگی سے چور چور تھی۔

"چھوڑو شہری کو اور دفعان کرو اس کی باتوں کو، میری چاندنی مجھ سے خوش ہے تو میں کسی کی پروا نہیں کیا کرتا۔" وہ وسیع القلبی سے بولا۔

"اب حرا انشاء اللہ گھر جلد آ جائے گی۔" "ڈاکوؤں کا ٹارگٹ پچاس لاکھ ہی تھا۔" شاید ایک آدھ دن میں فون آ جائے تو ہم ان لوگوں کو فوراً ادائیگی کر دیں گے۔" میں چہک کر بولی۔

"اوکے ڈیئر! کل شام میں چھ بجے فون کروں گا۔ تم جب کہو گی۔ میں آ جاؤں گا مگر خیال رکھنا کہ میرا فون صرف تم ہی ریسیو کرنا، کہیں وہ گدھا (شہری) اٹھا کر مجھ سے بک بک کرنا نہ شروع کر دے، وحشت ہوتی ہے اس منحوس کی آواز سے مجھے۔" وہ بات چھوڑ کر ہنسنے لگا۔

"ارے، اب ایسا نہیں ہوگا، میں شہری کی تمام بدتمیزیوں کی آپ سے معافی مانگتی ہوں۔" میرا لہجہ شرمندگی سے معمور تھا۔

"نہیں چاندنی! تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تقدیر کی چوٹیں تھیں جو مجھے لگنی تھیں۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کسی تھرڈ پرسن کے لئے مجھ سے معافیاں مانگو۔" وہ جذبات سے بوجھل لہجے میں بول رہا تھا اور اس کا ایک ایک لفظ سچائیوں سے گندھا نظر آ رہا تھا۔

"آصف، یہ آپ کا بڑا پن ہے جو آپ اس انداز میں سوچتے ہیں ورنہ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے ساتھ واقعی بہت زیادتی ہوئی ہے۔"

"اوفوہ پھر وہی، اسٹاپ دس ٹاپک۔" وہ ہنستا ہوا اچھا لگ رہا تھا۔

"مگر آصف......"

"میں نے کہا نا...... کہ اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی بلکہ بہت سے موضوعات پر بات نہیں ہو گی، اب بات ہو گی تو صرف میری اور تمہاری...... کیوں ٹھیک کہہ رہا ہونا......" ماؤتھ پیس پر اس کی شوخ سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اور میں شرم سے پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ ریسیور میرے ہاتھوں میں لرز سا رہا تھا۔ اب حرا گھر آ جائے گی۔ اس کی آمد کی خوشی مجھے انمول خزانے بخش رہی تھی، میں واقعی سرشار تھی۔

"تم سن رہی ہونا......" "میں کیا بک رہا ہوں۔"

"جی!" انتہائی دھیرے لہجے میں، میں نے بمشکل کہا۔ حرا کے قہقہے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"خدا حافظ، آصف!" میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔ گھر کی ٹینشن ختم ہو جائے گی۔ آصف نے وہ کام کر دکھایا تھا جو کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ آصف اتنا اچھا ہو سکتا ہے۔ اتنا ہمدرد، اتنا غم گسار میں واقعی سوچ نہیں سکتی تھی۔ باجی کا مسکراتا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم رہا تھا، ابا جان کی آسودہ مسکراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

آصف سے بات کرنے کے بعد، ذہنی ٹینشن، ڈپریشن سب ختم ہو چکا تھا۔ میں ہلکی پھلکی سی ہو گئی تھی۔ گنگنانے اور مسکرانے کو دل چاہ رہا تھا مگر چند ہی لمحے بعد شہری میرے سامنے کھڑا چنگھاڑ رہا تھا۔

"ماہم! تم کون ہوتی ہو میری بدتمیزیوں کی آصف سے معافی مانگنے والی؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" میں نے ایک نظر اسے دیکھ کر لائٹ جلائی وہ دروازے میں ایستادہ مارے غصے کے وحشی نظر آ رہا تھا۔

شاید اس نے دوسرے ٹیلی فون سیٹ سے ہماری باتیں سن لی تھیں۔

"کیوں چیخ رہے ہو، اس وقت؟" میں نے غصے سے کہا۔

"کیا بکواس کر رہی تھیں تم فون پر اس ایکٹر سے۔؟" وہ چلایا

"اوہ یہ بات ہے دوسروں کے فون سنتے ہو تم۔" میرا لہجہ مسخرانہ تھا۔

"ہاں، سن لیا غلطی سے، مگر اندازہ ہو گیا کہ تم کتنے پانی میں ہو۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بول رہا تھا۔

"سنو، شہری! میں جس سے دل چاہے بات کروں، تم کون ہوتے ہو مجھ پر پابندیاں عائد کرنے والا؟"

"تم بھلے بھاڑ میں جاؤ مجھے پرواہ نہیں ہو گی مگر اس وقت میں اپنی بات کر رہا ہوں کہ میری بدتمیزیوں کی تم معافی مانگنے والی کون ہوتی ہو؟" وہ ابھی تک غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ میں کون ہوتی ہوں؟" میں نے اسے غصے سے دیکھا۔

"ہاں واقعی مجھے نہیں معلوم، میں تم کو بالکل نہیں جان سکا اور اب جاننا بھی نہیں چاہوں گا۔" وہ دھاڑا۔

"تم نے ہمارے گھر میں بیٹھ کر آصف کی بے عزتی کی، اس نے تمہاری شکایت کی تو میں نے معافی مانگ لی بات تو تم سن ہی چکے ہو۔" میں پھنکاری۔

"ہاں، باتیں تو میں آپ کی واقعی سن چکا ہوں، ماشاء اللہ خوب بولتی ہیں اور جب بولتی ہیں تو پھول جھڑتے ہیں، مگر میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے آصف سے معافی کیوں مانگی، جب کہ اس شخص کو میں اس کا اہل نہیں سمجھتا۔" وہ تحقیر سے بولا۔

"شہری، تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ آصف پچاس لاکھ روپے دے رہا ہے۔ اس نے اپنی بھتیجی کی خاطر اپنے نام کی جائیداد اپنی ماں سے لے لی ہے، ایسی ہوتی ہے محبت۔" میرا لہجہ زعم سے لبالب تھا۔

"اس نے کہہ دیا اور تم نے یقین کر لیا۔" وہ ہنسا۔

"کیوں، بے یقینی کی کیا بات ہے؟ آج وہ دو دفعہ چیک لے کر آیا، مگر تم نے دھتکار دیا۔" تم نے بدتمیزی کی انتہا کر ڈالی۔

"وہ ہمیں بھی تو بتاتا اس ڈرامے کے بارے میں، یا صرف خواتین کو ہی بتانے آیا تھا؟ اگر اتنا ہمدرد تھا اور بھتیجی کی محبت ابلی پڑ رہی تھی تو وہ یہ چیک ہمیں دے جاتا، ہم بھی تو دیکھتے کہ کتنا سورما ہے وہ۔"

"کل دیکھ لینا، آئے گا وہ چیک لے کر۔" میں نے فخر سے کہا۔

"ایسی کل کبھی نہیں آئے گی، اس کا مجھے یقین ہے۔" وہ تمسخر سے ہنسا۔

"ارے، اس نے کہا ہے مجھ سے، کل شام چھ بجے وہ آئے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ چیک ہی دینے آئے گا آخر اس کی بھتیجی کا معاملہ ہے، چاہے وہ حرا کا، اسے ارتقاء باجی سے ہمدردی ہے، تاسف ہے اسے باسط بھائی کی کمینگیوں کا۔" میں ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی۔

"ماہم صاحبہ، وہ دھوکے باز، بہروپیا، نہ کل شام آئے گا اور نہ ہی پرسوں صبح، پچاس لاکھ تو بہت ہی بڑی رقم ہے، وہ تو پانچ ہزار بھی نہ دے۔"

"مگر میں جو کہہ رہی ہوں!" میں نے تنتنا کر کہا۔

"تمہارا کیا ہے، بہت کچھ کہتی ہو اور اکثر اپنی بات کی خود ہی تردید کر دیتی ہو، اب تمہاری کوئی بھی بات قابلِ اعتماد نہیں رہی۔" اس نے رنج سے لہجے میں کہا۔

"شہری، تم جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میرا لہجہ یک دم ہلکا ہو گیا۔

"ہاں، سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں وہ اس لئے کہ نہ تو میں بے وقوف ہوں بہت دیکھ لیا تمہیں، پل میں تولہ، پل میں ماشہ، اس نے مزید زہر اگلا۔

"ہاں بن جاؤ عقل مند تم مت کرنا بات مجھ سے مری نہیں جا رہی، میں تمہارے لئے میری حرا میری جان ہے، خواہ وہ کسی بھی طریقے سے گھر آ جائے۔ یہ میری سب سے بڑی خواہش ہے۔" میری آواز گلوگیر ہو گئی تھی، پلکوں کی باڑ آنسوؤں کو راہ دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس وقت خود پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا، شہری بدستور تحقیر بھری نظروں سے مجھے گھور رہا تھا اور اس کی تپش سے میں جھلسی جا رہی تھی۔ رگ و پے میں اٹھتے ہوئے جوار بھاٹے سے وجود کے گویا پرخچے سے اڑے جا رہے تھے۔

"حرا اس طرح نہیں آ سکتی، جس طرح تم سمجھ رہی ہو وہ، تم جانتی ہو کہ آصف کس قماش کا ہے، پھر بھی اس کی باتوں میں آ گئیں، جیسے وہ پچاس لاکھ روپے اپنی جیب میں لئے پھر رہا ہے! افسوس ہو رہا ہے مجھے تمہاری نا سمجھی پر کہ عقل مند ہوتے ہوئے بھی آصف کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئیں۔" تم عقل اور بے وقوف لڑکی۔

"میں نے کہا ناں کہ مجھے اپنی باجی کی خوشیاں عزیز ہیں۔ میں اس گھر کی پژمردگی دور کرنا چاہتی ہوں میں ابا جان کو مغموم نہیں دیکھ سکتی اور پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ آصف ہر لحاظ سے ہی برا شخص ہو۔ ہر برے آدمی میں کوئی نہ کوئی خوبی بھی ہوتی ہے اور مجھے لگ رہا ہے کہ آصف ہماری پریشانیاں دور کرنے میں مخلص ہے۔"

"مجھے اس کمینے انسان کی آمد پسند نہیں ہے اور تم اس پر اعتبار کر رہی ہو! جو کسی لحاظ سے قابلِ اعتبار نہیں۔" شہری کا لہجہ پھر جھلانے لگا۔

"شہری، آگے کچھ مت کہنا ہاں، تم میرے خدائی فوجدار نہیں ہو کہ میں تم سے ہر ہر معاملے میں رائے لیتی پھروں گی۔" میرے لہجے میں تھکن سی اتر آئی یوں جیسے میں وضاحتیں کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔

"ٹھیک ہے، جو دل چاہے کرتی پھرو، اب مجھے بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہو گی۔ واقعی بے وقوف تھا، پچھتا رہا ہوں، تم سے غلط توقعات باندھ کر، تم ایسی ہرگز نہیں ہو جیسا میں سمجھ بیٹھا تھا۔" وہ برملا اعتراف کر رہا تھا۔

چند ساعتوں کے لئے میں یک دم پتھرا سی گئی۔ شہری کے جملے مجھے سرد اور بے جان بنا دینے کے لئے کافی تھے۔

میں کیسی ہوں؟
شہری مجھے کیا سمجھتا ہے؟
آصف مجھے کیا سمجھ رہا ہے؟
یہ بے اعتباری کے جالے کہاں سے تن رہے ہیں؟
کیا میری ہستی، نامعتبر سی ہے؟
ایک انجانا سا دکھ اور کرب میرے پور پور میں اتر آیا تھا۔
"خود کو عقل مند سمجھنے والے پرلے درجے کے بے وقوف ہوتے ہیں۔" اس کے ترکش کے تیر ابھی بھی ختم نہیں ہوئے تھے جب کہ میں لہولہان ہو چکی تھی۔
"ہاں، بے وقوف تو میں ہوں ہی، شاید سدا سے۔" لب تھرتھرائے مگر وہ سنے بغیر پردہ...... چھوڑ کر ڈگ بھرتا نکل گیا۔

ارتقاء باجی متحیر تھیں کیا آصف، حرا کی وجہ سے پچاس لاکھ روپے دے رہا ہے۔
"ہاں باجی، اس نے واقعی ایسا کہا ہے، وہ کل بھی دو دفعہ چیک لے کر آیا تھا مگر شہری نے اس کی بات ہی نہیں سنی تھی۔"
"حیرت ہے اس کے اقدام پر، ابا جان سوچ میں پڑ گئے تھے۔"
"حیرت کی کیا بات ہے؟ آخر خونی رشتے ہے اس کا حرا سے۔" میں نے سرشاری سے کہا۔
"مگر پچاس لاکھ نصف کروڑ کو کہتے ہیں، اس کی ماں اتنی بڑی رقم اس کو کیسے دے سکتی ہے؟ جس بہو اور پوتی کو انہوں نے قبول ہی نہیں کیا ہو!" ابا جان کسی صورت بھی یقین نہیں آرہا تھا۔
"وہ کہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی سے قطعاً مختلف ہے۔ اسے حرا سے بے حد محبت ہے اور وہ اس زیادتی کا کفارا ادا کرنا چاہتا ہے جو ارتقاء باجی کے ساتھ باسط بھائی کی طرف سے ہوئی۔ میں ابا جان کو دلائل دے کر سمجھا رہی تھی۔"
"ماہم، ایک ناقابل یقین بات پر کس طرح یقین کر لیں؟ باسط اور آصف کا کردار ہمارے سامنے ہے۔ ایسے میں اس کا انداز ناقابل فہم ہے۔" ماموں جان بھی، ابا جان کے ہمنوا بنے ہوئے تھے۔
تب میں الجھی سوچوں کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ میری انگلیاں آصف کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں
"ہیلو!" اس کی غنودگی بھری آواز سنائی دی۔
"ابھی تک سو رہے ہیں۔ گھڑی پر ذرا نظر ڈالیں، گیارہ بج چکے ہیں۔"
"گھڑیال خواہ کچھ ہی بجائے، ہماری صبح تو تمہاری آواز کے ساتھ ہوئی ہے، لگتا ہے آج کا دن بہت خوش نصیب رہے گا۔"
"ہمارے گھر کب آرہے ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔
"کہیں باہر ملو، گھر میں سب کے سامنے بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے ذرا لطف نہیں آتا۔"
"باہر کہاں!" اس کے انداز پر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔
"کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کرتے ہیں۔"
"مگر آپ کو تو چیک دینا تھا؟" میں نے یاد دلایا۔
"ہاں بھئی، وہ بھی دے دیں گے، ریو آڈیٹوریم تک تم آجاؤ، وہاں میں تمہیں پک کر لوں گا۔"

"آپ گھر کیوں نہیں آجاتے، خواہ مخواہ مارے مارے پھریں۔"
"تمہیں مجھ سے مل کر کوفت ہوگی کیا؟" وہ ناراض سا ہو گیا۔
"میرا مطلب یہ نہیں ہے، میں تو......"
"میں سب سمجھ رہا ہوں۔" وہ بات کاٹتے ہوئے بولا۔
"پلیز، آپ کچھ نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ حرا کی وجہ سے ہم سب لوگ کتنے پریشان ہیں، دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔" میں بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"میں بھی حرا کا چچا ہوں۔ تمہاری پریشانی میری اپنی پریشانی ہے۔ آج حرا اور ارتقاء باجی کے بارے میں ہی بات کر لیتا ہوں۔"
"اچھا تو پھر میں آؤں گی۔"

کمال فرمانی صاحب نے بھٹائی پارک جانے کے لئے سب کو کہا تھا۔ گھر میں صبح سے تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں گھر کے سب ہی لوگ جا رہے تھے ہاں ضمیر بھائی اپنی نیٹ پریکٹس کی وجہ سے معذرت کر گئے تھے۔ ممانی گھر میں رک رہی تھیں شہری بھی آگیا تھا مگر میں سب کو بتائے بغیر آصف کے پاس جا رہی تھی، میں چاہتی تھی کہ پچاس لاکھ کا چیک لا کر شہری سمیت سب کو حیران کر دوں۔
ایک بجے جب میں گھر سے نکلی تو باجی نے سب سے پہلے ٹوکا "ماہم، اس وقت کہاں جا رہی ہو تم؟ معلوم بھی ہے، چار بجے بھٹائی پارک پہنچنا ہے۔"
"آپ سب لوگوں کے جانے سے پہلے آجاؤں گی۔" میں بیگ شولڈر پر ڈال کر باہر نکل آئی۔
رکشا بھی جلدی مل گیا تھا۔ میں اس کی گھڑگھڑاہٹ میں آصف کے اسی چیک کے بارے میں سوچے چلی جا رہی تھی واقعی آصف نے یہ کارنامہ انجام دے دیا تھا۔ اپنی چالاک و چلتر ماں سے پچاس لاکھ کس آسانی سے حاصل کر لئے تھے ورنہ باسط تو ماں کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھے۔
سگنل پر جب رکشا ٹھہرا تو صفدر کو اسکوٹر پر دیکھ کر میں نے نظریں چرا لیں اس نے بھی شاید مجھے نہیں دیکھا تھا جب ہی چپ چاپ کھڑا تھا۔ ورنہ بولنے کا ان کو خاصا مراق تھا۔
ریو آڈیٹوریم میں شاید وقت سے پہلے پہنچ گئی تھی۔ آصف کا دور دور نشان نہیں تھا۔
"ارے، وہ تمہیں پانچ ہزار نہ دے......" شہری کے جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔
"کیا واقعی اس نے جھوٹ بولا تھا؟ پچاس لاکھ روپے نہ دینے کی وجہ سے وہ آیا ہی نہیں۔ وہ اپنے لب کاٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ صفدر کی اسکوٹر گزری تو میں ترچھی ہو گئی۔ خدا کا شکر تھا کہ اب بھی اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ یوں گھبرایا ہوا دیکھ کر وہ رکے بغیر نہ رہ سکتا تھے۔
گھڑی کی سوئیاں پونے دو بجا رہی تھیں اور میں واپسی کا قصد کر ہی رہی تھی کہ آصف آگیا۔
"ہمیشہ کی طرح خوب انتظار کرایا ہے آپ نے۔" میں نے ناراضگی سے کہا۔
"معاف کردو۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ شاید تم یقین نہ کرو گاڑی کا ٹائر برسٹ ہو گیا تھا بس اسی میں دیر ہو گئی۔"
آصف کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھی، میں دوبارہ پچاس لاکھ روپے کے بارے میں سوچ رہی تھی، آصف دھیمے انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔ پوائزن کی مسحور کن خوشبو پوری گاڑی میں پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی مغنیہ طربیہ گیت گا رہی تھی۔ مگر پچاس لاکھ کی دھمک اس قدر تیز تھی کہ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔
ایک عالی شان ہوٹل میں، میں آصف کے ساتھ داخل ہوئی ہال میں بیٹھنے کے بجائے آصف نے کیبن

میں بیٹھنے کو ترجیح دی تھی اور پھر اس نے بے حساب اور بے شمار کھانے منگوائے۔

"یہ اتنا سب کچھ کون کھائے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"چاندنی اور میں۔" وہ شوخی سے بولا۔

"میں تو ہرگز نہیں کھا سکتی، آج تو مجھے بھوک بھی نہیں ہے۔ دیر بھی بہت ہوگئی ہے، جانا بھی ہے۔"

"واپسی پر تو میں ڈراپ کر دوں گا۔ پندرہ منٹ میں گھر پہنچا دوں گا۔"

پندرہ منٹ میں، ایک دم مجھے شہری کی تیز رفتاری یاد آگئی۔

"ہاں چاندنی، تمہاری ہر خوشی میری خوشی ہے، تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے، تمہاری نفرت اور بے اعتنائی کو محسوس کرنے کے باوجود۔"

"پلیز آصف، کوئی دوسری بات کریں۔" کھانے سے میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ آصف نے بھی برائے نام ہی کھانا کھایا تھا۔

"آپ پچاس لاکھ کا چیک لے آئے؟ میں جلد جانا چاہ رہی تھی۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔" اس نے پرس نکالا اور ٹٹولنے لگا۔

"اوہ مائی گاڈ! چیک تو گھر پر ہی رہ گیا۔" اس نے اپنا سر تھام لیا۔

"میں جانتا ہوں، وہ بہت بڑا ایکٹر ہے۔" شہری کا جملہ میری سماعت سے ٹکرانے لگا۔

"کیا واقعی چیک گھر پر رہ گیا؟" میں نے ٹٹولنے کے لئے پوچھا کہ دیکھوں کہاں تک جھوٹ بولتے ہیں۔

"ہاں جان، وہ گھر پر ہی رہ گیا۔ خیر کل پھر ملتے ہیں، میں تمہیں خود دوں گا۔" اب وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ اتنے قریب کہ اس کی سانسوں کے زیروبم میرے چہرے پر محسوس ہو رہے تھے۔ میں یک دم کھڑی ہوئی تو اس کا ہاتھ میری کمر میں حمائل ہوگیا اور میں لڑکھڑا کر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس کی آنکھوں کے بدلتے ہوئے رنگوں سے میں خوف زدہ ہو رہی تھی۔

"چاندنی! اب میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔ بالکل نہیں۔" وہ مجھ پر جھپٹ پڑا۔

"نہیں!" ایک دلدوز چیخ میرے لبوں سے نکلی مگر اس کا دوسرا ہاتھ میرے منہ تک پہنچ گیا تھا۔

"تم میری ہو، صرف میری، شہری کمینہ تمہیں کبھی نہیں پا سکتا۔" وہ پاگل ہو رہا تھا۔ بکھر رہا تھا، اس سے پہلے کہ قیامت آجاتی، کیبن کا دروازہ ناک ہو رہا تھا۔

"ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔" آصف نے اپنی دانست میں بیرے کو جواب دیا۔

"دروازہ کھولئے سر۔" بیرے کی آواز نے مجھے تقویت دی۔

آصف نے دروازہ کھولا تو بیرے کے ساتھ صفدر کھڑا تھا۔

"یہ آپ کے مہمان ہیں سر، آپ کے ساتھ لنچ جوائن کرنا چاہتے تھے۔" بیرا فوراً ہی چلا گیا تھا۔

اور میں صفدر کو دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔ صفدر نے ایک تحقیر بھری نظر سے آصف کو دیکھا اور میرا ہاتھ تھامے تیزی سے باہر نکل گیا۔

صفدر کے ساتھ اسکوٹر پر بیٹھنے کا میرا پہلا موقع تھا مگر شرمندگی کی وجہ سے میرا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ آنسو تھے کہ بھل بھل بہے چلے جا رہے تھے۔

"پلیز ماہم، خاموش ہو جاؤ۔"

"آپ جانتے ہیں کہ اگر آپ نہیں آتے تو وہ کمینہ شخص میرا کیا حشر کرتا؟"

"کچھ نہیں ہوتا پلیز، تم خاموش ہو جاؤ۔" اس نے اسکوٹر روک کر آئس کریم کی کون مجھے پکڑا دی، اور خود بھی وہیں اسٹال پر کھڑے کھانے لگا۔

"صفدر بھائی، آج آپ فرشتہ بن کر آگئے۔" میں مسلسل کہے چلی جا رہی تھی۔ کون پگھل کر ہاتھ پر بہہ رہی تھی۔

"سگنل پر جب تم تنہا رکشا میں، میں نے تمہیں پریشان سا دیکھا تھا تو خاصا تعجب ہوا کہ اس وقت تم کہاں جا رہی ہو۔ تم سب لوگوں کو تو بھٹائی پارک پہنچنا تھا۔ پھر میں رکشا کا پیچھا کرتا ہوا ریو آڈیٹوریم تک پہنچا۔ وہاں تمہیں مضطرب سا ٹہلتا ہوا دیکھ کر میں پریشان ہوتا رہا کہ معاملہ کیا ہے۔ مجھے امید تھی کہ اس وقت تمہارے پاس آؤں گا تو تم اصل صورت حال نہیں بتاؤ گی۔ جب آصف کو دیکھا تو میرا ماتھا ٹھنکا یہ موصوف کمال فرمانی صاحب کے ہاں کئی دفعہ دیکھے گئے تھے اور اپنی باتوں سے مجھے قابل اعتماد نظر نہیں آئے تھے۔ ارتقاء کے معاملے میں بھی ان کا کردار بے داغ نہیں تھا۔ اس لئے کچھ پیسے بیرے کو کھلائے اور کیبن سے سر جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ تمہاری ہلکی سی چیخ میرے لئے کسی تازیانے سے کم نہیں تھی۔"

"آصف نے کہا تھا کہ وہ حرا کی بازیابی کے لئے پچاس لاکھ روپے دیں گے، میں وہی لینے آئی تھی۔" میں سر جھکائے کہے جا رہی تھی۔

"پچاس لاکھ ڈاکو بھی نہیں مانگتے اور یہ بات بھی آصف کو معلوم ہے۔" صفدر مسکرا کر بولا۔

"واقعی!" میں معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جی ہاں، اب تم خوشی خوشی بھٹائی پارک چلو۔ گھر کے سب لوگ وہاں پہنچ رہے ہوں گے۔ ہاں اس واقعے کے بارے میں کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سکون اور رسان سے بولا۔ جیسے چند لمحے پہلے کوئی طوفان آیا ہی نہیں تھا۔

"جی!" میں نے صفدر کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

"ہاں ماہم، بس بھول جاؤ اس تکلیف دہ بات کو۔ اور ایک بات بڑی خوشی کے لئے تیار ہو جاؤ۔" وہ بڑی آسودگی سے مسکرایا۔

"کیسے بھول جاؤں، یہ اتنی معمولی بات تو نہیں ہے۔" آصف کی کمینی باتوں کی ضرب میں اپنی کنپٹیوں پر محسوس کر رہی تھی۔

"ماہم، چاند پر تھوکنے سے کوئی تھوک تھوڑی آجاتا ہے؟" اس نے میرے ہاتھ سے بہتی ہوئی کون لے کر پھینک دی اور گیلے ہاتھ اپنے رومال سے خشک کر دیئے۔

"صفدر بھائی، میں چاند نہیں ہوں۔" آنسوؤں کے منہ زور تھپڑوں نے میرے پورے وجود کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔

"جانتا ہوں میں، تم چاند نہیں ہو، مگر چاندنی تو ہو۔ ٹھنڈی ٹھار چاندنی جس کے دم سے چچی کے گھر میں ہر سو روشنی ہے۔" یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے صفدر بھائی کا ڈائیلاگ ناگوار نہیں گزرا تھا۔

"صفدر بھائی، میں سچ کہہ رہی ہوں، اگر آج آپ بروقت نہ پہنچ جاتے تو وہ بھیڑیا آصف، میرا کیا حشر کر ڈالتا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس قدر ذلیل انسان ہوگا۔"

"ارے، ابھی تو کافی ٹائم ہے، ہم گھر پہنچتے ہیں اور سب کے ساتھ ہی بھٹائی پارک چلتے ہیں۔" وہ میری بات کو قصداً کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ یوں جیسے وہ بھی بھول چکا ہے۔

تب میں اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بلک اٹھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ میری چیخیں آسمان میں شگاف ڈال دیں۔

"ارے ارے! چپ ہو جاؤ، راہ گیر کیا کہیں گے بھلا۔" وہ پریشان سا ہوگیا۔

"صفدر بھائی، آپ ایمان سے بتایئے، کیا میں ایک بری لڑکی ہوں جو آصف کے بہکاوے میں یہاں

تک پہنچ گئی۔" میں نہ جانے کیوں صفدر بھائی کا اعتراف جانا چاہتی تھی۔

"خدا کی قسم، تم بہت اچھی لڑکی ہو، اتنی اچھی کہ بہت ہی اچھی، اور پھر تم تو نیکی کی غرض سے گئی تھیں کہ ان پیسوں کے طفیل گھر کی پریشانی ختم ہو جائے گی۔ تم نے ایک چچا پر اعتماد کیا تھا جو تمہاری نیک نیتی اور معصومیت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس میں تم ذرہ برابر قصوروار نہیں ہو۔"

میرے آنسو، صفدر بھائی نے میرے دوپٹے سے ہی پونچھ دیے تب میں چپ چاپ ان کی اسکوٹر پر بیٹھ گئی ان کا یہ اعتراف میرے ٹوٹے ہوئے دل میں تھوڑا سا ٹھہراؤ پیدا کر رہا تھا۔ اور جب گھر پہنچی تو سب گاڑی میں لدے انتظار کر رہے تھے۔

"کہاں تھیں تم اتنی دیر سے؟ انتظار کرتے کرتے برا حال ہو گیا۔" ابا جان غصے میں بولے، صفدر تک کا خیال نہیں کیا۔

"ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، یک دم میرے منہ سے از خود نکلا۔

"کیا ہوا؟"

"کہاں ہوا ایکسیڈنٹ؟"

"تمہارے چوٹ تو نہیں آئی؟" ایک ساتھ کئی سوالات میرے سامنے تھے۔

"روڈ ایکسیڈنٹ تھا، تمام ٹریفک تین گھنٹے بلاک رہا، میں خود پھنس گیا تھا، ماہم تو گھر کے لئے پیدل ہی نکل کھڑی ہوئیں میں نے دیکھا تو مین مارکیٹ سے ان کو لفٹ دی۔" صفدر نے فوراً جواب دیا۔

"چلو گاڑی میں بیٹھو، بہت دیر ہو رہی ہے۔" ضمیر بھائی نے ایک گاڑی مزید بھجوا دی تھی تب میں اور صفدر دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے جسے شہری چلا رہا تھا۔ روٹھا روٹھا اور ناراض سا، اس نے ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ میں کہاں گئی تھی اور کہاں دیر ہو گئی تھی۔

صفدر اس کے برابر والی نشست پر تھا اور مسلسل پر ہجوم ٹریفک کی باتیں کر رہا تھا جو ایکسیڈنٹ کی وجہ سے بند ہو گیا تھا مگر شہری ان کی کسی بات میں دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ پونے پانچ بجے جب ہم پارک پہنچے تو کمال فرمانی صاحب حرا کو لے کر گیٹ سے باہر نکل رہے تھے حرا کو دیکھ کر سب اس کی جانب لپکے۔

"امی دان، میری امی دان!" وہ باجی کی گود میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ باجی بھی رو رہی تھیں اور ان دونوں کو دیکھ کر سب کی آنکھیں اشک بار ہوئی جا رہی تھیں

"کیسے ملی حرا؟" سب کمال فرمانی سے پوچھ رہے تھے۔

"قدرت کو ملاپ منظور تھا، سو مل گئی خدا کا احسان ہے کہ اس نے کوششیں بار آور کیں اور پھول سی بچی بازیاب ہو گئی۔"

"مگر تاوان کی رقم؟" ابا جان حیران نظروں سے پوچھ رہے تھے۔

"کچھ نہیں دیا، آپ لوگ مطمئن رہئے۔ ارتقاء کی دعائیں کام آ گئیں، جان و مال دونوں بچ گئے۔" وہ مسکرا کر بولے۔

حرا ابھی تک باجی سے چمٹی ہوئی سسک رہی تھی اور باجی اس کو یوں دبوچے ہوئے تھیں کہ جیسے اس کو اپنے سینے سے کبھی جدا نہیں کریں گی۔ ہنستے مسکراتے جب سب گھر پہنچے تو ایک جشن کا سماں تھا۔

"آؤ گڑیا، میں تمہیں نہلا کر اچھے کپڑے پہناؤں۔" مجیدن نے پیار سے حرا سے کہا۔

"نہیں، اب اس کا تمام کام میں خود ہی کروں گی۔" باجی حرا کو غسل کے لئے لے گئیں۔

نئی چمکتی مکتی فراک پہنے جب وہ آئی تو ہر شخص ہی اس کو پیار کر رہا تھا اور باجی کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ فلیٹوں میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی تھی کہ حرا آ گئی ہے جلد ہی گھر میں ہجوم لگ

گیا۔

کیسے آئی؟

کیوں کر آئی؟

اور کتنا تاوان دیا؟ جیسے سوالات الگ کیے جا رہے تھے۔

"ڈاکوؤں نے از خود چھوڑ دیا، کوئی تاوان نہیں لیا۔" باجی کمال صاحب کے بتائے ہوئے جواب کو دہرا رہی تھیں۔

"ارے، سب یہی کہتے ہیں، کچھ نہ کچھ تو ضرور لیا ہو گا۔ اگر تاوان نہ لینا ہوتا تو بچی کو اغوا ہی کیوں کرتے۔"

"چلئے آپ کی تسلی کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ تاوان کی رقم ہم نے بیس لاکھ روپے ادا کی ہے۔" شہری نے جل کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، یہ ہوئی نا بات آخر سچی بات نکل ہی گئی تو گویا بچی بیس لاکھ میں چھٹ کر آئی ہے۔" ایک تیز و طرار خاتون مسرت سے بولیں جیسے کہ وہ سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔

"مگر بیس لاکھ آئے کہاں سے۔" یہ دوسرا سوال تھا جو تفتیشی نوعیت کا تھا۔

"بس، آپ جیسے مہربانوں کی عنایات تھیں کہ از خود قرض دے کر چلے گئے اور یوں بیس لاکھ کی معمولی رقم اکٹھی ہوئی گی۔" شہری بدستور طنزیہ گفتگو کر رہا تھا مگر وہ کسی کے پلے نہیں پڑ رہی تھی۔

"اے بھیا! قرض تو قرض ہوتا ہے، وہ تمہیں چکانا بھی پڑے گا۔ کوئی تمہارے وقت پر کام آیا، تم اس کے وقت پر کام آنا۔"

"جی ہاں، ایسا ہی ہو گا بے فکر رہیں۔ آیئے شیرینی چکھ لیں۔"

فرحین سب خواتین کو باہر کی سمت لے گئی۔ اس نے عقل مندی یہ کی تھی کہ چائے اور مٹھائی کا انتظام پڑوس کے فلیٹ میں کر دیا تھا تا کہ خواتین چائے پی کر سیدھی اپنی گھر چلی جائیں اور یوں گھر میں غل غپاڑے میں کمی ہو مگر اس کے باوجود بہت خاص ہمدرد قسم کی خواتین، باجی کو چھوڑ کر جانے پر تیار نہیں ہوئیں۔

"بیٹی، بچی کا صدقہ ضرور دے دینا۔" "لگتا ہے یہ گھر تمہیں راس نہیں آیا۔ دوسرے گھر میں چلی جانا۔" "بچی کو باہر اب ہرگز مت جانے دینا کہ کہیں وہ دوبارہ تاک میں ہوں۔" "اپنے ساتھ بچی کے گلے میں بھی تعویذ ڈال دینا، فلاں مزار پر سلام کر آنا۔"

"یہ آپ کے مشوروں پر ضرور عمل کریں گی مگر پلیز آپ مٹھائی ضرور چکھ لیں۔" فرحین کمال محبت سے انہیں بھی اٹھا کر لے گئیں۔

باجی کے ساتھ میں نے بھی گہرا سانس لیا۔ ضمیر بھائی آئے تو وہ بھی بے حد خوش تھے، "دیکھا، بغیر تاوان کے بچی چھوڑ دی ورنہ تم لوگ تو لٹوانے کے درپے تھے۔ میرا اقدام کتنا صحیح تھا۔" وہ داد طلب نظروں سے سب کو دیکھ رہے تھے۔

"کمال فرمانی صاحب نے بڑی کوششیں کی ہیں، ان کے ہم از حد مشکور ہیں۔" ابا جان نے ضمیر بھائی کو سناتے ہوئے کہا۔

"شکریہ تو بہت چھوٹا سا لفظ ہے، حرا کو ہم سے ملا کر آپ نے ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔" باجی انتہائی ممنونیت بھرے لہجے میں فرمانی صاحب سے کہہ رہی تھیں۔

"احسان اور شکریہ تو ان کا ادا کیا جاتا ہے جو اجنبی ہوں۔ آپ لوگوں سے ملنے کے بعد مجھے ہمیشہ

اپنائیت بھرا احساس ہوا ہے، اس ناتے آپ سب کا دکھ میرا دکھ تھا، اور اس کو ختم کرنا میرا فرض بھی بنتا تھا۔" کمال صاحب ملائمت بھرے لہجے میں انتہائی سادگی سے کہہ رہے تھے۔

"حرا کے سلسلے میں جہاں فرمانی صاحب لگے ہوئے تھے وہاں سیٹھ احسانی کی کاوشیں بھی بھلائی نہیں جاسکتیں ان کے آدمیوں نے جب ڈاکوؤں کا محاصرہ تنگ کر دیا تو انہیں بچی کو چھوڑتے ہی بنی۔" ضمیر بھائی بڑے فخریہ لہجے میں سنا رہے تھے۔

کمال صاحب اور صفدر، ضمیر بھائی کی باتوں پر مسکرا رہے تھے مگر ان کی بات کاٹنے کی انہوں نے ہرگز کوشش نہیں کی تھی۔ ابا جان کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھرے۔ مگر اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر وہ کچھ کہنے سے باز ہی رہے۔ یہ بھی اچھا ہی تھا، ورنہ ابا جان لگی لپٹی رکھنے کے عادی نہیں تھے۔

ضمیر بھائی نے فون کر کے تانیہ کو بھی بتا دیا تھا۔ وہ بھی تھوڑی ہی دیر بعد مٹھائی کے ٹوکرے ساتھ لے کر آگئی تھیں۔

"یہ حرا کے لئے فراکیں ہیں۔" تانیہ نے ڈھیر ساری رنگ برنگی فراکیں باجی کے سامنے ڈھیر کر دیں۔

میں نے بغور دیکھا، وہ فراکیں تمام کی تمام وہی تھیں جو ضمیر بھائی انڈیا سے لائے تھے اور تانیہ کے ہاتھ سے دلوا کر خوش ہو رہے تھے۔

تانیہ ابا جان کے لئے شیروانی کا کپڑا، میرے اور باجی کے لئے بھی ایک ایک سوٹ لائی تھیں۔

"ارے اتنی زحمت آپ نے کیوں کی؟" ارتقاء باجی کو لینے میں ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔

"تحفہ دیتے ہوئے زحمت نہیں، خوشی ہوتی ہے۔ کاش آپ میرے دل میں جھانک سکتیں کہ آج مجھے اتنی ہی خوشی ہو رہی ہے جتنی کہ آپ سب کو۔" تانیہ نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

"تانیہ بہن" آپ تو سارا کا سارا مال ہی انڈیا سے اٹھا لائیں۔ یہ تمام چیزیں دیکھ کر لگ رہا ہے کہ آپ انڈیا سے شاپنگ کر کے آ رہی ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

لمحے بھر کے لئے ضمیر بھائی کا چہرہ تاریک ہو گیا اور وہ تانیہ کی جانب بدحواسی سے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں بچاؤ مجھے میری بہن نے میری چوری پکڑ لی ہے۔

تانیہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔ بے فکر رہو، میں سب سنبھال لوں گی۔

ارے واقعی، سب کپڑے انڈین ہیں حرا کی فراکیں تک۔" ارتقاء باجی نے بھی بغور دیکھ کر کہا۔

"ہر ملک کا سامان پاکستان میں مل جاتا ہے، انڈین اور جاپانی چیزیں خریدنے کے لئے ان کے ممالک تو جانے سے رہے۔" تانیہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی جواب اس کا بھی خاصا معقول تھا ارتقاء باجی بھی مسکرا رہی تھیں۔

اس کے اس جملے سے، ضمیر بھائی کے چہرے پر بھی بحالی آچکی تھی۔

"تانیہ بٹی، آپ نے اتنی چیزوں کا تکلف کیوں کیا ہے۔" ابا جان شیروانی کا کپڑا دیکھ کر شرمندہ ہو رہے تھے اور مجھے ضمیر بھائی پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر ان کی چھچھوری حرکتوں کا مطلب کیا ہے؟ کیا وہ یہ تمام چیزیں خود نہیں دے سکتے تھے؟

تانیہ کی مالی حالت اتنی گئی گزری نہیں تھی کہ وہ تحائف خریدنے کی اہل نہ ہوں۔

مگر ضمیر بھائی اپنے تئیں خود عقل مند بن رہے تھے، بہنوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے تھے اور اسے یقیناً یہی باور کرا رہے تھے کہ بعد میں میرے سیاہ و سفید کی تم ہی حق دار ہو گی۔

میرے گھر والوں کو، میری ذات سے پہنچنے والا فیض بھی تمہاری معرفت پہنچے گا۔ تمہاری پوزیشن اس گھرانے میں خاتونِ اول کی سی ہو گی۔ جب ہی وہ اس کو سرخرو کر رہے تھے۔ خدایا آئندہ کیا کچھ دیکھنے کو

ملے گا۔" میں سوٹ کا کپڑا ہاتھ میں پکڑے سوچے چلی جا رہی تھی۔ کیا آئندہ بھی اب وہ تمام چیزیں تانیہ کے ہاتھ سے دلوایا کریں گے؟

مہمان ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ گھنٹی پر شہری نے مجھے تحقیر بھری نظروں سے دیکھا کہ جیسے کہہ رہا ہو، چھ بج چکے ہیں کر لو بات، اسی کمینے کا فون ہے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اب آصف فون کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ آج دوپہر اس کے مکروہ عزائم کھل کر سامنے جو آگئے تھے۔ اس لئے فون میں نے ہی ریسیور کیا

"ماہم تم" وہ میری آواز پر خوش ہو گیا۔ بلاشبہ وہ خبیث آصف ہی تھا۔

"کیوں فون کیا ہے آپ نے۔" میں نے آہستگی سے ہی کہا تھا مگر نفرت اور کراہیت میرے لہجے میں رچی ہوئی تھی۔

"ماہم، محبت میں انسان بے خود ہو جاتا ہے۔ پلیز مجھے معاف کر دو، آج دوپہر جو کچھ ہوا، میں انتہائی نادم ہوں۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

"اب یہاں فون کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔" مہمانوں کا خیال کرتے ہوئے میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا، ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ موصوف کی طبیعت صاف کر دوں۔

شہری کو انجان سا بنا بیٹھا تھا مگر اس کی تمام تر توجہ میری آواز کی جانب مرکوز تھی۔ وہ حیرت سے مجھے تک رہا تھا جیسے میرے جواب کی اسے امید نہ ہو۔ اور پھر وہ کاندھے اچکا کر نغمی سے باتوں میں محو ہو گیا تھا۔ نغمی بھی بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اس کی باتیں مزید ڈرامائی ہوتی جا رہی تھیں۔

"ہاں تو جب میں نے اپنی بائیک سے جمپ لگائی تو تین کاروں کو کراس کر گیا تھا۔"

"ریئلی!" وہ خوشی سے چیخ ہی تو اٹھی تھی۔

"یقین نہ آئے تو کل کی شام میرے نام بک کر دو" پھر دکھاتا ہوں میں اپنی بائیک کی شوخیاں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے، کل میں یہاں آجاؤں گی۔" وہ سرشاری سے چہکی

"اوں ہوں، یہ میرا گھر تھوڑی ہے یہاں تو میں حرا کی گم شدگی کی وجہ سے تھا۔ یہ لو میرا ایڈریس اور فون نمبر۔" اس نے اپنا کارڈ نکال کر نغمی کو دیا۔

"میرا کارڈ بھی آپ اپنے پاس رکھ لیں۔" نغمی نے بھی اپنا کارڈ پرس میں سے نکال کر دیا۔

"کل میں تمہیں خود ہی پک کر لوں گا۔" شہری دانستہ زور سے کہہ رہا تھا اور اس کی حرکات پر مجھے کسی قسم کی کوئی بے چینی نہیں ہو رہی تھی، نہ جلاپا، نہ حسد میرا دل و دماغ ابھی تک دوپہر کے واقعے میں الجھا ہوا تھا، اور میں آصف کی کمینگی کو کس صورت معاف نہیں کر پا رہی تھی۔

اس کمینے نے سمجھا کیا تھا مجھے؟ بہت دولت مند بنتا ہے، خبیث کم بخت! دوپہر کا سارا منظر، نہ چاہتے ہوئے بھی میری نظروں میں بھاگ رہا تھا۔

آصف کا وحشی پن اور اس کے مکروہ عزام اس کی آنکھوں سے جھلک رہے تھے۔

اور سب سے بری بات یہ کہ وہ شہری کو بدستور گالیاں دے رہا تھا۔

خبیث کو اندازہ ہو گیا تھا کہ شہری اس کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس لئے اس نے مجھے ہوٹل میں مدعو کیا تھا۔

شہری کی بات سو فیصد درست تھی کہ میں بے وقوف تھی، اس کے شوگر کوٹیڈ جملوں سے اس کے اندر کے انسان کو صحیح معنوں میں پہچان نہیں پائی تھی۔ واقعی بہت بڑا ایکٹر تھا وہ۔

اس کی اداکاری کے جال میں میں پھنس گئی تھی۔ وہ تو خدا کا احسان تھا کہ صفدر فرشتہ بن کر آ گیا تھا مگر، وہ اب بھی اداکاری کے تانے بانے بننے سے باز نہیں آیا تھا۔

شاید اسے یقین تھا کہ آئندہ کسی دوسرے موقعے پر اسے شکست نہیں ہو گی۔ اسے احساس تھا کہ وہ اپنی مسحور کن شخصیت اور میٹھی باتوں سے ہر لڑکی کو کیش کر سکتا ہے تب ہی تو اس کو فون کرنے کی ہمت ہوئی تھی۔ وہ انتہائی مہذب انداز میں معذرت کر رہا تھا، قسمیں کھا رہا تھا، حلف اٹھا رہا تھا۔

پچاس لاکھ کا چیک اس کے نزدیک ایک ایسی چال تھی جس پر وہ مجھے مجبوس کرنا چاہتا تھا (مکار کہیں کا) اس کے تمام بے ایمان لہجے مجھے بری طرح ڈس رہے تھے۔ آصف ان لوگوں میں سے تھا جو ایک چہرے پر کئی ماسک لگا کر زندگی گزارنے کا قائل ہوتے ہیں۔

اب آصف کا ایک ایک جملہ مجھے مکروہ نظر آ رہا تھا۔ پچاس لاکھ کے چیک کا ذکر کر کے وہ مجھے یقیناً ٹریپ کرنا چاہتا تھا اور صفدر جنہیں میں نے کبھی عزت کے قابل نہیں سمجھا تھا، وہی میری عزت کے رکھوالے ٹھہرے تھے۔

میں جن کو پست ذہنیت کا نوجوان سمجھا کرتی تھی، آج انہوں نے ہی اعلیٰ ظرفی کی ایک اونچی مثال قائم کی تھی۔

شہری بدستور اکڑا بیٹھا تھا۔ میرے ہاتھ کی بنائی ہوئی چائے تک نہیں پی تھی۔ صفدر چپ چاپ بیٹھے ہوئے سب کا خاموش مطالعہ کر رہے تھے چائے کے بعد کمال فرمانی اٹھے تو صفدر بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"صفدر بھائی، آپ کھانا کھا کر جایئے گا۔" میں نے پہلی دفعہ صدق دل سے ان سے کہا تھا' ورنہ شربت کا گلاس بھی پٹخ کر دیا کرتی تھی۔

"کافی دیر سے نکلا ہوا ہوں۔ اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ میری جانب گہری نظروں سے تکتے ہوئے بولے جیسے کہہ رہے ہوں جانتی تو ہو دوپہر سے تمہارے ساتھ ساتھ ہوں؟

اور میں نے مجرم سی ہو کر نظریں جھکا لیں کہ آج ان کا بہت سا وقت صرف میری وجہ سے خوار ہوا تھا۔ نجانے وہ کس کام سے اور کہاں جا رہے تھے جس کا انہوں نے تذکرہ بھی نہیں کیا تھا، مگر وہ مجھے پریشان سا دیکھ کر اپنے تمام پروگرام تلپٹ کر بیٹھے تھے۔

"خدا حافظ ماہم!" فرحین بھی بھائی کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"خدا حافظ اور بہت بہت شکریہ۔" میں نے صفدر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کیوں غیروں جیسی باتیں کرتی ہو۔" کمال فرمانی پلٹ کر کہہ رہے تھے۔

"ماہم! اب یہ لفظ، زبان سے نہ سنوں۔" صفدر نے ایک ہلکی سی چپت میرے سر پر لگائی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سرزنش کی کہ جو ہوا سب بھول جاؤ۔

"آپ نے کچھ بتایا ہی نہیں کہ بچی کیونکر آپ کے پاس آئی؟" ابا جان، باہر نکل کر کمال فرمانی سے پوچھ رہے تھے۔

"یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور اسی کی مہربانی ہے۔ ورنہ ہم حقیر بندے کچھ کر ہی کیا سکتے ہیں۔" کمال صاحب اور فرحین اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ صفدر نے بھی اپنی بائیک سنبھالی اور روانہ ہو گئے۔

"مجھے کل ہی اطلاع مل گئی تھی کہ بچی کو آج کسی وقت چھوڑ دیا جائے گا۔ دو ڈاکو تو پکڑ بھی لئے گئے۔" احسانی صاحب اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

ضمیر بھائی ان کی ہر بات کی تائید کرنے کے ساتھ ساتھ تانیہ کے ساتھ مصروف گفتگو تھے، جب کہ نغمی اب ممانی جان سے باتوں میں مست تھیں۔ اور ہمارے خاندان کے بارے میں آگاہی حاصل کر رہا

تھیں۔

کس کا کس سے کیا رشتہ ہے، وہ انتہائی تفصیل سے نغمی کو سمجھا رہی تھیں جسے وہ بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔

احسانی صاحب جانے کے لئے اٹھے، تو شہری بھی روانہ ہو گیا، بہت دن ہو گئے ہیں گھر پر تالا لگا ہوا ہے، ماموں جان اور ممانی جان روکتے رہ گئے مگر وہ رکا ہی نہیں اور جب رات گئے۔ سب سونے کے لئے لیٹے تو میری آنکھوں میں برکھا سی اتر آئی۔

کیسا عجیب دن گزرا تھا آج میں ایک آنکھ سے رو رہی تھی اور دوسری آنکھ سے ہنس رہی تھی۔ مگر حالِ دل کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔

کاش! مجھے آصف کے بارے میں یہ اندازہ ہو جاتا کہ وہ پستیوں کی انتہا تک پہنچا ہوا ہے تو میں اس کی باتوں میں نہ آتی۔ میرا اعتماد میرا پچھتاوا بن گیا تھا۔ کیسی زک اٹھائی تھی آج میں نے آصف کے ہاتھوں۔

صفدر کے سامنے میری پوزیشن کتنی آکورڈ سی ہو گئی تھی۔ یہ میں ہی سمجھ سکتی تھی۔ اپنے بستر پر لیٹ کر تکیے کے سینے میں منہ چھپائے میں آنسو بہا رہی تھی۔ پورے دن کی روداد کسی فلم کی طرح، میری نظروں میں گھوم رہی تھی اور میں ندامت کے سمندر میں ڈوبی چلی جا رہی تھی۔

صبح اٹھی تو میری آنکھیں سرخ ہونے کے ساتھ ساتھ متورم بھی تھیں۔ تب منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپکے مار کر میں کالج جانے کے لئے تیار ہوئی۔

"چاندنی آج کالج جاؤ گی تم؟" ابا جان حیرت سے پوچھ رہے تھے انہیں اندازہ تھا کہ آج بھی مہمانوں کی آر جار سارا دن ہی رہے گی۔

"کالج کی بہت چھٹیاں ہو چکی ہیں" اور یہ مبارکبادیں تو ہفتوں تک چلیں گی، خدا کا شکر ہے کہ حرا آ چکی ہے، اب میں یکسوئی سے اپنی پڑھائی کر سکوں گی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے چہرے سے لگ رہا ہے کہ کچھ تکان ہو گئی ہے؟" میرا چغلی کھاتا چہرہ، ابا جان کی نظروں میں آ ہی گیا۔

"نزلے کی آمد ہے، طبیعت میری ٹھیک ہے۔" بیگ شولڈر پر رکھ کر میں باہر نکل آئی کچھ دیر اور گھر میں رہتی تو بہانے بنانے بھی مشکل ہو جاتے۔

"ڈیئر فرینڈز! آج کی ہر خاص خبر، ماہم صاحبہ تشریف لا رہی ہیں۔" نصرت مجھے دیکھ کر گلا پھاڑ کر بولی۔ تب فرخ، ریحانہ اور گیت سب ہی دوڑی چلی آئی۔

"شکر ہے، شکر ہے، آپ نے کالج کو رونق تو بخشی۔" روحی نے شرارت سے کہا۔

"بحالت مجبوری ہی بیٹھی تھی ورنہ میں کہاں چھٹیاں کرتی ہوں۔" میں نے منہ بنایا۔

"حرا کے سلسلے میں ڈاکوؤں سے بات چیت کہاں تک رہی؟"

"خدا کا شکر ہے کہ وہ گھر آ گئی ہے ڈاکوؤں نے اسے چھوڑ دیا۔" میں نے طمانیت بھرے لہجے میں بتایا۔

"مبارک ہو، مبارک ہو۔" وہ سب سرشاری سے چیخ پڑیں۔

"خیر مبارک۔" میرا لہجہ خاصا دھیما تھا۔

"ماہم! اتنی زبردست خوشی کی نیوز ہے اور اس کے باوجود تیرا چہرہ اترا اترا سا ہے۔" نصرت مجھے کھوج رہی تھی۔

"اتنے عرصے پریشان جو رہی، اثر تو ہونا ہی تھا۔" میں نے جان چھڑائی۔

"ہاں یقیناً یہی بات ہو گی، نصرت کے سوا سب کو میری بات کا یقین آ گیا تھا مگر نصرت گا ہے بہ گا ہے

مجھے گہری نظروں سے تک رہی تھی۔
پروفیسرز کے لیکچر بھی میں نے غائب دماغی سے سنے، نوٹس لینے کے بجائے فائل پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی رہی۔
"ماہم! تو ٹھیک تو ہے ناں۔" نصرت نے میری آنکھوں میں جھانکا۔
"اپنا غم سہیلی سے بھی چھپاؤ گی۔" اس نے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
اس کی بات سنتے ہی، آنکھیں بھر آئیں اور سارے وجود میں جھکڑ سے چلنے شروع ہو گئے ہمدرد دوست کے سامنے، اپنا آپ چھپانا واقعی مشکل ہوتا ہے۔
"ماہم، تو تو بڑے حوصلے والی تھی آج کیا ہوا تجھے؟" نصرت حیرت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔
قیامت آتے آتے رہ گئی تھی۔ میں پھر سسکنے لگی۔
"اس نے مجھے کوڑے دان سمجھا تھا۔ چالبازیوں اور مکروفریب سے باندھ رہا تھا۔" ٹوٹے، ٹوٹے الفاظ منہ سے ادا ہو رہے تھے۔
"کون تھا وہ خبیث؟ جو ہماری چاندنی کو نہیں پہنچان پایا، کس نے کی یہ رکیک حرکت بتا تو سہی۔" نصرت میرے لرزتے وجود کو اپنے ہالے میں لئے پوچھ رہی تھی۔
"آصف۔" بامشکل میری زبان سے نکلا۔
"آصف! یہ کیا کہہ رہی ہو تم! اس کی حقیقت تو تم پہلے ہی جانتی تھیں پھر بھی اس ایکٹر کی باتوں میں آ گئیں۔" اس کی حیرانی بجا تھی۔
"حرا کے اغوا کے بعد وہ مظلوم چچا کا روپ دھار کر گھر میں آنے لگا۔ شہری بہتیرا ڈانٹا، پھٹکارتا مگر اس کے باوجود وہ آتا رہا، ہم لوگ یہ سمجھے کہ شاید بھتیجی کے لئے خون جوش مار رہا ہے پھر اس نے یہ ڈرامار چایا کہ پچاس لاکھ روپے اس نے اپنی ممی سے اپنی جائیداد کے حصے کے لئے ہیں اور یہ پیسہ وہ ڈاکوؤں کے تاوان کے لئے دینا چاہتا ہے اور کل جب میں وہ پچاس لاکھ کا چیک لینے اس کے پاس ہوٹل میں آئی تو چیک دینے کے بجائے، اس کی تیور ہی دوسرے تھے، وہ تو شکر ہوا کہ صفدر بھائی بروقت پہنچ گے، ورنہ شاید میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔"
"ہوں۔" ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ بدمعاش ہے وہ اول نمبر کا۔ کمینگیوں کے سارے گر جانتا ہے۔" نصرت مارے غصے کے دانت پیس رہی تھی۔
"مجھے تو شرم آتی ہے صفدر بھائی کا سامنا کرتے ہوئے۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ میرے بارے میں۔" میرے رکے ہوئے آنسو پھر بھل بھل بہنے لگے۔
"جو ہوا سو ہوا، اللہ نے تجھے بچالیا، اس کا شکر ادا کر، اب کس کے لئے رو رہی ہے، صفدر بھائی کے لئے، کہ وہ کیا سوچتے ہوں یا اپنے لئے کہ عقل مند ہوتے ہوئے، بے وقوف کیسے بن گئی!" نصرت نے سافٹ ڈرنک کا پیکٹ مجھے دیتے ہوئے کہا۔
"کیوں، کیا یہ کم بے عزتی ہے کہ میں خود اپنی ہی نظروں میں آپ گر گئی ہوں، شہری نے بہتیرا سمجھایا تھا مجھے کہ آصف کمینہ ہے، مکار ہے، اس کی چالبازیوں کو وہ بخوبی سمجھتا تھا، اس کے باوجود، میں نے اس کی بات نہیں مانی، وہ ناراض ہو گیا، میں نے پروا نہیں کی اور آخر اپنی من مانیوں کا نتیجہ دیکھ لیا کہ کیسی ہیٹی ہوئی۔"
"اوہ، یہ بات ہے، شہری صاحب آپ سے ناراض ہو گئے ہیں۔" اس لئے یہ بن بادل برسات ہو رہی ہے، میں بھی تو کہوں کہ آخر ایسی کیا بات ہو گئی جو یہ آنسو کسی طرح رکنے میں نہیں آ رہے۔" نصرت نے

شوخی سے کہا۔
"شہری کی ناراضگی کی مجھے کوئی پروا نہیں۔" میں جھلا کر بولی۔ "اے بنو، نہیں، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوبارہ کہنا کہ تمہیں شہری کی ہرگز پروا نہیں ہے۔" نصرت کو شرارت سوجھ رہی تھی۔
"ہاں نہیں ہے پرواہ۔ ہر بات اکڑ کر کہتا ہے یہی بات وہ مجھے ملائمت سے بھی سمجھا سکتا تھا تو شاید میری سمجھ میں آ جاتی، مگر اس کا تو دماغ اس قدر کھولا ہوا رہتا ہے کہ کیا بتاؤں، ایک شب، جب آصف نے فون پر مجھے بے وقوف بنایا تھا، تو وہ اس قدر دہاڑ رہا تھا جیسے مجھے کچا چبا جائے گا۔"
"ٹھیک چلا رہا تھا وہ مرد ہے آخر، غیرت مند مرد، جب وہ تم سے پیار کرتا ہے، تو وہ کس طرح برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی بھی شخص تم سے چسکے لے کر باتیں کرے۔ اور مرد بھی وہ جو لفنگا ہو۔ جس کی بدمعاشیاں پورے شہر میں پھیلی ہوئی ہوں۔" نصرت مجھے سمجھا رہی تھی۔
"پھر بھی، شہر کو احساس کرنا چاہیئے تھا کہ میں کتنی احساس ہوں، باجی اور حرا کی جانب سے میرا دماغ کس قدر ماؤف تھا۔" میں کھسیا رہی تھی۔
"یہ کیوں نہیں اعتراف کرتیں کہ لڑکیاں ہوتی ہی بے وقوف ہیں، چلتر قسم کے مرد، بھولی بھالی لڑکیوں کو با آسانی شیشے میں اتار لیتے ہیں، تم تو شکر کرو خدا کا نیک صفت صفدر کی وجہ سے اس شیطان سے بچ گئیں آصف تو باسط سے بھی زیادہ خبیث مرد نکلا۔"
"ہاں، صفدر بھائی کا احسان تو میں ساری زندگی نہیں اتار سکتی، وہ ووافعی میرے لئے فرشتہ بن کر آئے تھے۔"
"شہری کو اس واقعے کی بابت پتا چلا؟" نصرت نے پوچھا۔
"وہ تو ناراض ہیں مجھ سے نظر تک نہیں ملا رہے میرے ماموں، ممانی آج جائیں گے مگر انہیں بے حد جلدی ہو رہی تھی، گھر یاد آ رہا تھا اپنا۔"
"میرے خیال سے بتانا بھی نہیں، غصے کا تیز ہے، نجانے آصف کا کیا حشر کر دے۔" نصرت نے رائے دی۔
"ہاں، صفدر بھائی بھی کہہ رہے تھے کہ بھول جاؤ اس بات کو، کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ سمجھو کہ کچھ نہیں ہوا۔
"یہ صفدر کا بڑکپن ہے، جو اس نے ایسا کیا، اپنی نیکی کی تشہیر نہیں کی تمہارا پردہ رکھا، واقعی اچھے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" نصرت کھلے دل سے تعریف کر رہی تھی۔
"مجھے غصہ تو اس بات پر ہے، اتنی کمینگی کے بعد بھی اس بدمعاش نے شام کو گھر پر فون کر دیا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں دوپہر کو میں اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھا اس لئے معذرت خواہ ہوں۔"
"ذلیل تلملا رہا ہوگا کہ ہاتھ سے کیسے نکل گئی، اس لئے دوسری چال چلنے کے لئے پھر سطح ہموار کر رہا ہوگا۔" آئندہ فون آئے تو خوب اچھی طرح ڈانٹ دینا اور کبھی اس کی بات کا یقین نہیں کرنا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لفظ محبت کے چیتھڑے اڑا دیئے ہیں، محبت ان کے لئے صرف "دھندہ" ہے محبت کی حرمت اور عظمت ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی، اس سے وہ تجارت کرتے ہیں اور منافع کماتے ہیں، ان کے ہاں نقصان کا کوئی خانہ نہیں ہوتا، یہ لوگ اصل میں درندے ہوتے ہیں، سفاکی اور خشونت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔"
"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔" آصف کی بات سنتے ہوئے مجھے اس سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی، واقعی ایسا شخص منہ لگانے کے قابل نہ تھا۔

"ماہم! اس دفعہ شہری سے تم خود دوستی کرنا، اس لئے کہ غلطی تمہاری ہے، اس کی نہیں۔" نصرت نے پریم سے سمجھایا۔

"میں مناؤں، اس کو جانتی ہو کہ کتنا اڑیل ہے وہ اترا جائے گا۔" میں نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"عقل کی دشمن، آج تک وہ تم کو مناتا رہا ہے یا نہیں۔"

"ہاں، اس نے ہی منایا ہے ہمیشہ۔"

"اس دفعہ تم مناؤ گی تو کیا ہو جائے گا۔" جب کہ تم اپنی غلطی تسلیم بھی کرتی ہو۔"

"نہیں بھئی، یہ میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔ یہ کام میں نے آج تک نہیں کیا۔"

"بے وقوف لڑکی، یہ بے جا انا اور خودداری کی تلوار سونت رکھی ہے۔ اس کو نکال کر پھینک دے، وہ جب تجھے اتنا چاہتا ہے تو تجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

"پروا تو بہت ہے، یہ میں کب کہہ رہی ہوں مجھے کیا معلوم کہ وہ مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔" میں نے آنکھیں بند کر کے جھوم کر کہا۔

"اُفوہ، ڈائیلاگ، میرے سامنے بولنے کی ضرورت نہیں ہے، جس کے سامنے بولنے چاہئیں وہیں بول دینا، ہاں ریہرسل کرنی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" نصرت نے شوخی سے دیکھا۔

"ایک ہاتھ لگاؤں گی تیرے، کچھ زیادہ ہی اترا گئی ہے، جانتی نہیں شہری کو، کتنی اکڑفوں والا ہے، میں مناؤں گی، تو وہ ماش کے آٹے کی طرح مزید اینٹھنے لگیں گے، خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ناک نہیں کٹ جائے گی تمہاری منانے سے، آخر وہ بھی تو تجھے ہمیشہ مناتا ہی رہا ہے، اس دفعہ تو اس کی دلداری کر لے گی تو کیا فرق پڑ جائے گا، میرا تو یہ خیال ہے کہ اس بات سے وہ بھی خوش ہو جائے گا، اس کے دل میں پڑی ہوئی گرہ بھی کھل جائے گی، محبت کرنے والوں کے دلوں میں بدگمانیوں کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ میری سہیلی ہیں یا شہری کی وکیل، مسلسل اس کی حمایت کر رہی ہیں، کیا فرق پڑ جاتا کہ اگر آپ محترمہ میری حمایت میں دو بول بول دیتیں۔"

"میری چندا! یہ بھی تیرا ہی ساتھ ہے کہ تو ہنسی خوشی رہے۔ تیری راہ میں کوئی پریشانیاں نہیں آئیں، پر خلوص سہیلیاں درست مشورے دیتی ہیں، اونگے بونگے نہیں۔" نصرت نے میرے کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگاتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا، منالوں گی، اسے معافی بھی مانگ لوں گی اس سے، اب تو خوش ہو ناں۔" میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ہاں، یہ ہوئی ناں بات، دوست ہو تو ماہم جیسی۔" نصرت کے چہرے پر روشنی سی بکھر گئی۔

♥ ♥ ♥

تانیہ سے ضمیر بھائی کا میل جول رنگ دکھا رہا تھا، وہ آتی اور سیدھے ضمیر بھائی کے کمرے کا رخ کرتی اور چند ہی منٹوں میں وہ دونوں باہر چلے جاتے، باجی اور ابا جان کو وہ مکھی مارنے والے انداز میں سلام کرتی، مجھے دیکھ کر تو صرف وہ گردن کو ہلکے سے خم دے کر کام نکل جاتا تھا۔

ابا جان کو ضمیر بھائی کی یہ روش بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی، اور نہ ہی وہ تانیہ کو دیکھ کر کسی قسم کی خوشی کا اظہار کرتے تھے۔

"مجھے ظہیر سے اس قسم کی بے ہودگی کی قطعی توقع نہیں تھی اس امیر زادی کے عشق میں وہ بالکل ہی پاگل

ہو گیا ہے۔" وہ مایوسی سے بولے۔

"عشق میں سب پاگل ہی ہو جاتے ہیں، اگر یہ پاگل پنا نہ ہو، تو عشق ہی کیا۔" ارتقاء باجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اسے گھر میں موجود دیگر لوگوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے، سب کے سامنے، دھجی سا دوپٹہ گرائے وہ صاحبہ آتی ہیں اور ضمیر ان کے پیچھے یوں چلتے ہیں جیسے انکے پالتو کتے۔"

"ابا جان، شکر ہے کہ وہ صاحبہ، کان سے پکڑ کر نہیں لے جاتیں، ورنہ یہ مظاہرے بھی دیکھنے میں آ سکتے تھے۔" میں ہنسی۔

"ارتقاء تم ہی کچھ کہو اسے، ورنہ میں نے ڈانٹ دیا تو منہ بناتا پھرے گا۔"

"ابا جان، اب کہنے سننے کا وقت نہیں رہا، آپ ان دونوں کی شادی کر دیں اور بس۔" باجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شادی کرنا، کیا گڑیاں گڈوں کا کھیل ہے کہ ہم کل یا پرسوں کر دیں۔"

"ہاں ابا جان، اب ایسے ہی شادیاں ہوتی ہیں۔ ہر چیز بازار سے مل جاتی ہے، کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے ناں کہ "لڑکے کی بری بازار میں کھڑی۔"

"پھر بھی مہمانوں کو جوڑنے میں ٹائم تو لگے گا۔" وہ روہانسے سے ہو گئے۔

"یہ کام بھائی جان خود ہی کر لیں گے۔" ارتقاء باجی نے متانت سے سمجھایا۔

ضمیر بھائی سے بات کی تو وہ بھی کھل گئے۔ بات ان کی مرضی کی بھی تھی اور خواہش کے عین مطابق بھی۔

"میں آسٹریلیا کے میچ سے فارغ ہو آؤں، اس کے بعد رکھ لیتے ہیں۔" ضمیر بھائی خوش دلی سے مسکرا رہے تھے۔

"کیا بری خریدنے جا رہے ہیں، آسٹریلیا؟" باجی کو ہنسی آ گئی۔

"یہ کام تو تم لوگوں کا ہو گا، مجھے کیا پتا کہ بری کیا ہوتی ہے۔" وہ مسکرائے۔

"شادی ہو لینے دو، بری، بکری کا سب پتا چل جائے گا۔" ابا جان بھی ہنس رہے تھے۔

"ضمیر بھائی آپ آسٹریلیا کے میچ سے کب تک فارغ ہو جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"آتے آتے چھ ہفتے تو لگ ہی جائیں گے پھر کچھ عرصے بعد انگلینڈ میں سیریز شروع ہو جائے گی، شادی اس لحاظ سے رکھ لیں گے کہ تانیا میرے ساتھ ہی انگلینڈ چلی جائے گی۔"

"آپ کا رشتہ لے کر ہم لوگ کب جائیں گے؟" میں نے وفورِ شوق سے پوچھا۔

"رشتہ تو وہ خود دے چکے ہیں، اس کے لئے بہنوں کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ابا جان نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور ضمیر بھائی کٹ سے گئے، تانیہ کے ساتھ ان کی بے تکلفی اتنی ظاہر ہو چکی تھی کہ وہ اس معاملے میں کچھ کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔

گھر کی ایک ایک بات رائی سے رتی تک وہ تانیہ کو بتاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شام ہی کو نغمی کا فون آ گیا۔

"ضمیر بھائی آسٹریلیا سے آ جائیں، آپ سب لوگ باقاعدہ رشتہ لے کر آیئے گا۔" ہم نے تمام رسموں کی مووی بنوانی ہے۔"

"غیر سرکاری طور پر تو رشتہ جا چکا ہے۔" میں ہنسی۔

"ظاہر ہے، اصل مرضی اور پسند تو لڑکے کی ہی ہونی چاہیے، ضمیر بھائی اگر تانیہ پر عاشق ہو چکے ہیں تو اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔" نغمی نے بھی چوٹ کی۔

”افوہ میں کوئی قصور والوں کے نام تھوڑی پوچھ رہی تھی، ان معاملوں میں تو دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجتی ہیں۔“ میں نے بھی فوراً ہی بدلہ لے لیا۔

”لیو دس ٹاپک! یہ بتائیں کہ آپ کب آئیں گی۔“ نغمی کی ڈھٹائی بدستور قائم تھی۔

”جلد۔“ اس سے مختصر جواب دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔

”بہت بہتر۔“ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ضمیر بھائی میچ کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ فارغ اوقات میں میں اور باجی ضمیر بھائی کی بَری بنانے کی تفصیل بتاتے رہتے۔

نکاح کا غرارہ سرخ اور سبز ملا کر رکھیں گے، ولیمے کا فیروزی اور شاکنگ پنک کلر میں، چوتھی کا گولڈن کلر میں ہوگا، دعوتوں کے لئے بھی خوب بھاری بھاری سوٹ بنائیں گے، وہ ارمان جو ظہیر بھائی کی شادی میں نہیں نکال سکے تھے، اب ہم نکالنا چاہ رہے تھے۔ حرا کے آنے کے بعد ضمیر بھائی کے تمام کھڑتل رویوں کو ہم نے فراموش کر دیا تھا۔

”میں تو ضمیر بھائی کی برات میں دھانی دار غرارہ پہنوں گی۔“ اور ولیمے میں چوبیس کلیوں کا سیاہ شلفیون کا کرتا، سرخ شلوار سرخ کامدانی کے دوپٹے کے ساتھ۔“ میں وفورِ شوق سے کہتی۔

سارے پروگرام ضمیر بھائی کے آنے پر رکھے جا رہے تھے۔ لسٹ روزانہ ہی بن رہی تھی، جسے پڑھ پڑھ کر ہم خود ہی خوش ہو رہے تھے۔

ایک دن ابھی میں کالج سے آئی ہی تھی کہ ابا جان نے آواز لگائی۔

”چاندنی! آج پہلے تم ارتقاء کی بنی ہوئی لسٹ سن لو آج کھانا پکانے کا تو کوئی خاص اہتمام ہوا نہیں ہے۔ سارا دن بیٹھ کر ارتقاء لسٹ ہی بنا رہی ہیں۔“

”ہاں بھئی، لسٹ جلدی سے سنائیں۔“ میں وہیں قالین پر نیچے بیٹھ گئی۔

”دلہن کے لئے ایک تین لڑی کا سیٹ گلوبند سمیت، اسی ڈیزائن کا ٹکا اور اسی ڈیزائن کا جھومر، دو سیٹ ہلکے لے لیں گے اور چھ چوڑیاں، دو کڑے۔“ باجی نے زیورات کی تفصیل بتا کر مجھے دیکھا۔

”مگر یہ تمام زیور کم از کم دو لاکھ میں آئیں گے اور ضمیر بھائی کے پاس پانچ چھ ہزار بھی نہیں ہیں۔“ میں نے انہیں یاد دلایا۔

”اب ہوں گے، بلکہ بہت زیادہ ہوں گے۔“ باجی ہنستے ہنستے یک دم سنجیدہ سی ہو گئیں۔ شاید ضمیر بھائی کی باتیں یاد آ گئی تھیں۔

”میرے پاس پچاس ہزار تو کیا پانچ ہزار بھی نہیں ہوں گے۔“ آج میں اگر کسی سے قرض مانگ کر، حرا کے لئے تاوان کا انتظام کر لوں، تو کچھ ہی دنوں بعد ڈاکو ابا جان کو اٹھا کر لے جائیں گے۔“

”بہت بڑا اکر کٹر ہے۔“

”بہت پیسہ ہے اس کے پاس!“

کہاں تو باجی ہنس رہی تھیں مگر چند ہی لمحوں میں ان کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا تھا۔

یہ باجی کی عادت تھی کہ ہر بات کو بے حد محسوس کرتی تھیں۔

غلطی میری ہی تھی کہ ایسے موقعے پر مجھے ضمیر بھائی کی کسی ایسی بات کا حوالہ دینا ہی نہیں چاہیے تھا جو واقعی افسوس طلب بھی تھی۔

اس وقت ذرا سی بات باجی کے برچھی بن کر لگی تھی۔ اور شاید لگنی بھی چاہئے تھی ضمیر بھائی کے جملے تازیانوں سے کم نہیں تھے۔

فہرست کی لسٹ ان کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا پڑی۔ جسے اٹھانا بھی انہوں نے ضروری نہیں سمجھا۔

ابا جان علیحدہ مجھے تاسف سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے ارتقاء باجی کا سارا موڈ چوپٹ کر دیا۔

”ایمان سے باجی، بَری کے لئے، اس سے زیادہ خوبصورت انتخاب ہو ہی نہیں سکتا، ہماری بھابھی جان سج جائیں گی، ایک آدھ دن میں بازار چلیں گے۔ ڈیزائن بھی پسند کر لیں گے کیا خیال ہے۔“ میں نے ترنگ میں آ کر کہا۔

”دیکھا جائے گا۔“ وہ بدستور کھوئی کھوئی سی تھیں۔

”زیور تو بہت مناسب ہے مگر دلہن کے کپڑے کیسے ہوں گے۔“ میں نے ان کی توجہ ہٹائی۔

”کپڑوں کے بارے میں، ضمیر بھائی خود پوچھ لیں گے۔“ مجھے کیا معلوم کہ وہ کیسے کپڑے پہننے پسند کرتی ہیں؟“

”ارے واہ! معلوم کیوں نہیں ہے، سب دلہنیں ایک جیسے ہی کپڑے پہنتی ہیں اور ضمیر بھائی تو یہ کام ہمارے سپرد کر کے گئے ہیں۔ اس لئے ہم لوگ پچیس جوڑے رکھیں گے، دس جوڑے خوب بھاری، دس درمیانی اور پانچ جوڑے سرکاری نوعیت کی سو برسی تقریبات اٹینڈ کرنے کے لئے۔“ میں نے انگلیوں پر گن کر بتائے۔

”اور جب وہ محترمہ ضمیر بھائی کے ساتھ ان کے باہر میچز دیکھنے جائیں گی، اس کے لئے کتنے جوڑے تیار کرو گی؟“ باجی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔

”تو پھر اسکرٹ لینے پڑ جائیں گے۔“ میں نے کان میں سرگوشی کی۔

”اس قسم کی خرافات تو ان کے جہیز میں از خود ہوں گی۔“ باجی کو بھی اندازہ ہو رہا تھا۔

”اتنے دن ہو گئے شہری آیا نہ ہی تمہارے ماموں ممانی، ان لوگوں کو تو پتا نہیں ہوگا کہ یہاں ضمیر کی شادی کے پروگرام بن رہے ہیں۔“

کل کالج سے واپسی پر، میں ماموں جان کے ہاں چلی جاؤں گی، بتا بھی آؤں گی، اور اگر ماموں آئے تو ان کو ساتھ بھی لے آؤں گی۔“

اگلے دن میں ماموں کے ہاں تھی۔

”اتنے دنوں بعد آئی ہو، اتنی دفعہ شہری سے کہلوایا، پھر بھی آیا نہیں گیا۔“ ممانی شکایتی لہجے میں بولیں۔

”آپ نے شہری سے کہا تھا؟“ میں بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

”مجھے لو بلڈ پریشر کی اتنی شکایت رہی، میں نے شہری سے کہا کہ ماہم سے کہنا کہ دو چار روز کے لئے آ جائے مگر تم آئی ہی نہیں۔“ ممانی جان بدستور برا مان رہی تھیں۔

”اگر شہری کہتا تو میں کیا ہم سب ہی آپ کے پاس آتے۔“

”تو کیا اس نے نہیں کہا تھا۔؟“ وہ حیرت زدہ تھیں۔

”نہیں، وہ تو آیا ہی نہیں۔“ میں نے سادگی سے بتایا۔

”پھر کہاں اڑا پھرتا ہے، رات گئے تو وہ گھر میں داخل ہوتا ہے۔“ وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھیں۔

اور پھر وہ آ گیا، اپنے آفس سے سیدھا گھر ہی آتا تھا، مجھے دیکھا تو نظر انداز کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”شہری! تم نے کہا تھا ماہم سے جا کر میں نے بلایا ہے؟“ ممانی جان اسے کھانا دیتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

”نہیں۔“ وہ نظریں نیچے کئے کھا رہا تھا۔ مجال ہے کہ ایک نظر مجھے دیکھتا۔

"کیوں نہیں کہا؟" انہوں نے پوچھا۔
"ضروری نہیں سمجھا تھا۔" وہ پلیٹ پیچھے کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا
"ایسا خودسر ہو گیا ہے کہ توبہ بھلی، جو اپنے دماغ میں آئے وہی کرتا ہے، ماں کی بات کی تو پرواہ ہی نہیں رہی ہے۔" ممانی جان بڑبڑا رہی تھیں۔
اور جب شام کی چائے لے کر، میں نے اس کا کمرہ ناک کیا تو وہ تیار ہی کھڑا تھا۔
"آپ امی کے ساتھ چائے پیجیے، میں نے کہیں جانا ہے۔"
"شہری! ناراض ہو مجھ سے۔" کپ میز پر رکھ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"جی نہیں، میں ناراض ہو کر کیا کروں گا بھلا۔" وہ چبا چبا کر بولا۔
"چلو غصہ تھوک دو، غلطی واقعی میری تھی، تمہاری نہیں۔" میں نصرت کا رٹایا ہوا سبق دہرا رہی تھی۔
"ماہم صاحبہ، آپ کو تو معافیاں مانگنے کی عادت ہے، پلیز اب اس عادت کو ترک کر دیں۔" لہجہ چٹخا ہوا تھا۔
"شہری طنز مت کرو، اور نہ ہی ایسے لہجے میں بولو، جس سے مجھے تکلیف ہو، تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"
"اچھا تکلیف کا احساس تمہیں بھی ہوتا ہے۔" وہ تمسخر سے ہنسا۔
"پلیز، شہری اب بات کو ختم کر دوں نا، جانتے ہو تم کہ میں تم سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی پھر بھی۔" میں نے محبت سے دیکھا۔
"مگر میں رہ سکتا ہوں۔" وہ بے رحمی سے ہنسا۔
"لگتا ہے، ناراضگی کچھ زیادہ ہی ہے۔" مجھے اس کے لہجے میں خفگی رچی ہوئی نظر آ رہی تھی۔
"ناراضگی کیسی بھئی......؟ میں تو کسی سے ناراض نہیں ہوں اور آپ جیسی ذہین و فطین شخصیت سے کیونکر ناراض ہوں گا۔" اس نے میری جانب سے پشت کر لی، یوں جیسے، اپنے چہرے کے تاثرات مجھ سے چھپانا چاہتا ہو۔
"میں نہ ذہین ہوں نہ ہی عقل مند، مجھ جیسی لڑکیاں تو زندگی سے ٹھوکر کھا کر تجربہ سیکھتی ہیں کاش مجھے لوگوں کی پرکھ ہوتی تو زندگی اتنی دوبھر نہ ہوتی۔" میں نے اپنے آپ سے کہا۔
"ارے، ارے ایسا تو نہ کہیے، آپ کی بہرحال ایک پرسنالٹی ہے اور جس کا آپ کو زبردست احساس بھی ہے، لوگ خواہ مخواہ ہی آپ کے قدموں میں پچاس لاکھ ڈھیر نہیں کر رہے تھے یہ کوئی معمولی رقم نہیں ہے، اور میری مانیں تو سچی بات یہ ہے کہ یہ رقم حرا کے لیے نہیں، صرف آپ کے لیے دی جا رہی تھی۔"
شہری کے جملے نہیں تھے طمانچے تھے جنہیں میں محسوس کر رہی تھی۔
"مت ذکر کرو تم آصف کا۔"
"کیوں ناگوار گزر رہا ہے، حالانکہ میں تو ان اعلیٰ حضرت کو کچھ نہیں کہہ رہا اور نہ ہی میرا مقصد ان کی بے عزتی کرنا ہے، ماشاءاللہ خوبرو ہیرو ہیں، لاکھوں دلوں کی دھڑکن بے وجہ تو نہیں بنے......اور......"
"پلیز شہری مت نام لو، اس ذلیل کا، وہ دھوکے باز، مکار اور فریبی انسان ہے، اس نے جھوٹ بولا تھا مجھ سے۔" ہانپتے ہوئے میں نے شہری کی بات کاٹی۔
"ارے نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی، وہ موصوف جب اصل صورتِ حال کی وضاحت کریں گے تو آپ پھر سے ایمان لے آئیں گی۔ ایسا ہی ہو رہا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا۔" اس کا لہجہ انتہائی ایذا کن تھا۔
"شہری، کیا کہہ رہے ہو تم؟" میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا، جہاں میرے لیے بیزاری ہی

بیزاری تھی۔
"ماہم صاحبہ! بات یہ ہے کہ میں آپ کو پہچان گیا ہوں اور اب مزید بے وقوف بننا نہیں چاہتا۔" وہ سرد سے لہجے میں بولا۔
"شہری!" میں چیخ پڑی میرا دل چاہا کہ اس کا چہرہ طمانچوں سے سرخ کر دوں۔
کتنی تذلیل کر رہا تھا وہ میری۔
وہ ایسا تو نہیں تھا، جیسا کہ ظاہر کر رہا تھا۔
"تم بہت برے ہو، بہت برے۔" میں دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔
"چلو ایک بات تو تم نے تسلیم کی۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔
میں نے ہاتھ ہٹا کر دیکھا۔
وہ کپ کی چائے واش بیسن میں ڈال رہا تھا۔
"مجھے امید ہے کہ اب آپ اس برے شخص سے کسی قسم کا کوئی بھی ناتا نہیں رکھیں گی۔" لہجہ ہتک آمیز تھا۔ "شہری! کیا تم مجھے واقعی معاف نہیں کرو گے۔" میں نے اپنی ساری آن اور خودداری کا گلا گھونٹتے ہوئے اسے دیکھا۔
وہ ایک لمحے کے لئے مڑا۔
میری روئی ہوئی سرخ سرخ آنکھوں میں جھانکا۔
"سچی بات سنو گی تم؟"
"ہوں۔" میں نے اپنی ہچکیوں کو بہ مشکل روکا۔
"اب مجھے، تم سے سخت نفرت ہو چکی ہے، سخت نفرت۔"
اس نے دانت پیس کر کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا!

میرے غرور کے آئینے میں بال آ چکا تھا۔ شہری کے جھنجلائے ہوئے انداز اور اس کے جارحانہ لہجے میں میرا دل دھڑکا دیا تھا۔
شہری ایسا تو نہیں تھا، جیسا کہ اس نے پوز کیا تھا، میں سوچ رہی تھی اور دل کا بوجھ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔
"باؤلا سا پھر رہا ہے آج کل، سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہ اسے ہو کیا گیا ہے۔ بات کرو تو چیخ کر دوڑتا ہے، نہ لحاظ رہا ہے اور نہ مروت، پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اسے؟"
"پوچھ پوچھ کر تھک گئی ہوں، مگر مجال ہے کہ کچھ زبان سے پھوٹے۔" ممانی جان گو اصل صورت حال سے لاعلم تھیں مگر اسے غصے سے باہر جاتا دیکھ کر اندازے ضرور لگا رہی تھیں۔
اور میں ساکت و صامت ایک ٹک دروازے کو ہی گھورے چلی جا رہی تھی جسے وہ ٹھوکر مار کر گیا تھا۔
"شہری سے کب سے کھٹ پٹ چل رہی ہے؟" میرا پژمردہ چہرہ دیکھ کر وہ پوچھ رہی تھیں۔
"نہیں تو، ایسی کوئی بات نہیں۔" میں چونکی ہو کر زبردستی مسکرائی۔

"اوں ہوں، بات کوئی ہے ضرور، ورنہ وہ یوں اکل کھرا نہ بنتا، میں اس کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔" ممانی جان مسلسل مجھے کھوج رہی تھیں۔

"اب میں کیا کہوں آپ سے۔" میں تذبذب میں پڑ گئی۔

"مجھے بتا دینے میں کوئی حرج نہیں تاکہ مجھے بھی تو معلوم ہو کہ موصوف کے دماغ، آج کل کیوں ساتویں آسمان پر ہیں، گھر میں دل ہی نہیں لگ رہا۔ جب دیکھو باہر، ورنہ اتنی مصروفیات تو اس نے کبھی نہیں پالی تھیں، جتنی ان دنوں میں۔"

"آج کل وہ ناراض ہے مجھ سے۔" میں نے نظریں جھکا کر اعتراف کر لیا۔

"جب ہی تو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر مسکرا دیں۔

"ممانی جان، میں نہیں چاہتی کہ وہ مجھ سے ناراض رہے مگر لگتا ہے، وہ بہت زیادہ روٹھ گیا ہے۔" (اس کا بے رحم لہجہ مجھے پھر ڈس رہا تھا۔ "مجھے تم سے نفرت ہے، نفرت ہے۔")

"بے فکر رہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کا تمام غصہ وقتی ہوتا ہے، وہ اپنی غلطی بہت جلد تسلیم کر لیتا ہے۔ یہ عادت ہے اس کی۔" وہ میری پیٹھ تھپتھپا کر تسلی دے رہی تھیں مگر میرے آنسو ان مول موتیوں کی طرح گر رہے تھے۔

"ارے، میری گڑیا، اتنا سا دل ہے، آنے دو آج گھر، دیکھنا کیسی خبر لیتی ہوں۔ سیدھا معافی مانگنے آئے گا تم سے۔" وہ مجھے چمکار کر تسلیاں دے رہی تھیں۔

"پلیز، ممانی جان، آپ شہری سے کچھ مت کہیے گا، مجھے معلوم ہے کہ اس کا غصہ خود ہی اتر جائے گا۔"

"نہیں بھئی آج میں اس کے کان تو ضرور کھینچوں گی کہ میری چاندنی کو کیوں پریشان کر رکھا ہے؟ دیکھ لینا، کیسا دوڑتا ہوا آئے گا......" وہ مسکرا رہی تھی۔

"مگر اس دفعہ اس کی کوئی غلطی نہیں ہے، وہ ہرگز نہیں آئے گا۔" میں دل میں سوچ رہی تھی۔

"ارے تم پھر پریشان ہو گئیں مجھ پر پورا بھروسا رکھو۔" ممانی جان نے مجھے سینے سے لگا کر تسلی دی۔

اور میں اپنے آنسو پی کر مسکرا دی، ماموں جان کو میرے ساتھ آئے تھے مگر میں کھوئی کھوئی سی تھی۔ شہری کی ناراضگی مجھ پر الگ بھالے مار رہی تھی۔

وہ مجھ سے روٹھ گیا تھا اور کسی صورت اپنی خفگی ختم نہیں کر رہا تھا۔ غلطی میری اپنی تھی، اس کے باوجود اس کے تلخ جملے، میری کنپٹیوں پر ضربیں لگا رہے تھے۔ شاید ہم اپنے پیاروں کی نفرت برداشت ہی نہیں کر پاتے، دل ہزاروں تاویلیں دے رہا تھا کہ شہری کے بظاہر کھردرے لہجے اس کی دلی کیفیات کی امین نہیں ہو سکتے۔ اس نے ایسا سب کچھ غصے میں کہا تھا، وہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اس کے دل میں میری چاہت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اس کے باوجود میں اس کی آنکھوں کی سفاکی اور لہجے کا کسیلا پن کسی صورت بھلا نہیں پا رہی تھی۔

"ایک بات غور سے سنو گی کہ مجھے تم سے سخت نفرت ہے، سخت نفرت......"

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔" ایک شب میں سوتے میں بری طرح چیخ پڑی تھی۔ گھر کے سب لوگ میرے کمرے میں جمع ہو گئے تو مجھے حقیقت کا احساس ہوا۔

"کیا ہوا بیٹے؟" ابا جان میرا سر سہلا رہے تھے۔

"باجی، میرے ہاتھ پکڑے بیٹھی تھیں اور ان کی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ڈراؤنا خواب تھا، اسی لئے ڈر گئی۔" میں نے خفت سے پسینہ پونچھا جو میرے مساموں سے بارش کی طرح بہہ رہا تھا۔

"ہزار دفعہ کہا ہے کہ قرآنی آیات پڑھ کر سویا کرو، مجال ہے کہ کبھی ڈراؤنا خواب نظر آجائے۔" ابا جان

تاکید کر رہے تھے۔

"میں پڑھتے پڑھتے سو گئی تھی۔ دیکھئے، کالج کی کتابیں میرے سرہانے کھلی رکھی ہیں، آج تو عشا کی نماز بھی قضا ہو گئی، جب ہی تو ڈراؤنا خواب نظر آیا۔ حالانکہ دو بجے کے بعد تو میں سونے کے لئے لیٹی ہوں۔"

"اتنی رات گئے تک مت پڑھا کرو، طبیعت خراب ہو جائے گی۔" ابا جان میری کتابیں سمیٹتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"کالج میں اتنی پڑھائی ہو چکی ہے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح کور کروں گی، جب ہی تو فیل ہونے والا خواب دیکھ لیا۔" میں نے بمشکل ہنستے ہوئے کہا۔

"ذہنی پریشانیاں تو ختم ہو چکی ہیں، خدا کا احسان ہے کہ حرا گھر آ گئی ہے، اب یکسوئی سے پڑھو، سب کور کر لو گی۔" ابا جان میرا شانہ تھپکتے ہوئے بولے۔

"کیا میری ذہنی پریشانیاں ختم ہو گئی ہیں......؟" میں نے اپنا دکھتا ہوا سر تھام کر دل میں سوچا۔

سچ سچ بتا، ماہم، خواب میں کیا دیکھا تھا......؟ باجی ہنوز مجھے کرید رہی تھیں۔

"بتایا تو ہے کہ خواب میں فیل ہو گئی تھی، اس لئے چیخ پڑی۔"

"واقعی یہی دیکھا تھا خواب......؟" وہ ابھی تک درزیدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا فیل ہونا کوئی معمولی غم ہے، میں تو خواب میں سارے ہی پرچوں میں فیل ہو گئی تھی۔" رکے ہوئے آنسو، پھر بے تابی سے سبقت لے جانے لگے۔

"ارے، فیل ہوں تیرے دشمن، کیوں دل چھوٹا کرتی ہے۔ میں ہیلپ کروں گی، ٹیوٹر رکھنا ہے تو رکھ لے مگر اس طرح پریشان تو مت ہو۔" باجی کو بھی میری بات کا یقین آ ہی گیا اور میں گہری سانس لے کر دوبارہ لیٹ گئی۔

حرا میری گود میں بیٹھی خوب باتیں کر رہی تھی اور میں اسے ہوں، ہاں میں ٹالے چلی جا رہی تھی، ماموں جان کے گھر سے آئے ہوئے آج مجھے پندرہ دن ہو گئے تھے۔ ممانی جان نے کہا تھا کہ وہ شہری کو سمجھائیں گی تب وہ از خود میرے پاس آ جائے گا مگر شہری ایک دفعہ بھی نہیں آیا، ماں کے کہنے کے باوجود بھی نہیں۔

اس کی بڑھتی ہوئی ناراضگی، میرے دل پر چرکے لگا رہی تھی۔ اتنا سخت دل تو وہ کبھی بھی نہیں تھا، جیسا کہ اب خود کو ظاہر کر رہا تھا، یقیناً وہ مجھے ایک اچھی لڑکی نہیں سمجھتا، جب ہی وہ مجھ سے دور ہو گیا ہے۔

"کیا میں ایک بری لڑکی ہوں......؟" یہ سوال میں اپنے آپ سے کر رہی تھی، دل و دماغ پر جھکڑ سے چل رہے تھے۔

میں نے تو صرف حرا کے لئے یہ قدم اٹھایا کہ آصف پر اعتبار کر بیٹھی تھی خدا گواہ تھا کہ آصف کی محبت نے پورے دل میں ہرگز سر نہیں اٹھایا تھا۔ اور نہ ہی کسی ایسے جذبے سے مغلوب ہو کر، میں اس کے پاس گئی تھی۔

مگر شہری بھی ایک مرد تھا، اور شاید ایک مرد کا اعتبار حاصل کرنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے اور میں یقیناً شہری کا اعتبار کھو بیٹھی تھی۔

"اب کیا ہو گا......؟" دل کے اندیشے ناگ بن کر سر اٹھا رہے تھے اور میرا سر گھوم رہا تھا۔

"آنٹی، میری بڑی گڑیا کی چھوٹی گڑیا سے لڑائی ہو گئی ہے، منی گڑیا کو میں نے سزا دی ہے، وہ اپنا جوتا بار بار اتار دیتی ہے امی کہتی ہیں کہ جوتا اس کے بڑا ہے مگر وہ گندی ہے، میں نے اس کے پیروں پر دو اسکیل مارے ہیں۔" حرا کسی چابی کی گڑیا کی طرح اپنے کھلونوں کی روداد سنا رہی تھی۔

"حرا، چپ ہو جاؤ۔" میں نے اسے گود سے اتار کر اپنی کنپٹیاں دوبارہ تھام لیں۔

"ماہم، کیا ہوا تجھے......؟" ارتقاء باجی اپنے بال سنوارتے ہوئے ہی رک سی گئیں۔

"کچھ نہیں......" میں نے نظریں چرائیں۔

"مجھ سے جھوٹ بولتی ہو۔" انہوں نے میرا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"ارے، کوئی بات بھی ہو، خوامخواہ میں ہی۔" میں ہنسی......یوں جیسے کوئی رو رہا ہو۔

"دیکھ ماہم، تجھے میری قسم، تو سچ سچ بتا کہ بات کیا ہے......؟" باجی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے محبت سے پوچھ رہی تھیں۔

"سر میں سخت درد ہے اور دل گھبرا رہا ہے۔" میرے ہونٹ کانپے اور دو آنسو لڑھک کر باجی کے ہاتھوں پر آن گرے۔

"پگلی، اپنی طبیعت کی خرابی کے بارے میں بھی چھپاتی ہو آؤ میرے پاس۔" باجی نے وہیں کوچ پر لٹا کر میرا سر دبانا شروع کر دیا۔ کھاتی پیتی ہو نہیں اور رات گئے اتنی دیر تک پڑھتی ہو تو سر میں درد تو ہو گا ہی۔" ان کا لیکچر بدستور جاری تھا۔

"آپ کو پتا ہے کہ اس دفعہ کے تمام ٹیسٹوں میں، میں فیل ہو گئی ہوں۔" میں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ اب محنت کر لو، پاس ہو جاؤ گی۔ ذہین تو تم ہو ہی مگر اپنی صحت کا بھی خیال رکھو، چہرہ دیکھو کیسا سرسوں جیسا ہو رہا ہے۔" وہ ایک گلاس دودھ میں اوولٹین ڈال کر دیتے ہوئے بولیں۔

"میں کہاں ذہین ہوں، اگر ذہین ہوتی تو آج یہ چوٹ نہ کھائی ہوتی۔ میں تو بہت بے وقوف ہوں، میں نے بے بسی سے پوچھا اور دودھ کا گلاس ہاتھ میں کانپنے لگا۔

"افوہ، اب پی بھی چکو۔" باجی نے بال سنوارتے ہوئے دوبارہ کہا۔ آج فرحین نے انہیں بطور خاص اپنے گھر میں مدعو کیا تھا۔

دودھ پی کر میں وہیں لیٹ گئی۔ شدتِ غم میں نہ جانے کیوں خاموش پڑے رہنے کو دل چاہتا ہے، اس حقیقت کا ادراک پہلی دفعہ مجھے ہو رہا تھا۔

دل بس یہی چاہ رہا تھا کہ کوئی مجھ سے بات نہ کرے اور میں چپ چاپ لیٹی رہوں۔

"ماہم، میرے ساتھ تم بھی فرحین کے ہاں چلو، تمہاری طبیعت بھی بہلے گی، ٹیسٹ میں فیل ہو کر کوئی یوں اٹوائی کھٹوائی لے کر نہیں پڑتا۔" وہ اپنی فانسی ساری کا پلو ٹھیک کرتے ہوئے بولیں۔

"اس وقت میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے، تھوڑی دیر سو جاؤں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائیگی۔" میں حرا کو پیار کرتے ہوئے اپنے کمرے میں بڑھ گئی۔

"ٹھیک ہے بھئی، کرو آرام، ہم تو جا رہے ہیں۔" وہ حرا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئیں، گاڑی بھی فرحین نے بھجوائی تھی۔

♥ ♥ ♥

امریکا میں ظہیر بھائی کے ہاں لڑکا ہوا تھا۔ خط کے ساتھ بہت ساری تصویریں بھی آئی تھیں۔ بچہ خوب گل گوتھنا سا تھا، ظہیر بھائی بھی بھاری نظر آ رہے تھے۔ ثمرین بھابھی کے چہرے پر بھی بشاشت تھی۔

ابا جان، تصویریں دیکھ کر اس قدر خوش ہو رہے تھے کہ اپنی ساری ناراضگی بھلا بیٹھے تھے۔

"ماہم! بچے کے لئے کچھ سامان بھجوا دیتے ہیں؟" وہ خوشی سے سرشار لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"مثلاً کیا کچھ بھجوانے کا پروگرام ہے؟" میں نے اپنی مسکراہٹ دبا کر انہیں کریدا

"یہی بچے کے لئے، دس پندرہ سوٹ، چند جوڑے ظہیر کے لئے اور کچھ کپڑے ثمرین کے لئے مٹھائی

کے سیل بند ڈبے وغیرہ۔ اگر کوئی لے جانے والا مل گیا تو شیر مال اور میٹھے پان بھی دے دیں گے۔" انہوں نے کسی معصوم بچے کی طرح روانی سے کہا۔

"مگر، آپ نے تو کہا تھا کہ اب ظہیر بھائی کو کچھ نہیں بھجوائیں گے۔" میں نے انہیں یاد دلایا۔

"ہم تو اپنے پوتے کی خوشی کی وجہ سے سامان بھیج رہے ہیں، اس کا ظہیر پر کیا احسان......؟"

"میٹھے پان، شیر مال اور مٹھائیاں آپ کا پوتا تو کھانے سے رہا۔" مجھے بھی چھیڑنے میں مزہ آ رہا تھا۔

مگر یہ سب چیزیں اسی کے طفیل بھیجی جا رہی ہیں۔" وہ ہنسے۔

اور جب بازار گئے تو حسب عادت لسٹ سے زیادہ چیزیں خریدیں۔

"اب اتنا بڑا پیکٹ امریکا لے جائے گا، ایک اٹیچی سے زیادہ کا سامان ہے۔" میں نے سامان دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب کیا کریں؟" وہ بھی متفکر ہو کر پھیلے ہوئے سامان کو دیکھنے لگے۔

"اس میں سے آدھی چیزیں ہم روک لیتے ہیں۔" مجھے پھر شرارت سوجھی!

"تم لوگوں کے لئے یہ سب چیزیں بیکار ہیں، روکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"کیوں نہیں فائدہ ہوگا، یہ تو ہمارے سوچنے کا کام ہے۔" میں ہنسی۔

"اچھا، یہ بچے کے ننھے ننھے سے سوٹ حرا کے آ سکیں گے۔" اب ہنسنے کی باری ان کی تھی۔

"کسی کو گفٹ دینے کے کام آ سکیں گے، آئے دن ہی کہیں نہ کہیں جانا ہوتا ہے۔ ثمرین بھابھی کے لئے خریدے گئے سوٹ، ان کے تو شاید بہت لمبے دیتے ہیں مگر ہمارے لئے پورے ہوں گے۔ ظہیر بھائی کے شلوار قمیص صحیح سوٹ آپ کے بھی آ ئیں گے کوئی چیز بھی بے کار نہیں جائے گی۔" میں باجی کو بھی اشارہ کیا

"نہیں بھئی، میرے پاس بہت کپڑے ہیں، وہی پہننے میں نہیں آتے تمہیں اور ارتقاء کو اگر یہ کپڑے پسند ہیں تو اس قسم کے اور خرید لاؤں گا، مگر جس کے نام سے جو چیز خریدی گئی ہے اسی کو ملنی چاہئے۔ ضمیر کے بہت سے جاننے والے، آئے دن امریکا جاتے رہتے ہیں، یہ سامان بھی انہی کے ہاتھ چلا جائے گا۔ پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں ابا جان، یہ سب سامان ظہیر بھائی کو ہی جائے گا۔ ماہم تو آپ کو یونہی تنگ کر رہی ہیں۔" ارتقاء باجی نے آخر بھانڈا پھوڑ ہی دیا۔

"میں سب سمجھتا ہوں، خوش مجھ سے زیادہ ہو رہی ہے۔ مگر اپنی خوشیاں مجھ سے چھپا رہی ہے۔ پگلی کہیں کی، یہ خوشیاں بھی بھلا سینت سینت کر رکھنے کی کوئی چیز ہیں جنہیں برتا نہ جائے، خوشی تو وہ خوش رنگ پھوار ہے جس کی ہر بوند اپنے اندر اتا لینی چاہئے کہ پتا نہیں یہ امرت پھر کب نصیب ہو۔"

بچہ ہو بہو ظہیر بھائی کی شکل کا تھا۔ ابا جان نے بچے کی تصویر بڑی کروا کر لاؤنج میں لگوا دی تھی اور آتے جاتے اسی کو دیکھتے رہتے، آنے والے کسی مہمان کی نظر، اگر اس تصویر سے چوک جاتی تو وہ بطورِ خاص تعارف کرواتے۔ "یہ میرا پوتا ہے۔" ایسے میں ان کی سرشاری دیکھنے سے تعلق رکھتی۔

اور تب میں یہ سوچ کر رہ جاتی کہ کوئی بھی رشتہ والدین کی برابری نہیں کر سکتا، اپنی اولاد سے وہ کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوں مگر دل سے بھی خفا نہیں رہ سکتے۔ ان کی محبت کسی زمین دوز ندی کی طرح ہوتی ہے جو ان کے دل میں موجود ہوتی ہے۔ ابا جان ظہیر بھائی کا خط بار بار پڑھ رہے تھے اور از خود مسکرا رہے تھے۔

کمال فرمانی صاحب کا ارتقاء باجی کے لئے رشتہ آیا تو سب ہی چونک گئے۔ اتنے خوبصورت، باوقار، بردبار اور مشہور شاعر نے باجی کو پروپوز کیا تھا۔ جو کنوارے بھی تھے اور باجی کے تمام تر حالات سے واقف بھی تھے۔

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ کمال صاحب کے لئے لڑکیوں کا کوئی کال ہایا شہر بھر کی لڑکیاں ان سے شادی کی خواہش مند نہ ہوں اور پھر کمال صاحب کی شخصیت کوئی معمولی نہیں تھی۔ان کی ہمراہی پر فخر کیا جا سکتا تھا۔ میں تو سن کر ہی خوش ہوگئی، ابا جان کے چہرے پر بھی طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔قدرت نے باجی کے دکھ یقیناً سمیٹ لئے تھے۔

کمال صاحب کے ہاں سے باقاعدہ رشتہ آیا، ان کے خاندان کی کئی عورتیں، مٹھائی، پان اور پھولوں کے ساتھ یہ خوبصورت بات کہنے کے لئے آئی تھیں۔

”انکل، آپ فوراً ہاں کر دیں۔“ فرحین، سرشاری سے کہہ رہی تھی۔

”آپ لوگوں کو سوچ کر جلد جواب دیں گے۔“ ابا جان نے رسمی طور پر کہہ دیا تھا ورنہ میرا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ”قبول ہے۔“ کا نعرہ بلند کر دوں۔ چونکہ ضمیر بھائی بھی باہر تھے اور ماموں جان سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا۔اس لئے ہامی فوراً نہیں بھری گئی۔

”ہم بہت جلد آئیں گے مگر اقرار سننے کے لئے۔“ فرحین شرارت سے کہہ رہی تھی اور میں خوش دلی سے مسکرا رہی تھی۔

”کمال بھائی زندہ باد۔“ مہمانوں کے جاتے ہی، میں نے ایک بڑا سا رس گلہ باجی کے منہ میں ٹھونس دیا۔

”یہ کیا بکواس ہے؟“ باجی نے مٹھائی منہ سے نکال کر باہر رکھ دی اور تیوری بھی خواہ مخواہ چڑھائی۔

”ارے، اب میں کیا کچھ کہوں گی، اب بکواس تو آپ کے شاعر صاحب کیا کریں گے۔ دیکھ لیجئے گا، چھ چھ غزلیں، ایک ساتھ آپ کے کانوں میں انڈیلیں گے۔ کوئی بعید نہیں کہ رونمائی میں ایک دیوان سننے کو ملے۔“ میں نے شوخی سے کہا، دائیں آنکھ بھی شرارت سے میچ لی تھی۔

”ماہم، چپ نہیں ہوگی تم۔“ انہوں نے ڈانٹ پلائی۔

”ارے باجی! اتنے عرصے بعد تو خوشی ملی ہے، اس کو تو انجوائے کرنے دیں۔ میری باجی بنے گی دُلہنیا......“ میں دھیرے سے گنگنائی۔

”ماہم، خدا کے لئے میرے کانوں میں زہر مت گھولو، مجھے نہیں چاہئیں ایسی خوشیاں جو مجھ سے میرا آپ چھین لیں۔“ وہ رو سی دیں۔

”ارے، یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟“ میں حیرت زدہ تھی۔

”تم جانتی ہو کہ حرا میری جان ہے، کیا میں اس کے بغیر جی سکوں گی۔“

”یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ وہ حرا کو قبول نہیں کریں گے!“

”رشتہ دلانے والوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ حرا کو اپنے جہیز میں لے آنا۔“ انہوں نے سسکی لی۔

”حیرت ہے باجی! سب کچھ جان کر بھی آپ اس نہج پر سوچ رہی ہیں۔ کمال فرمانی صاحب سے کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہیں۔ جب وہ جانتے ہیں کہ حرا آپ کی بیٹی ہے تو وہ کیونکر ایک ماں سے اس کی بیٹی جدا کریں گے۔“ میں نے رسان سے سمجھایا۔

”مگر وہ حرا کے باپ نہیں ہیں، انہیں کیوں ہونے لگے اس کی محبت۔“

”حرا سے تو اس کے سگے باپ نے بھی محبت نہیں کی، آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں۔“ مجھے غصہ ہی تو آ گیا۔

”جب ہی تو کہہ رہی ہوں کہ جس بدنصیب کو اس کے سگے باپ کا پیار نصیب نہیں ہوا تو سوتیلا کیونکر محبتیں نچھاور کر سکے گا۔“ وہ کھسیا کر بولیں۔

”آپ کی شادی کسی بھی شخص سے ہو، وہ حرا کا سگا باپ تو نہیں کہلائے گا، مگر ہو سکتا ہے کہ جو محبتیں اسے

باسط بھائی سے نہ ملی ہوں، وہ کمال صاحب سے مل جائیں، ہمیں اچھی امید رکھنی چاہئے کیونکہ کمال فرمانی صاحب ایک اچھے شخص ہیں جن کی نیکی اور اچھائی کی تعریف ہم ان کے پیٹھ پیچھے بھی کرتے ہیں۔“

”میں دوسری شادی نہیں کرنا چاہتی، زندگی گزارنے کے لئے ایک ہی تجربہ بہت ہے۔ کمال صاحب یقیناً اچھے انسان بھی ہوں گے مگر میں اس سلسلے میں ان سے کوئی ربط نہیں رکھنا چاہتی۔“ وہ دوٹوک لہجے میں بولیں۔

”آپ جانتی ہیں کہ بچی، بہت چھوٹی ہے، تانیہ کے اس گھر میں آنے کے بعد ہو سکتا ہے۔ کہ حرا بھی ان کی نظروں میں کھٹکے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ اپنا گھر بسا لیں۔“

”میں شادی کر کے اپنے لئے مزید مسائل پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ ابھی تو صرف حرا ہے، شادی کے بعد کمال فرمانی کا سلوک حرا کے ساتھ اچھا نہیں رہا تو میں کہاں جاؤں گی۔ اجڑی ہوئی بیٹی اولاد کے بوجھ کے ساتھ آئے تو سب کے لئے مصیبت ہوتی ہے اگر دوبارہ اجڑ کر آئی تو قیامت ہو جائے گی، پھر شاید اس گھر میں پیر دھرنے کی بھی جگہ نہ ملے۔“

”خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، آپ کی یہ سوچ سراسر غلط ہے۔“ میں نے سمجھایا۔

”میں کیا، میری سوچ کیا، میری صحیح سوچ بھی غلط ثابت ہوئی تھی۔ اب اس مسئلے پر میں مزید سوچنا بھی نہیں چاہتی، اخبار میں پڑھا ہے کہ ایک پرائیویٹ اسکول میں سائنس ٹیچر کی ضرورت ہے، گورنمنٹ اسکول کے مطابق تنخواہ دیں گے۔ اسکول بھی قریب ہے، ایم ایس سی فرسٹ کلاس کو یقیناً وہ ترجیح دیں گے۔ سوچ رہی ہوں کہ ملازمت کر لوں، حرا کو بھی نرسری میں ڈال دوں گی، یوں وہ میرے ساتھ ہی آ جایا کرے گی۔“

”کیسے پلان بنا رہی ہیں آپ! ضمیر بھائی کو آپ کا سروس کرنا یقیناً ناگوار گزرے گا۔“ میں نے بوکھلا کر کہا۔

”یہ تمہارا خیال ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔“ وہ مسکرائیں۔

”مگر سروس کرنے کی پخ آپ کے دماغ میں کیوں کر آئی، زمانہ طالب علمی میں تو آپ سروس کرنے کے بے حد خلاف تھیں، اب نظریات میں تبدیلی کیونکر آ گئی......؟“

”وقت ہی میرا نہ رہا، خیالات تو تبدیل ہونے ہی تھے، میں اپنا اور اپنی بچی کا خرچ خود اٹھانا چاہتی ہوں، آخر کب تک بوجھ بنوں گی، میں تانیہ کی دست نگر بن کر اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ اپنی اور اپنی بچی کی ضرورتوں کے لئے بھائی، بھاوج کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتی، اس سے پہلے کہ ضمیر بھائی کو کوئی احساس دلائے، میں خود ہی بندوبست کر لوں گی۔“

”آپ کی اس روش سے ابا جان کو کتنا دکھ ہوگا۔ یہ بھی سوچا ہے آپ نے، وہ آپ کو اور حرا کو کتنا چاہتے ہیں، کچھ احساس ہے آپ کو، ابا جان کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ ہم ہی لوگوں کے لئے تو ہے۔ ان سے کچھ لیتے ہوئے شرم کی بات تو نہیں، سدا سے وہ ہم پر خرچ کر رہے ہیں۔“ میں نے باجی کو سمجھانے کی آخری کوشش کی۔

”ہاں، یہی احساس تو مارے رکھتا ہے، مگر اب اس گھر میں ابا جان کا نہیں، تانیہ کا طوطی بولے گا، اور میں آنے والے وقت کے لئے خود ہی محتاط ہونا چاہتی ہوں تاکہ تانیہ کو یہ احساس نہ ہو کہ اس کے میاں کا پیسہ میری بچی پر بھی خرچ ہو رہا ہے۔ مجھے تو اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ ابا جان کا میرا اور حرا کا خصوصی خیال رکھنا بھی شاید تانیہ کی نظروں میں کھٹکے گا۔“

”باجی! یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، کس نے سکھائی ہیں یہ کڑوی کسیلی باتیں آپ کو...... ایسی تو آپ

ہرگز نہیں تھیں۔ کیا ہوگیا ہے آپ کو؟"

"وقت سب سے بڑا استاد ہوتا ہے اور جو لوگ وقت کی بات بھی نہیں سمجھ سکتے، وہ کہیں کے نہیں رہتے اور تم دیکھنا کہ ضمیر بھائی کے بارے میں بھی میرا خیال درست رہے گا، شادی کے بعد اکثر بھائی، پہلے شوہر ہوتے ہیں، اس کے بعد ہی کوئی دوسرا رشتہ انہیں قبول ہوتا ہے اور پھر تانیہ بھی اکل کھری ٹائپ لڑکی ہے۔ ضمیر بھائی شادی سے پہلے ہی اس کے اشاروں پر چل رہے ہیں۔ بعد کے حالات جیسے سنگین ہوں گے، میں انہیں پہلے سے دیکھ رہی ہوں۔" وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے پھول کی پتی پتی الگ کرتے ہوئے بولیں۔

"ایسی صورت میں تو آپ کو کمال فرمانی سے شادی کرنے میں کوئی تذبذب نہیں ہونا چاہیئے بقول آپ کے تانیہ کے آنے کے بعد گھر کا ماحول اور ضمیر بھائی کا رویہ بدل سکتا ہے تو کمال فرمانی صاحب کا گھر تو پھر آپ کا اپنا ہوگا۔" میں بدستور اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"ماہم پیاری! بات یہ ہے کہ اب میں اپنے آپ کو مزید تقسیم نہیں کر سکتی، باسط نے ایسا سبق سکھایا ہے کہ اب کسی مرد پر اعتبار کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"مگر کمال فرمانی صاحب باسط جیسے نہیں ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو مگر ایک دفعہ ٹھنڈے دل سے سوچو کہ ضمیر بھائی بھی ظہیر بھائی جیسے نہیں تھے، مگر انہی جیسے ہوگئے۔ فرض کرو کہ کمال صاحب بھی میرے یا بچی کے لئے بہتر ثابت نہیں ہوئے تو میں کہاں جاؤں گی یا تم لوگ مجھے تیسری شادی کا مشورہ دو گے کیا؟ میں بار بار سہاگ کا جوڑا لاد کر زندگی کے تجربے کشید کرتی رہوں گی۔ نہیں، اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے اب میں کسی نئے صدمے کا سامنا ہرگز نہیں کر سکتی۔ اب تو نہ ہی آنسو رہے اور نہ ہی حوصلہ۔" وہ کہہ رہی تھیں اور لفظ ان کے لبوں سے چیخ چیخ گر رہے تھے اور میں چپ چاپ ان کو تکے چلی جا رہی تھی۔

باجی کی بات کوئی ایسی غلط بھی نہیں تھی۔

❤ ❤ ❤

"باجی، بتایئے آپ کہ ہم لوگ کب آپ کا جواب لینے کے لئے حاضر ہوں۔" فرحین کا فون تھا جسے اتفاق سے ارتقاء باجی نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"لو ماہم آگئی ہے، تم اس سے بات کرو۔" باجی نے ریسیور مجھے پکڑا دیا۔

"لگتا ہے، ارتقاء باجی شرما گئیں۔" فرحین سرشاری سے کہہ رہی تھی،۔ "آخر میں کمال بھائی کی بہن ہوں، ان کی تو نند کہلاؤں گی، اب وہ دوبدو میرے سامنے اقرار کیونکر کر سکتی ہیں۔" فرحین نے کھکھلا کر مجھے بتایا۔

"نہیں بھئی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" مجھے اصل صورتِ حال کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"اچھا تو پھر آپ ہی بتایئے کہ ہم کب منہ میٹھا کرنے آئیں؟" اس کے لہجے میں گلاب سے کھل رہے تھے۔

"باجی نہیں مان رہیں......" میں نے دکھ سے کہا۔

"مگر، کیوں؟" اسے حیرت تھی کہ کمال فرمانی کا رشتہ ناپسند بھی کیا جا سکتا ہے۔

"تم تو جانتی ہی ہو، بہت سی محرومیوں نے انہیں یاسیت پسند بنا دیا ہے۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ کوئی حرا کو سچی محبت دے بھی پائے گا۔"

"میں باجی سے آکر خود بات کرتی ہوں۔" میری بات کے جواب میں یہی کہا گیا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھی فرحین؟" انہیں کرید ہو رہی تھی اور حیرت بھی تھی کہ فون اس قدر جلدی کیوں بند ہوگیا۔

"فرحین آرہی ہے، آپ سے دوبدو بات کرنے کے لئے۔ آپ نے اسے فون پر کوئی جواب نہیں دیا، اب خود جواب دیجئے کمال صاحب کی بہنا کو۔"

"فرحین کیا میری وجہ سے آرہی ہے؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ظاہر ہے، اب تو آپ ہی کی وجہ سے اس کا آنا جانا ہوا کرے گا۔ ٹھیک کہا ہے لوگوں نے رشتے داری، دوستی پر سبقت لے جاتی ہے اور یہاں تو ڈبل ڈبل معاملہ ہوگا۔ دوستی بھی اور رشتے داری بھی، اس لحاظ سے فرحین کا اپنے بھائی کی وکالت کرنے کا حق تو بنتا ہی ہے اور پھر بھائی بھی کمال کا، شاعر بھی، پبلشر بھی، خوب صورت، ذہین اور متین، کمال صاحب سے شادی کرنے کے کئی دوسرے فوائد بھی آپ کو حاصل ہوں گے۔ وہ نہ صرف صبح و شام آپ کے لئے غزلیں لکھیں گے بلکہ ہر تیسرے مہینے آپ کی غزلوں کا مجموعہ بھی چھپے گا با کمال لوگ اور......"

"بکواس بند کروا اپنی۔" انہوں نے میری بات کاٹ کر سرزنش کرتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"کیا یہ بکواس تھی! ایسی خوبصورت اور میٹھی باتیں آپ کو بُری لگیں......؟" میں فرحین کے آنے سے پہلے ان کا موڈ بحال کرنا چاہ رہی تھی۔

"میرے سر میں اس وقت درد ہے، اس وقت تمہاری ہر بات میرے لئے اینٹ بن کر لگ رہی ہے۔ میں اپنے کمرے میں سونے کے لئے جا رہی ہوں، مجھے کوئی بھی ڈسٹرب نہ کرے۔" انہوں نے کھیلتی ہوئی حرا کو اٹھایا اور اپنے کمرے کا درواز بند کر لیا۔

اور جب ایک گھنٹے کے بعد فرحین آئی تو ان کے کمرے سے حرا کے کھکھلانے تک کی آوازیں نہیں آرہی تھیں۔

"ارتقاء باجی کہاں ہیں......؟" فرحین چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"فی الحال تو کمرے میں سو رہی ہیں۔" میں نے مسکراہٹ پی کر کہا۔

"کب تک سو کر اٹھیں گے......؟" اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے بعد۔" مجھے ہنسی آگئی۔

"میں سمجھی نہیں......" اس نے حیرت سے کہا۔

"آئندہ بتائے بغیر آنا کہ وہ نظر سے غائب نہ ہوسکیں اور تم انہیں کنونس بھی کر سکو۔" میں مسکرائی۔

"اوہ، یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ میں انہیں منا لوں گی، میرے بھیا بہت اچھے ہیں، لاکھوں میں ایک......" اس کا فخر اس کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

"بہت مشکل ہے، باجی اب بہت ضدی ہوگئی ہیں، میں اتنا سمجھا رہی ہوں مگر ان کے دماغ میں کوئی بات ہی نہیں آرہی ہے۔"

"ٹھیک ہو جائیں گی، جب انہیں دلی طمانیت اور سکون ملے گا۔" میرے بھائی بہت نفیس طبیعت کے مالک ہیں، شادی کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتے تھے، نہ جانے کس طرح ارتقاء باجی اور حرا کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ شادی کریں گے تو ارتقاء سے ہی کریں گے ورنہ کسی سے بھی نہیں، شاید انہیں اپنا آئیڈیل ارتقاء باجی میں نظر آگیا جس کی انہیں برسوں سے تلاش تھی۔"

"رحم تو نہیں کھا رہے، باجی کوئی ایسی ویسی ہستی نہیں ہیں کہ جن پر ترس کھایا جائے۔"

"نہیں ماہم، اس نہج پر تو کبھی سوچنا نہیں۔ باجی نہ صرف کمال بھائی کو بلکہ ہم سب کو بے حد عزیز ہیں۔

کاش میں تمہیں بتا سکتی کہ صرف ارتقاء باجی کی وجہ سے ہمارے گھرانے کو خوشیاں مل رہی ہیں کہ کمال بھائی شادی کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔"

"مگر سوچ لو، باجی کے ساتھ حرا بھی جائے گی، یہ نہ ہو کہ بعد میں حرا کا وجود کسی کانٹے کی طرح محسوس ہو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہوں تم! معصوم سی حرا ہمیں دل سے قبول ہے اور پھر بچے تو فرشتے ہوتے ہیں۔ ان سے کون نفرت کر سکتا ہے۔"

"خیالات بدلنے میں دیر نہیں لگا کرتی۔ ابھی بھی وقت ہے، خوب ٹھونک بجا کر سوچ لو، کمال فرمانی صاحب کے لئے کنواری لڑکیوں کا کال نہیں ہوگا۔ یہ نہ ہو کہ بعد میں تاسف ہو کر طلاق شدہ عورت بھی ملی اور بچی کا بکھیڑا علیحدہ۔" اپنے دل کی بات بالآخر، میری زبان تک آ ہی گئی۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو ہم رشتہ طلب کرنے میں یوں سرشار نہ آتے۔ کمال بھائی کی آمادگی ہمارے لئے بہت بڑی خوشی ہے اور پھر تمہاری فیملی سے تو ہم عرصے سے واقف ہیں۔ ارتقاء باجی کا ہر دکھ ہمیں تڑپاتا رہتا تھا۔ کمال بھائی کے فیصلے سے پہلے میں نے بارہا سوچا تھا کہ کاش، ارتقاء باجی میری بھابھی ہوتیں تو ان کا دامن خوشیوں سے بھر جاتا، باسط کے گھرانے کی اذیتیں وہ خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتی تھیں۔ بہر حال یہ میرا یقین ہے کہ ارتقاء کمال بھائی سے شادی کر لینے کے بعد اب اپنے تمام دکھ بھول جائیں گی۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" یکبارگی میرے لبوں سے نکلا۔

کتنی ہی دیر گزر گئی، فرحین بدستور اپنے بھائی کی وکالت کر رہی تھی اور میں سنجیدگی سے اس کی باتیں سننے پر مجبور تھی کہ وہ یقیناً سچ کہہ رہی تھی، کمال فرمانی صاحب کی شخصیت شک وشبے سے بالاتر تھی۔

"ماہم! میں آ جاؤں باہر......" باجی نے دو گھنٹے کے بعد اپنے کمرے سے آواز لگائی، ان کا خیال تھا کہ فرحین اس سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتی۔

"آ جائیں باجی، مطلع صاف ہو چکا ہے۔" میں نے وہیں سے کہا۔

اور جب باجی باہر آئیں تو فرحین کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

"ارے، تم کب آئیں......؟" باجی خواہ مخواہ کھسیا رہی تھیں۔

"جب آپ نے اپنے آپ کو نظر بند کیا تھا۔"

"ماہم!" باجی مجھے شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں کہ جیسے میں نے یہ پلان بنایا ہو۔

"ماہم کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے اس نے دو دفعہ مجھے خدا حافظ کہنے کی کوشش بھی کی مگر میں آپ سے ملے بغیر کیسے جا سکتی تھی۔" فرحین نے حرا کو دیکھ کر اسے گود میں اٹھا لیا جو آنکھیں ملتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر آ رہی تھی۔

"پیاری حرا! تم ہی اپنی ممی کو سمجھاؤ کہ اپنا فیصلہ ہمارے حق میں کر دیں۔" فرحین اس کے پھولے پھولے گالوں کو چومتے ہوئے بولی۔

"میرے فیصلے تو تمام کے تمام ہو چکے ہیں، اب نہ کسی نئی راہ کی جانب قدم بڑھانے کی ہمت ہے اور نہ ہی ارادہ۔" باجی نے سنجیدگی سے کہا اور فوراً ہی اٹھ گئیں۔

فرحین حیرت سے انہیں چپ چاپ جاتا دیکھتی رہی، جیسے وہ کوئی انہونی بات کہہ گئی ہوں۔

♥♥♥

وہ یقیناً ایک نامانوس سی آواز تھی جو میں ٹیلی فون پر سن رہی تھی، شاید، ضمیر بھائی کا کوئی دوست ہو، پہلا

خیال میرے دل میں یہی آیا تھا مگر جب اپنا نام سنا تو میں چونک سی گئی۔

"آپ ماہم احمد بول رہی ہیں ناں؟" انتہائی وثوق سے کہا گیا جیسے وہ مجھے پہچانتا ہو۔

"جی ہاں، مگر آپ کون......؟" میں اپنے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے ابھی تک حیرت زدہ تھی۔

"ماہم صاحبہ! آپ ارتقاء احمد سے میری بات کرا دیجئے۔" شائستگی سے کوئی مرد کہہ رہا تھا۔

"مگر آپ کون صاحب ہیں؟ اور کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟" میں اس کی ہٹ دھرمی پر حیران تھی۔

"میں فرجاد رضا ہوں، کمال فرمانی کا فرسٹ کزن، انہی کے سلسلے میں ارتقاء صاحبہ سے بات کرنا چاہتا ہوں کہ اب معاملہ میری برداشت سے باہر کا ہے۔" اس کا لہجہ زینے طے کرنے لگا۔

"میں ان کی چھوٹی بہن بول رہی ہوں، آپ باجی سے متعلقہ ہر بات مجھ سے کر سکتے ہیں۔"

"مگر میں ڈائریکٹ ارتقاء صاحبہ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ آپ سے اس موضوع پر کیا بات کروں، اتنی چھوٹی سی تو آپ ہیں، میری پوری بات سننے کا حوصلہ کہاں سے لائیں گی۔"

"دیکھئے فرجاد صاحب! مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھے کس طرح جانتے ہیں، جب کہ میں نے آپ کا نام بھی اس سے قبل نہیں سنا۔ ہاں آئندہ مجھے چھوٹی کہہ کر میری توہین مت کیجئے گا۔ بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں اور بی اے کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے ارتقاء باجی بے حد حساس طبیعت کی ہیں۔ خدا جانے آپ کی بات اپنے اندر کتنا بارود رکھتی ہے، میں ہرگز نہیں چاہوں کہ کوئی بھی بات آپ باجی سے کریں، میں آپ کی ہر بات نہ صرف پوری توجہ سے سنوں گی چاہے، وہ کتنی ہی غیر اہم کیوں نہ ہو۔" میں نے تمسخر سے کہا۔

"ماہم صاحبہ! بات کچھ زیادہ بڑی ہے، آپ مجھ سے باہر مل سکیں گی، یا میں آپ کے گھر آ جاؤں۔" وہ بھی شاید تذبذب میں تھا کہ بات مجھے بتانی چاہیے یا نہیں۔

"فرہاد صاحب! بات یہ ہے کہ......"

"فرہاد نہیں، فرجاد۔" اس نے میری بات کاٹ کر فوراً تصحیح کی۔

"رضا صاحب، اب مجھے نہیں معلوم کہ آپ باجی سے متعلق کیا بات کرنے والے ہیں، بہر حال سوچ کر آپ کو فون کروں گی۔ آپ اپنا فون نمبر بتا دیجئے۔"

"میرا نام فرجاد رضا ہے، صرف رضا نہیں۔" اس نے پھر تصحیح کی۔

"اُفوہ۔ نام میں کیا رکھا ہے۔" مجھے جھنجھلاہٹ سی ہوئی۔

"مس صاحبہ، نام میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ انسان کے پاس اس کا نام نہ رہے تو وہ بے شناخت ہو جاتا ہے۔ اور نامعلوم فرد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ قصہ مختصر یہ کہ میں آج کل کمال فرمانی کے گھر میں ہی ہوں، آپ مجھے وہاں رنگ کر سکتی ہیں۔"

"آپ کیا کہیں پروفیسر ہیں۔" بے اختیار میں نے پوچھا۔

"صحیح بات کرنے کی عادت اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔" وہ خوش دلی سے ہنسا، یقیناً وہ میری بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد فرحین سے گپ شپ لگاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"یار، تمہارے گھر کیا مہمان وغیرہ آئے ہوئے ہیں؟ فون کرو تو ہمیشہ بزی ملتا ہے اور اگر مل جائے تو کوئی دوسرا اٹھا لیتا ہے۔"

"ہمارے ہاں تو کوئی مہمان نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارا فون بزی رہتا ہے۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"اچھا، پھر میرا فون ہی کہیں غلط مل گیا ہوگا، کسی فرجاد نے اٹھایا تھا۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"ارے فرجاد بھائی، وہ کوئی مہمان تھوڑی ہیں، وہ تو ہمارے گھر کے فرد ہیں۔" وہ ہنسی۔

"اچھا، اس سے پہلے تو تم نے کبھی یہ نام نہیں لیا اب گھر کا فرد بھی بنالیا۔"

"حیرت ہے، اتنی دفعہ تم آئیں، ہمیشہ فرجاد بھائی گھر میں تھے حالانکہ وہ اتنے مصروف شخص ہیں کہ گھر کیا کبھی مستقلاً ملک میں نہیں ہوتے۔ وہ ایک مایہ ناز ڈاکٹر ہیں، ہارٹ اسپیشلسٹ، ہماری بڑی خالہ کے سب سے چھوٹے بیٹے اور ہمارے دودھ شریک بھائی بھی، کمال بھائی سے دوستی چونکہ بہت زیادہ ہے، اس لئے ہم انہیں بھی بڑے بھائی کہتے ہیں۔" فرحین نے تفصیل سے تعارف کرایا۔

"میں نے واقعی انہیں نہیں دیکھا، جب ہی تو حیرت ہو رہی تھی۔" میں ہنسی۔

"وہ لڑکیوں میں بیٹھ کر بڑ کیس مارنے والے لڑکوں میں سے نہیں ہیں۔ گھر میں اگر مہمان خواتین آئیں تو وہ از خود لائبریری میں چلے جاتے ہیں۔ کمال بھائی کے دوست ہیں، کوئی معمولی بات تھوڑی ہے۔" اس نے فخر سے کہا۔

"ہوں، فرجاد رضا، کیا کہنے کے لئے تم آ رہے ہو......؟" میرا ذہن مسلسل اسی گفتگو کی جانب تھا جو فرجاد رضا نے فون پر کی تھی۔ ملوں یا نہ ملوں۔ دل اور دماغ دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔

آصف سے ہوٹل میں ملنے کی ملاقات اس قدر لرزہ خیز تھی کہ اب میں کسی سے بھی باہر ملنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی اب تو گھر سے اکیلا نکلنے پر بھی خوف آتا تھا۔ نہ جانے کالج کس طرح آ جا رہی تھی، نصرت سے مشورہ کیا تو اس نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ بات چیت باہر کی نسبت گھر میں بہتر طور پر ہو سکتی ہے اس لئے اس کے گھر میں فرجاد صاحب کو بلا لیا جائے کہ وہ ارتقاء باجی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔

مقررہ وقت پر فرجاد رضا، نصرت کے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ اور میں اس لمبے تڑنگے شخص کو حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ اسے باجی کی ذات سے کیا دلچسپی تھی اور وہ کیا بتانے کے لئے کسی اجنبی گھر میں کیونکر چلا آیا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں ماہم صاحبہ کہ آپ کے ساتھ ساتھ آپ کی سہیلی کو بھی تکلیف دی گئی، اگر معاملہ اس قدر سیریس نہ ہوتا تو بخدا میں بھی اس معاملے میں نہ پڑتا۔"

"کون سا معاملہ......؟" میں نے حیرت سے نصرت کو دیکھا اور نصرت نے مجھے۔

"کمال فرمانی، میرے کزن بھی ہیں اور دوست بھی۔ مجھے فخر محسوس ہوتا ہے، جب میں ان کے حوالے سے کوئی بھی بات کرتا ہوں کہ وہ انسان کے بھیس میں ایک فرشتہ ہیں، ہر ایک کے کام آنا ان کا اشعار ہے۔ اپنی ذات سے ماورا ہو کر وہ کام کرتے ہیں مگر ارتقاء انہیں دل و جان سے پسند آ گئیں، حرا کے لئے ان کے دل میں محبت کے سوتے پھوٹ پڑے مگر یہ انکی بدقسمتی رہی کہ ارتقاء کی جانب سے انکار ہو گیا۔ ان کا انکار وہ اپنے دل پر لے گئے ہیں۔"

"اوہ، یہ بات ہے، کمال صاحب کی وکالت کے لئے آئے ہیں آپ۔" میرے ہونٹ مسکرا اٹھے۔

"نہیں، اس کا علم کمال صاحب کو ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی میں چاہوں گا کہ آپ انہیں میرے آنے کا بتائیں کہ انہیں ایسی باتوں سے کوفت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے کسی کام کا صلہ چاہتے ہیں۔ حرا کے لئے جو کچھ انہوں نے کیا، وہ میرے اور صفدر صاحب کے سوا کسی کو نہیں معلوم، حتیٰ کہ ان کے گھر والوں کو بھی نہیں معلوم کہ بچی کیونکر بازیاب ہوئی۔" فرجاد ایک لمحے کے لئے رک سے گئے، جیسے کچھ کہہ کر خجل ہو گئے ہوں۔

"حرا کو تو ڈاکوؤں نے محاصرہ تنگ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔" میرے ذہن میں ضمیر بھائی کی باتیں چہل پہل کر رہی تھیں۔

"جی نہیں، یہ بات نہیں تھی۔" وہ کچھ کہتے کہتے پھر رک سے گئے۔

"پلیز فرجاد صاحب، آپ ہمیں پوری بات بتائیے کہ اصل صورت حال سے ہم بھی واقف ہوں۔"

"شاید آپ کو یاد ہو کہ ڈاکوؤں سے آخری بات چیت کمال بھائی نے ہی کی تھی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"ہاں یاد ہے مجھے، اس کے بعد ڈاکوؤں کا کوئی فون ہی نہیں آیا تھا۔" میرے ذہن میں شہری کی باتیں پھر پھلجڑیوں کی طرح بکھرنے لگیں۔

"لگتا ہے، کمال فرمانی صاحب نے ڈاکوؤں کو اپنی کوئی غزل سنا دی ہے، بُرا مان گئے ہیں شاید، اسی لئے فون کرنے بند کر دیئے ہیں، اب الٹی سیدھی غزل سنیں گے تو ان کا مغز تو پھرے گا ہی......"

"دراصل کمال بھائی نے انہیں منع کر دیا تھا کہ اس نمبر پر رابطہ نہ رکھیں۔" فرجاد نے انکشاف کیا۔

"مگر کیوں؟" اب متحیر ہونے کی باری میری تھی۔ "ایسے وقت جب ڈاکوؤں سے بات چیت جاری تھی، انہیں فون کرنے سے منع کرنے کا بھلا کیا جواز؟"

"کمال بھائی، ضمیر صاحب کے سرد رویئے کو محسوس کر چکے تھے۔ ارتقاء بہن کی چشم تر ان کے دل کے ایوان میں طوفان لا چکی تھی۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کو ایک پیسہ دینے کے روادار نہیں ہوں گے اس لئے انہوں نے اپنا فون نمبر بتا دیا تا کہ وہ ان سے ڈیلنگ کر سکیں۔"

"کیا اس کے بعد کمال صاحب کے پاس ڈاکوؤں کے فون آتے رہے؟" نصرت کو بھی اچنبھا ہو رہا تھا۔

"ہاں، فون مستقل آ رہے تھے اور کمال بھائی کی یہ پوری کوشش تھی کہ ان کا ٹارگٹ کم سے کم کیا جائے جس میں انہیں کامیابی بھی ہو رہی تھی۔ ادھر ان کی یہ کوششیں بھی جاری تھیں کہ حرا کو کہاں رکھا گیا ہے؟ اور اس سلسلے میں ان کے لگائے ہوئے پوسٹرز نے ان کی کافی مدد بھی کی۔" فرجاد نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر ایک نئی کہانی شروع کر دی۔

"شہزاد ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا، اپنے گاؤں کا پہلا فرد جس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی، ورنہ اس کے گاؤں میں کوئی لڑکا بھی پرائمری سے آگے نہیں پڑھ پایا تھا۔ وہ ایک غریب کسان کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے شوق اور آگے بڑھنے کی خواہش کے سبب گاؤں چھوڑ کر کراچی چلا آیا۔ اس کی بہت سی خواہشات تھیں جنہیں وہ پورا کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں بہت سارے ارمان تھے جن میں وہ اپنی خوشیوں کے رنگ بھرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ بی اے فرسٹ کلاس کرنے کے باوجود بھی وہ بے روزگار تھا۔ جہاں جاتا تو نو ویکنسی کی آوازیں اس کے کانوں میں دھماکے سے پیدا کرتی۔ اس کی ماں چاہتی تھی کہ بہن کی شادی کے لیے وہ شہر سے سامان بھجوائے اور یہاں اس کے کھانے کے بھی لالے پڑ رہے تھے۔ تب پہلی دفعہ اس نے جیب کاٹی، انتہائی اناڑی پن سے، کمال بھائی کا بٹوہ نکال کر وہ شرم سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"سوری سر! یہ آپ کا بٹوہ میرے پاس آ گیا۔" اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"کیا بات ہے صاحب زادے؟" کمال بھائی نے اسے ہراساں دیکھ کر پیٹھ تھپکی جس سے اس کا چہرہ مزید ہراساں ہو گیا۔

"لگتا ہے پریشان ہو، کچھ پیسے چاہئیں تمہیں!" کمال بھائی اس کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔

تب وہ رو پڑا، کسی معصوم بچے کی طرح سسک سسک کر، کمال بھائی اسے قریبی کیفے میں لے گئے، اس کی پوری روداد سنی اور اپنے اثر رسوخ سے اسے ایک کمپنی میں ملازم کرا دیا۔

وہ بے حد خوش تھا اور کمال بھائی کا احسان مند بھی، مجھے یاد ہے جب اسے پہلی تنخواہ ملی تو وہ ان کے لئے مٹھائی لے کر آتا تھا۔ وہ شکر گزار تھا، احسان مند تھا اور کمال بھائی سرشار تھے کہ ان کی وجہ سے ایک نوجوان

راہ بھٹکنے سے بچ گیا۔ وہ ذہین تھا اور خوب محنت سے کام کر رہا تھا اس کے کام سے اس کے افسران بھی خوش تھے کہ پتا نہیں کیا ہوا، ایک دن وہ کمپنی میں چوری کے الزام میں دھر لیا گیا، چوری بہت بڑے پیمانے پر ہوئی تھی۔ بہت بڑا گروپ انوالو تھا مگر حیرت کی بات ی تھی کہ اس میں شہزاد علی کا نام سب سے نمایاں تھا۔

کمال بھائی اور میں اس سے جیل میں ملنے کے لئے گئے تو اس نے قسمیں کھا کر بتایا کہ وہ بے گناہ ہے اور اس معاملے میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

''پھر تمہارا نام کیسے آیا؟'' کمال بھائی سخت برہم تھے۔

''مجھے اس چوری میں ملوث لوگوں کے نام قبل از وقت پتا چل گئے تھے، اس سے قبل کہ میں ان کی رپورٹ کرتا، انہوں نے الٹا مجھے ہی پھنسوا دیا، اور جو اصل چور ہیں وہ بڑے مزے سے باہر گھوم رہے ہیں۔''

کمال بھائی نے اس کے مقدمے کے لئے وکیل کا بندوبست کیا جس نے چار پانچ پیشیاں بھی بھگتیں مگر پھر ایک دن پتا چلا کہ شہزاد علی جیل سے فرار ہو گیا ہے۔ تب کمال بھائی کو یقین ہو گیا کہ وہ چور ہی تھا اور اس نے اس معاملے میں ان سے جھوٹ بولا تھا!

''مگر حرا کے اغوا کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟'' مجھے فرجاد کی طویل بیانی سے الجھن ہو رہی تھی۔

''آپ نے مجھ سے کہا تھا ناں کہ آپ میری پوری بات غور سے سنیں گی۔'' فرجاد نے ایک لمحے رک کر مجھے دیکھا۔

''اچھا پھر؟'' میں نے ایک جمائی لے کر پوچھا۔

''شہزاد کو ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے آزاد کرایا اور اسے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے پاس اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی ایک تاویل تھی، جب میں بے گناہ ہو کر گناہ گار ٹھہرایا جا رہا ہوں تو کیوں نہ ان لوگوں کا ساتھ دوں جنہوں نے اسے جیل کی سلاخوں سے بھی نکالا اور جو اس کی ضروریات کو بھی بخوبی پورا کریں گے تب شہزاد علی، شیدا ڈاکو بن گیا۔

اس کی نظر جب ایک دن بھائی جان کی جانب سے شائع کیے گئے پوسٹرز پر پڑی تو اس نے کمال بھائی سے رابطہ قائم کیا وہ نہ تو برا شخص تھا اور نہ ہی احسان فراموش۔ یہ اور بات تھی کہ وقت کے ہاتھوں وہ کھلونا ضرور بن گیا تھا۔ حرا کسی دوسرے گروہ کے پاس تھی اور اس نے ان کی نشان دہی کی پھر جب ٹیلی فون پر ڈاکوؤں سے رابطہ قائم ہوا تو وہ شہزاد ہی تھا کہ جس نے صرف پچاس ہزار پر معاملہ ختم کروایا۔ کمال بھائی کو بچی بے حد عزیز تھی اس لئے انہوں نے پچاس ہزار کی رقم ادا کی اور یوں حرا اپنے گھر آئی۔''

''کمال صاحب نے پچاس ہزار دے دیئے اور بتایا بھی نہیں۔''

''وہ احسان جتانا نہیں چاہتے تھے، اس بارے میں شاید باسط کے بھائی آصف کو اتنا علم تھا کہ پچاس لاکھ کے بجائے پچاس ہزار پر معاملہ طے ہو رہا ہے کیوں کہ وہ معلومات کی غرض سے بار بار ہمارے گھر آ رہے تھے۔ مگر یہ بات ان کے علم میں بھی نہیں تھی کہ یہ پچاس ہزار روپے کس نے دیئے ہیں اور کب دیئے گئے ہیں۔ میرے علاوہ صفدر بھائی کو ضرور علم تھا مگر انہیں بھی سخت تاکید کر دی گئی تھی۔''

فرجاد سب کچھ بتا کر چپ ہو گئے تھے۔ انہیں تاسف اس بات کا تھا کہ ارتقاء باجی نے رشتہ لوٹا دیا تھا۔ وہ کمال فرمانی صاحب پر بچی کے سلسلے میں اعتماد نہیں کر پا رہی تھیں۔

''اب آپ ہی بتایئے کہ حرا کے سلسلے میں کمال بھائی کا رویہ کیوں کر کھوٹا ہو سکتا ہے۔ وہ تو ارتقاء باجی کا انکار سن کر، پژمردہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں بتاتے، مگر اب مجھ سے برداشت نہیں ہوا، اسی لئے آپ کو ساری صورتِ حال سے باخبر کر دیا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، میں باجی کو سمجھاؤں گی، یقین کیجئے، اب باجی کا جواب کسی صورت میں بھی انکار نہیں ہوگا، ایسی چاہت اور بے لوث محبت تو قسمت والوں کو ملا کرتی ہے۔'' میری آنکھیں بھیگ سی گئیں۔

فرجاد ممنونیت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے اٹھ گئے۔ سارا معاملہ اب کھل کر میرے سامنے آ گیا تھا۔ کمال فرمانی واقعی فرشتہ صفت انسان تھے جنہوں نے حرا کے لئے اتنا کچھ کیا تھا ورنہ آصف نے تو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، کم بخت، جب اصل معاملہ جانتا بھی تھا، پھر بھی کس قدر کائیاں بن رہا تھا۔ پچاس لاکھ کا جوگا دکھا کر بے وقوف بنانا چاہتا تھا کہ شاید ہم لڑکیوں کو کھاگ مرد با آسانی بے وقوف بنا لیتے ہیں۔ اور مجھ جیسی لڑکیاں، لفظوں کے طلسم میں با آسانی گرفتار ہو جاتی ہیں۔ دل کا ملال جب آنکھوں میں نمی بن کر اترانے لگے تو اندر کا سارا وجود لبریز ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت میری ہو رہی تھی، لگتا تھا کہ آنسوؤں کے سمندر میں ڈوبی چلی جا رہی ہوں۔

نصرت، کمال فرمانی کی شاندار شخصیت سے بے حد متاثر ہو رہی تھی کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو دوسرے کے درد کو اپنا محسوس کرتے ہیں۔

''باجی، تمہاری یہ خوش قسمتی ہے کہ کمال فرمانی صاحب جیسی ہستی، تمہاری طلب گار ہے۔'' میں اپنے آپ سے ہی ہم کلام تھی۔

♥♥♥

ضمیر بھائی آ گئے تھے اور آتے ہی خوش خبری سنائی تھی کہ شہری بھی قومی ٹیم میں سلیکٹ ہو جائے گا۔ سٹی کرکٹ کلب میں شہری کی پرفارمنس سب سے اچھی تھی۔ ضمیر بھائی کی کوشش تھی اور سیٹھ احسانی صاحب کی کاوشیں یا پھر شہری کی قسمت ہی اس پر مہربان تھی، یوں کرکٹ بورڈ کا فیصلہ شہری کے حق میں ہو گیا۔

اور جس دن اخبارات میں صفحہ اول پر شہری کی تصویر شائع ہوئی، سب کی خوشی دیدنی تھی، میں نے چپ چاپ شکرانے کے نفل پڑھ ڈالے۔ شہری کو کتنا شوق تھا، قومی ٹیم میں آنے کا، اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی تھی۔

''ماہم، جب میں باہر کھیلنے جاؤں گا تو میری مصروفیات کے بارے میں پڑھ کر خوش ہوا کرو گی ناں، یہ نہ ہو کہ جب اپنے بھائی کا معاملہ ہو تو خوشی کا اظہار کر لیا اور جب اپنا معاملہ ہو تو دل چھوٹا کر لو، پڑوسی ملکوں کی فلمی اداکارائیں، میرے توسط سے مشہور ہونے کی کوشش کریں تو دل چھوٹا مت کرنا۔'' شہری کے شوخ و شریر جملے، میرے دل میں شور سے مچا رہے تھے۔

ابا جان، ضمیر بھائی کے ساتھ، ماموں جان کے ہاں مبارک باد دینے چلے گئے تھے۔ باجی نے فون پر ہی خوب باتیں کر لی تھیں اور میں اکیلی ٹی وی لاؤنج پر بیٹھی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کا غصہ ابھی تک نہیں اترا تھا۔ اپنی ناراضگی ختم کرنے کے لئے وہ کسی طرح تیار نہیں ہو رہا تھا۔

نہ اس نے مجھ سے فون پر بات کی تھی (جب کہ میرا دل مچل رہا تھا) اور نہ ہی وہ آیا تھا (جب کہ ہر آہٹ پر اسی کا گمان ہو رہا تھا) باجی کے ساتھ، وہ فون پر گپ شپ کر رہا تھا، حرا سے بھی بات کی تھی۔

''ارے بھئی، ماہم سے بھی مبارک باد لے لو۔'' باجی کو شاید خود ہی احساس ہو گیا تھا۔

اور اس نے سنی ان سنی کر کے خدا حافظ کہہ دیا تھا۔

''لگتا تھا کہ لائن کٹ گئی ورنہ تمہاری بھی بات ہو جاتی۔''

اور میں جانتی تھی کہ لائن کٹی نہیں تھی، کاٹ دی گئی تھی۔

''تم کر لو اسے فون، ہمارے لئے بھی یہ خوشی اور فخر کی بات ہے کہ ہمارا کزن آج اس مقام پر پہنچا

ہے۔'' باجی خوشی سے سرشار کہہ رہی تھیں۔

''شہری کے بچے، میں کیسے تمہیں مناؤں؟'' میں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی۔

''ماموں جان کے ہاں خود ہی چلی جاؤں۔'' دل نے یکبارگی سمجھایا۔

''نہیں، ہرگز نہیں۔'' انا فوراً ہی آڑے آئی۔

''فون کرلو۔'' یہ بھی دل کا مشورہ تھا۔

''پر کہوں گی کیا؟'' دماغ نے تاویل دی۔

''شہری، مجھے معاف کردو، اپنی ناراضگی ختم کردو اور پھر وہی پہلے جیسے شہری بن جاؤ، ہنستے مسکراتے ہوئے۔'' یہ دل کی صدا تھی۔

''تمہارے خیال میں، وہ تمہاری بات مان لے گا۔'' دماغ ہنسا۔

''ہاں، کیوں نہیں، معاف کردے گا وہ، یہ تو بہت بڑی خوشی ہے، خوشیوں کے موقع اسی لئے ملا کرتے ہیں کہ اپنی تمام ناراضگیاں مٹادی جائیں، سارے دکھ بھلا دیئے جائیں، وہ یقیناً مان جائے گا، اتنی دیر، وہ مجھ سے خفا نہیں رہ سکتا، جانتی ہوں میں، برسوں سے اسے، اس کے دل میں میرے لئے کتنی چاہت ہے۔ اس کا احساس ہے مجھے۔'' آرزوؤں کے چراغ، دل کے سنگ سنگ روشن ہو رہے تھے۔

''اگر اس نے لتاڑ دیا تو کیا عزت رہ جائے گی تمہاری۔'' واہمے علیحدہ تنگ کر رہے تھے۔

''نہیں، وہ ایسا ہرگز نہیں ہے، یہ بھی اس کی محبت کا ایک انداز ہے کہ وہ مجھ سے روٹھا ہوا ہے۔'' دل کی پیش قدمی جاری تھی۔

تب لرزتی انگلیوں سے اس کا نمبر ڈائل کیا۔ اسی نے ہی اٹھایا۔

''ہیلو، شہریار بول رہا ہوں۔'' وہ شائستگی سے کہہ رہا تھا۔

اور اس کی آواز میرے من میں آسودگی پیدا کر رہی تھی۔

''ہیلو، میں شہریار بول رہا ہوں، ہیلو میں شہریال بول رہا ہوں۔''

''ہاں، تم بولتے رہو۔'' میرا دل سرشاری سے کہہ رہا تھا۔

اکتا کر اس نے فون بند کردیا، تب میری انگلیاں پھر وہی نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

''ہیلو شہریار اسپینگ۔'' وہ کہہ رہا تھا اور میں چپ چاپ ریسیور پکڑے اس کی آواز سنتی رہی۔ پانچویں دفعہ بھی جب ایسا ہی ہوا تو شاید وہ بھی سمجھ گیا۔

''ماہم! کیا بات ہے؟'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''شہری، تمہاری آواز سن رہی تھی۔ یقین کرو بہت دنوں بعد سنی ہے آواز تمہاری۔'' میں نے چاہت سے کہا۔

''مت پریشان کرو مجھے، پلیز۔'' اس کا اکھڑ پنا پھر لوٹ آیا تھا۔

''مگر میں تو تمہیں مبارکباد دینا چاہتی تھی......'' الفاظ میرے حلق میں گولے بن کر اٹکنے لگے۔

''سنو مبارکباد بھی اسے دی جاتی ہے جس سے کوئی ناتا ہو، میرے ساتھ اب تمہارا کوئی ناتا نہیں رہا ہے اور یہ تمہیں، میں باور کرا چکا ہوں۔'' وہ تمسخر سے ہنسا۔

اور تب ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ کر کریڈل پر گر گیا۔

''کوئی ناتا نہیں رہا؟'' میرا سر گھوم رہا تھا۔

''کوئی تعلق نہیں رہا۔ دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔

''کس کا فون تھا؟'' باجی نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

''رانگ نمبر تھا۔'' میں تیزی سے اپنے کمرے میں بھاگ آئی۔

دل خوشی اور غم کی آمیزش سے پھٹا جا رہا تھا۔ خدا کسی کو یہ دونوں چیزیں اکٹھی نہ دے۔

جہاں شہری کی قومی ٹیم میں سلیکٹ ہونے کی ازحد خوشی ہو رہی تھی وہیں اس کی بے اعتنائی کلیجہ چیر رہی تھی۔

''خدایا، میرا شہری ایسا تو نہیں تھا، کیا ہو گیا اسے؟'' میں اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔

''شہری! تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ جانتے ہو کہ میں نادم ہوں، پھر بھی۔'' میں اپنی سسکیوں کو اپنے اندر ہی کچل رہی تھی۔

''تمہارے ساتھ، اب میرا کوئی ناتا نہیں رہا ہے، یہ میں، تمہیں باور کرا چکا ہوں۔'' شہری کی تمسخر بھری ہنسی مجھے لہولہان کر رہی تھی۔

''شہری، تم واقعی سچے ہو، یہی سلوک کرنا چاہئے تھا میرے ساتھ۔ میں تھی ہی اس قابل۔'' میرا رواں رواں شہری کی وکالت کر رہا تھا۔

شہری ایسا نہیں تھا، مگر اب وہ میری بے اعتنائیوں سے دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ میری خودسری کوئی کم تو نہ تھی، آصف کو سمندر سمجھے بیٹھی تھی جو سب کو سیراب کرسکتا ہے، یہ معلوم نہیں تھا کہ سمندر پیاس بجھانے سے پہلے فنا بھی ہو سکتا ہے۔

جب شہری سمجھا رہا تھا تو سمجھ جانا چاہئے تھا۔

ایک ایسے انسان کے لئے اس سے الجھی جس کی حیثیت نالی کے کیڑے سے زیادہ نہیں تھی۔

اب مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا۔

ٹھیک کر رہا ہے وہ، اسے مجھ جیسی لڑکی سے ہرگز بات نہیں کرنی چاہئے، سزا ملنی چاہیئے، مجھے اپنی زیادتیوں کی۔

میں اپنی دونوں کہنیاں اپنی آنکھوں پر رکھے سوچ کے صحرا میں آبلہ پا تھی۔

''ارے، تم یہاں بیٹھی ہو، ممانی جان نے فون کیا ہے، ہم دونوں کو بھی بلایا ہے، ماموں جان نے آج ہم سب کا کھانا کیا ہے، ضمیر بھائی نے گاڑی بھیج دی ہے، ڈرائیور آ گیا ہے۔

''پلیز باجی، سخت نیند آ رہی ہے، مجھے آپ جائیے، میں تو اس وقت ٹھاٹ سے سوؤں گی۔'' میں نے کروٹ بدل کر تکیے میں اپنا منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

''یار چلوں ناں، ثانیہ بھی ہو گی، دعوت شاید وسیع پیمانے پر ہو رہی ہے۔'' باجی تیار ہو کر آئیں تو اسی طرح بدستور لیٹی رہی تھی۔

''ارے جلدی سے تیار ہو جاؤ، ممانی جان نے بڑی چاہ سے بلایا ہے۔''

''آپ جائیے، میں گھر پر رہوں گی۔ ایمان سے بالکل موڈ نہیں ہو رہا ہے میرا۔'' میں نے انتہائی بے دلی سے کہا۔

''ماہم، یہ تم کہہ رہی ہو، دعوتوں اور فنکشنز میں جانے کے لئے ہمیشہ کی رسیا، آج انکار کر رہی ہو اور دعوت بھی ایسی جو ہم سب کے لئے خاص الخاص ہے۔'' باجی نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''بھئی موڈ نہیں ہو رہا ہے میرا، ممانی جان کے ہاں کی دعوت کا کیا ہے، جس دن بھی گئے، دعوت ہو جائے گی۔'' میں زبردستی ہنسی۔

''اکیلی رہو گی، گھر پر تو بور ہو جاؤ گی، وہاں چلتیں تو مزہ آتا، ثانیہ کے لشکارے دیکھنے کے قابل ہوتے۔ اس کی جیولری اور کپڑوں کی ڈیزائننگ دیکھ کر اندازہ ہو جاتا کہ آج کل کس قسم کے کپڑے فیشن میں ہیں۔

کتنے بہت سارے دن ہو گئے، طارق روڈ کا چکر بھی نہیں لگا، کچھ پتا ہی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔" باجی مجھے بولنے پر اکسار ہی تھیں۔

"جن کا پتا ہوتا ہے وہ لاپتا ہو جاتے ہیں، کچھ پتا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" میں دل ہی دل میں ہنسی۔

"اے بقراطن، میں دیواروں سے نہیں کہہ رہی، تم سے مخاطب ہوں، دو منٹ میں تیار ہو جاؤ، چلو میرا کالا والا سوٹ پہن لو جس پر سرخ ایمبرائیڈری بنی ہوئی ہے، ایمان سے ابھی تک تن پر نہیں ڈالا، مگر خیر تم ہی افتتاح کر لو، اس خوبصورت سوٹ کا، انہوں نے وسیع القلبی سے کہا۔

"کہہ تو دیا، نہیں جا رہی میں کہیں، شاید نصرت بھی آ جائے، اس کا بھی فون آیا تھا۔" میں نے بہانہ گھڑا۔

"ممانی جان ناراض ہوں گی تمہارے نہ آنے پر۔" انہوں نے چلتے سمے پھر مجھے دیکھا۔

"پلیز باجی، آپ کوئی بھی بہانہ بنا دیجئے گا۔" میں نے منہ پھیر کر کہا۔

"تم ہی بتا دو کہ اگر انہوں نے پوچھا تو کیا کہوں؟" وہ یقیناً مجھے ٹٹول رہی تھیں کہہ دیجئے گا کہ گھر میں مہمان آ گئے تھے، دو چار میں روز میں چکر لگاؤں گی۔" میں نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اگر شہری نے کچھ پوچھا تو......؟" ان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

"وہ کچھ نہیں پوچھے گا، بے فکر رہیں۔" میں اپنے آپ سے بولی۔

"اے، اس کے نام پر کیوں بولتی بند ہو گئی۔" ان کی تفتیش جاری تھی۔

"وہ کچھ نہیں پوچھے گا۔" جواب دیتے ہوئے میرے حلق میں پھندے سے لگ رہے تھے۔

"کیوں نہیں پوچھے گا؟" وہ استفہامیہ نظروں سے میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

"خوشی میں انسان کو اپنا ہوش نہیں رہتا، ضمیر بھائی کا بھول گئیں، جب وہ سلیکٹ ہوئے تھے تو کس قدر بھول بھلکو ہو گئے تھے، کون آ رہا ہے کون جا رہا ہے، ان کو بھلا کہاں یاد تھا اور پھر سارا شہر تو مبارکباد دینے چلا آیا تھا، یہی سب کچھ آج ماموں جان کے ہاں ہو رہا ہو گا۔" میں نے قصداً لاابالی لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے جو شہری کو یاد نہ رہیں۔" باجی کا یہ جملہ مجھے روہانسا کر دینے کے لئے کافی تھا۔

"باجی پلیز، اس وقت آپ سے ٹاکرا کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں، سخت نیند آ رہی ہے۔" میں نے زبردستی ہنستے ہوئے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"ٹھیک ہے، تم سونا بناؤ ہم تو چلے۔" باجی اپنا پرس ہلاتے ہوئے چل دیں۔ ان کے جاتے ہی، آنسوؤں کا ریلا تکیے کے سینے میں منتقل ہونے لگا۔

میں جو اسے دیکھنے کے لئے بلک رہی تھی، نہ جا کر اپنے آپ کو سزا دے رہی تھی، شہری کی آج کتنی بڑی آرزو پوری ہوئی تھی اور اس خوشی کے موقع پر وہ مجھے نظر انداز کئے ہوئے تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ، میں نے بھی کتنی دعائیں مانگی تھیں، مگر میں آج اس کی خوشیوں تک میں شریک نہیں تھی، یہ میری بدنصیبی تھی۔

اور شاید یہ بدنصیبی اسی شام لکھ دی گئی تھی، جب عید کا چاند دیکھ کر وہ سب کے ساتھ دُعا مانگ رہا تھا۔ جب وہ دُعا مانگ کر فارغ ہوا تو میرے کان میں کہا، ماہم، میرے قومی ٹیم میں سلیکٹ ہونے کی دُعا ضرور مانگنا۔"

"ہشو بھئی، میری فہرست خود اتنی طویل ہے، پہلے وہ تو مانگ لوں۔" میں نے ٹھوکا دے کر کہا تھا۔ حالانکہ لبوں پر صرف یہی دُعا تھی، اس کے سوا تو کچھ یاد نہیں تھا۔

"دیکھو مانگ لو ناں، تم نے تو پورے روزے بھی رکھے ہیں، تمہاری دُعا، جلدی قبول ہو گی۔" وہ بدستور خوشامد کر رہا تھا۔

"افوہ، میں اپنے پینل پر تمہاری دُعائیں کیوں پوری کروا دوں، روزے پورے رکھے نہیں گئے، جمعے کی نماز کے سوا تم سے نماز نہیں پڑھی جاتی، میں خواہ مخواہ اپنے کوٹے پر تمہاری دُعائیں ایشو کرواؤں۔" میں نے مذاق میں اسے جلایا تھا۔

اور اس نے منہ بھلا لیا "ٹھیک ہے مانگتی رہو۔" اپنی شادی کے لئے دُعائیں، اس کے سوا تم لڑکیوں کی دُعا کیا ہوتی ہے۔

"اے منہ سنبھال کر بولنا، کیا لڑکیاں صرف یہی دُعائیں مانگتی ہیں، دماغ خراب تو نہیں ہو گیا تمہارا!" مجھے غصہ ہی تو آ گیا تھا۔

"ایمان سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں، ساری لڑکیاں شادی سے پہلے صرف یہی دُعا مانگتی ہیں۔ میرے دوست کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے، بیوی اس کی بڑی نمازن ہے، وہ نماز کے بعد، بڑے خضوع و خشوع لہجے میں دُعا مانگ رہی تھی۔ اللہ پاک کسی خوبصورت بندے سے میری شادی کرا دے۔" میرا دوست غصے میں آ گیا کہ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں۔ تب وہ شرما کر بولی "ایمان سے یہ دُعا غلطی سے نکل گئی، دراصل پچھلے دس برس سے یہی دُعا زبان پر تھی، اس لئے ایسا ہوا۔"

"یہ لڑکیوں کی ہی دعائیں ہیں جو بے چارے لڑکوں کی بھی شادیاں ہو جاتی ہیں ورنہ وہ بیٹھے بیٹھے بوڑھے ہو جائیں اور ساری زندگی کسی کے ناز نہ اٹھا سکیں۔ چچ چچ بے چارے......" میں بے ساختہ ہنس کر کہہ رہی تھی، چہرہ طلوع ہوتے ہوئے چاند کی طرف تھا اور دونوں ہتھیلیاں جڑی ہوئی تھیں۔

"یا ہم، میں سلیکٹ ہو جاؤں گا ناں!" وہ بڑے رسان سے کہہ رہا تھا!

"تمہیں سلیکٹ کرنا خاصا مشکل ہے۔" میں مسکراہٹ پی کر کہہ رہی تھی، نہ جانے کیوں، اسے ستانے میں، مزہ آتا تھا۔

"مت نکالنا میرے لئے کوئی اچھی بات اپنے منہ سے، کندھوں پر زبان لئے پھرتی ہو، مگر میرے لئے دُعا تک نہیں مانگی گئی۔

دیکھنا، اب تم بھی فیل ہو گی۔ میں نے بھی تمہارے لئے دُعا مانگ لی۔ خدایا، ماہم کو فیل کر دینا۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔

"کیا کہا...... میرے فیل ہونے کی دُعا مانگ لی، تم نے؟" میرا دل دہل سا گیا۔

"ہاں، واقعی مانگی ہے۔" اس نے مجھے چڑایا۔

"شہری، یہ تم نے کیا کیا، یہ تو میرے لئے بددعا ہو گی" میں نے اپنے زرد ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا۔

"اب تو میں، مانگ چکا" وہ ہنس رہا تھا۔

اور اب میں یہ سوچ رہی تھی کہ شاید دعائیں ہم دونوں کی ہی قبول ہوئی تھیں۔

"تم سلیکٹ ہو گئے تھے، یہ میری دُعا تھی۔ اور میں فیل ہو گئی تھی۔ تم نے اپنا ناتا توڑ لیا تھا، یہ تمہاری دُعا تھی۔"

شہری کی نظروں سے گر کر، اپنا آپ کس قدر چھوٹا لگ رہا تھا۔ شرمندگی اور خجالت سے برا حال تھا۔ خدایا، میں کیا کروں اپنی کنپٹیوں کو دباتے ہوئے میں سوچ کے صحرا میں دوڑ رہی تھی۔ نہ جانے کب تک اسی کیفیت میں رہتی کہ مجیدن نے مجھے نصرت کے آنے کی اطلاع دی۔

آج نصرت بغیر فون کیے بغیر کسی پروگرام کے چلی آئی تھی۔ آج پہلی دفعہ مجھے نصرت کا آنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ شاید تم گھر پر نہ ملو، کیا آج شہر میں مٹھائی کی دکانیں بند ہیں، میں جہاں مبارک باد دینے کے لئے جا رہی ہوں، سب کے ہاں تالا ہے مگر شکر ہے کہ تم ہو۔'' وہ ہنسی اور مجھے اپنے ہونے پر افسوس ہوا، سوچ کا سفر علیحدہ ادھورا رہ گیا تھا۔

''اے، میں تو تم سے مٹھائی کھانے آئی ہوں اور تم نے حلیہ کیا بنا رکھا ہے کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا؟'' وہ مجھے سر سے نیچے پیر تک بغور دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے خیال میں، مجھے میک اپ میں لت پت ہونا چاہیے تھا، ہیرے کا نازک سا سیٹ پہن کر کسی اچھے سے لباس میں!'' میں اپنے کھلے بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے بولی۔

''جی نہیں، اتنی محنت کی آپ سے امید نہیں تھی، مگر منہ دھو کر اچھے سے کپڑے تو پہنے جا سکتے ہیں۔'' ایک نظر آئینہ دیکھ لو، چہرے پر پورے اٹھارہ انیس بج رہے ہیں اور شکل ایسی ہو رہی ہے جیسے کسی کا سوگ منا کر بیٹھی ہو، حالاں کہ تمہیں تو آج خوش ہونا چاہیے، تمہارا شہری قومی ٹیم میں سلیکٹ ہو گیا ہے میں تو مبارک باد دینے آئی ہوں، مٹھائی گھر پر کھلاؤ گی یا کالج نہیں؟'' وہ ہنسی۔

''کہیں پر بھی نہیں۔'' میرا چہرہ مزید بجھ سا گیا۔ کاش، میں اس کی خوشیاں منانے کی حق دار ہوتی۔

''کیا دوستی نہیں ہوئی ابھی تک موصوف سے؟'' اسے حیرت تھی۔

''وہ کہتا ہے کہ وہ مجھ سے ہر ربط توڑ چکا ہے، وہ مجھے معاف کرنے کے لئے تیار نہیں......'' اور میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی، شاید مجھے کسی کندھے کی تلاش تھی۔

''محبت کرنے والے عموماً ایسے ہی ڈائیلاگ بولا کرتے ہیں۔ وہ بدلہ لے رہا ہے، تیری خودسری کا، وقتی ابال ہے، ختم ہو جائے گا۔ مگر اب تمہیں اس کا بے حد خیال رکھنا ہوگا، کوئی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو، میری جان، یہ معاشرہ مردوں کا ہے، یہ دنیا مردوں کی ہے، ایک مرد کے لئے معاف کرنے کا عمل اتنا سہل نہیں ہوتا جتنا کہ عورتوں میں ہوتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ تمہیں ضرور معاف کر دے گا۔ مگر رفتہ رفتہ۔'' نصرت نے میری پیٹھ تھپک کر مجھے تسلی دی۔

''اس وقت معاف کرنے کا فائدہ، جب میں ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں۔''

''نہیں، ایسا نہیں ہوگا، اس نے تم سے محبت کی ہے، وہ تمہیں بکھرنے سے پہلے ہی سمیٹ لے گا، وہ ابھی اندازہ کر رہا ہے کہ تم اس کے لئے کتنی بے کل ہو، وہ تمہاری بے اطمینانیوں میں آسودگی محسوس کر رہا ہے۔''

''مگر میرے لئے تو یہ عذاب لمحے ہیں، اس کو راضی کیے بغیر کچھ اچھا نہیں لگتا۔'' نصرت کے سامنے میں نے اپنا کلیجہ چیر کر رکھ دیا۔

''تم سے زیادہ حوصلہ مند تو وہی ہے جو تمہیں منانا تو جانتا تھا۔ ایک تم ہو کہ اس کے دو گرم جملے سن کر روہانسی ہو جاتی ہو۔'' نصرت نے مذاق اڑایا۔

''کیا واقعی شہری مان جائے گا؟'' میں کسی معصوم بچے کی طرح پوچھ رہی تھی۔

''کیوں نہیں مانے گا، وہ تجھ سے ناراض ہو کر کون سا خوش ہوگا۔ اس کے دل پر تو تجھ سے زیادہ بوجھ ہوگا۔'' نصرت مسکرائی۔

''وہ کون سا خوش ہوگا!''

''وہ کون سا خوش ہوگا!''

نصرت کی آواز نے میرے ذہن میں پھلجڑیاں سی چھوڑ دیں۔ وہ میرے بغیر خوشی کا تصور تک نہیں کر

سکتا، میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور ہتھیلیوں پر نمی سی اتر آئی تھی اور پھر نصرت کا وجود ایک نکتہ بن گیا اور اس کے جملے دھنک رنگ اختیار کیے چاروں طرف گھوم رہے تھے، ہنس رہے تھے، مجھے چھیڑ رہے تھے۔

اس کی خوشی مجھ میں مضمر ہے، یہ آگاہی میری آسودگی کا وزن بڑھا رہی تھی۔

تب میں کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھتی چلی گئی جس کے ہالے میں شہری کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔

''ماہم، دوستی بالکل پکی والی دوستی۔'' اس کی آنکھیں پرشوق انداز سے کہہ رہی تھیں۔

''اب تو کبھی ناراض نہیں ہو گے ناں۔'' میں اس کے سنگ بادلوں پر اڑتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کوئی اپنی زندگی سے بھی ناراض ہوا کرتا ہے۔'' اس کا شہد آگیں لہجہ میرے کانوں میں امرت ٹپکا رہا تھا۔

''ہاں، تم، ہماری ہو، ہماری ہو، ہماری ہو، ہم بصد مسرت اعلان کرتے ہیں۔'' وہ شاہانہ لہجے میں شوخی سے کہہ رہا تھا۔

طمانیت اور محبت کا عکس اتنا واضح تھا کہ سرشاری سے میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

ماہم! تم ٹھیک تو ہو ناں، کہاں کھو گئی ہو؟'' نصرت نے میرا شانہ جھنجھوڑا۔

''آں، آں!'' میں چونک کر تہی دامن سی ہو گئی...... شہری تو مجھ سے دور تھا، بہت دور......!

''ماہم، کیا ہو گیا تھا تجھے، تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' نصرت پوچھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں زبردستی مسکرائی۔

''ایمان سے۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

''ہاں۔'' میں نے اپنا برف سا ہاتھ اس کے گرم ہاتھ پر رکھ دیا اپنے ٹکڑے خود ہی سمیٹنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔

ممانی کے ہاں سے دعوت کھا کر سب لوگ رات گئے لوٹے۔ ممانی جان نے میرے حصے کا ڈھیر سارا کھانا بھی بھیجا تھا اور نہ آنے پر خفگی کا اظہار بھی کیا تھا۔

باجی مسلسل دعوت کی باتیں کر رہی تھیں اور میں یوں چپ چاپ لیٹی تھی، جیسے کسی بات سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔ دماغ میں جو جملے ہلچل مچا رہے تھے تو وہ صرف نصرت کے جملے تھے۔

''ماہم، شہری تیرے بغیر ہرگز خوش نہیں ہوگا۔''

''اس کی خوشی تو، تو ہے۔''

''اس کے دل پر تو تجھ سے زیادہ بوجھ ہوگا۔''

♥♥♥

اور پھر اگلی شب اچانک شہری آگیا، وہ ضمیر بھائی کے پاس کسی کام سے آیا تھا، اس کی آمد سے مجھے یوں لگا، جیسے بہاروں کے قافلے جوق در جوق اترتے چلے آئے ہوں اور روح میں خوشیاں پائلیں بجا رہی ہوں۔

دل کا سارا بوجھل پن اسے دیکھتے ہی ختم ہو گیا۔

''مبارک ہو شہری!'' میں نے انتہائی جذب سے کہا۔

''تھینک یو۔'' انتہائی نروٹھے پن سے کہا گیا۔

اس کا پھولا پھولا سا چہرہ دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔

''ضمیر بھائی، چائے لاؤں؟'' میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''ہاں لے آؤ، شہری تو ہر وقت تیار رہتا ہے، چائے پینے کے لئے۔''
''مگر میں نہیں پیوں گا، ابھی گھر سے پی کر آ رہا ہوں۔
''موسم اچھا ہو رہا ہے، تھوڑی سی پی لو۔'' ضمیر بھائی نے اصرار کیا۔
''اب میں چائے کم پیتا ہوں، اچھی نہیں لگتی۔'' وہ ایک اجنبی سی نظر مجھ پر ڈال کر کہہ رہا تھا۔
''تمہاری مرضی۔'' بھائی جان، تیار ہونے کے لئے اٹھ گئے اور وہ چپ چاپ منہ میں گھنگیاں ڈال کر بیٹھ گیا۔

اس کی بے ساختہ مسکراہٹ، چمکتی ہوئی جھنکارتی ہوئی ہنسی اس کے چہرے اور لبوں سے غائب تھی۔

خداوند یہ کیسی آگ سی جلتی ہے سینے میں
تمنا جو نہ پوری ہو وہ کیوں پلتی ہے سینے میں

کسی فلیٹ میں کہیں ٹیپ چل رہا تھا اور گیت کے بول میرے من کو مزید سلگا رہے تھے۔ دسمبر کی ٹھٹرتی ہوئی شب میں میرے پسینے بہہ رہے تھے۔

ابا جان، کسی کام سے اٹھے تو میں اور شہری کمرے میں تنہا رہ گئے۔ میری سماعت، اس کے لفظوں کی منتظر تھی کہ ماہم، اب میں تم سے ناراض نہیں رہ سکتا۔ تم سے خفا ہو کر مجھے کہیں قرار نہیں ملا، آؤ زندگی کا سفر ان طویل اور سایہ دار پگڈنڈیوں سے شروع کریں جہاں کی وادیاں ہماری قدموں کی آہٹ کی منتظر ہوں، جہاں کے قد آدم درخت ہمارے انتظار میں ہوں۔ جہاں کے بادل، برف پوش چوٹیوں کو چوم کر برسنے کو تیار کھڑے ہوں اور صندل کی مہک لئے بھیگی اور معطر فضائیں ہمیں چھو کر امر ہو جائیں اور کہکشاں بھری راہ گزر پر ہم ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے زندگی بتا دیں۔'' (نصرت کی باتوں سے یہی مفہوم میں نے اخذ کیا تھا کہ شہری، دوستی کا ہاتھ ان ہی طلسماتی لفظوں کے سنگ بڑھائے گا) مگر شہری تو یوں چپ تھا، جیسے اس کی زبان تالو سے جا لگی ہو! میں بے چینی وہ اضطراب سے اپنے دوپٹے کی بیل ادھیڑ رہی تھی، نہ جانے کون سا سرا ہاتھ میں آ گیا تھا، دھاگہ کھینچتے ہی بیل ڈھیلی ہو کر دوپٹے سے لٹک گئی تھی۔

اور شہری مسلسل اس پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا جو اسے کبھی پسند ہی نہیں تھی۔

''ناراضگی کی ایک حد ہوتی ہے مگر لگتا ہے، تم ساری حدیں کراس کر گئے ہو۔'' میں نے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیر کر کہا۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر اس کی نظریں پردے کے ڈیزائن میں الجھ گئیں جہاں کاسنی پھولوں کی بیلیں اوپر کی سمت جا رہی تھیں۔ اوپر اور بہت اوپر نہ جانے وہ بلندی میں کسے تلاش کر رہا تھا۔ اس کے اس انداز پر میں رونکھی سی ہو گئی۔ کس قدر نظر انداز کر رہا تھا۔ اس کی مسلسل بے اعتنائی نے یہ احساس دلا دیا تھا کہ میں بے اعتبار ہو کر رہ گئی ہوں۔

''خدایا، اس بے وفائی سے مجھے بری کر دے۔'' میں دل ہی دل میں دُعا کر رہی تھی۔

مگر میری یہ دُعا پوری نہیں ہوئی تھی شہری نے ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کر، معاف کر دینے والی نگاہ سے مجھے نہیں دیکھا تھا،

شاید، کچھ دعائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو فوری طور پر بارگاہِ ایزدی کے حضور قبولیت تک نہیں پہنچتیں، اور ابھی انتظار کرو، کی قطار میں کھڑی کر دی جاتی ہیں، میرے ساتھ بھی شاید ایسا ہی ہو رہا تھا۔

ضمیر بھائی کی تیاری میں دیر ہو رہی تھی اور شہری کی نظریں بدستور اپنی گھڑی پر بار بار جم رہی تھیں یوں جیسے یہاں وقت گزارنا دوبھر ہو رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ ضمیر بھائی تیار ہو کر آتے، تانیہ، نغمی کے ساتھ داخل ہوئی۔

''اف، ہم تو انتظار کرتے کرتے تھک گئے، تم ضمیر کے ساتھ پہنچے نہیں۔'' وہ شہری سے مخاطب تھی۔
''یہ صرف ضمیر بھائی کی وجہ سے دیر ہوئی ہے ورنہ میں تو ایک گھنٹے سے یہاں بور ہو رہا ہوں۔'' شہری نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اچھا، آپ یہاں بور ہو رہے تھے، ذرا پھر سے کہنا، یہی جملہ۔'' نغمی نے ایک پھسلتی ہوئی نظر مجھ پر ڈال کر تیوری چڑھا کر شہری سے پوچھا۔
''اب کیا میں، تم سے بہانے بناؤں گا، میں سچ کہہ رہا ہوں نغمی!'' شہری کے لہجے میں جھرنے سے بکھر گئے۔
''تو گویا آپ کو احساس ہو ہی گیا کہ آپ کے انتظار میں کوئی بور ہو رہا ہوگا۔'' وہ قصداً زور سے ہنسی جیسے شہری کا اعتراف، وہ بطور تبرک بانٹ رہی ہو۔
''چلو گی بھی یا باتیں ہی بناتی جاؤ گی، ہمارے مہمان علیحدہ سوکھ رہے ہوں گے۔'' شہری کا چہکتا ہوا انداز بھرپور تھا۔
''تانیہ آپی، آپ کے ضمیر بھائی کب تک میک اپ کریں گے، ان سے کہیں کہ پلیز، جلدی چلیں، بہت دیر ہو چکی ہے۔'' نغمی نے ہنس کر تانیہ سے کہا۔
''مجھے کیا پتا تھا کہ اتنی دیر لگائیں گے ورنہ اپنے ساتھ بیوٹی پالر لے جاتی۔'' تانیہ نے بھی ہنسی کی پھلجڑی چھوڑی۔
''لیجئے جناب، ہم آ گئے، ہمیں کہاں ضرورت ہے میک اپ کی، ہم تو خود ہی شہزادے ہیں۔'' ضمیر بھائی خوشبوؤں میں بسے اپنے کمرے سے نکل آئے۔

وہ چاروں ہنس رہے تھے، ایک دوسرے کو چھیڑ رہے تھے اور میں اپنے اندر ایک گہرا سناٹا لئے پتھر بنی کھڑی تھی، ارتقاء باجی خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''چلو گی بھی یا نہیں، ہمارے مہمان علیحدہ سوکھ رہے ہونگے۔'' شہری کے جملے کی بازگشت میرے کانوں میں گونج رہی تھی شہری نے کیا کہہ دیا تھا، کیا ہو گیا تھا۔ میرا ذہن، سچ کی یہ تلخی اپنے اندر تحلیل کرنے سے قاصر تھا محبت کی ناکامی بڑی دل خراش ہوتی ہے، خصوصاً لڑکیوں کے لئے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کر بیٹھیں، مگر شہری کو نغمی کے ساتھ بے تکلفانہ انداز میں دیکھنے کے باوجود اس کا چہرہ بار بار ذہن کی لوح پر ابھر رہا تھا جسے میں بمشکل ذہن کے تاریک نال خانوں میں دھکیل رہی تھی۔ تاسف اور غم کی لکیریں میرے چہرے پر یوں تحریر تھیں جسے ہر شخص بہ آسانی پڑھ سکتا تھا۔

میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ شہری نے میرے لئے بڑی ہولناک سزا کا انتخاب کیا ہے میرے سامنے نغمی کو ایسے مسحور کن انداز سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے دیکھنا عبادت کا درجہ رکھتا ہے، نغمی کی بے قراریاں اور شہری کی دلداریاں چند لمحوں میں ہی آشکارا ہو گئی تھیں۔

شہری کی روش اور جھکاؤ دیکھ کر میں تڑپ سی گئی تھی۔ شاید انسان کے سارے جذبے کسی ایک کمزور لمحے

کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور جب وہ لمحہ آتا ہے تو انسان پھر اپنے آپ میں نہیں رہتا یہی حالت اس وقت میری ہو رہی تھی، مگر وہ تو یوں رخ پھیر کر گزر گیا تھا جیسے پچھلی کسی گزرگاہ سے اس نے گزرنا ہی نہیں تھا ایک دفعہ بھی مجھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا ارتقاء باجی کو بھی خدا حافظ نظریں چرا کر دھیمے لہجے میں کہا تھا، جب کہ گھر سے باہر نکل کر اس کا قہقہہ خاصا جاندار تھا جس میں تانیہ اور نغمی کے قہقہوں کی آمیزش بھی شامل تھی۔

''ہوں، یہ بات ہے، اب سمجھ میں آئی اس کی ناراضگی۔'' باجی میری پشت پر کھڑی کہہ رہی تھیں۔

میں تڑپ کر مڑی اور انہیں دیکھا، خجالت سے مر جانے کو دل چاہ رہا تھا۔

''شہری کے اعزاز میں آج بہت بڑا عشائیہ سیٹھ احسانی صاحب دے رہے ہیں، شہر کی تمام بڑی بڑی شخصیات کو مدعو کیا گیا ہے، پریس کے تمام اراکین مدعو ہیں، ٹی وی کیمرہ جناب شہریار کا منتظر ہوگا اور صرف ضمیر بھائی کی سستی نے اسے یہاں بور بٹھائے رکھا، ایسے میں تو اڑ کر جانے کو دل چاہتا ہے اور وہ بے چارا، چچ چچ دیکھ لو، آج کے عشائیے کی خبر، اخبار تک میں شائع ہوئی ہے۔'' باجی نے اخبار میری طرف اچھال دیا اور لگیں گنگنانے، جیسے کہ کچھ ہوا نہ ہو۔

اور میں اخبار پڑھے بغیر اپنے کمرے میں چلی آئی، شاید باجی کو احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ شہری کی بے رخی میرے دل پر کیا گھاؤ لگا گئی تھی یا وہ جان بوجھ کر میرے زخموں پر پھاہے رکھ رہی تھیں۔

مگر میرا زخم خاصا گہرا تھا۔

یہ پہلا گھاؤ ہی کم نہ تھا کہ شہری مجھ سے ناراض تھا اور کسی صورت میں اپنا غصہ کم کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ مزید ضرب یہ پڑی تھی کہ میرے روٹھے ہوئے شہری کو نغمی اپنا بنانے کی سعی کر رہی تھی اور اس تک پہنچنے والے شاہراہ پر شاید شہری نے قدم بھی رکھ دیئے تھے۔

یہ ضرب، پہلے گھاؤ سے بھی زیادہ شدید تھی جسے برداشت کرنا بے حد مشکل تھا۔ روٹھا ہوا، شہری واپس آسکتا تھا، مگر...... اس سے زیادہ سوچنے کی مجھ میں ہمت ہی نہیں تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ نغمی کا منہ نوچ لوں۔ مجھے شہری کے الفاظ یاد آرہے تھے۔ ''میں بہت اوپر جانا چاہتا ہوں، بہت اوپر'' شاید اس کا خواب پورا ہو رہا تھا، شہری کا سفر بلندیوں کو چھو رہا تھا اور میں عمیق کھائیوں میں گرتی چلی جا رہی تھی، شہری کی نظروں سے گر کر بے حد چھوٹی ہو گئی تھی۔

باجی کے ہاتھ میں میگزین تھا، بظاہر ان کی نظریں سطروں میں دوڑ رہی تھیں، مگر مجھے معلوم تھا کہ ان کا ذہن کہیں اور تھا کیونکہ جب بھی وہ ٹینشن میں ہوتیں، تو ان کا دایاں پاؤں مسلسل ہلتا رہتا تھا۔

میں نے کئی دفعہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا، مگر وہ میگزین سامنے رکھے نہ جانے کیا کچھ سوچ رہی تھیں۔

''ماہم! ذرا صفدر کو تو فون کر دو۔'' رسالے کی ورق گردانی کرتے ہوئے، شاید انہوں نے کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔

''کیوں، بھئی میں کیوں کروں، میرا کیا کام رکھا ہے......؟'' میں حرا کو سوپ پلاتے ہوئے بولی۔

''افوہ بھئی کچھ نہیں ہو، اگر فرجاد کی باتیں سچ ہوئیں جو اس نے تم سے کی تھیں تو صفدر کو یقیناً آگاہی ہوگی ذرا سا کرید و گی تو وہ کچھ نہ کچھ ضرور بولے گا جس سے کمال فرمانی کی سچائی کا کوئی نہ کوئی سرا ہمارے ہاتھ میں آجائے گا۔'' وہ وفورِ شوق سے دوسرے ہاتھ پر گھونسا مارتے ہوئے بولیں۔

''افوہ یہ بات ہے، ٹیسٹ لینا چاہ رہی ہیں آپ کمال صاحب کا، یہ کیا بات ہوئی کہ صفدر بھائی کے ذریعے تحقیقات کر رہی ہیں۔ ان کو گھر بلا کر دس سوالات دے دیں کہ مذکورہ پرچے کے سات سوالات کے جوابات تفصیل سے لکھیں، پہلا سوال لازمی ہے کہ ارتقاء باجی کی شخصیت پر ایک تھیسس لکھو۔'' میں نے

شوخی سے کہا۔

''بہت بکواس کرنے لگی ہے۔'' وہ بے ساختہ ہنس دیں۔

''باجی، آپ یقین کیوں نہیں کرتیں کہ کمال فرمانی صاحب ایک اچھے شخص ہیں اور حرا کے سلسلے کے واقعات اور شواہد نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بہت ہی نفیس آدمی ہیں۔''

''اگر میں اپنی تسلی بھی کر لوں تو کیا حرج ہے ویسے مجھے یقین ہو چلا ہے کہ کمال فرمانی ایک قابلِ احترام شخصیت ہیں۔ باجی نے دھیرے سے کہا۔

''قابلِ محبت کہتے ہوئے کیا شرم آرہی تھی۔'' میں نے ان کے لہجے کی نقل اتاری۔

''ماہم تو باز نہیں آئے گی۔ نہ جانے کیسی ہوتی ہیں وہ بہنیں جو اپنی باجیوں کے حکم پر چلا کرتی ہیں۔'' وہ لگیں اترانے۔

''صحیح کہا ہے لوگوں نے، خدا دشمن کو بھی چھوٹی بہن نہ بنائے، کتنا ہی کچھ لڑ کر لو مگر مانیں گی تھوڑی......'' ان کا بنا ہوا منہ دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔

''اپنی مرضی سے جس کو دل چاہے فون کرتی رہیں گی، اس وقت میں نے کہہ دیا تو کام ہو گیا، یوں جیسے کبھی صفدر سے بات ہی نہ کی ہو۔ اس دن کیسے ٹھاٹ سے صفدر کے ساتھ اسکوٹر پر آئی تھیں جب سب حرا کو لینے جا رہے تھے۔''

''پلیز باجی، آپ خود فون کر لیں۔'' اس شام کا تذکرہ میری رگوں میں لرزہ سا کھینچ گیا۔ یہ کیا کہہ دیا تھا، باجی نے میرا سر گھوم گیا۔

''نہیں ماہم، میرا فون کرنا مناسب نہیں ہوگا، بعد میں وہ سوچیں گے کہ کمال صاحب سے شادی سے پہلے ارتقاء باجی تحقیقات کر رہی تھیں۔''

''اچھا تو آپ کی شادی، کمال صاحب سے ہو رہی ہے۔'' میں زبردستی ہنسی۔

''اب لگاؤں گی میں ایک ہاتھ، اگر زیادہ بکواس کی۔ پہلے صفدر کو فون کرو۔'' انہوں نے جیسے حکم دیا۔

تب میں نے صفدر کا نمبر ڈائل کیا ان کے گھر میں فون لگ گیا تھا، یہ بھی شکر تھا کہ فون صفدر نے ہی ریسیور کیا تھا ورنہ میں فون ہی بند کر دیتی۔

''ماہم! آج کیسے یاد کر لیا؟'' لہجے میں ہلکا سا شکوہ رچا ہوا تھا۔

''آپ، بہت دنوں سے گھر جو نہیں آئے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی کہنا پڑا تھا۔

''مصروفیت بہت تھی مگر جلد آؤں گا'' خدا کے لئے صفدر مت آنا، میں تم سے نظریں نہیں ملا سکتی۔ میں نے دل میں کہا۔

''ضرور آیئے گا، مگر آج آپ سے ایک شکوہ ہے۔'' میں نے دل اور لہجہ تھام کر کہا۔

''شکوہ اور مجھ سے!'' صفدر کی حیرت بجا تھی۔

''کیوں، آپ سے کسی کو کیا شکوہ نہیں ہو سکتا۔'' میرا ذہن، فیروزہ کی جانب چل پڑا، آخر وہ بھی تو ان سے روٹھتی ہو گی محبت میں۔

''ارے، ایسے کہاں ہمارے نصیب۔'' ان کا لہجہ ماتم کناں سا ہو گیا۔

کیا فیروزہ بالکل ہی سیدھا سادہ عشق کر رہی ہے۔'' میں حیران ہو رہی تھی۔

''آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ کمال فرمانی نے حرا کے لئے پچاس ہزار روپے دیئے تھے۔'' میں نے انکشاف کیا۔

''ارے! تمہیں کیسے پتا چلا، یہ بات تو ان کے گھر والوں تک کو نہیں معلوم'' صفدر کو حیرت ہو رہی تھی۔

''ہمیں کہیں سے بھی پتا چلا، مگر آپ نے تو نہیں بتایا ناں۔''

''کمال صاحب نے منع کر دیا تھا اور پھر نیکی کی تشہیر نہیں کی جاتی اور پھر یہ بات بتانے والی بھی نہیں تھی، صرف مجھے اور ڈاکٹر فرجاد کو معلوم تھی، حد تو یہ ہے کہ فرحین تک کو نہیں معلوم تھی۔''

''یہ ڈاکٹر فرجاد کیا ڈاکوؤں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں؟'' میں نے جان بوجھ کر کہا۔

''ارے نہیں بھئی، وہ بہت بڑے ڈاکٹر ہیں، نامی گرامی ڈاکٹر۔'' صفدر کا لہجہ تحسین بھرا تھا۔

''ڈاکو بھی تو ڈاکٹر ہوتے ہیں، رات دن آپریشن کرتے ہیں۔'' میں ہنسی۔

''مگر فرماد اس قسم کے ڈاکٹر نہیں ہیں، وہ ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں، مایہ ناز ڈاکٹر، ان کے والدین امریکہ میں سیٹل ہیں، مگر یہ وقتاً فوقتاً پاکستان آتے رہتے ہیں، کمال فرمانی صاحب کے فرسٹ کزن بھی ہیں، پاکستان میں ان کا قیام کمال صاحب کے گھر میں ہی ہوتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہوا کہ حرا کے تاوان کی ادائیگی کے بارے میں صرف ڈاکٹر فرجاد اور آپ کو ہی معلوم تھا۔''

''اور اب آپ کو بھی معلوم ہے۔'' صفدر ہنسے۔

''مگر بہت دیر سے۔''

''ضروری نہیں کہ ہر بات کی آگاہی ہو۔''

''کیوں بھلا......؟''

''بعض دفعہ لاعلمی بھی مسرت دیتی ہے۔'' وہ فلسفہ بولنے لگے۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میری نظروں میں نغمی اور شہری کا کھلکھلاتا ہوا سراپا لہرانے لگا...... کتنی چاہت بھرے لہجے میں وہ ایک دوسرے سے مخاطب تھے، لگتا ہی نہیں تھا کہ ان کی صرف چند ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ وہ تو بہت قریب تھے...... شاید اب اپنا سارا وقت وہ نغمی کے ساتھ ہی گزار رہا تھا جب ہی تو ممانی جان کہتی تھی کہ شہری اب گھر میں ٹکتا ہی نہیں ہے، رات کو بھی دیر سے گھر آتا ہے۔

''ہیلو ماہم، چپ کیوں ہوگئیں، بولو ناں، آواز آرہی ہے ناں!'' صفدر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

مگر میں ریسیور کریڈل پر رکھ چکی تھی، کام کی بات جو مجھے معلوم کرنا تھی وہ میں معلوم کر چکی تھی باتیں کرنے کا شوق اب ختم ہو چکا تھا اور پھر صفدر کی بات تو مجھے بہت دور تک لے گئی تھی کہ لاعلمی بہت مسرت دیتی ہے۔ شاید آج مجھے اتنا دکھ بھی نہ ہوتا، اگر نغمی اور شہری کی گفتگو نہ سنتی، شہری کی ناراضگیوں کی تو میں عادی ہوگئی تھی مگر اس کی بے وفائی کا سامنا پہلی دفعہ کیا تھا۔

نغمی کو دیکھ کر شہری کے لبوں پر چاہت۔ کے پھول سج سے گئے تھے اور آنکھوں میں قندیلیں سی روشن ہوگئی تھیں اور یہی حال نغمی کا تھا، وہ شہری کو اس تفاخر سے دیکھ رہی تھیں کہ جیسے وہ صرف اور صرف اسی کا ہو۔

ٹھیک ہے شہری، مجھ سے ناتا توڑ کر، شاید تم نے درست ہی فیصلہ کیا ہو۔ کرکٹ کے مستقبل میں تمہیں بہت اوپر جانا ہے، بلندیاں تمہیں ہمیشہ پسند رہی ہیں، نغمی کے ساتھ سیٹھ احسانی بھی تمہارے معاون ہو سکتے ہیں، میرے پاس سے تمہیں ملنا ہی کیا تھا۔

میں نے آنسو پی کر بمشکل اپنے اوپر قابو پایا۔ باجی کرید کرید کر صفدر سے بات چیت کا خلاصہ پوچھ رہی تھیں اور میں ان کی ہر بات کا جواب دے رہی تھی کہ ان کی تسلی اچھی طرح ہو جائے اور پھر واقعی باجی کا شک وشبے کا لہجہ ختم ہوگیا۔ اب وہ شرماتے ہوئے مجھ سے بھی نظریں چرا رہی تھیں۔

''باجی میرا دل کہتا ہے کہ آپ فرمانی صاحب کے ساتھ بے حد خوش رہیں گی۔''

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔'' انہوں نے حرا کو اپنے سینے سے لگالیا اور وہ دمکتے ہیرے ان کے رخساروں پر

چمکنے لگے۔

♥ ♥ ♥

ضمیر بھائی کا خیال تھا کہ ارتقاء باجی کی شادی بے حد سادگی سے کی جائے، جب کہ ماموں جان کی یہ رائے تھی کہ کمال فرمانی کے گھر والوں کے ارمان ہوں گے اس لئے تھوڑا بہت اہتمام ضرور ہونا چاہئے۔

''کیا اچھا لگے گا، مہمانوں کے ہجوم بلا کر، کون سی یہ پہلی شادی ہے۔'' ضمیر بھائی مسلسل اختلاف کر رہے تھے۔

ابا جان کو، ضمیر بھائی کی باتیں بُری لگ رہی تھیں مگر وہ چپ تھے۔ اس سے قبل کہ گھر میں مہمانوں کی لسٹ کو آخری شکل دی جاتی، کمال فرمانی صاحب نے ازخود کہلوا دیا کہ برات میں بے حد کم لوگ آئیں گے اور ان کی خواہش ہے کہ وہ ارتقاء کو انتہائی سادگی سے رخصت کرا کے لے جائیں۔

''دیکھا، میرا مشورہ کتنا صحیح تھا۔ اب زیادہ دھوم دھڑکے سے شادیاں نہیں کرنی چاہئیں۔ بہار کم آرہی ہے، اپنے عزیزوں کو بھی کم سے کم بلائیے، بے وقوف لوگ شادیوں پر اپنا پیسہ بری طرح بہادیتے ہیں۔'' ضمیر بھائی نے کہا۔

''مجھے امید ہے کہ یہ عقل مندی اپنی شادی کے موقع پر بھی روا رکھو گے۔'' ابا جان کا لہجہ تاسف بھرا تھا۔

''ظاہر ہے، ایسا ہی ہوگا۔'' وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گئے تھے اپنے معاملات میں وہ موضوع بدلنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور جب ایسا کرنا ناممکن نظر آتا تو وہاں سے ہٹ جایا کرتے تھے۔

باجی کی شادی گھر پر ہی ہو رہی تھی، فلیٹ کے کمپاؤنڈ میں شامیانہ لگا دیا گیا تھا، کمال فریانی کی برات میں بمشکل پچیس تیس فرد تھے۔ انتہائی سادگی سے برات آئی تھی مگر باجی کی بَری بے حد شاندار تھی، تمام جوڑے نفیس اور بیش قیمت تھے۔ سونے کے سیٹ خوب صورت اور وزنی تھے۔ ہماری جانب سے بھی پچاس کے قریب عزیز بلائے گئے تھے۔ سیٹھ احسانی، تانیہ اور نغمی بھی موجود تھیں۔ صفدر، شہری ماموں اور ممانی بھی پیش پیش تھے، نغمی نے سیاہ لباس زیب تن کر رکھا تھا، جس پر سرخ مکیش کا بے حد خوبصورت کام بنا ہوا تھا۔ شہری کالے ڈنر سوٹ میں تھا، سرخ ٹائی لگائے بہت وجیہہ نظر آرہا تھا، میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی شہری کا پسندیدہ رنگ شاکنگ پنک پہنا تھا۔ چوبیس کلیوں کے شیفون کے کرتے پر باریک فیروزی کام تھا، فیروزی جھمکے، فیروزی گلوبند اور فیروزی رنگ کی لونگ پہنی تھی۔ شہری نے ایک بھرپور نظر مجھ پر ڈالی تو چند لمحوں کے لئے مبہوت سا ہوگیا۔ اس کے لب یکبارگی کچھ کہنے کو بے قرار بھی ہوئے۔ میں اس کو یوں سراسیمہ سا دیکھ کر آگے بڑھی غیر مرئی انداز میں جیسے کسی سحر کے زیر اثر چل رہی تھی۔

وہ ایک ٹک میری جانب دیکھ رہا تھا، جیسے پلک جھپکی تو یہ سارا منظر ہوا ہو جائے گا۔

میں کسی پجارن کی طرح اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی تھی، نظریں اپنے پیروں پر گڑی تھیں۔

''چاندنی!'' وہ میرے شانوں کو پکڑ کر بے اختیار پکار اٹھا۔ اس کی آواز میرے کانوں میں امرت گھول گئی۔

''شہری!'' میں سسک اٹھی، میں تھک گئی تھی، اس کی جدائی کا عذاب سہتے سہتے۔

''شہری، جلدی آؤ۔ عمران خان آگئے ہیں۔'' نغمی نے آواز لگائی۔

''ماہم، کیا بات ہے؟'' شہری کے ہاتھ میرے کندھوں سے پھسل کر اپنے سینے پر نخوت سے بندھ گئے تھے۔

''بات میں کیا بتاؤں گی، اپنے دل سے پوچھو کہ وہ مجھے کتنا قصور وار سمجھتا ہے۔'' میں اس کا بدلتا لہجہ محسوس کر رہی تھی۔

"پیار کرنے والے، اتنی کڑی سزا نہیں دیا کرتے ہیں۔" میں روہانسی ہوگئی۔

"مجھے نفرت ہے اب اس لفظ سے۔ اصل زندگی میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔" وہ سنگ دلی سے ہنسا۔

"شہری، کب تک ہوگی تمہاری کانفرنس، پاپا بلا رہے ہیں، تمہیں۔ معلوم بھی ہے کہ عمران خان معمولی شادیوں میں شرکت کے لئے نہیں آیا کرتے، صرف پاپا اور ہمارے ایک انکل کی وجہ سے وہ آ گئے ہیں۔ تم کو ان کے پاس فوراً جانا چاہیے فضول وقت کیوں ضائع کر رہے ہو!" نغمی مجھے تمسخرانہ انداز میں دیکھتے ہوئے شہری سے بولی۔

"اوہ، میں تو بھول ہی گیا۔ شادی چھوٹی ہو یا بڑی، بیکار کے بکھیرے راہ روک لیتے ہیں،" شہری ایک زہر خند نظر ڈالتے ہوئے نغمی کے ساتھ باہر مردانے میں بڑھ گیا۔

اور میں یوں جمی کی جمی کھڑی رہ گئی جیسے میرے پیروں میں کسی نے میخیں ٹھونک دی ہوں۔

نہ جانے کب تک یونہی کھڑی رہتی کہ صفدر بلانے چلے آئے۔

"ماہم، تم یہاں کھڑی ہو، نکاح ہوتے ہی ارتقاء بری طرح رو رہی ہیں۔"

تب میں باجی کے گلے لگ کر یوں پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ وہ بھی اپنا رونا بھول کر مجھے سنبھالنے لگی۔

"ارے، آپ کا دل بہت چھوٹا ہے۔ بجائے اس کے کہ ارتقاء باجی کو سنبھالتیں، آپ نے تو......" فرجاد جملہ ادھورا چھوڑ کر فرحین کو دیکھنے لگے جو باجی کے ساتھ ساتھ میری بھی کھٹا کھٹ تصویریں کھینچ رہی تھی۔

"تھوڑی دیر صبر نہیں کر سکتیں، آنسو تو صاف کرنے دو، اتنی جلدی کا ہے کی ہے۔" فرجاد اب فرحین سے مخاطب تھے۔

"فرجاد بھائی، آپ کو نہیں معلوم۔ اب کمال بھائی رخصتی کے لئے کتنی جلدی مچائیں گے اور مجھے اپنی چار ریلیں ہر صورت میں ختم کرنی ہیں۔ خدا جانے آپ لوگوں کے فوٹو گرافر کیسی تصویریں کھینچ رہے ہوں، کم از کم مجھے اپنے کیمرے پر پورا بھروسا ہے۔"

اس دوران میں اپنے آنسو پونچھ کر چپ چاپ کھڑی ہوگئی تھی باجی کی جدائی سے زیادہ شہری کے تحقیر بھرے جملے مجھے لہولہان کر گئے تھے۔ یہ بھی اچھا تھا کہ باجی کے گلے لگ کر آنسوؤں کے سمندر کی سطح کچھ کم ہوگئی تھی۔

"ماہم آؤ، باجی کے ساتھ بیٹھ کر مووی بنواؤ۔ تصویریں کھنچواؤ۔" سب آوازیں دے رہے تھے مگر میں وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ لائٹ سا میک اپ آنسوؤں سے بہہ چکا تھا، گھر کے اندر آ کر پانی کے چھپکے مارے اور پھر مہمانوں میں آ گئی، یوں بھی رخصتی کا عمل قریب تھا۔

"شہری مووی میکر سے اپنی اور نغمی کی مووی بنوا رہا تھا۔ ممانی جان حیرت سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر تاسف اور افسوس کی تحریریں واضح پڑھی جا رہی تھیں۔

"ماہم، یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ شہری کیا کر رہا ہے؟" وہ میرا کندھا ہلا کر پوچھ رہی تھیں۔

"مجھے کیا معلوم، میں تو اس بارے میں کچھ نہیں جانتی ہی نہیں۔" میں نے رندھی ہوئی آواز پر قابو پا کر ممانی سے کہا۔

"سچ کہہ رہی ہو۔" وہ بے اعتباری سے مجھے دیکھتے ہوئے بولیں تو میں نے اپنی نظریں چرا لیں۔

"تو یہ ہے موصوف کی مصروفیت" ممانی جان دانت کچکچا رہی تھیں۔ "اگر اس پرکٹی کے لئے بے قرار ہونا تھا تو میرے پاس آ کر ماہم کے لئے خود شامدیں کیوں کی تھیں کہ امی، پھوپھا جان سے ماہم کو میرے لئے مانگ لو، کہیں وہ اس کا رشتہ نہ طے کر دیں، ممانی جان بدستور بڑبڑا رہی تھیں۔

مگر میں ان کی کوئی بات توجہ سے نہیں سن رہی تھی دل کی بستی اجڑ چکی تھی، شہری کو مناتے مناتے میری انا، خودداری سب چور چور ہوگئی تھی۔

نصرت نے سب جھوٹ کہا تھا کہ محبت کرنے والے اپنے محبوب کو کبھی نظرانداز نہیں کرتے۔

شہری نے تو ذلیل کرنے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی تھی۔ نغمی کے سامنے اس کا روکھا روکھا لہجہ علیحدہ شرمندہ کر گیا تھا۔ وہ بھی نہ جانے کیا سوچتی ہوگی۔

"چاندنی آؤ، ارتقاء رخصت ہو رہی ہے۔" ابا جان نے مجھے آواز دے کر بلایا۔ زبیدہ پھوپھو ہاتھ میں قرآن لئے کھڑی تھیں۔ باجی، کمال فرمانی کے ہمراہ قدم بڑھاتی ہوئی گاڑی کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ فرحین نے دروازہ کھولا، تو باجی اور فرمانی صاحب برابر برابر بیٹھ گئے تو فرحین کے بیٹھتے ہی گاڑی ہوا ہوگی۔ میرے آنسو اندر گر رہے تھے اور لب لرزیدہ تھے۔ ابا جان مغموم سے اندر آ گئے اور میں ابا جان کے پاس چلی آئی۔

"ارے، ابھی تو رونے کا پروگرام بھی نہیں ہوا تھا کہ رخصتی ہوگی، ہم تو سمجھ رہے تھے کہ آخری وقت باجی کے گلے لگ کر رونا ہوگا اور مووی والا ہمارے کلوز اپ لے گا۔" تانیہ بلند آواز میں ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"شادی کے موقع پر اب کوئی نہیں روتا۔" یہ تو خوشی کی بات ہوتی ہے۔" شہری کا لہجہ بھی اسی اڑان کا تھا۔

تب میں نے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ بند کر دیا، ابا جان کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی، کمرے کا دروازہ بھی میں نے بھیڑ دیا۔

شہری کی کوئی آواز سننے کو قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا اور اپنے تئیں سارے دروازے میں نے بند کر دیے تھے، دل کے دروازے سمیت!

اگلے دن ولیمہ تھا جس کا انتظام شہر کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ شہر کی معروف شخصیات بڑے پیمانے پر مدعو تھیں۔ اخبار سے وابستہ بے شمار صحافی تقریب میں موجود تھے، یہی وجہ تھی کہ کمال بھائی اور ارتقاء باجی روشنیوں کے جھماکوں میں نہا رہے تھے۔ فیروزی اور شاکنگ پنک، بھاری کامدار غرارے میں باجی بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں۔ کمال بھائی کے چہرے سے بھی سرشاری کا احساس ہو رہا تھا۔

نغمی اور شہری، آج بھی ساتھ ساتھ تھے مگر میں اس سمت جانے سے ہی گریز کرتی، جہاں یہ دونوں نظر آتے، شہری سے بحالت مجبوری اگر سامنا ہو بھی جاتا تو میں منہ پھیر لیتی، کیا فائدہ تھا ایسے شخص کو دیکھنے کا جو اپنے آپ کو نہ جانے کیا کچھ سمجھے ہوئے تھے۔ صفدر اور فرجاد میزبانوں میں سے تھے اور سارا وقت مہمانوں کو ریسیو کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

سوئمنگ پول کے اطراف میں کھانا کھاتے ہوئے سب کو بہت اچھا لگ رہا تھا، مگر میرے لئے لقمے اتارنے دوبھر ہو رہے تھے، ایسا کیوں تھا؟ یہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

باجی کی خوشی سے میرا دل بے حد خوش تھا۔ ابا جان کو آسودہ ہنسی ہنستے دیکھ کر طمانیت ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود دل میں ایک ہوک سی اٹھی، بظاہر میں ہنس رہی تھی لوگوں سے مل رہی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ آنسوؤں کی نمی میرے من میں ایک طوفان بپا کئے ہوئے تھی جس میں میری روح ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔

"ماہم، آج حرا اپنے گھر جائے گی۔" کمال بھائی نے مجھ سے کہا ہے۔

"جی!" میں نے استفہامیہ نظروں سے باجی کو دیکھا رات کو ہم نے حرا کو باجی کے ساتھ نہیں بھیجا تھا۔

"ہاں، ماہم، حرا میرے پاس رہے گی۔" باجی نے ہولے سے کہا۔

"اوں ہوں، ہمارے پاس۔ صرف آپ کے پاس نہیں۔" کمال بھائی نے باجی کی طرف شوخی سے دیکھا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی، ویسے ہمارا خیال تھا کہ وہ دو چار دن اور یہاں رہ لیتی۔" میں نے رک رک کر کہا۔

"نہیں ماہم، اب اتنی پیاری بچی کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔" کمال بھائی نے حرا کو اپنی گود میں لے لیا اور میں نے آسودگی سے آنکھیں میچ لیں۔

اگلے دن تمام اخبارات میں یہ خبر صفحۂ اول پر شائع ہوئی تھی۔ "نامور شاعر اور پبلشر کمال فرمانی رشتۂ ازدواج میں بندھ گئے۔" باجی اور کمال بھائی کی تصویریں نمایاں طور پر شائع ہوئی تھیں۔ بہت سے اخباروں نے تقریب میں شریک مہمانوں تک کے گروپ شائع کئے تھے اس دن ابا جان سارے ہی اخبار اٹھا لائے۔ ہر اخبار میں باجی اور کمال بھائی کی ہنستی مسکراتی تصویر موجود تھی۔

"اب اخباروں کی یہ ساری کٹنگ میں ظہیر کو امریکا بھیجوں گا۔" وہ انتہائی نفاست سے تمام تصویریں کاٹ کر ایک بڑے سے لفافے میں رکھتے ہوئے بولے۔

"ارے، آپ شادی کی مووی بھجوا دیجئے، اور یجنل تصویریں بھجوا دیجئے۔ اس کٹنگ کو بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"جس طرح ہم ارتقاء کی تصویریں اخبارات میں دیکھ کر خوش ہوئے ہیں، ویسے ہی وہ ہوگا۔ خدا کا احسان ہے کہ کمال فرمانی صاحب جیسا پیارا انسان ارتقاء کی زندگی میں آیا ہے، اب تو خدا سے یہی امید ہے کہ وہ ارتقاء کی ساری محرومیاں ختم کر دے گا۔" انشاء اللہ۔

ارتقاء باجی روزانہ ہی شام کو کمال بھائی کے ساتھ گھر آتی تھیں، چہکتی ہوئی حرا بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی جو باجی سے زیادہ کمال بھائی سے مانوس ہو رہی تھی۔ یہ بھی کمال بھائی کا بڑا پن تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو پاپا کہلوایا تھا۔ وہ تینوں روز گھوم پھر رہے تھے اور حرا نہال تھی۔

اپنے گھر کا ادراک کتنا خوبصورت ہوتا ہے، وہ چھوٹی سی بچی جان چکی تھی۔

"شاباش، بہت پیاری ہے حرا۔" کمال بھائی نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ "کہہ دو آنٹی سے۔ اب ہم اپنے گھر میں رہیں گے۔ صرف اپنے گھر میں، اپنی ممی اور پاپا کے ساتھ۔"

"ہاں۔ پاپا، ہمارا گھر بہت اچھا ہے۔ آنٹی کے گھر سے بھی اچھا۔" حرا نے سرشاری سے کہا۔

"اچھا، اب ہمارا گھر بھی خراب ہو گیا۔ دیکھنا، اب حرا کی تمام گڑیاں میں مجیدن کو دے دوں گی۔ وہ اپنی بیٹی کو دے آئے گی اور تمام کھلونے بھی۔" میں نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

"دے دیں، دے دیں۔ سب چیزیں دے دیں۔ ہمارے پاپا، ہمیں اور دلوا دیں گے۔" حرا نے معصومیت سے کمال بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر پوچھا۔

"اور کیا، اب تو حرا کے لئے سب نئی گڑیاں آئیں گے۔ پرانے کھلونوں میں سے بھی بے شک آنٹی کھیل لیا کریں، ہماری حرا کے کھلونے بھی سب نئے آئیں گے۔" کمال بھائی ہنستے ہوئے اس سے کہہ رہے تھے۔

"دیکھا آنٹی، ہمارے پاپا کتنے اچھے ہیں۔ آپ ہمارے سب کھلونے مجیدن کو دے دیں۔" حرا خوشی سے تالیاں بجا رہی تھیں اور باجی کے چہرے پر قوس قزح چھا رہی تھی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک انعام عطا فرمایا تھا۔ کمال فرمانی جیسا شخص پرستش کے قابل تھا مگر وہ خود

باجی کو پوجنے کی حد تک چاہ رہے تھے

♥♥♥

ظہیر بھائی کا فون کافی عرصے کے بعد آیا تھا، یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ فون ابا جان نے ہی ریسیو کیا تھا، ظہیر بھائی کی آواز سنتے ہی، ابا جان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور لہجہ علیحدہ خوشی سے کپکپا گیا۔

"ابا جان، آپ میرے پاس تین مہینے کے لئے آ جایئے، آپ کا پوتا بلا رہا ہے کہ میں اپنے دادا کو دیکھوں گا۔" ظہیر بھائی انتہائی محبت سے کہہ رہے تھے۔

"میں کس طرح آ سکتا ہوں، امریکا کا ویزا ملنا بھلا آسان ہے۔" ابا جان کے لہجے میں رنجیدگی گھلی ہوئی تھی۔

"اس کا انتظام میں نے کر لیا ہے، ثمرین کے پاس امریکن نیشنلٹی ہے، وہ بلڈ ریلیشن ظاہر کر کے آپ کو بلوا رہی ہے۔ اس کے والد دو ہفتوں کے لئے پاکستان آ رہے ہیں، سارا کام وہ کرا دیں گے۔ میں آپ کے ٹکٹ کے پیسے بھی ان کو دے رہا ہوں، آپ امریکا آ جایئے، ایمان سے ابا آپ کو دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی ہیں؟" ظہیر بھائی کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"اچھا مگر یہاں ماہم اکیلی رہ جائے گی۔ یہ بھی تو سوچو۔ ارتقاء کی شادی کے بعد گھر میں رہتا ہی کون ہے۔ میں اور ماہم، ضمیر تو ہر وقت اپنی مصروفیات میں گھرے رہتے ہیں۔" ابا جان کا لہجہ تذبذب میں پڑ گیا۔

"ابا جان، امریکا آ جانے سے کیا میرا آپ پر حق ختم ہو گیا ہے، آپ کی محبتیں کیا ماہم اور ضمیر کے لئے ہیں، جب آپ امریکا آئیں گے تو ضمیر بھائی خود ماہم کی ذمے داری محسوس کریں گے اور پھر صرف تین مہینے کی تو بات ہے۔" وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگے۔

"ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گا۔ ایک عرصہ ہو گیا ہے تمہیں دیکھے ہوئے، آئے دن کی بیماریاں ہیں، اچھا ہے کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ تمہیں اور دیکھ لوں ورنہ میری روح تمہاری ماں کی طرح بے کل پھرے گی، مرتے وقت تمہاری ماں کی آنکھیں پوری طرح بند نہیں ہوئی تھیں۔ مجھے یقین ہے انہیں تمہارا انتظار تھا۔" ابا جان انتہائی رنجیدہ تھے۔

میں نے دوسرا ٹیلی فون دھیرے سے رکھ دیا۔ ابا جان، ظہیر بھائی سے بات کرنے کے بعد کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے جیسے ان کی جدائی اب بے حد شاق گزر رہی ہو۔

"آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ ظہیر بھائی کے پاس جا رہے ہیں۔ رونا تو ہمیں چاہیے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔" میں نے انہیں دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"پگلی، تین مہینے چٹکی بجانے میں گزر جائیں گے۔" ان کا لہجہ گلوگیر تھا۔

اور میں ابا کے لہجے پر غور کرنے لگی، جو ظہیر بھائی کے لئے ہمیشہ سے بے کل تھا مگر آج بے قرار ہو رہا تھا، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چٹکی بجاتے ہی ظہیر بھائی کے پاس پہنچ جائیں۔ ان کی جدائی کا احساس انہیں اتنی شدت سے ہو رہا تھا کہ وہ امریکا جانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔

"ماہم، کل تم میرے ساتھ بازار چلنا۔ میں ظہیر، ثمرین اور اپنے پوتے کے لئے بہت سی چیزیں لے لوں۔ کیا پتا ثمرین کے ابو کب آ جائیں اور ہمیں کب جانا پڑے، اپنی تیاری تو مکمل ہونی چاہیے ناں۔"

"ابھی ثمرین کے ابو آئے نہیں ہیں، نہ آپ کا پاسپورٹ بنا ہے اور نہ ہی ویزا لگا ہے اور آپ پر سفر سوار ہو گیا ہے۔" مجھے ابا جان کی جلد بازی پر ہنسی آ گئی۔

"تم لوگ تو ہر وقت کے وقت کام کرنے کے عادی ہو، چلتے وقت بھلا ٹھیک طرح سے شاپنگ ہو سکے گی،

بازاروں تک کا تو پتا نہیں ہے کس وقت بند ہو جائیں۔'' وہ انتہائی بے صبری سے بولے۔

''ٹھیک ہے ابا، کل میں کالج جانے کے بجائے آپ کے ساتھ بازار چلوں گی، آپ اپنی لسٹ بنا لیجیے؟'' میں نے گہرا سانس لے کر انہیں تسلی دی۔ ضمیر بھائی نے سنا تو فوراً برہم ہو گئے۔

''یہ ظہیر بھائی کو اب کیسے لاڈ آ رہا ہے، امریکا گئے تین سال سے زائد عرصہ ہو گیا تو اب ابا کو بلانے کا خیال آیا ہے اس سے پہلے کبھی اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ از خود فون بھی کر لیں۔'' وہ تمسخر سے بولے۔

''وہ میرا بیٹا ہے، مجھے بلا رہا ہے میں اس سے ملنے ضرور جاؤں گا۔'' ابا جان کا لہجہ مضبوط تھا اور ان کے ارادے مستحکم تھے۔

''احسانی صاحب ثانیہ کی شادی جلدی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ چلے جائیں گے تو شادی موخر ہو جائے گی۔'' ضمیر بھائی کی برہمی کا راز آشکارا ہو گیا۔

''ہوں تو یہ بات ہے۔ اپنی شادی کی وجہ سے بیانات دے رہے ہو، تین مہینے کوئی لمبا عرصہ نہیں ہوتا جو وہ انتظار نہ کر سکیں اور اگر ایسی جلدی ہے تو کر لینا تم شادی، میری وجہ سے اپنا پروگرام خراب مت کرنا۔'' ابا جان نے انتہائی غضب ناک سے کہا۔

''آپ میری شادی کے بعد بھی جا سکتے ہیں۔'' ظہیر بھائی بدستور سمجھا رہے تھے۔

''میں اپنے حساب سے جاؤں گا، تمہارے لائحہ عمل پر نہیں چل سکتا کہ پہلے آپ جناب کی شادی کے لئے رکوں، پھر اس بات کا انتظار کروں کہ محترمہ اپنی بیگم کے ساتھ سیر سپاٹوں سے فارغ ہو لیں، اس اثنا میں اگر کوئی پیچ نکل آیا تو میں تو پھر بندھ گیا۔'' ابا جان کی بات بھی کس حد تک صحیح تھی۔

''اگر میرا کوئی پیچ آپ کی غیر موجودگی میں نکل آیا تو کیا ماہم، مجیدن کے ساتھ تنہا رہے گی؟'' ضمیر بھائی نے ہولایا۔

''آپ میری فکر ہرگز نہ کیجیے اگر کوئی ایسی صورت ہوتی تو ارتقاء باجی کو اپنے پاس بلا لوں گی۔'' اس معاملے میں اپنے آپ کو ہرگز انوالو نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے اگر تمہارا کہیں جانا ہو تو ارتقاء اور کمال دونوں ہی آ جائیں گے۔ میں کہہ جاؤں گا۔'' ابا جان نے طمانیت سے کہا۔

''گویا آپ کو میری شادی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' ضمیر بھائی جھنجلا رہے تھے۔

''نہ تو تمہاری عمر نکلی جا رہی ہے اگر تین ماہ بعد ہوئی تو تم بوڑھے ہو جاؤ گے اور خاندان کے لوگ انگلیاں اٹھائیں گے کہ ہائے بے چارے کو تین ماہ کی سزا ہوئی۔'' ابا جان کی بات سن کر میں نے اپنی مسکراہٹ بمشکل چھپائی۔

''ابا جان پلیز، آپ کو سیٹھ احسانی کی مصروفیت کا اندازہ نہیں ہے، انہیں شادی کے بعد یورپ کے دورے پر بھی جانا ہے۔'' ضمیر بھائی کھسیا رہے تھے۔

''اگر وہ حج پر جا رہے ہوتے تو میں یقیناً اپنا پروگرام کینسل کر دیتا، وہ تو یورپ آئے دن جاتے ہوں گے، مگر میں اپنے بیٹے سے ملنے برسوں بعد جا رہا ہوں، اس کے بعد خدا جانے اس کی شکل دیکھ بھی سکوں گا یا نہیں، اتنی دور جانا کیا کوئی آسان رکھا ہے، تمہیں شادی کرنا ہے تو کر لو، میری طرف سے پوری اجازت ہے۔'' وہ وسیع القلبی سے بولے۔

''اس وقت آپ بے حد جذباتی ہو رہے ہیں، دو تین دن اور سوچ لیں ورنہ بعد میں آپ کو ملال ہوگا کہ بیٹے کی برات میں نہیں گیا۔'' ضمیر بھائی شوخ سے لہجے میں بولے۔

''بیٹے، جن باتوں پر ملال ہوتا تھا، اب ان پر بھی افسوس کرنا چھوڑ دیا، یہ تو بہت معمولی بات ہے۔ اس

پر سوچنے کے لئے میں تین دن کیوں لوں گا میرا جو فیصلہ ہے وہ آخری ہے میرا ظہیر مجھے بلا رہا ہے میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا۔'' ابا جان کا لہجہ چٹانوں کی سی سختی لئے ہوئے تھا۔

''میں ثانیہ سے وعدہ کر چکا ہوں اس لئے میں بھی مجبور ہوں۔'' ضمیر بھائی خجالت سے کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ آخر اصل بات ان کی زبان پر آ ہی گئی تھی۔

''ہوں، خود ہی وعدے وید کرے بیٹھے ہیں اور چلے ہیں باپ کو سبق سکھانے۔'' ابا جان مسلسل بڑبڑا رہے تھے۔

ابا جان نے چار ہی دن میں اپنی تیاری مکمل کر لی تھی۔ ان کا اپنا سامان تو بے حد کم تھا مگر دو بڑے سوٹ کیس ظہیر بھائی، ثمرین بھابھی اور اپنے پوتے کے لئے تحائف سے بھرے ہوئے تھے۔ اب ہر فون پر وہ یوں لپک کر جاتے کہ جیسے ثمرین کے ابو کا فون آیا ہو اور وہ انہیں جانے کے بارے میں مطلع کر رہے ہوں۔

یوں ہی پندرہ دن اور گزر گئے۔ ابا جان کی بے تابی حد سے زیادہ گزرنے لگی تو میں پریشان سی ہو گئی۔ کہاں تو یہ بات تھی کہ یہ دعائیں مانگ رہی تھی کہ ابا جان امریکا نہ جائیں مگر اب یہی دُعا تھی کہ وہ جلد سے جلد ظہیر بھائی کے پاس چلے جائیں۔ ظہیر بھائی سے انہیں جتنی محبت تھی اس کا اندازہ ہمیں آج تک نہیں ہوا تھا، وہ سوتے میں بڑبڑانے لگے تھے۔ ''ظہیر بیٹے! میں کس طرح تمہارے پاس آؤں، تم بہت دور ہو، زندگی میں اگر موقع نہ ملا تو مرنے کے بعد میری روح تجھے دیکھنے ضرور آئے گی، یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے۔''

اور میں ابا جان کی بڑبڑاہٹ سن کر لرز جاتی اور میرا رواں رواں دعا گو ہو گیا کہ خدایا، ابا جان ظہیر بھائی سے مل آئیں۔

اور پھر واقعی دُعا پوری ہو گی۔ اگلے دن صبح سویرے ثمرین بھائی کے والد کا فون آ گیا انہیں ایک ہفتے بعد امریکا جانا تھا اور یہ ہفتہ ابا جان کے جانے کی کاغذی کارروائیوں میں ہوا ہو گیا۔ اور جب میں، ارتقاء باجی کے ساتھ انہیں ایئر پورٹ پر خدا حافظ کہہ رہی تھی تو میرا دل خوشی و غم سے پھٹا جا رہا تھا۔

زندگی میں پہلی دفعہ ابا جان اتنے عرصے کے لئے مجھ سے جدا ہو رہے تھے مگر خوشی اس بات کی تھی کہ ظہیر بھائی جن کی یاد میں وہ ہمہ وقت بے چین رہا کرتے تھے، ان کے پاس جا رہے تھے۔

ابا جان، لوگوں کی بھیڑ میں کہیں مدغم ہو گئے تھے مگر میری نظریں انہی کا ہیولہ تلاش کر رہی تھیں اور میں وہیں شیشے سے منہ لگائے کھڑی تھی۔

''چلو ماہم گھر چلیں۔'' باجی، کمال بھائی کے ساتھ کھڑی مجھ سے کہہ رہی تھیں۔

''میں تین مہینے ابا جان کے بغیر کیسے رہوں گی۔'' مجھے بے مائیگی کا احساس ہو رہا تھا۔

''جب تک ابا جان نہیں آتے۔ تم میرے پاس آ جاؤ۔'' باجی بدستور مجھے اپنے آپ سے لگائے کھڑی تھی۔

''ہاں ماہم، تم ہمارے گھر آ جاؤ، ارتقاء ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' کمال بھائی بھی خوش دلی سے بولے۔

''نہیں، میں اپنے گھر میں رہوں گی، وہاں ضمیر بھائی ہیں، مجیدن ہے میں اگر آپ لوگوں کے پاس آ گئی تو وہ لوگ بور ہو جائیں گے۔''

''تم جو بور ہو جاؤ گی۔'' ''اس کا احساس نہیں ہے۔'' باجی متفکر تھیں۔

''نہیں باجی! اپنے گھر میں کوئی بور نہیں ہوتا، کالج سے آنے کے بعد اسٹڈی کرتے ہوئے ٹائم ہی کتنا رہ جاتا ہے۔ نصرت گاہے بہ گاہے گھر آ جاتی ہے تو ہم دونوں مل کر اسٹڈی کر لیتے ہیں۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

"تم کہو تو میں ارتقاء کو تمہارے پاس چھوڑ دوں مگر حرا میرے پاس رہے گی۔" کمال بھائی ٹرمینل کی سیڑھیاں اترتے ہوئے بولے۔

"فی الحال تو میں اپنی اسٹڈی میں ہی مصروف رہوں گی، جب زیادہ بوریت ہوگی، آپ تینوں کو ہی بلا لوں گی، صرف باجی کو بلا کر آپ اور حرا کو بور نہیں کروں گی۔" میں قصداً ہنسی۔

"ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی۔" باجی مجھے گھر ڈراپ کر کے چلی گئیں۔ اور میں اپنی سینڈل کی ہیل سے گھر کی خاموشی میں ٹک ٹک کرتی ہوئی اپنے بستر پر آ گری، گھر میں چہار سو سناٹا چھا گیا تھا۔

"ضمیر میاں رات کا کھانا باہر کھائیں گے، شاید دیر سے بھی آئیں، آپ کے لئے کیا پکاؤں؟" مجیدن پاس آ کر پوچھ رہی تھی۔

"کچھ مت پکاؤ، بس میرے کمرے میں آ کر بیٹھ جاؤ۔" میرا لہجہ یاسیت بھرا تھا۔

"ارے، دن دہاڑے ڈر لگ رہا ہے، آپ تو اکثر اکیلی بھی رہی ہیں، آج کیا ہو گیا؟" مجیدن کو حیرت ہو رہی تھی۔

"پتا نہیں، آج کیا ہو گیا ہے، یہ بات تو مجھے خود بھی معلوم نہیں یا شاید ابا جان کی جدائی شاق گزر رہی ہے۔"

"ابھی بڑے صاحب کو گئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے کہ تمہیں یاد بھی آنے لگے۔" مجیدن میری باتوں پر ہنس رہی تھی۔

"جدائی کا کرب کتنا سنگین ہوتا ہے، تمہیں کیا معلوم کہ پوری ہستی بکھر کر رہ جاتی ہے۔" میں سوچ رہی تھی۔

ابا جان کا امریکا پہنچ کر خیریت کا فون آ گیا تھا مگر ضمیر بھائی روز کی طرح آج بھی غائب تے۔

"یہ ضمیر ابھی تک گھر نہیں آیا، میں نے تو تاخیر سے اس لئے فون کیا تھا کہ اس سے بھی بات ہو جائے گی، اس وقت تو پاکستان میں رات کے بارہ بج رہے ہوں گے وہ ابھی تک گھر نہیں آیا۔" ان کا لہجہ تشویش سے بھرا ہوا تھا۔

"ابھی نکلے ہیں، فلیٹ کے کمپاؤنڈ میں ٹہلنے کے لئے، وہ تو بہت جلدی گھر آ جاتے ہیں۔" میں نے ابا جان کو تسلی دی کہ خواہ مخواہ اتنی دور بیٹھ کر پریشان ہوں گے۔

"ظہیر ماشاء اللہ بہت اچھا ہو رہا ہے، ثمرین بھی ٹھیک ہے اور بچہ تو بہت ہی پیارا ہے، بالکل ظہیر کا بچپن ہے۔ اس کو دیکھ کو تو میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی۔" ابا جان خوشی سے سرشار لہجے میں بتا رہے تھے اور میں اسی ذوق وشوق سے سن رہی تھی کہ یہ سب باتیں میرے پیاروں کی تھیں، جنہیں سن کر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہی تھی، ہنستے مسکراتے بھائی جان، مہذب سی ثمرین بھابھی اور ہمکتا ہوا گل گوتھنا سا میرا بھتیجا۔

یوں تو تانیہ جب بھی گھر آتیں، ہمیشہ ہی منہ اٹھائے چلی آتیں، مگر ابا جان کے جانے کے بعد وہ خاصی بے لگام ہو گئیں تھیں جب ان کا موڈ ہوتا چلی آتیں، دن میں کئی کئی چکر بھی لگ جاتے۔ دل چاہتا تو وہ ضمیر بھائی کے ساتھ باہر نکل جاتیں اور موڈ نہ ہوتا تو گھر میں بیٹھ کر خوش گپیاں کی جاتیں۔

میں ان کی محفلوں سے احتراز کرتی اور کوشش یہ کرتی کہ ان کے سامنے بھی نہ آؤں۔ جسے وہ محسوس بھی نہ کرتیں۔ مجیدن سے اپنی پسند کے کھانے پکوائے جاتے، بار بار کافی کا دور ہوتا۔ اور ان کے فلک شگاف قہقہے میرا بھیجا اڑا دیتے۔

"ماہم بی بی، آپ اپنے گھر میں کیوں غیر بن رہی ہیں، کھانا میز پر آ کر کھایئے ناں۔"

"نہیں مجیدن، میں اپنے کمرے میں ہی ٹھیک ہوں۔" ضمیر بھائی کی بے اعتنائی پر افسوس ہوتا کہ ظاہر داری کے لئے بھی مجھے نہیں بلاتے تھے۔

"ماہم بی بی، اب تو روزانہ ہی یہ ہو رہا ہے، آپ کب تک اپنے کمرے میں بند رہیں گی، اکیلے بیٹھ کر کوئی کھانا کھایا جاتا ہے؟ مجیدن کڑھ کر رہ جاتی۔

"اب اکیلے کھانے کی عادت ہو گئی ہے۔" میرے حلق میں پھندے لگنے لگتے۔

"بوا، کہاں چلی گئی ہو، تم کھانے کے وقت روٹیاں گرم لایا کروں، پہلے سے پکا کر مت رکھا کرو۔" تانیہ اسے آواز دیتی۔

"میں تو ماہم بی بی کو بلا رہی تھی کہ آپ لوگوں کے ساتھ کھانا کھا لیں، اکیلے بیٹھ کر بھوکے پیٹ اٹھ جاتی ہوں گی۔" مجیدن کی آواز میرے کانوں میں بھی آ رہی تھی۔

"افوہ، تم بھی پاگل عورت ہو، ماہم کے امتحان ہونے والے ہیں، وہ اسٹڈی کرتی ہے اور پڑھنے والے لوگ اپنا کھانا پینا بھی پڑھنے کے دوران ہی کرتے ہیں، ہمارے ساتھ بیٹھے گی تو اس کا ٹائم ضائع ہو گا مگر تمہیں کیا معلوم تم تو خود جاہل عورت ہو۔" تانیہ کا لہجہ میرے سینے پر بھالے مار گیا تھا۔

"وہ جی، ماہم بی بی نے کبھی اکیلے کھانا نہیں کھایا تھا، اسی لئے۔" مجیدن بھی وضاحتیں کرنے سے باز نہیں آ رہی تھی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھا کرو اور بس، کھانے انتہائی بدمزہ پکاتی ہو اور باتیں کرنے کی شوقین ہو، کانٹینینٹل کھانے تو تمہیں پکانے ہی نہیں آتے، میری تو بعد میں مصیبت ہو جائے گی۔" تانیہ خفگی دکھاتی۔

"پریشان کیوں ہوتی ہو، مجیدن کو سکھا دینا، بڑی ذہین خاتون ہیں، تمہاری مرضی کے کھانے پکانے لگیں گی۔" ضمیر بھائی رسان سے کہتے۔

"افوہ، آپ کے خیال میں، میں ان سے اپنا بھیجا خالی کروں گی، ہرگز نہیں صاحب، یہ تو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔"

"تو شادی کے بعد، کیا بھوکا رکھنے کا ارادہ ہے۔" ضمیر بھائی بات کو دوسری طرف لے جاتے

"کیا میں ایسی لگتی ہوں؟" نشیلی آواز میں قہقہوں کے ساتھ پوچھا جاتا۔

"وہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیسی لگتی ہو۔" ضمیر بھائی کا دھیما لہجہ بھی بے ایمان سا ہوتا۔

"میں نے تو سوچ لیا ہے کہ اپنے باورچی سے کہوں گی کہ کوئی اچھا سا کک ڈھونڈ کر لائے مجیدن کے ہاتھ کے کھانے قطعی اس قابل نہیں ہوتے کہ کسی دعوت میں تقریب میں رکھے جائیں۔" تانیہ نے اعلان کیا۔

"پہلے تو تمہیں، مجیدن کے ہاتھ کے کھانے اتنے بُرے نہیں لگتے تھے؟" ضمیر بھائی ہنستے۔

"پہلے مجبوری تھی، مگر شادی کے بعد ایسی کوئی مجبوری نہیں ہو گی بلکہ میں کسی بھی مجبوری کو اپنے گلے نہیں لگا سکتی۔" تانیہ کا لہجہ یکا یک اتنا تیز ہو گیا کہ جیسے وہ یہ بات قصداً مجھے سنا رہی ہو۔

کیا تانیہ کو میرا وجود گوارا نہیں ہو گا۔

کیا وہ شادی کے بعد مجھے مجبوری سمجھے گی؟"

اس کے جملے کسی تازیانے سے کم نہیں تھے، ساری رات یہی جملے شدید ضربوں کی طرح کنپٹی پر لگتے رہے۔

صبح اٹھی تو اس قدر شدید درد تھا کہ کالج جانے کی ہمت ہی نہیں ہو سکی۔

"ماہم بی بی، لگتا ہے، اب میں یہاں کام نہیں کر سکوں گی۔ تانیہ بی بی جب بھی آتی ہے، مجھے بہت

ذلیل کرتی ہیں۔ یہ نہیں آتا، وہ نہیں آتا، پاگل عورت، جاہل عورت۔ ہم نے اپنے ہاتھ بیچے ہیں، ذات نہیں۔ بے عزتی برداشت کر کے تو میں ایک دن بھی نہیں رہ سکوں گی۔" مجیدن کا غصہ بھی غلط نہیں تھا۔

"مجیدن پلیز، تم کہیں نہیں جانا، ورنہ میں بالکل تنہا رہ جاؤں گا۔" میرے آنسو بھل بھل بہنے لگے، ایسی بے چارگی تو کبھی سوچی بھی نہیں تھی۔

"ارے ماہم بی بی، تم رو رہی ہو، میرے منہ میں خاک، میری کوئی بات تمہیں بُری لگی؟" اس نے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مجیدن، میں بالکل نہیں جانتی کہ اب گھر میں کیا ہونے والا ہے، تانیہ اس گھر کی ہونے والی بہو ہیں۔" ان کے اطوار تم دیکھ ہی رہی ہو۔ وہ ضمیر بھائی کے علاوہ گھر میں کسی کو نہیں دیکھنا چاہتیں، نہ تمہیں نہ مجھے مگر مجھ سے پہلے تم کہیں نہ جانا، اگر اس گھر سے نکلنا ہوا تو دونوں ساتھ نکلیں گے۔ شاید اسی وقت کے لیے پاپوش کا مکان بیچا نہیں گیا تھا اور نہ ہی کرائے پر اٹھایا گیا تھا۔" میرے آنسوؤں میں پھر روانی آ گئی۔

"ارے بی بی، کیسی باتیں کر رہی ہو، تم تو اس گھر کی مالک ہو، تمہیں بھلا کون گھر سے نکال سکتا ہے۔ صاحب آ کر سر نہیں توڑ دیں گے اس کا۔" مجیدن میری دماغی حالت پر بڑبڑا رہی تھی۔

"پتا نہیں، جب تک ابا جان آئیں، یہاں کیا کچھ ہو چکا ہوگا۔" میں نے آہ بھری۔

شادی کی تیاریاں تو شروع ہو ہی چکی تھیں۔ ضمیر بھائی، تانیہ کو ساتھ لے کر بَری کی شاپنگ کروا رہے تھے۔ روزانہ دونوں دوپہر کے کھانے کے بعد نکل جاتے اور عشاء کے بعد واپسی ہوتی۔

لڑکی اپنی پسند کی چیزیں، اپنے جہیز میں رکھا کرتی ہیں مگر یہاں تو عین ان کی پسند پر بَری بن رہی تھی۔ ایک ایک جوڑا خوب قیمتی سے قیمتی آ رہا تھا۔ ایسے میں ضمیر بھائی کو بالکل احساس نہیں تھا کہ پیسہ ضائع ہو رہا ہے یا وہ فضول خرچی کر رہے ہیں۔

ایسی ہی ایک شام ارتقاء باجی اور کمال بھائی جب آئے تو پورے لاؤنج میں بیش قیمت ساریاں اور بھاری بھرکم سوٹ پھیلے ہوئے تھے۔

"واہ، بہت خوب صورت کپڑے ہیں۔" ارتقاء باجی نے دیکھتے ہوئے بے اختیار کہا۔

"میری چوائس ہمیشہ اے ون ہوتی ہے۔" تانیہ اتراہٹ بھرے لہجے میں بولیں۔

"ہاں بھئی مان گئے، یقیناً یہ کپڑے، تم ماہم کو دکھانے لائی ہوگی، مگر ماہم کہاں ہے۔" باجی ادھر ادھر دیکھ کر بولیں۔

"یہ کپڑے بَری کے خرید ہیں، ابھی تو آئے ہیں ہم شاپنگ کر کے۔ میں نے سوچا کہ جس نے یہ پہننے ہیں اسی کی پسند سے شاپنگ کرنی چاہیے۔" ضمیر بھائی کمال بھائی کے سامنے، کچھ جھینپ سے گئے۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے، مگر ماہم کہاں ہے۔" ارتقاء نے ہاتھ سے ساڑھی صوفے پر رکھ دی۔ اور بہن کو کھوجتی ہوئی کمرے میں آ گئیں۔

"دماغ خراب تو نہیں ہو گیا تمہارا؟ اندر کمرے میں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ ناراضگی سے بولیں۔

"آپ کا خیال ہے مجھے اس وقت کہاں بیٹھنا چاہیے تھا؟" میں ان کو دیکھ کر یک دم مسکرا دی۔

"ضمیر بھائی کے پاس، کیا سوچیں گے وہ کہ تم ان کی بَری دیکھنے تک نہیں آئیں۔ اب اگر وہ اپنی بہنوں کو خریداری کی زحمت سے بچا رہے ہیں تو یقیناً ان کا صحیح فیصلہ ہوگا۔"

"پیاری باجی جان، ایسی خریداریاں تو وہ دونوں روز کر رہے ہیں اور جب وہ میری کمی محسوس ہی نہیں کرتے تو کیا فائدہ۔ میں ان کے درمیان بیٹھ کر کسی کو بھی بور کروں۔" میں زبردستی ہنسی۔

"اور تم جو اکیلے بیٹھ کر بور ہوتی ہوگی، اس کا انہیں خیال نہیں ہے۔" باجی کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا۔

"نہیں باجی! میں بالکل بور نہیں ہوتیں، بلکہ آج کل تو میری اسٹڈی بہت اچھی ہو رہی ہے۔" میں دل ہی دل میں ہنسی۔

"اونہہ! خاک ہو رہی ہوگی پڑھائی، جب دل جل کر کوئلہ ہو جائے تو دماغ کوئی کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔" کتنی دور کی کوڑی لائی تھی وہ۔

"مگر میرا دل و دماغ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں نے قہقہہ لگایا۔

"میرے سامنے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، آج تم میرے ساتھ گھر چل رہی ہو، چند دن میرے پاس بھی رہو ابا جان اس کی اجازت مجھے دے چکے ہیں۔"

"پلیز باجی، آپ یقین کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں، میں روز کالج جا رہی ہوں اور اپنی اسٹڈی بھی کر رہی ہوں۔"

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے مگر یہ دونوں کام تو تم میرے گھر سے بھی کر سکتی ہوں، ڈرائیور کالج چھوڑ آیا کرے گا، لے آیا کرے گا۔ تمہارے لئے میں کمرہ سیٹ کر کے آئی ہوں۔ فوراً تیار ہو جاؤ۔"

"اچھی زبردستی ہے، خواہ مخواہ ہی۔" میں کتابیں جمع کرتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

"بے ایمان لڑکی، جھوٹ بولنے سے پہلے اس کا سلیقہ بھی سیکھ لو، شیشے میں دیکھو تمہارا چہرہ کیسا پیلا ہو رہا ہے لگ رہا ہے کہ نہ تو نیند پوری ہوئی ہے اور نہ ہی تم نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہے۔"

"نیند کا تو مجھے پتا نہیں لیکن یہ بات آپ کی بالکل صحیح ہے کہ کھانا بے حد کم کھا رہی ہیں۔ نوالے منہ میں رکھ کر نہ جانے کیا سوچتی رہتی ہیں۔" مجیدن نے کمرے میں داخل ہو کر باجی کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ چائے کی اطلاع دینے کمرے میں آئی تھی۔

چائے کی میز پر تانیہ کا انداز میزبانی لئے ہوئے تھا۔ کمال بھائی یہ سب دیکھتے ہوئے زیرلب مسکرا رہے تھے۔

"ضمیر بھائی، میں ماہم کو لینے آئی ہوں، اتنے دن ہو گئے یہ میرے گھر ہی نہیں آئی۔" ضمیر بھائی سے اجازت لینی بہرحال ضروری تھی۔

"ماہم کے امتحان قریب ہیں، تمہارے ہاں جا کر اس کی اسٹڈی پر فرق پڑے گا اور......"

"افوہ، اتنے سخت گیر مت بنو، جانے دو ناں بے چاری کو باجی کے ہاں چند دن رہ آئیں گی تو بھلا کیا ہو جائے گا۔" اب پڑھائی ہر وقت کی بھی نہیں ہونی چاہیے۔" تانیہ نے ضمیر بھائی کی بات بیچ میں سے ہی اچک لی تھی۔

"ٹھیک ہے ماہم، چلی جاؤ۔" ضمیر بھائی، تانیہ سے اختلاف کی ہمت ہی نہیں رکھتے تھے۔

تب نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ ضمیر بھائی مجھے ڈانٹ دیتے، جھڑک دیتے کہ کوئی ضرورت نہیں، کہیں جانے کی، اپنے گھر میں رہو۔ تم چلی جاؤ گی تو میں بور ہو جاؤں گا۔ مگر ایسی کوئی بات ہی نہیں تھی تو وہ یہ جھوٹ کیونکر بولتے شاید ضمیر بھائی کی بے حسی ہاتھی کی کھال کی طرح سخت اور موٹی ہوتی جا رہی تھی۔

"آنٹی ہمارے ساتھ جا رہی ہیں۔" آنٹی ہمارے ساتھ جا رہی ہیں۔" ننھی حرا خوش ہو کر تالیاں بجا رہی تھیں اور مجھے اس ماحول میں گھبراہٹ ہو رہی تھی، تانیہ کے مسکراتے لب گنگنا رہے تھے جیسے وہ میرے جانے سے بے حد خوش ہو، میں نے دکھ کی ٹیس کو دل کے اندر محسوس کیا کہ کمرے میں بند ہو جانے کے باوجود میں تانیہ کی نظروں میں بال بن کر کھٹک رہی تھی۔

"ماہم کے جانے سے ارتقاء باجی کے گھر میں خوب رونق ہو جائے گی۔" تانیہ کھنکتے لہجے میں چائے کا

کپ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہم تو ماہم کی آمد کا بہت دنوں سے انتظار کر رہے تھے، کتنی دفعہ فون پر بھی کہا مگر یہ ہمیشہ ٹال گئیں۔ آج میں نے ارتقاء سے کہا کہ خود جا کر لے آتے ہیں ورنہ یہ محترمہ نہیں آئیں گی۔" کمال بھائی میری شکایتیں کر رہے تھے۔

"آپ نے بہت اچھا کیا جو آ گئے، ابا جان کے جانے کا ماہم نے بے حد اثر لیا ہے، اب چند دن باجی کے پاس رہیں گی تو یقیناً طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔" تانیہ میرے جذبات سے کھیلنے کا یقیناً کوئی نیا ہنر آزما رہی تھی اور میں گم صم سی اسے یوں دیکھ رہی تھی کہ جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہوں۔

"لیجئے بی بی، آپ کے کپڑے۔" مجیدن میرے دو جوڑے کپڑے استری کر کے لے آئی تھی۔

"ارے صرف دو جوڑے، آٹھ دس جوڑے تو لے کر جاؤ۔" تانیہ نے گھبرا کر کہا۔

"ماہم ایک دو دن میں آ جائے گی، کوئی مہینہ بھر کے لئے تھوڑی جا رہی ہے۔" ضمیر بھائی کو بھی شاید عجیب ہی لگا تھا جو وہ بول پڑے تھے۔

"افوہ، مصیبت تو یہ ہے کہ آپ میری بات سمجھتے نہیں ہیں، لڑکیاں چاہے دو دن کے لئے کہیں جائیں یا ایک دن کے لئے، انہیں کپڑے پہننے کو زیادہ چاہئیں، کہیں اچانک جانا نکل آئے، کوئی مہمان آ جائے تو پریشانی تو نہیں ہو گی، ناں۔" بات کو نبھانے کا سلیقہ موجود تھا۔

"چلو ماہم، بہت دیر ہو گئی ہے۔" باجی اور کمال بھائی، تانیہ کی بات پر مسکرائے تک نہیں تھے۔ جب کہ ضمیر بھائی ابھی تک ہنستے چلے جا رہے تھے۔

"ماہم، جا کر فون ضرور کرنا، آئی ول مس یو۔" تانیہ چلتے وقت میرے ماتھے کو بوسہ دے رہی تھی اور میں کسی مہمان کی طرح گھر سے نکل کر گاڑی کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔

❤ ❤ ❤

کالج سے واپسی پر گیٹ اور نصرت کو ڈراپ کر دیا تھا۔ میں باجی کے ہاں جاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ آج پورے آٹھ دن ہو گئے تھے مگر ضمیر بھائی نے ایک دفعہ بھی نہیں کہا تھا کہ گھر آ جاؤ۔ اپنا گھر ہوتے ہوئے بھی بہنوئی کے ہاں رہنا کچھ اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا۔

تب ہی گاڑی، سگنل ڈاؤن ہو جانے کی وجہ سے رکی تو غیر ارادی طور پر میری نظر باہر گئی، برابر کی کار آصف کی تھی۔ ان کے برابر اسٹیج ڈراموں کی ایک تیسرے درجے کی فنکارہ بیٹھی ہوئی تھی۔ آصف کا بازو کمال بے حیائی سے اس کو اپنے قریب کئے ہوئے تھے، واہیات سے لباس نے اس لڑکی کو انتہائی حقیر بنا دیا تھا۔

"اونہہ، تو یہ تھے میرے طلب گار" مارے غصے کے میں کھول سی گئی۔

لڑکی کسی بات پر ہنسی تو آصف بھی ہنستا ہوا مڑا، اس کی نظر بھی اچانک مجھ پر پڑی، چند لمحے کے لئے اس کا چہرہ تاریک ہوا مگر وہ پھر اسی بے غیرتی سے ہنسنے لگا، شاید وہ جان گیا تھا کہ اب میں اس کے کسی دام میں نہیں آ سکوں گی۔

"خدایا، تیرا احسان کہ ایک بُرے انسان سے تو نے مجھے نجات دی۔" گھر آ کر میں نے شکرانے کے نفل بھی پڑھ ڈالے۔ دُعا مانگ کر ابھی چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھی کہ فرحین آ گئی۔

"کتنی دفعہ چکر لگا چکی ہوں مگر تمہاری نماز اتنی طویل تھی کہ کئی بار واپس گئی ہوں۔" وہ وہیں تخت پر ٹک گئی۔

"کہو، خیریت تو ہے؟" میں اس کے متفکر چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگا چکی تھی۔

"یوں تو سب خیریت ہی ہے مگر تم شہری کو لگام تھام کر رکھو، موصوف زیادہ اونچا اڑ رہے ہیں۔"

"کیا ہوا؟" میرے منہ سے نکلا اور کہہ کر پچھتائی۔

"میں نے کئی بار نوٹ کیا ہے۔ ہمیشہ نغمی کے ساتھ نظر آتے ہیں، نغمی تمہاری ہونے والی بھابھی کی بہن ہے۔ بُرا مت ماننا وہ مجھے کوئی اچھی لڑکی نہیں لگی۔ ایسا بھی نہیں ہوتا ہے کہ وہ شہری کا ہاتھ تھامے تھامے پورے شہر میں کڈکڈے لگاتی پھر رہی ہے، کچھ دن پہلے طارق روڈ پر، دونوں ایک دوسرے کو آئس کریم کھلا رہے تھے۔"

"وہ دونوں دوست ہیں، پھرنے دو انہیں۔"

"دوست تو میں بھی تھی شہری کی۔ میرا تو کلاس فیلو رہا ہے وہ مگر یقین کرو کہ ایسی دوستی کبھی نہیں ہوئی۔ وہ مجھ سے ہمیشہ تمہاری باتیں کیا کرتا تھا۔ تمہارے روٹھنے پر وہ پاگل سا ہو جاتا تھا اور اب اسے کیا ہو گیا ہے۔" فرحین حیران تھی۔

"اب وہ مجھے پاگل کر دینا چاہتا ہے۔" میں نے اپنا سر تھام لیا۔

"کیا ہوا ماہم؟" فرحین نے زرد ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"کیا سمجھتا ہے کہ وہ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔" میں اپنی کنپٹیاں دبا کر نحیف لہجے میں بولی۔

"کوئی کسی کے لئے نہیں مرا کرتا، لو پانی پیو۔" فرحین میری حالت سے شاید گھبرا گئی تھی۔

"تم غلط کہتی ہو، بعض لوگ مر بھی جاتے ہیں اور بعض لوگ مار بھی دیتے ہیں اور شہری، مجھے مار رہا ہے۔ آہستہ آہستہ مجھے ختم کر رہا ہے اور دیکھنا، ایک دن میں مر جاؤں گی مگر اسے خبر پھر بھی نہیں ہو گی۔" میرا لرزتا وجود ایک دم فرحین کی بانہوں میں آ گیا۔

"ارے، تم تو بے ہوش ہو گئی ہو۔" فرحین بستر پر لٹا کر باہر کی سمت دوڑی۔

ہوش آیا تو میرے اطراف سب بیٹھے تھے۔

"میں دل کا ڈاکٹر ضرور ہوں مگر گھر کے لوگوں کو اٹینڈ کرنے میں میرے ہاتھ پاؤں بھی پھول جاتے ہیں، اس لئے آپ وعدہ کیجئے کہ آئندہ بے ہوش ہرگز نہیں ہوں گی۔" فرجاد مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ماہم، میرے گھر تمہارا دل نہیں لگا جو بے ہوش ہو گئیں، گھر سے جانے کا کوئی دوسرا ہی بہانہ بنا لیتیں۔" باجی میرے سرہانے بیٹھی مسلسل میرا سر دبا رہی تھیں۔

"میں تو بالکل ٹھیک تھی، فرحین سے باتیں کرنے کے دوران چکر سا آیا ورنہ میں تو بالکل ٹھیک ہوں اور یہاں دل بھی خوب لگ رہا ہے اور ضمیر بھائی کے پاس ابھی میں جا بھی نہیں رہی۔" میں نے مصنوعی مسکراہٹ سے کہا۔

"یہ فرحین، بہت باتیں بتاتی ہے، کیا باتیں کر رہی تھیں جو ماہم کو دہلا دیا۔" کمال بھائی مذاق سے فرحین کی چوٹی اپنے ہاتھ میں لپیٹ رہے تھے۔

"ہاں۔ غلطی میری ہی ہے کہ ایک بھوت کا قصہ سنانے لگی تھی کہ شاید ماہم ڈر گئیں۔" فرحین نے بات بنائی۔

اور میں نے تشکر سے آنکھیں بند کر لیں، شکر ہے فرحین نے میرا پردہ رکھ لیا تھا، اگر مذاق میں ہی کچھ کہہ جاتی تو میں کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔

باجی نے شاید ضمیر بھائی کو فون کر دیا تھا، رات کو ہی چلے آئے۔

"یہ بے ہوش کیوں ہو گئیں تم؟" آتے ہی انہوں نے جھاڑ پلائی۔

"بی پی بہت لو تھا۔" شاید اسی لئے چکر آ گیا تھا۔" میں دھیرے سے بولی۔

"بی پی تو تمہارا ہمیشہ ہی لو رہتا ہے۔ اسی میں کالج بھی جاتی ہو اور گھر میں بھی چلتی پھرتی رہتی ہو مگر بے ہوش تو آج تک نہیں ہوئیں!" ضمیر بھائی کو حیرت تھی۔

"اگر ایسی ہی کمزور رہی تو آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔" باجی کو غصہ ہی آ گیا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ ریسٹ کریں۔ یہ ویک بہت ہیں، دو تین ڈرپس بھی لگ جانی چاہئیں، کھانا وقت پر کھائیں اور ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالیں۔" ڈاکٹر فرجاد جو ضمیر بھائی کو دیکھ کر آ گئے تھے۔ انہوں نے بھائی جان کی بات سن کر فوراً کہا۔

"یہ بھلا ریسٹ کر سکتی ہے، بستر پر تو لیٹا نہیں جاتا، ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہے، ایک دفعہ اماں کے زمانے میں گھر پر ڈرپ لگی تھی، تو اپنی ڈرپ ہاتھ میں لے کر سارے گھر میں گھومتی پھری تھی۔ حد تو یہ ہے کہ آنگن کے پودوں کی گوڈی تک کر ڈالی تھی۔" باجی نے شکایت جڑی۔

"اس کا تو پھر ایک ہی علاج ہے کہ آپ ان کی ڈرپس کسی کلینک میں لگوائیں۔" فرجاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ، کیا میں اسپتال میں داخل ہوں گی ناممکن۔ میں تو کبھی نہ جاؤں، وحشت ہوتی ہے مجھے اسپتالوں سے۔" میں بولا سی گئی۔

"اسپتال میں داخل کرنے کو نہیں کہا جا رہا ہے، صرف ڈرپس لگوانے کے لئے جانا ہوگا۔ روزانہ صرف تین گھنٹے کے لئے۔" فرجاد نے ایسے سہل انداز میں کہا جیسے تین گھنٹوں کی نہیں تین لمحوں کی بات کر رہے ہوں۔

"ٹھیک ہے ماہم، جب تک تمہاری طبیعت پوری طرح ٹھیک نہ ہو، تم ارتقاء کے پاس رہو۔" ضمیر بھائی نے چلتے ہوئے یوں حکم دیا جیسے گھر آنے سے منع کر رہے ہوں۔

"مگر مجھے اپنا کمرہ، اپنا بستر اپنا تکیہ یاد آ رہا ہے۔" میں منمنائی۔

"یہاں بھی تم کمرے میں بستر پر ہی ہو، جس تکیہ پر بھی موجود ہوگا اتنے میں گھر میں وائٹ واش کروا دیتا ہوں، بے حد گندا ہو رہا ہے گھر۔"

"پھر تو میرا جانا بہت ضروری ہے۔ گھر کی چیزیں کون سنگوائے گا۔"

"تم آرام کرو، تانیہ اپنے گھر سے دو ملازم لے آئے گی، اس کی نگرانی میں سب کام ہو جائے گا۔" ضمیر بھائی کا لہجہ طمانیت سے معمور تھا۔

تب میں کچھ کہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ لگتا تھا کہ جیسے زبان ہی پتھر کی ہو گئی ہو۔ ہاں چہرہ ضرور پسینے سے تر ہو گیا تھا۔ ہتھیلیاں بھی پسیج گئی تھیں۔ فرجاد مجھے ہکا بکا سا دیکھ کر کمرے سے از خود چلے گئے تھے، جیسے میری تضحیک کا تماشا دیکھنے کے وہ روادار نہ ہوں۔

♥♥♥

ارتقاء باجی کے ہاں آئے ہوئے مجھے پندرہ دن سے زیادہ ہو گئے تھے مگر ضمیر بھائی صرف ایک ہی دفعہ آئے تھے، جب کہ انہیں پتا بھی تھا کہ میری طبیعت خراب بھی ہے، جانے کے بعد صرف دو دفعہ فون کیا تھا، وہ بھی سرسری سا، جیسے یہ ان کے لئے ایسی اہم بات نہ ہو، فرحین نے از خود فون کر کے شہری کو بتایا تھا۔

"سنو، تمہاری چاندنی بیمار ہے، بہت بیمار۔" فرحین نے یہ فون میرے ہی سامنے کیا تھا۔

"کیوں، کیا ہوا اسے؟" اس کا لہجہ پر تشویش ہو گیا، جیسے یہ اس کے لئے کوئی بڑا سانحہ ہو، ٹیلی فون کے دوسرے سیٹ پر اس کی یہ پریشانی جان کر میرے دل میں طمانیت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

"تمہاری بے وفائی اسے مارے ڈال رہی ہے، جانتے ہو وہ تم سے کتنی محبت کرتی ہے۔" فرحین سرزنش کر رہی تھی۔

"ہاں جانتا ہوں، خوب جانتا ہوں۔" وہ گہرے لہجے میں کہہ رہا تھا، اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔

"تو پھر منا کیوں نہیں لیتے اسے، کوئی ایسا کرتا ہے جیسا تم کر رہے ہو۔"

"پتا نہیں فرحین، کیا بات ہے کہ اب میں چاہوں بھی تو اسے منا نہیں سکتا۔ لگتا ہے کہ ہمارے بیچ یقیناً کوئی ایسا پہاڑ آ گیا ہے کہ اب میں اسے چاہتے ہوئے بھی چاہ نہیں سکتا۔ نہ جانے ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ میں جانتے ہوئے بھی نہیں بتا سکتا۔" شہری عجیب یاسیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مگر میں اس کی وجہ بتا سکتی ہوں کہ آپ کے سامنے کون سا پہاڑ حائل ہو گیا ہے؟" فرحین نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"تم بھلا اس معاملے کو کیا جانو۔" وہ بے دلی سے ہنسا۔

"افسوس تو یہی ہے کہ اس معاملے کو نہ صرف تم بلکہ سب جان رہے ہیں کہ نغمی سے ملنے کے بعد تمہاری آنکھیں اسی کی ذات پر مرتکز ہو کر رہ گئی ہیں۔ نغمی کے سوا اب تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ نغمی نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔" وہ بدستور ہنستے ہوئے بولا۔

"نہیں، تم خود اندھے ہو گئے ہو، اس کی چمک دمک اور آب و تاب سے۔"

"نہیں فرحین! ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے میری روشنی تو کسی کی جفاؤں نے چھین لی ہے، میں کہاں جا رہا ہوں اور کہاں جاؤں گا۔ اس کا علم تو مجھے بھی نہیں ہے۔" اس کا لہجہ چیخ رہا تھا۔

"تم سب کچھ جانتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو، نغمی تمہارے گلے میں پٹا ڈال کر نہیں گھوم رہی، تم یہ سب جان بوجھ کر رہے ہو، اپنی ماہم کو دکھ دے رہے ہو اور اپنی چاندنی کو جلا رہے ہو۔"

تب میں نے اپنے سیٹ کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا، اس سے زیادہ وضاحتیں سننے کی مجھ میں تاب نہ تھی، نہ طلب تھی...... شہری جو کچھ کر رہا تھا، وہ خوب جانتا تھا۔

ارتقاء باجی اور کمال بھائی بے حد خیال رکھ رہے تھے مگر اس کے باوجود مجھے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔

ڈرپ جیسے ہی ختم ہوئی، باجی نے مجھے لینے کے لئے گاڑی بھیج دی۔

ڈرائیور، پہلے گلشن اقبال چلو، گھر پر مجھے کچھ کام ہے۔" ڈیفنس جانے کے بجائے میں نے گاڑی کا رخ اپنے فلیٹ کی جانب کروا لیا تھا۔

کتنے ڈھیر سارے دن ہو گئے تھے گھر گئے ہوئے۔

"ارے تم آ بھی گئیں۔ ضمیر بھائی شاید کہیں جا رہے تھے، کال بیل پر انہوں نے ہی دروازہ کھولا تھا۔

"کیا خیال ہے مجھے نہیں آنا چاہیے تھا؟" میں نے ناراضگی دکھائی۔

"یہ میں کب کہہ رہا ہوں، تمہاری طبیعت خراب تھی ناں، میں نے سوچا کہ ارتقاء کے پاس تمہیں کچھ آرام مل جائے گا۔" پرانا لہجہ لوٹ آیا تھا۔

"اللہ گھر کتنا پیارا ہو گیا ہے۔" میں نے ڈرائنگ روم میں خوب صورت وال پیپر دیکھ کر کہا۔

"یہ سب تانیہ کا کمال ہے، پورے گھر کو وہی ڈیکوریٹ کروا کے گئی ہے۔" ضمیر بھائی کا لہجہ پھول سا گیا۔

میں اپنے کمرے میں دوڑ کر گئی، دیکھوں کہ کیا کمال دکھایا ہے محترمہ نے...... مگر وہاں تو میرا سامان نہیں تھا، نیا ڈبل بیڈ، نیا سرخ قالین، نئی ڈریسنگ ٹیبل، نئے پردے، نئی الماری......!

"یہ سب کیا ہے؟" میں حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں، بس تانیہ نے کمرے تبدیل کر دیے ہیں، یہ کمرہ چونکہ گیلری کے ساتھ کا ہے اور دیگر کمروں کے مقابلے میں بڑا بھی ہے۔ اس لئے تانیہ نے اسے میرا بیڈروم بنا دیا ہے اور میرا والا کمرہ تمہیں دے دیا ہے۔"

"یہ سب سامان تانیہ کے جہیز کا آیا ہے؟" میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی، یہ تو سب میں نے خود ہی خریدا ہے۔ کافی عرصے سے سوچ رہا تھا کہ اپنا بیڈ تبدیل کر لوں، بہت پرانے ڈیزائن کی مسہری تھی، دیکھ دیکھ کر دل اکتا گیا تھا، اب یہ تانیہ کے ساتھ جا کر میں نے اپنی پسند سے خریدا ہے۔" ضمیر بھائی فخر سے بولے، جیسے کوئی کارنامہ انجام دیا ہو۔

میں بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی، میرے کمرے میں سارے گھر کا فالتو سامان بھر دیا گیا تھا، مچانوں کے اوپر تک سامان لگا دیا گیا تھا، کمرے میں چلنے پھرنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، حد تو یہ تھی کہ میری ڈریسنگ ٹیبل کی دراز تک میں ضمیر بھائی کا فالتو سامان بھر دیا گیا تھا۔

باجی کے کمرے کی تمام چیزیں بھی ابا جان کے کمرے میں رکھ دی گئی تھیں اور وہ کمرہ ڈیکوریٹ کر کے مہمانوں کا کمرہ بنا دیا گیا تھا۔

"اب نغمی کا بھی آنا جانا لگا ہی رہے گا، ایک ہی تو بہن ہے، اس کا بھی آخر حق ہوگا۔ یہ کمرہ اس کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ جب بھی رات کو اس کا رکنے کا موڈ ہو تو اس کمرے میں ٹھہر جائے۔" ضمیر بھائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھے بتا رہے تھے۔

"گھر تو واقعی بہت خوب صورت سیٹ کیا ہے تانیہ نے، اتنا پیارا کہ واقعی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی؟" میں تمسخر بھرے لہجے میں بولی۔

وہ ماشاءاللہ بے حد ذہین ہے، ہر کام انتہائی سلیقے سے کرتی ہے۔" ضمیر بھائی اپنے ہی خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"ضمیر بھائی! لے آئے ہم آپ کی شادی کے کارڈ چھپوا کر۔ ٹھیک آج سے دس دن بعد آپ دولہا بنیں گے۔" شہری کی آواز ٹی وی لاؤنج سے سنائی دی۔ وہ گھر میں داخل ہو کر یونہی بلند آواز میں بولا کرتا تھا۔

"ابھی آیا۔" ضمیر بھائی باہر کی جانب سے اپنے کمرے کی کھڑکیاں بند کرتے ہوئے بولے۔ نئے قالین پر مٹی وغیرہ نہ آ جائے شاید اسی کا خیال تھا۔

"جلدی آیئے نوشے میاں اور آ کر دیکھئے کہ کارڈ کس قدر خوبصورت ہیں اور وعدہ کیجئے کہ ہماری شادی کے کارڈ بھی آپ اتنے ہی خوب صورت چھپوائیں گے۔" شہری شوخی سے کہہ رہا تھا۔

اپنے کمرے سے ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ نغمی اور شہری شادی کے کارڈ میز پر پھیلائے بیٹھے تھے

"اوہ تم آ گئیں۔" نغمی کے منہ سے اچانک نکلا۔

"میرا آنا، آپ کو کیوں ناگوار گزرا؟" میں نے تیوری چڑھا کر نغمی سے پوچھا۔

"ایک دم سے دیکھ کر حیرت ہوئی۔ آپ تو گئی ہوئی تھیں ناں، اس لئے۔" میرے پوچھنے پر وہ کچھ کھسیا سی گئی۔

"ہمیشہ کے لئے تو نہیں گئی تھی۔" میرا غصہ ابھی تک نہیں اترا تھا۔

"اُفوہ، تم تو جان کو ہی آ گئی ہو۔ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی کہ تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے ہیں۔" ضمیر بھائی کو لاؤنج میں داخل ہوتا دیکھ کر، وہ قدرے تیز آواز میں بولی۔ جیسے انہیں سنا رہی ہو۔

"شٹ اپ!" مارے غصے کے میں سرخ ہو گئی، شہری کے سامنے اس کا یہ انداز مجھے مزید کھولا گیا تھا۔

"دیکھ رہے ہیں ضمیر بھائی ماہم کو، آپ کے ہاں یہ ہو رہی ہے میری عزت۔" نغمی نے برا سا منہ بنا کر شکایتی انداز میں کہا۔

"جو شخص کسی کی عزت کرنا نہ جانتا ہو، وہ خود کسی عزت کا مستحق نہیں ہوتا، تم کیا اور کیسی ہو، یہ میں خوب جان گئی ہوں۔" میرا لہجہ پھنکاریں لئے ہوئے تھا۔

"ماہم، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ ہوش میں تو ہو۔" ضمیر بھائی حیرت سے میری جانب بڑھے۔

مگر میں لمبے لمبے ڈگ بھرتی باہر نکل گئی۔ جہاں باجی کا ڈرائیور میرے انتظار میں سوکھ رہا تھا میرے بیٹھتے ہی گاڑی ہوا ہو گئی۔

نغمی کے لئے جو میرے دل میں بارود جمع ہو رہا تھا، آج ذرا سی ٹھیس سے ہی باہر نکل آیا تھا، اپنے دل کی بھڑاس نکال کر بھی طبیعت کی بے چینی کم نہیں ہوئی تھی۔ شہری کی خاموشی عجیب پراسرار سی تھی، نہ وہ نغمی کی وکالت میں کچھ بولا تھا اور نہ ہی اس نے مجھ سے کچھ کہا تھا، جب کہ ضمیر بھائی "ہیں، ہیں" کرتے رہ گئے تھے۔ انکا چہرہ نغمی کے سامنے خاصا شرمندہ سا تھا جیسے میری بات ان کے لئے سبکی کا موجب بنی ہو۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم، میں تو پریشان ہو گئی۔" باجی گیٹ کے باہر کھڑی پریشانی سے ٹہل رہی تھیں۔

"اُفوہ ایک تو آپ گھبرانے میں ہمیشہ کی خود کفیل رہی ہیں، اسپتال سے گھر آنے میں دیر ہو گئی تو کیا ہو گیا۔"

"تمہیں کیا پتا کہ میرا دل کس طرح ہول رہا تھا، جب معلوم ہوا کہ اسپتال سے گئے ہوئے تمہیں ایک گھنٹہ ہو چکا ہے، دل میں اس قدر برے برے خیال آ رہے تھے کہ توبہ! اس وقت ٹریفک بھی بہت فاسٹ ہوتا ہے اور یہ ڈرائیور صاحب بھی اسی سے کم رفتار میں گاڑی نہیں چلاتے، اب فرجاد بھائی تمہیں دیکھنے کے لئے خود جا رہے تھے، کمال کو ان کے آفس میں فون کر دیا تھا، وہ بھی گھر آ رہے ہوں گے۔" باجی نے پھولی ہوئی سانسوں میں بتایا۔

"گویا، سارے گھر کو ہلا دیا آپ نے خواہ مخواہ میں۔" میں خجل سی ہو گئی۔

"یہ اتنی سی بات ہے، تمہارے لئے، اگر خدانخواستہ تیرے ساتھ کوئی ایکسیڈنٹ ہو جاتا تو۔" وہ ابھی تک ہراساں تھی۔

"اب کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا، میرے ساتھ، جتنے حادثے ہونے تھے سب ہو چکے ہیں۔" میں نے دانت پیس کر سوچا، آصف اور نغمی دونوں ہی مجھے بھوت پریت نظر آ رہے تھے۔

"دیکھ ماہم، اب اگر کہیں دیر ہو تو مجھے فون کر دینا، تو جانتی ہے کہ میرا دل کتنا چھوٹا ہے۔" وہ مجھے چپ سا دیکھ کر، میرے پاس آ گئی تھیں۔

"پیاری باجی، میں تو اپنے گھر کا چکر لگانے گئی تھی کہ دیکھوں تو ذرا وہاں کیا ہو رہا ہے۔" سوچ کے صحرا

سے آکر، میں قصداً مسکرا رہی تھی۔

"ایسا ہی جانا تھا تو شام کو چلی جاتیں، یہ اسپتال سے سیدھی جانے کی کیا سوجھی؟"

"اب مجھے شام کو بھی نہیں جانا، اچھا ہوا کہ دیکھ آئی، ضمیر بھائی کا گھر، جہاں میرے لئے اب کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" باجی میرے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"ہاں باجی، تانیا کے آنے سے پہلے ہی گھر کا سارا انتظام سنبھال لیا ہے۔ اب وہ جو چاہ رہی ہے، وہ ہو رہا ہے، لگتا ہے کہ ایسا ہی ماحول اب ممانی جان کے ہاں کا ہو جائے گا۔" نغمی شہری کے ساتھ سائے کی طرح پھر رہی ہے۔ ضمیر بھائی کی شادی کے کارڈ چھپ کر آ گئے ہیں اور ہمیں اطلاع تک نہیں ہے۔"

"دفع کرو، تم ان سب باتوں کو، شادی میں بلائیں گے تو ہم بھی مہمانوں کی طرح چلے جائیں گے اور بلایا تو نہ سہی۔ اس میں دکھ کی کیا بات ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں!" میں نے آنسو پیتے ہوئے انہیں دیکھا جو قصداً پیٹھ موڑ کر بیٹھ گئی تھیں، اپنی جھملاتی ہوئی آنکھوں کو مجھ سے چھپانے کے لئے۔

"ہاں ماہم، جو بھی ہو رہا ہے، ہونے دو۔" باجی کا لہجہ تفکر سے مالا مال تھا۔

"آپ مجھے ہوسٹل میں داخل کرا دیجئے گا۔ اب میں ضمیر بھائی کے پاس نہیں جاؤں گی۔"

"پاگل مت بنو، تم میرے پاس اس وقت تک رہو گی جب تک ابا جان نہیں آ جاتے۔" باجی نے جھاڑ پلائی۔

"اتنے بہت سے دن ہو گئے ہیں رہتے ہوئے، جانا تو ہو گا پتا نہیں، ابا جان کب تک آئیں گے۔" میں گھبرا رہی تھی۔

"جا کر دکھاؤ تو ذرا دیکھتی ہوں کیسے جاتی ہو؟ فرحین نے میرے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر دیں اور میرے حوصلے ٹوٹنے لگے۔

"چاندنی، تم اتنی غیریت کیوں محسوس کر رہی ہو، یہ ارتقاء باجی کی سسرال بعد میں ہے، پہلے تم میرے دوست ہو اور بھابھی تو مجھے اتنی ہی عزیز ہیں جتنی کہ تم ہو، پھر بھی یہاں...... سے جانے کی باتیں کر رہی ہو، ہم سب کے ہوتے ہوئے تم ہوسٹل میں رہو گی۔" فرحین لاڈ سے کہہ رہی تھی۔

"ہوسٹل تو سب بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں اسپتال میں داخلہ مل سکتا ہے، کہو تو ایڈمٹ کرا دوں' فرجاد بھی آ گئے تھے فرحین کے بات پر وہ بھی گفتگو میں حصہ لے بیٹھے۔

"ہٹے کٹے مریضوں کو تو ہسپتال والے بھی بھگا دیتے ہوں گے۔" باجی دور کی کوڑی لائیں۔

"ہم سفارش کر دیں گے کہ مہلک بیماری ہے، ان کا ایڈمٹ ہونا ضروری ہے۔" فرجاد مسکرا رہے تھے۔

"گویا، آپ داخلہ دلوانے کے لئے غلط سلط تشخیص بھی کریں گے نا بابا نا میں تو باز آئی، عام حالات میں بھی آپ سے چیک اپ نہ کراؤں۔"

اور جب کمال بھائی گھر میں داخل ہوئے تو اسی وقت بھی یہی گفتگو چل رہی تھی۔

"اب یہ میرا حکم ہے کہ ماہم انکل کے آنے تک یہیں رہے گی۔" انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔

"لو اب کر لو کل، اب کیا کہتی ہو؟" فرحین مسکرائی اور میں لب دبا کر رہ گئی۔

شام کو ضمیر بھائی آ گئے، سرشار سے، ڈھیر سارے کارڈز اٹھائے ہوئے۔

"کچھ کارڈز میں نے شہری کو دے دیے ہیں اور کچھ صفدر کو، باقی آپ لوگ بانٹیے، فہرست علیحدہ لفافے میں ہے، یہ کام بھی کم نہیں ہوتا۔" وہ کمال بھائی کے سامنے پیکٹ رکھتے ہوئے بولے۔

"کب ہو رہی ہے آپ کی شادی۔" ارتقاء باجی یوں پوچھ رہی تھیں جیسے کسی غیر شخص سے پوچھا جاتا ہو۔

"ابھی تو بہت ٹائم ہے۔" وہ ہنسے۔

"ہاں، یہ دس دن دس ماہ لگیں گے......" کمال بھائی بھی ہنسے۔

"بری اور زیور آ گیا......؟" ارتقاء باجی کو کرید ہو رہی تھی۔

"آ بھی گیا اور وہ لے بھی گئیں۔" وہ مسکرائے مگر چہرے پر خفت ہرگز نہیں تھی۔

"آپ نے دکھایا بھی نہیں۔" ارتقاء باجی کے لہجے میں شکایت گھل سی گئی۔

"یہ سب چیزیں تانیا کے ساتھ واپس گھر میں ہی آنی ہیں، بعد میں دیکھ لینا۔" وہ بے پروائی سے بولے۔

"مہندی ہو گی؟" فرحین پوچھ رہی تھی۔

"نغمی کہہ رہی ہے کہ الگ الگ کرنے کے بجائے ایک ساتھ کر لیں گے۔ شادی سے ایک دن قبل ان کے گھر پر ہی ہو گی، ورائٹی پروگرام بھی ہو رہا ہے۔" وہ خوش خوش تفصیل بتا رہے تھے اور میں دم سادھے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"آج دوپہر یہ ماہم نغمی سے خواہ مخواہ ہی الجھ بیٹھی۔ وہ بھی نہ جانے کیا سوچتی ہو گی۔" ضمیر بھائی سب کے سامنے میری شکایت ارتقاء باجی سے کر رہے تھے، جیسے ان کی نغمی کے ساتھ زیادہ قریبی رشتے داری ہو۔

"سوچتی ہے تو سوچتی رہے۔ تانیا ہمارے گھر آ رہی ہے، نغمی نہیں آ رہی جو وہ محترمہ اترا رہی ہیں۔" باجی نے غصہ دبا کر دھیرے سے کہا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ سیٹھ احسانی کی لڑکیوں کو ہمارا خاندان ہی پسند آ گیا ہے اور ان کے بر ہمارے خاندان میں موجود ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں، آپ کی بات!" ارتقاء باجی حیرت سے ضمیر بھائی کو دیکھ رہی تھیں۔

"بات صاف ہے اور سب کو دکھائی بھی دے رہی ہے کہ نغمی اور شہری دونوں ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ ان دونوں کی بھی انگیجمنٹ ہو جائے، تانیا کی بھی یہی خواہش ہے اس کا تو خیال ہے کہ شہری، نغمی کے لئے بہت مناسب رہے گا۔" میرے کمرے سے نکلتے ہی ضمیر بھائی نے ارتقاء باجی کو بتایا اور میرے قدم وہیں جم گئے۔

"ضمیر بھائی، آپ کو خیال رکھنا چاہیے کہ آپ کی ایک بہن بھی ہے جو آپ کی ذمے داری بھی ہے۔ ممانی جان شہری کی شادی ماہم سے کرنا چاہتی تھیں، اس سلسلے میں آپ کو تانیا کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے۔" باجی آخر کار کہہ ہی اٹھی، شاید اس سے زیادہ برداشت کرنا ان کے لئے بھی دوبھر تھا

"یہ کام زبردستی کے تو نہیں ہوتے، اگر شہری، ماہم کو پسند نہیں کرتا تو ممانی جان یا میں کیا کر سکتے ہیں۔" ضمیر بھائی کے انکشاف نے مجھے ششدر کر دیا تھا۔

"وہ ماہم کو پسند نہیں کرتا۔" وہ کھسیائے ہوئے لہجے میں باجی سے کہہ رہے تھے، باجی کی چلتی ہوئی زبان پر ان جملوں نے جیسے برف کی سل رکھ دی تھی۔

کمان سے نکلے تیر جیسے الفاظ کے سنگین نتائج کی دہشت نے مجھے پوری قوت سے جکڑ دیا اور میری سدا کے مشکل لمحوں سے تیر کر نکل جانے والی صلاحیت نہ جانے کیوں موم کے ڈھیر میں منجمد ہو گئی اور پھر دھڑ دھڑ جلنے لگی۔

"ضمیر بھائی، آپ اس سلسلے میں شہری سے بات کر سکتے ہیں، اسے اونچ نیچ سمجھا سکتے ہیں، وہ لاابالی سا لڑکا، آپ کی بات ضرور سمجھ جائے گا۔ نغمی اس کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں رہے گی۔" باجی ابھی تک اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

"ارتقاء جب میں کھلی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں تو کیوں کر ایسی بات کر سکتا ہوں۔ شہری کوئی بچہ نہیں ہے کہ میں اسے سمجھاؤں اور نہ ہی میری پوزیشن ایسی ہے کہ نغمی کے بارے میں اسے بدظن کروں اور پھر تانیا ہر وقت نغمی اور شہری کے شادی کے پلان بناتی رہتی ہے کیا میں اب اس سے یہ کہوں کہ پہلا حق میری بہن کا ہے کہ شہری ہمارا رشتے دار ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ' آپ کی پوزیشن واقعی بہت نازک ہے آپ تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔" باجی نے دانت پیسے۔

اور میرا دل چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ باجی، کس کس طرح ضمیر بھائی کی خوشامدیں کر رہی تھیں اور وہ تانیا اور نغمی کی دلداری کے تحت ان ہی کی وکالت میں مگن تھے۔

"شادی خوشی کا نام ہے، اس کام میں زبردستی نہیں ہونی چاہیے، جب شہری، ماہم کو پسند نہیں کرتا تو پھر فائدہ۔"

ضمیر بھائی کی آنکھوں میں ان کا فیصلہ بول رہا تھا۔ وہ باجی کو مسلسل یقین دلا رہے تھے کہ شہری، نغمی سے والہانہ محبت کرتا ہے (میں نے جھری میں سے جھانکا)

"مگر یہی شیری، پہلے ماہم کے آگے پیچھے پھرا کرتا تھا، ممانی جان سے خوشامدیں کرتا تھا، امی آپ میرا رشتہ ماہم کے لئے دے آئیں...... اگر اسے ماہم ناپسند تھی تو وہ سب آخر کیا تھا؟" ارتقاء باجی نے جھلا کر کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ اسے اپنا آئیڈیل، ماہم سے زیادہ نغمی میں نظر آ گیا ہو، تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" ضمیر بھائی نے بے پروائی سے کہا اور ان کی بات سن کر میرا سر گھوم گیا اور میں کرسی کو مضبوطی سے تھام کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی، خدایا کتنی ذلتیں سہنے کے لئے ابھی باقی ہیں، اس سمے میرا وجود طوفان میں گھرے نازک عشقِ پیچاں کی بیلوں کی مانند ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

کیا میں شہری کی آئیڈیل نہیں تھی؟

کیا وہ مجھے نہیں چاہتا تھا؟

میری سوچیں مجھے گھائل کر رہی تھیں۔ میرا تمسخر اڑا رہی تھیں اور یہ آوازیں میرے کان پھاڑ رہی تھیں۔

"ماہم، پلو میری بائیک پر بیٹھ جاؤ، میں واقعی آہستہ چلاؤں گا۔"

"نہیں۔ تم تیز چلاتے ہو، مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"میرے ساتھ بیٹھ کر بھی ڈر لگتا ہے، یار پکڑ لینا، مجھے پیچھے سے گروگی نہیں، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

"شہری، تم مجھے گرادو گے میرا دل کہتا ہے۔" میرے دل نے کتنا صحیح کہا تھا کہ آخر تم نے گرا ہی دیا۔

"نہیں ماہم، اپنے شہری پر بھروسا رکھو، میں خود تو گر سکتا ہوں مگر تمہیں کبھی نہیں گراؤں گا۔ یہ وعدہ ہے تمہارے شہری کا، جو اپنی زندگی کی چاندنی تمہیں بنانا چاہتا ہے۔" خاصے جذب سے کہا گیا۔

"دیکھو ڈائیلاگ بولنے کی نہیں ہو رہی، اب اگر ہیرو بننے کی ناکام کوشش کی تو جمپ مار کر، تمہاری بائیک سے اتر جاؤں گی۔" بائیک جو دھیمی رفتار سے چل رہی تھی، میں نے اس کے کانوں میں چیخ کر کہا۔

"کیا کہا؟ کہ تم میری بائیک سے اتر جاؤ گی، اس سفر میں مجھے تنہا چھوڑ دو گی۔" وہ چیخ کر بولا، لااُبالی تو ہمیشہ تھا۔

"ظاہر ہے، میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔" میں نے اپنی ہنسی دبائی۔

"اچھا، یہ ارادے ہیں محترمہ کے! بیچ منجدھار میں چھوڑ کر جانا چاہتی ہیں۔" اس نے بائیک کو ریس دی اور چند ہی لمحوں میں اس کی بائیک طوفانی رفتار سے چل رہی تھی۔

"شہری، آہستہ چلاؤ پلیز شہری۔" میرا ڈرا ہوا لہجہ گھگیا سا رہا تھا۔

"ہم تو اسی رفتار سے چلاتے ہیں، ڈرائیور ناپسند ہے، تو کود جاؤ۔" وہ فلک شگاف قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"شہری پلیز، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" میں دونوں ہاتھوں سے اسے پکڑے ہوئے اپنا سر اس کی پشت سے ٹیکے کانپ رہی تھی۔

"یہی تو میں چاہتا ہوں، تم اپنا ڈر ختم کرلو اب ذرا سوچو جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"میں مر جاؤں گی شہری۔" مارے خوف کے میں نے آنکھیں میچ لی تھی۔

"نہیں ماہم، شہری کے سامنے تمہیں کچھ نہیں ہوسکتا اور تم تو چاندنی ہو، چاندنی کو بھی بھلا کوئی ختم کرسکتا ہے۔" آخر کار اس نے اپنی بائیک روک ہی دی تھی۔

"بے وقوف، جنگلی، تم نے میرا خون خشک کر دیا تھا اتنی تیز چلا کے بائیک!" اتر کر میں نے اس کے ہاتھوں پر گھونسے برسائے۔

"ماہم!" گھونسے برساتے ہوئے ہاتھ اس نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لئے اور میری انگلیاں یوں گننے لگا جیسے کلیاں بین رہا ہو۔

"کیا ہے؟ میرے ہاتھ تو چھوڑو۔" میں خجل سی ہوگئی۔

"تم ہمیشہ اپنی بات کرتی ہو مجھے ڈرا دیا اور میرا خون خشک کر دیا مگر کبھی میری بات بھی تو سمجھ لیا کرو۔" وہ آنکھوں میں تمام تر اُجالے سمیٹ کر بولا۔

"تمہاری کیا بات ہے؟" میں نے آنکھیں چرائیں۔

"تم اگر مجھ سے ناتا توڑ لوگی تو میں ٹوٹ جاؤں گا، بکھر جاؤں گا۔"

"پھر وہی ڈائیلاگ جانتے ہو کہ ان باتوں سے مجھے چڑ ہے۔ بظاہر میں نے خفگی سے کہا ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ بولتا رہے اور زندگی کی شام ہو جائے۔

"کہاں بولے ہیں ڈائیلاگ، وہ تو لگتا ہے کہ کبھی اصل سچویشن پر بھی نہیں بول سکوں گا، مگر زندگی کا سچ قبول کرنے میں، کوئی حرج نہیں ہے کہ ماہم، صرف تم میری ہو، یہ ہمیشہ یاد رکھنا اور اگر تم نے پٹڑی چینج کرنے کی کوشش کی تو شہری، شہری نہ رہے گا۔"

"شہری صاحب، یہ عشقیہ مسائل حل کرنے کے لئے شہر میں بہت سی لڑکیاں موجود ہیں، آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کی ان چکنی چپڑی باتوں میں اس آئس کریم کو نظر انداز نہیں کروں گی جس کو کھانے کے چکر میں، میں آپ کے جہاز پر اڑ کر آئی ہوں۔" اس کو روکنے کے یہی کوشش کارگر ہوسکتی تھی۔

"تم نہیں مانو گی، چلو آؤ ٹھونسو۔ مگر یاد رکھنا، زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے، پیسے پرس میں کم ہیں۔" وہ ہنستا ہوا ریستوران میں لے گیا۔

"تب میں آئس کریم کھاتی ہی چلی گئی۔ جنوری کے سرد موسم میں میرے ہونٹ کانپ رہے تھے اور دانت بج رہے تھے مگر آئس کریم خوب کھائے جا رہی تھی۔

"لگتا ہے شادی کے بعد میں تو کنگال ہو جاؤں گا جب تم آئس کریم کھانے کی اتنی ندیدی ہو تو ہمارے

بچوں کا کیا ہوگا۔ وہ تو شاید آتے جاتے کے ہاتھوں سے چھین کر کھائیں گے۔''

''بکو نہیں، اپنے بچوں کے لئے میں خود روزانہ فریج میں آئس کریم بنایا کروں گی۔' روانی میں نہ جانے کیوں کر کہہ گئی۔

''اچھا، یہ پلان ہیں اور اپنے پیارے سے خوب صورت میاں کو پکا کر کھلایا کروگی؟'' وہ اپنے آئسکریم کا لبالب چمچہ میرے منہ میں بھر کر بولا۔

''شہری کے بچے، لے کر منہ جلا دیا۔'' میں رومال سے منہ صاف کر کے بولی۔'' چلو لمبو بس اب گھر چلو، کچھ زیادہ ہی بکواس کرنے لگے ہو تم۔'' میں شرما سی رہی تھی۔

اور وہ واپسی پر آہستہ روی سے بائیک چلاتا ہوا مسلسل گنگنا رہا تھا۔

اتنا کرو ناں مجھ سے پیار۔

''جھوٹے کہیں گے۔'' کپاڈیا، سوچ کی راہ گزر جب حقیقت سے ٹکرائی تو میری آنکھیں برسات بن گئیں۔ کتنا جھوٹ بولا تھا تم نے شہری، بے حد جھوٹ......!

''ماہم، اب تم شہری کی آئیڈیل نہیں ہو۔''

''ایسے معاملات میں زبردستی نہیں ہوتی۔'' ضمیر بھائی کے جملے میری کنپٹی پر ضرب بن کر لگ رہے تھے۔

اور میں اپنے آپ کو سمجھانے کی پوری سعی کر رہی تھی۔ ضمیر بھائی کی بات تلخ ضرور تھی مگر سچی تھی، جب شہری کو نغمی میں اپنا آئیڈیل نظر آیا تو اس نے مجھ سے ناتا خود ہی توڑ لیا تھا۔

شہری، تم تو شروع سے ہی بے ایمان تھے، دفع ہو جاؤ، بھاڑ میں جاؤ، میری بلا سے، رات کی گہرائیوں میں میں فضائے نیم شبی کی سنسناتی ہوئی آواز کے سائے آج مجھے ہر لمحے کچوکے دے رہے تھے۔ نغمی کی تمسخرانہ نظریں چہار سو میرا مذاق اڑا رہی تھیں۔ ماہم تمہاری بے کیف چاندنی سے دل برداشتہ ہو کر شہری میرے پاس آ گیا ہے، میرا وجود تم پر حاوی ہو گیا ہے، شہری اب میرا ہے صرف میرا، میرے گنگناتے وجود نے شہری کو فتح کر لیا ہے، اب شادی کے بعد وہ اس گلی سے بھی نہیں گزرے گا جہاں تمہارا گزر ممکن ہو''

''شہری جاؤ، چلے جاؤ مجھے تم سے نفرت ہے۔'' میں اپنے آپ کو ہر ممکن طرح سمجھا رہی تھی مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ......

شہری، میرے دل سے کسی صورت نہیں نکل پا رہا تھا اور میں اپنے آپ سے الجھتے اُلجھتے بے دم ہوئی جا رہی تھی، نہ جانے ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ پوری شب کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے گزری تھی، اچانک شیشے میں اپنے آپ پر نظر پڑی تو آنکھیں سوج رہی تھیں لبوں پر پڑپیاں جمی ہوئی تھیں اور چہرے پر شہری سے جدائی کا کرب چیخ چیخ کر بتا رہا تھا۔

''ارے ماہم احمد، یہ تم ہو آئینہ سوال کر رہا تھا۔

''ہاں میں!'' (لب تھرتھرائے)

''حیرت ہے تم پر، اپنی یادوں پر تکیہ کر رہی ہو، ارے ماہم تم تو ایک دم پھسپھر نکلیں، ایک دم تھرڈ کلاس ذہنیت کی مالک، آئینہ ملامت کرتے ہوئے پھیکی سی ہنسی ہنس رہا تھا۔

''لاحول ولاقوۃ، یہ محبت تو انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ اب اگر شہری نغمی سے شادی کر رہا ہے تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے، پانی کا گلاس چڑھا کر میں نے نادان دل کو سمجھانے کی پھر سعی کی جو کسی ضدی بچے کی طرح مان کر نہیں دے رہا تھا اور میں اپنے آپ سے جنگ کرتے کرتے نڈھال سی ہو گئی تھی اور اب دماغ کو کچھ سہنے کی مزید تاب نہ تھی۔

صبح جب باجی مجھے ناشتے کے لئے بلانے آئیں تو میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی اور بستر پر ایک شکن تک نہ تھی۔

''ماہم، میری جان کیا تو سوئی نہیں، ساری رات کرسی پر بیٹھی رہی۔'' باجی نے اپنا چہرہ میرے شانے پر ٹکا دیا اور میرے سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

''رات کو اسٹڈی کرتی رہی، آخر ضمیر بھائی کی شادی میں بھی تو دو تین دن پڑھنے کا حرج ہوگا ناں۔'' میں نے میز پر رکھی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے خوش دلی سے کہا، جنہیں میں نے چھوا تک نہیں تھا۔

''ایمان سے ساری کتابیں چھپا دوں گی تیری، اپنی شکل تو دیکھ ذرا کیا حال ہو گیا ہے تیرا۔'' وہ مجھے پکڑ کر زبردستی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے لے آئیں جہاں آئینہ دل بھر کر ہنس رہا تھا، مذاق اڑا رہا تھا اور میں چھپاک سے منہ دھونے کے لئے چل دی، خدایا میں اپنے ذہن سے یہ سطحی سے خیالات کیوں کر نکالوں، اگلی شب پھر میرے لئے کڑی تھی۔

تنہائی میں یادوں کی تمام کڑیاں از خود ملتی چلی جاتی تھیں۔ ہم لڑکیاں محبت میں کیوں اتنی اموشنل بن جاتی ہیں، محبت کے لئے کیا جیتنا ضروری ہوتا ہے؟ یہ سوال میرا رواں رواں مجھ سے کر رہا تھا ہاں، ہاں، ہاں......دل روانی سے چیخ رہا تھا۔

یہ سب بے کار کی باتیں ہیں، افسانے اور ناول پڑھ پڑھ کر ہم لڑکیوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور ہر بات میں اپنے دل کی مرضی چاہتی ہیں، میں نے سخت سردی میں اپنے کمرے کا ایئر کنڈیشنڈ چلا دیا تاکہ ساری یادیں اور ساری سوچیں منجمد ہو جائیں مگر سب کوششیں بے کار تھیں۔'' دل کی ہار، زندگی کی ہار ہوتی ہے۔'' دماغ کہہ رہا تھا۔

''سنو شہری!

تم نے مجھے واقعی توڑ دیا ہے۔

اور میں ریزہ ریزہ ہو گئی ہوں۔''

رات کے اندھیرے میں، میں ساکت و صامت بیٹھی ہوئی چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ قطعی ایک عام لڑکی کی طرح۔

رات کے نہ جانے کتنے پہریوں میں ہی گزر گئے اور میری آنکھیں مندسی گئیں۔

''شہری، تم کہاں ہو؟ کیا کہہ رہے تھے تم مجھ سے۔'' دل کسی نادان بچے کی طرح پوچھ رہا تھا۔

''ماہم احمد، حقیقت کی آنکھیں کھولیے اب آپ میری آئیڈیل نہیں رہیں۔ آئیڈیل وہ ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ اپنے آپ میں تبدیلیاں کرتا ہے، اس لئے مجھ جیسے انسان کے آئیڈیل تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کیا سمجھیں؟ شہری تمسخر سے ہنس رہا تھا۔

''مگر میں تو تمہاری پسند تھی۔''

''یہ ٹھیک ہے، کل تک تم ضرور میری آئیڈیل تھیں مگر آج ہرگز نہیں! آج نغمی ہی میرا ساتھ دے سکتی ہے اس لئے اب میں نغمی سے شادی کر رہا ہوں۔''

میں ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، آنکھیں بند کر لینے سے اپنی مرضی کے خواب نہیں دیکھے جا سکتے۔

اور پھر یہ خواب ہی عذاب بنتے ہیں جنہیں دیکھ کر لڑکیاں آنکھیں بند کر کے چلتی چلتی جاتی ہیں۔

اور چند ہی منٹ بعد، میں سب کے ساتھ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھی۔

''ارتقاء تو کہہ رہی تھیں کہ تم سو رہی ہو!'' کمال بھائی پوچھ رہے تھے۔

''ہاں، پہلے سو رہی تھی مگر اب جاگ گئی ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور ناشتے پر جھک

گئی۔

ضمیر بھائی کی شادی میں تین دن باقی تھے۔ ماموں جان، زبیدہ پھوپھو اور ہم سب لوگ گلشن کے فلیٹ میں آ گئے تھے کمال بھائی کا یہی خیال تھا کہ بھائی کی شادی کے موقع پر کسی قسم کی خفگی کا اظہار نہ کیا جائے ورنہ خوشی میں پھانس سی لگ جاتی ہے اس لئے میں اور باجی گھر آ گئے تھے۔ فرحین بھی ہمارے ساتھ تھی کہ حرا اس کو کسی صورت بھی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ کمال بھائی اپنا فارغ وقت ہمارے ساتھ گزارتے مگر رات کو اپنے گھر چلے جاتے۔ شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ تانیا جیسی بھی تھی ضمیر بھائی کی پسند تھی، اب وہ دلہن بن کر اس گھر میں آنے والی تھی اور اس کا سواگت ہمیں ہر صورت میں کرنا تھا میں اور باجی اپنی تیاریوں میں مست ہو گئے تھے۔ کبھی درزی کے ہاں دوڑ لگتی تو کبھی جیولرز کے پاس، پھر ڈھولک لے کر الگ گلے پھاڑے جاتے۔

''دیکھنا ہم لوگ ہار جائیں گے مہندی کے موقع پر۔ ان لوگوں کے ہاں اتنے بڑے بڑے سنگرز آئیں گے۔'' فرحین روز دہلاتی۔

''ہم تو ان سے ہر چیز میں ہار رہے ہیں، گانوں میں جیت کر کیا کرتے۔'' باجی نے مسکرا کر کہا۔

تب میں سوچتی رہ گئی کہ باجی نے کتنی درست بات کہی تھی۔ تانیا نے ضمیر بھائی کو جیت لیا تھا اور نغمی نے شہری کو۔ یادیں پھر دکھ دے گئی تھیں۔

ابا جان کو فون کر کے شادی کی اطلاع دے دی تھی اور وہاں بے چین سے ہو رہے تھے۔ روزانہ ہی ان کا فون چلا آ رہا تھا۔

''ابا جان، ظہیر بھائی کی موجودگی میں فون نہ کیا کریں، پریشان ہو جاتے ہوں گے اور جب ڈالرز میں بل آئے گا تو انہیں پتا چلے گا۔''

''پاگل ہو تم، میں یہاں پریشان ہو رہا ہوں اور تمہیں مذاق سوجھتا رہتا ہے۔''

''میں آپ کی طبیعت سے واقف تھا اس لئے پہلے ہی منع کر رہا تھا کہ آپ امریکا میری شادی کے بعد جائیں۔'' ضمیر بھائی خوش دلی سے کہتے۔

''مجھے کیا معلوم تھا کہ تم سچ مچ شادی کر لو گے۔'' ابا جان کے لہجے میں ملال تھا۔

''چلئے، یہ شادی مذاق ہی سہی مگر دوسری شادی سنجیدگی سے کروں گا۔ پریشان مت ہوں، اس میں آپ کی شرکت لازمی ہو گی۔'' ضمیر بھائی کی بزلہ سنجی قائم تھی۔

''بکو نہیں، شادی کوئی کھیل نہیں ہے۔'' ابا جان نے فون پر ہی لتاڑا۔

''پھر آپ اپنی ناراضگی ختم کر دیں ناں۔'' ضمیر بھائی کا لہجہ کسی بچے کا سا تھا۔

''میں کہاں ناراض ہوں، میں تو بہت خوش ہوں۔'' وہ ہنس رہے تھے اور میں دوسرے ریسیور سے ان کی آنسوؤں میں ملی ہنسی کو محسوس کر رہی تھی۔

''ابا جان، یو آر ریئلی گریٹ۔'' ضمیر بھائی سرشار ہو گئے۔

''اپنے بہنوئی کمال اور اپنے ماموں کا اس شادی میں پیش پیش رکھنا کسی کی، کسی بھی موقع پر دل آزاری نہ ہو اور خاص طور پر میری چاندنی کی......'' اتنی دور بیٹھ کر بھی انہیں سب کی فکر تھی۔

''آپ مطمئن رہئے، ایسا ہی ہو گا۔'' ضمیر بھائی کا لہجہ پرعزم تھا۔

''پتا نہیں، مجھے پریشانی کیوں ہو رہی ہے۔'' ابا جان نہ جانے کیوں بے کل سے ہو رہے تھے۔

''مان جائیے کہ آپ مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں، ظہیر بھائی سے بھی زیادہ۔'' ضمیر بھائی ہنسے۔

''والدین کو اپنی تمام اولاد پیاری ہوتی ہے اور وہ یہ فیصلہ زندگی بھر نہیں کر سکتے کہ کون زیادہ پیارا ہے۔''

''ابا جان، یقین مانیے آپ کی کمی کا احساس مجھے بہت زیادہ ہو رہا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا ہو گا۔''

''کاش، میں آپ کو روکنے پر قادر ہو جاتا۔'' ضمیر بھائی کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''چلو کوئی بات نہیں، تمہاری دلہن آ کر دیکھ لیں گے۔'' وہ زبردستی ہنسے مگر یہ پھر بھی نہیں کہا کہ چند دن تم ہی رک جاتے، لڑکی کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی تھی جو تم یوں بے صبرے پن گئے۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ ضمیر بھائی تانیا کے لئے اپنے حواس کھو رہے تھے وہ جس وقت فون کر کے بلاتی تو وہ نہ وقت دیکھتے نہ موقع، اسی وقت اس کے پاس پہنچ جاتے۔

شادی میں صرف دو دن رہ گئے تھے مگر وہ روز مل رہے تھے۔ کبھی کہیں تو کبھی کہیں، فون پر الگ گھنٹوں باتیں ہوتیں، صلاح مشورے کئے جاتے۔ ضمیر بھائی کی تو وہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ تانیا کی کسی بات سے منکر نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا جواب صرف اقرار میں تھا جسے سن کر تانیا نہال ہو رہی تھی۔

''یہ مستقبل کے پلان بعد میں بھی باندھے جا سکتے ہیں، مجھے دو منٹ کے لئے فون چاہیے۔'' باجی ہنس کر کہتیں۔

''پلان پہلے ہی بننے چاہئیں وہی ٹھیک رہتے ہیں۔'' وہ ہنس دیتے۔ کھسیاہٹ نام کو نہ ہوتی۔

''اور ایک شب، جب دو بجے فون سنتے ہی باہر کو لپکے تو ممانی نے کہا۔ ''ضمیر، کل تمہاری مہندی ہے، اب تم ملنا جلنا بند کر دو۔''

''ایک ضروری چیز کی شاپنگ کروانا تو بھول ہی گیا۔'' وہ بے صبری سے باہر کو بڑھے۔

''بیٹے، صبح چلے جانا اس وقت کون سا بازار کھلا ہو گا۔'' جنوری میں رات کے دو بجے باہر ہو کا عالم ہوتا ہے۔ پھر سخت سردی علیحدہ۔

''ممانی جان میں یوں گیا اور یوں آیا۔ بہت ضروری کام ہے، تانیا میری منتظر ہو گی۔'' وہ چٹکی بجاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''جب اپنے ہی لڑکے باؤلے بننے کے لئے تیار ہیں تو آنے والی کو کیا کہیں!'' ممانی جان بڑبڑا رہی تھیں۔

''کچھ نہ کہو، ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی ہو رہا ہے۔'' زبیدہ پھوپھو سنجیدگی سے بولیں۔ ان کے بڑے بیٹے بھی شادی سے پہلے ہی زن مریدی کے تمام مراحل طے کر گئے تھے۔

ارتقاء باجی چپ چاپ اپنی ساری میں فال لگاتی رہیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ فرحین ڈھولک بجا رہی تھی اور اس کا ساتھ زبیدہ پھوپھو کی لڑکیاں دے رہی تھیں۔ آس پاس کے فلیٹوں کی شوقین مزاج لڑکیاں بھی آ جایا کرتی تھیں اس وقت فرحین ہی پھٹے گلے سے تانیں اڑا رہی تھی۔

ہار گئے ہم ہار گئے ۔ اک گبرو دے کر ہار گئے

تب ہی فون کی گھنٹی بجی، میں دف پھینک کر فون کی طرف لپکی۔ ان دنوں ابا جان روز ہی فون کر رہے تھے۔

مگر فون پر شہری تھا۔

''ماہم، میں یہ بات تم سے کیسے کہوں۔'' وہ تذبذب میں تھا۔

''شہری، اب میں تمہاری کوئی بات سننا بھی نہیں چاہتی۔'' میرے لہجے میں آگ سی بھر گئی۔

''ماہم، پلیز بات یہ ہے کہ ضمیر بھائی کا...... ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، ویسے وہ ٹھیک ہیں مگر تم سب لوگ اسپتال پہنچو۔''

"نہیں۔" ایک چیخ کے ساتھ میں زمین پر آ رہی تھی۔

"کیا ہوا ماہم؟ کس کا فون تھا۔" ممانی جان لپک کر میرے پاس آئیں، وہ میرے چہرے پر پھیلی ہوئی خوف ناک زردی کو دیکھ کر یقیناً پریشان ہو گئی تھیں۔

"شہری کا فون تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ...... " باجی جملے میرے حلق میں ہی اٹکنے لگے۔

"پاگل ہو گیا ہے وہ میرے جیتے جی، میرے گھر کی بہو نغمی ہرگز نہیں بن سکتی۔ اگر اس نے ایسا کچھ کہا ہے تو بکواس سمجھنا اس کو، شہری کی دلہن صرف ماہم بنے گی، میری چاندنی میرے گھر میں اجالا کرے گی۔" ممانی جان نے مجھے اپنے گلے سے لگا لیا۔

"نہیں ممانی جان، یہ بات نہیں ہے۔" میرے ہونٹ کانپنے لگے۔

"پھر کیا بات ہے؟" باجی اپنی ساری پھینک کر پریشان سے مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔ سخت سردی میں بھی پسینے ان کے چہرے پر بہہ رہے تھے۔

"شہری کہہ رہا تھا کہ ضمیر بھائی کی گاڑی کا...... ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" میں ایک دم ہی ارتقاء باجی کے گلے لگ گئی۔

"آ گئی ہو گی، کوئی معمولی سی چوٹ ووٹ، اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔"

"خدا ضمیر کو لمبی زندگی دے، بیماریاں اور حادثات تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔" زبیدہ پھوپھو نے سب کو تسلی دی۔

فرحین نے ڈھولک ایک طرف ڈال کر کمال بھائی کو فون پر مطلع کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ہم سب اسپتال پہنچ گئے۔

ایکسیڈنٹ ایک تیز رفتار ٹرک سے ہوا تھا اس سے بچنے کے لئے انہوں نے گاڑی موڑی تو دوسری گاڑی سے ٹکرا گئے۔

ضمیر بھائی کی دونوں ٹانگوں میں کمپاؤنڈ فریکچر ہوا تھا۔ گاڑی مکمل تباہ ہو گئی تھی۔ حادثہ اتنا ہولناک تھا کہ ان کی جان کا بچ جانا بھی ایک معجزہ معلوم ہو رہا تھا۔

جب ضمیر بھائی سے ملنے کی اجازت ملی تو وہ بستر پر مغموم لیٹے تھے، ان کی دونوں ٹانگوں پر پنجوں سے اوپر تک پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو بچا لیا۔" میں ارتقاء باجی کے ساتھ ضمیر بھائی کے گلے لگ گئی اور آنسو ان کا سینہ بھگونے لگے۔

ضمیر بھائی کے آنسو دھیرے دھیرے میرے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔ اس ناگہانی حادثے نے ان کی خوشیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

سیٹھ احسانی، تانیا اور نغمی سب ہی انہیں دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ تانیا بے حد چپ تھی، ظاہر ہے کہ اس کا صدمہ سب سے زیادہ تھا، وہ جو دو دن بعد دلہن بننے والی تھی، اس کی خوشیاں پامال ہو گئیں تھیں۔

ضمیر بھائی کا رنج و ملال ان کے چہرے سے ہویدا تھا۔ "اب کب آؤ گی تانیا؟" اس کو اٹھتا ہوا دیکھ کر ضمیر بھائی بے قرار سے پوچھ رہے تھے۔

"تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، میں آتی رہوں گی۔" گو وہ مسکراتے لبوں سے کہہ رہی تھی مگر اس کا لہجہ بے یقین سا تھا، یوں جیسے اسے معلوم ہو کہ ضمیر بھائی کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتے۔

اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ اگلے دن یہ خبر اخبارات میں جلی حرفوں سے شائع ہوئی کہ ممتاز بیٹسمین ضمیر احمد حادثے میں زخمی ہو گئے۔ دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ جانے کے باعث یہ باور کیا جاتا ہے کہ

شاید وہ آئندہ کبھی کھیلنے کے قابل نہ ہو سکیں۔

اور میں نے اخبار پڑھ کر چھپا دیا، کمال بھائی نے بھی تاکید کر دی کہ اس اخباری خبر کا ضمیر بھائی کے سامنے کوئی تذکرہ نہ کیا جائے۔ اگلے دن سب اسپتال میں موجود تھے مگر تانیا غائب تھی، جب کہ شہری اور نغمی آئے تھے۔

"تانیا کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں آئی، میرے پاس!" ضمیر بھائی کی بے قرار نظریں اسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"وہ گھر میں بیٹھ کر آپ کے لئے دعائیں مانگ رہی ہیں۔" نغمی کے پاس اس سے بہتر بہانہ تھا ہی نہیں۔

"اگر میں ٹھیک ہوتا تو آج ہماری مہندی کا دن ہوتا۔" ضمیر بھائی تاسف سے کہہ رہے تھے۔

"آپ انشاء اللہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے، ڈاکٹروں نے یہی کہا ہے۔ کھلاڑیوں کی تو آئے دن میچوں میں ہڈیاں ٹوٹتی رہتی ہیں اور پھر سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔" میں نے دلاسا دیا۔

"ہاں، میں ٹھیک ہو جاؤں گا، نغمی تم تانیا اور انکل سے کہنا کہ نکاح کل ہی ہو گا، جیسا کہ کارڈ میں لکھا ہے۔ تانیا قاضی صاحب اور گواہ اسپتال میں آ جائیں گے اور میرے ٹھیک ہونے پر رخصتی ہو جائے گی۔" ضمیر بھائی کا لہجہ ان کی امنگوں سے مزین تھا۔

"نکاح ہو جائے گا تو طبیعت کی اداسی بھی کم ہو جائے گی۔" زبیدہ پھوپھو کی بھی یہی رائے تھی۔

"ٹھیک ہے، میں جا کر آپی سے بات کروں گی، کارڈز تو ہم لوگ بھی بانٹ چکے ہیں، کل کے اخبار میں شادی کے التوا کا اشتہار تو آئے گا ہی، وہاں اس میں ایک سطر کا اضافہ کروا دیں گے کہ صرف نکاح سادگی سے ہو گا، رخصتی عمل میں نہیں آئے گی۔"

مگر اگلے دن، تانیا کے ساتھ ساتھ نغمی بھی غائب تھی۔ شادی کے التوا کے اشتہار میں نکاح کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ بلکہ اشتہار کی عبارت بھی کچھ اس طرح تھی جیسے یہ پڑھ کر احساس ہو رہا تھا کہ سیٹھ احسانی نے ناگزیز بنا پر اپنی بیٹی کی شادی منسوخ کر دی ہے۔

شہری نے نغمی کو فون کیا تو یہی جواب ملا۔ "پتا نہیں، ضمیر ٹھیک ہو بھی سکیں گے یا نہیں۔ تانیا جیسی لڑکی کسی اپاہج آدمی کے ساتھ تو زندگی نہیں بسر کر سکتی۔"

"فرض کرو کہ یہ حادثہ شادی کے بعد ہوتا پھر؟" ضمیر بھائی شہری کا جواب سن کر تملا ہی تو گئے تھے۔

"پھر وہ مرضیٔ خدا جان کر برداشت کر لیتی۔" شہری نے کچھ سوچ کر کہا۔

"پھر بھی، وہ آپ کو چھوڑ کر چلی جاتی۔ وہ ایک کھلاڑی سے شادی کر رہی تھی جس کی اپنی شہرت تھی جس کے ساتھ وہ جہاں بھی جاتی، شہرت کے آسمان پر چمکتی، صرف ضمیر احمد سے پیار ہوتا تو وہ اس حالت میں بھی نکاح کر لیتی، جنہیں ان مجبور لمحوں میں اس کی ضرورت پہلے سے بہت زیادہ تھی۔" میں نے ایک کھولتی ہوئی نظر شہری پر ڈال کر کہا جو ضمیر بھائی کو ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اور مجھے ایسی نظروں سے نفرت تھی۔

"ایسا نہ کہو، ماہم، تانیا ایسی ہرگز نہیں ہے۔" ضمیر بھائی کے آس کے دیپ ابھی بھی روشن تھے۔

کاش، آپ کا یقین سلامت رہے، میں ان کے سامنے سے ہٹ گئی، ایسے وقت اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا جب کہ وہ ستم گر بھی وہیں موجود تھا۔ رات گئے جب گھر آئے تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی، فون ابا جان کا تھا۔ "کیا بات ہے، ضمیر کی شادی میں سارا گھر ہی مدعوش ہو گیا ہے کہ کوئی فون تک ریسیو نہیں کر رہا۔" ان کی بے چینی اپنی جگہ صحیح تھی۔

"شادی اب آپ کے آنے کے بعد ہوگی، ضمیر بھائی کو احساس ہو گیا ہے کہ آپ کی شرکت کے بغیر وہ بارات نہیں لے جائیں گے۔" میں نے اپنے آپ پر قابو پا کر کہا۔

"جھوٹ مت بولو، کیا ہوا ہے، صاف صاف بتاؤ۔ ضمیر کی شادی کا کارڈ مجھے یہاں موصول ہوا ہے، ظاہر ہے کہ وہاں بھی تقسیم ہوئے ہوں گے۔"

"بس مہر پر اختلاف ہو گیا، لڑکی والوں کی ہٹ دھرمی ضمیر بھائی کو پسند نہیں آئی۔"

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی، لڑکی والوں کا دل چھوٹا ہے، ان کی بات مان لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی کہ شادی کے کارڈ بانٹنے کے بعد شادی ختم کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں۔" انہیں خواہ مخواہ تاسف ہو رہا تھا۔

"ضمیر بھائی تو ختم نہیں کر رہے تھے، یہ بات تو لڑکی والوں نے خود ختم کی ہے تو کیا کر سکتے ہیں۔" میں فون پر الم غلم بکے چلی جا رہی تھی۔

"جو ہوا بُرا ہوا تم ضمیر سے میری بات کراؤ، میری طبیعت تو پہلے ہی سے نہ جانے کیوں پریشان تھی۔" ابا جان کے لہجے میں بے چینی کی آمیزش تھی۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ضمیر بھائی تو خوش باش ہیں، اس وقت بھی اپنے دوستوں کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔" کیسے بتا دیتی کہ وہ پٹیوں میں جکڑے ہوئے اسپتال میں پڑے ہیں۔

"وہ خوش ہیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے ورنہ میں تو پریشان ہو رہا تھا کہ صاحب زادے اس بات کو دل پر ہی نہ لے لیں۔" ابا جان کا لہجہ مطمئن سا ہو گیا۔

"آپ کب آئیں گے؟"

"یہ لوگ آنے ہی نہیں دے رہے بلکہ کہہ رہے ہیں کہ ماہم کو بھی بلا لیتے ہیں، وہ بھی یہاں پر کچھ کورسز کر لے گی، ماہم کی وجہ سے آپ کا دل بھی لگا رہے گا۔"

"امریکا کا ویزہ ملنا اتنا آسان سمجھ رکھا ہے آپ نے!" ابا جان کی بات سن کر مجھے ہنسی آ گئی۔

"ثمرین یہاں عرصے سے رہ رہی ہے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں تمہارے ایڈمیشن کا بندوبست کر کے تمہارا ویزا کسی مستحکم ادارے سے اسپانسر کروا دے گی اور یوں تم بھی آ جاؤ گی۔"

"یہ سب آپ کو روکنے کے بہانے ہیں ورنہ مجھے معلوم ہے کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔" میں ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"بی بی، یہ آپ کا خط کوئی صاحب دے گئے تھے۔" مجیدن نے ایک گلابی لفافہ دیتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"میرے لئے خط!" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، یہ بات بطور تاکید کہہ رہے تھے کہ صرف ماہم بی بی کو دینا۔"

"کس کا خط ہے؟" میں نے الٹ پلٹ کر دیکھا، لفافے کے اوپر اجنبی سے تحریر تھی۔ "لگتا ہے کہ غلطی سے کوئی ہمارے ہاں دے گیا۔" میں بڑبڑا رہی تھی۔

"کھول کر پڑھ لو، شاید تمہاری کسی سہیلی کا ہی ہو۔" مجیدن مجھے یوں تذبذب میں دیکھ کر بولی۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ میں نے لفافہ چاک کر دیا، آصف کا تھا جو اس نے مجھے لکھا تھا۔

"ماہم!

"مانندِ گل مسکراؤ!

سنا ہے کہ لڑکیاں اپنی پہلی محبت کو نہیں بھولتیں، اس لئے مجھے پورا یقین ہے کہ تم مجھے ہرگز نہیں بھولی

ہوگی۔ ہاں، میں تمہاری پہلی محبت ہوں اور آج بھی تم سے پیار کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا (آزمائش شرط ہے) دیکھو، جس شہری پر تم اکڑ رہی تھیں، وہ تمہیں چھوڑ کر جا چکا ہے۔ شہر کے تمام ریستوران اور سیر گاہیں شہری اور نغمی کی محبت کی امین ہیں۔ تم خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو، کیا شہری تمہاری جانب لوٹے گا نہیں ہرگز نہیں۔ وہ اونچے آدرش رکھنے والا ایک لڑکا ہے، وہ بلندیوں کو چھونے کا تمنائی ہے۔ وہ نغمی کے سہارے مزید اوپر جانے کا خواب دیکھ رہا ہے، وہ تمہارے ساتھ کبھی بھی مخلص نہیں تھا۔ اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ یہ مڈل کلاس لڑکوں کا المیہ ہے۔

ارتقاء نے دوسری شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا ہے، اب وہ اپنے گھر اور اس کے دھندوں میں اتنی گرفتار ہو جائیں گی کہ ہفتوں انہیں یہ یاد بھی نہیں رہے گا کہ تمہارا فون نہیں آیا، تو کیوں نہیں آیا؟

تمہارے ابا جان، امریکا چلے گئے ہیں۔ ظہیر ان کا سب سے چہیتا بیٹا ہے۔ تم دیکھ لینا، اب وہ امریکا سے واپس نہیں آئیں گے۔ ضمیر جو اپنی ٹانگیں تڑوا بیٹھے ہیں، اب وہ ہوں گے اور ان کی بیساکھیاں ہوں گی، تمہاری خواہشات، تمہارے ارمان سب کے سب ضمیر کی بیساکھیوں کی ٹک ٹک کے نیچے کچل جائیں گے۔ انہیں اپنے سوا کسی دوسرے سے ہمدردی کرنے تک کا کوئی خیال نہیں آئے گا، ماہم، تم جان لو کہ اب تم بالکل تنہا ہو، مجھ سے تمہاری یہ بے بسی نہیں دیکھی جا رہی ہے، آؤ اسٹیج کے میدان میں لوٹ آؤ۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا، وہ اس لئے کہ تم میری پہلی پسند ہو اور پہلی چاہت بھی، محبت کا لفظ اس لئے نہیں کہوں گا کہ میری چاہت تمہاری ختم ہوتی ہوئی محبت سے زیادہ طاقت ور ہے میں دس لڑکیوں کے ساتھ گھوم پھر کر بھی تمہارے لئے بے قرار رہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جو بات تم میں ہے، وہ کسی میں نہیں اور جب تم میری زندگی میں آ جاؤ گی تو دور دور تک کوئی نہیں ہوگا۔

مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو کہ میں نے حرا کی رہائی کے لئے پچاس لاکھ روپے کا وعدہ کر کے تمہیں ہوٹل میں بلایا تھا جہاں تم مجھ سے بدظن ہو گئیں۔ یقین مانو، شہری کو گالیاں آج بھی دیتا ہوں کہ وہ ہے ہی اسی قابل، اور اس دن بھی میں نے اسی جذبے کے تحت دی تھیں اور شاید اسی وجہ سے میں بہک بھی گیا تھا جس پر تم تلملا گئیں، اس واقعے پر میں تم سے بے حد نادم ہوں اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ کیا ایک پیار کرنے والے بندے کو معاف نہیں کیا جا سکتا؟ بولو جواب دو، آصف اپنی چاندنی کے بغیر کب تک بے سایہ رہے گا!

آج کل میں تھرڈ کلاس لڑکیوں میں وقت گزار کر میں اپنے آپ کو سزا دے رہا ہوں کہ آصف تمہاری اوقات یہی ہے کہ ٹکے ٹکے کی عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنا وقت گزارو۔ ماہم، جو شہزادیوں جیسی شان رکھتی تھی، وہ تم سے صحیح ناراض ہے کہ تم ہو اسی قابل!

ماہم، تمہاری شعلہ اگلتی آنکھیں اور نفرت بھرا رویہ، میرے وجود کو تہس نہس کئے دے رہا ہے خدارا اب مجھے اس عذاب سے بچا لو اور مجھے معاف کر دو۔ ہاں ماہم، میں تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔ اپنی چاندنی کے آگے ہاتھ جوڑ رہا ہوں مجھے امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گی اور اپنی محبت کی گزرگاہ پر لوٹ آؤ گی، میں تمہارے خوبصورت جواب کا منتظر رہوں گا۔

مجھے شہری سے نفرت تھی اور تم اس کی محبت میں آنکھیں بند کئے چلی جا رہی تھیں۔ اب دیکھو، وہ تمہارے بغیر کیسا خوش و خرم پھر رہا ہے مگر میں ایسا نہیں ہوں۔ شہری سے زیادہ تمہاری محبت کا پاس دار ہوں اور تمہارے بغیر ایک ایک لمحہ بے کل ہوں۔ اپنے دل کو ٹٹولو اور بتاؤ کہ وہ میرے بارے میں کیا کہتا ہے؟ یقیناً وہ بھی اپنا ووٹ میرے حق میں دے گا کہ پہلا پیار کبھی نہیں مرتا۔

فقط تمہارا اور صرف تمہارا۔ آصف۔"

خط پڑھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔

نہیں آصف، جو تم چاہ رہے ہو اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وقت اپنے آپ کو دہرا سکتا ہے مگر میں نہیں اور کم از کم تمہارے بارے میں تو ہرگز نہیں، وفا تو انسان کی ذات کا وہ حصہ ہوتا ہے جس کی کم شدگی بہت دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی اور تم سدا کے رہے جھوٹ کے استر اوڑھنے کے عادی، اب مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں آ سکتا، آصف، نہ صرف تم سفاک ہو بلکہ کمینے بھی ہو۔ ہوٹل میں بلا کر جس ذلالت کا تم نے ثبوت دیا تھا، وہ معاف کرنے والی نہیں۔

مجھ جیسی ہتھیلیوں میں رچ جانے والی رنگ حنا کی سی لڑکی کو تم نے اپنی بد دیانتی کے زہر سے زہریلا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ حرکت قابل معافی نہیں ہو سکتی۔

لعنت ہے تمہاری چاہت پر، جس پر تمہیں غرور ہے۔

میں یقیناً بد قسمت ہوتی، اگر تمہاری ہمراہی میں زندگی بتا رہی ہوتی۔

آصف، تم جیسے لوگ ہی معصوم سی لڑکیوں کے ذہن میں زہر بھر دیتے ہیں جس سے وہ اپنے آپ ہی مر جاتی ہیں۔

تم وہ کم ظرف ہو جو اپنی منافقت کی کبھی ذمے داری قبول نہیں کرتے۔ جس شان سے تم مجھ سے جھوٹ بولتے رہے، اس شان سے تو میں نے کبھی سچ بھی نہیں بولا۔

''ماہم بی بی، کس کا خط ہے جو آپ یوں غصے سے لال پیلا ہو رہی ہیں۔'' مجیدن مجھے بڑبڑاتا دیکھ کر بولی۔

''ہے ایک کمینے شخص کا جس نے یہ ہمت کی۔'' اور میں نے زمین پر تھوک دیا جیسے زمین کا وہ حصہ آصف کا ہی وجود ہو اور خط کو چرمرا کر گولا بنایا اور پوری طاقت سے پیپر باسکٹ میں ڈال دیا جیسے وہ کاغذ کا ٹکڑا نہ ہو، کوئی عفریت ہو۔

''ماہم، مجھے معاف کر دو۔ تمہارا رویہ میرے وجود کو تہس نہس کر رہا ہے، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ تم مجھے ضرور معاف کر دو گی۔'' آصف کے خط کے جملے میرے دماغ میں ہنوز چنگاریاں سی پیدا کر رہے تھے۔

ہاں، آصف میں تم کو خوب صورت خط ضرور لکھوں گی۔ میں آپ ہی آپ ہنسے چلی گئی۔

آصف تمہارا کمینہ وجود اس قابل ہے کہ تمہیں خط لکھا جائے۔

''طبیعت صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' نصرت کا مشورہ اچانک ہی یاد آ گیا۔ جب کبھی مخاطب کرنے کی کوشش کرے تو منہ توڑ جواب دینا۔

تب میں نے رائٹنگ پیڈ سنبھالا۔ دل چاہا کہ تمام شعلے اس خط میں رکھ کر پوسٹ کر دوں۔ تیزی سے چند دہکتے جملے لکھے، مگر ان کی آنچ تیز نہ لگی۔ نہیں یہ کچھ بھی نہیں ہے، میں نے کاغذ کو چرمرا کیا گولی بنائی اور پیپر باسکٹ میں ڈال دی۔

دوسرا، تیسرا، اسی انداز میں خط لکھا مگر نہ جانے شعلوں میں حدت محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی یا میرے اندر کی آگ زیادہ تیز تھی، میں کاغذ کی گالیاں بنا بنا کر پیپر باسکٹ میں ڈالتی جا رہی تھی۔

تمہیں میرے خط کا انتظار ہو گا۔

دو چار دن ڈاکیے کی راہ تکو گے، میں پھر ہنسی۔

''ہاں، آصف میرا خط تمہیں ضرور ملنا چاہیے۔'' شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ بے وقوف لڑکیاں خط کے جواب میں بڑی محبت سے لکھا کرتی ہیں، چاہے ان کا ہیرو کتنا ہی دھوکے باز ہو۔''

''اور تم آصف اسی گمان میں ہو کہ میں لفظوں میں خوب صورتیاں سمیٹ کر تم سے کہوں گی کہ آصف میں نے تمہیں جی جان سے معاف کر دیا ہے،

میں نے لگاتار کئی صفحے لکھے مگر کلیجہ ٹھنڈا پھر بھی نہیں ہوا، اس کم بخت کی طبیعت کیوں کر صاف کروں میں صفحے پر آخری ترچھی لکیریں بنا رہی تھی، لفظ میرا ساتھ چھوڑ رہے تھے، کاغذ کی گولیوں سے پیپر باسکٹ لبالب بھر گئی تھی۔

''لعنت ہے آصف تم پر' تم تو اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں خط لکھا جائے۔ دل کا فیصلہ قابل قبول تھا۔ شہر دل میں تم اپنی پہچان کھو چکے ہو، آصف' تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ تمہیں مخاطب کیا جائے، میں نے قلم بند کر کے ایک جانب اچھال دیا۔

♥♥♥

ٹھیک کہا ہے، کسی دانا نے کہ جب تک طوائف کی رانیں اور کھلاڑی کی ٹانگیں سلامت رہتی ہیں، وہ اپنے اپنے میدان میں ناچتے رہتے ہیں اور جہاں ان میں کمی آئی، کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا۔ یہی حال آج کل ضمیر بھائی کا تھا۔ تانیا صرف ایک دفعہ آئی تھی، اس کے بعد تو وہاں کا راستہ ہی بھول گئی تھی۔ سیٹھ احسانی نے بھی پلٹ کر دوبارہ نہیں پوچھا تھا۔ کہاں تو یہ حالت کہ دن میں کئی کئی دفع فون کیا کرتے تھے اور اب اگر ضمیر بھائی اپنے روم سے فون کرتے تو تانیا کے گھر میں ان سے کوئی بات کرنے والا نہیں ملتا تھا۔

''نغمی میں نے تم سے کہا تھا کہ تانیا سے نکاح کی بابت بات کرنا اور اپنے ڈیڈی سے بھی۔'' ضمیر بھائی ایک دن سب کے سامنے ہی پوچھ بیٹھے۔ جیسے شہری کی بات جھوٹ ہو۔

''سچی بات یہ ہے کہ تانیا باجی تیار نہیں ہیں کہ جب تک آپ ٹھیک نہ ہو جائیں ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔'' نغمی نے آخر کار صحیح بات کہہ ہی دی، ایسا ہی سب کچھ وہ شہری کے منہ سے بھی سن چکے تھے۔

''خدا جانے ٹھیک بھی ہوں گا یا ساری زندگی بے ساکھی بغل میں دبا کر چلوں گا۔'' ضمیر بھائی کا چہرہ نغمی کی بات سن کر پیلا سا پڑ گیا ضمیر بھائی نا امید ہو رہے تھے۔

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' ڈاکٹر بہت پر امید ہیں، چند ہی ماہ میں آپ دوبارہ میچز کھیلیں گے۔'' میں ضمیر بھائی کو ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''ہاں' ضمیر بھائی' ماہم ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔'' شہری نے میرے اجڑے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اور میں رخ پھیر کر بیٹھ گئی تاکہ شہری اپنی نظریں میرے چہرے پر ٹکا کر کوئی بھی بات نہ کر سکے۔

''شہری، گھر چلیں۔'' نغمی آہستگی سے شہری کو چلنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

''نہیں میں ابھی بیٹھوں گا۔'' شہری ضمیر بھائی کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور میں سائیڈ روم میں چلی آئی، جہاں بہت سے لوگ ضمیر بھائی کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔

ضمیر بھائی گھر آ گئے تھے۔ چار ہفتوں کے بعد ڈاکٹر نے بیساکھیوں کے ساتھ چلنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ ڈاکٹروں کا یہ خیال تھا کہ ہڈی جڑنے کے بعد وہ پہلے کی طرح فٹ ہو جائیں گے مگر اخباری مضامین پڑھ کر ڈاکٹروں کی تسلیاں بھی جعلی لگا کرتی تھیں۔

شاید ان مضامین کا ہی اثر تھا کہ تانیا کے ساتھ ساتھ سیٹھ احسانی نے بھی کبھی کبھار فون پر خیریت پوچھنے کا مشغلہ بھی ترک کر دیا تھا۔

ارتقاء باجی میرے پاس ہی تھیں، کمال بھائی روز ہی آتے تھے۔ شہری بھی بلاناغہ آ رہا تھا اور یہ بات تھی کہ اب اس کے ساتھ نغمی نظر نہیں آتی تھی شاید تانیا نے اس کو بھی یہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔

اس دن باجی کی طبیعت خراب تھی، کمال بھائی آفس جاتے ہوئے کہہ کر گئے تھے کہ ڈاکٹر ناہید سے ضرور چیک اپ کروالینا۔ ڈاکٹر ناہید گائنی کی ایک معروف ڈاکٹر تھیں، ان کے کلینک میں خاصا رش تھا، کمال بھائی کا کارڈ جب اندر بھیجا گیا تو انہوں نے باجی کو فوراً ہی بلالیا۔ یہ بھی عجیب ہی اتفاق تھا کہ جب باجی اندر جارہی تھیں تو اس وقت شہلی چیک اپ کروا کے باہر نکل رہی تھی۔

''مسز شہلی باسط، آپ خوش خوراکی سے پرہیز کرے، بچہ بہت ہیوی ہوگیا ہے۔'' ڈاکٹر ناہید نے چلتے سے انہیں تاکید کی۔

اور میرا ذہن آصف کے ایک اور جھوٹ کی جانب مڑ گیا کہ باسط بھائی اب کبھی باپ نہیں بن سکتے جب کہ شہلی کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی زچگی کے دن قریب ہی تھے۔

'جھوٹا، مکار، کس قدر فریب دیتا تھا، آصف کی کمینگیوں کو سوچ کر میرا ذہن کھول سا گیا۔

''کیا میں شکل سے بے وقوف نظر آتی ہوں؟'' میں نے اپنے آپ سے پوچھا۔ آصف نے اگر مجھے فریب دیا تھا تو شہری نے بھی دھوکا دیا تھا محبت مجھ سے کی تھی تو وفائیں نغمی سے نباہ رہا تھا، تانیا کا کردار سامنے آنے کے باوجود بھی وہ نغمی کے لئے بے کل تھا۔

پرسوں شام، اچانک نغمی کا فون سن کر مجھے خاصا تعجب ہوا تھا، وہ تو کافی دنوں سے گھر نہیں آرہی تھیں حتیٰ کہ فون بھی نہیں کیا تھا۔

''اوہ......تم ماہم بول رہی ہونا؟!'' اس کے لہجے کو میں کوئی بھی نام نہ دے سکی۔

''جی فرمایئے۔'' میرا لہجہ ہنوز روکھا سا تھا۔ اب یہاں فون کرنے کا مقصد؟''

''آپ کے ہاں اس وقت شہری ہوں گے، آپ میری ان سے بات کرا دیجئے۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ وہ ہیں یا نہیں، میں مجیدن سے کہتی ہوں۔'' حالاں کہ وہ ٹی وی لاؤنج میں تھا۔

''مجیدن، تم شہری سے کہہ دو کہ ان کا فون ہے۔'' اس سے پہلے کہ مجیدن شہری سے کچھ کہتی، شہری دوڑ کر فون ریسیو کر چکا تھا شاید اس کے کان بھی میری آواز پر لگے ہوئے تھے یا وہ نغمی کے فون کا منتظر تھا۔

''ہیلو ہنی! میں ابھی آرہا ہوں، ہاں، بس بہت جلدی تم اچھی سی چائے بناؤ میں اس وقت تک پہنچ جاؤں گا۔ او کے۔''

اس نے ہنس کر ریسیور کریڈل پر رکھا تو اس کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔ نہ جانے کیوں، میں اپنے دروازے پر کھڑی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی ہنسی چہرے سے کافور ہوگئی اور نظریں جھکالیں، میں اپنی ایڑیوں پر گھوم گئی۔

کیا ضرورت تھی، اس کی باتیں سننے کی! میں اپنے آپ پر ملامت کر رہی تھی۔

کیا سوچتا ہوگا وہ کہ بھائی کی عیادت کے لئے آرہا ہوں تو میں اسے کھوجتی پھر رہی ہوں، میں اپنے کمرے میں بیٹھی اپنے آپ پر نفرین بھیج رہی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس شام شہری رات گئے تک ضمیر بھائی کے پاس بیٹھا رہا۔ اس کے فلک شگاف قہقہوں کی آوازیں مجھے اپنے کمرے تک سنائی دے رہی تھیں۔

''اب گھر نہیں چلو گی کیا؟'' باجی نے میرا کندھا ہلایا اور میں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈاکٹر ناہید، باجی کو 'خوش خبری' کی نوید دے رہی تھیں اور میں باجی کو مسکراتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

❤ ❤ ❤

ہر دو ہفتے کے بعد ضمیر بھائی کو ایکسرے کروانے کے لئے اسپتال جانا پڑتا تھا، ضمیر بھائی کے ساتھ کمال بھائی اور شہری بھی جایا کرتے تھے۔ اس دن شہری نہیں آیا تو کمال بھائی نے ارتقاء باجی کے ساتھ مجھے بھی لے لیا۔ کمال بھائی تو ضمیر بھائی کے ساتھ ایکسرے روم میں چلے گئے اور میں باجی کے ساتھ وہیں

راہداری میں بچھی ہوئی کرسی پر ٹک گئی۔ تب ہی حواس باختہ سے صفدر نظر آئے پریشان حال، چہرے پر ہوائیاں لئے ہوئے، تیز تیز نہ جانے کس کمرے کی جانب جارہے تھے۔

''خیریت تو ہے، یہ صفدر اسپتال میں کیوں ہے؟'' باجی حیرت سے کہہ رہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ میں صفدر کے پاس پہنچتی، وہ کمروں کی بھول بھلیوں میں کھو بھی چکے تھے ادھر ادھر دیکھ کر میں لوٹ آئی۔

''کچھ پتا چلا؟'' باجی پریشان چہرہ لئے پوچھ رہی تھیں۔

''پتا نہیں، وہ کہاں چلے گئے، نظر ہی نہیں آرہے۔''

''پھر بھی معلوم تو کرو، خیریت تو ہے کہیں۔ اس کے گھر کا کوئی فرد بیمار نہ ہو۔''

اب میں پھر ہر کمرے میں جھانک رہی تھی۔ آخر وہ ایک کمرے میں نظر آہی گئے۔ ان کے جسم سے خون لیا جارہا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے خاموش لیٹے تھے۔

''ہوں، خون دیا جارہا ہے۔'' میں نے خاموشی توڑی۔

''ارے تم......یہاں......؟'' میری آواز پر انہوں نے یک دم آنکھیں کھول دیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جسم میں خون کچھ زیادہ ہوگیا تھا، میں نے سوچا کہ کچھ اپنے آپ کو ہلکا کرلوں۔'' وہ بات کو مذاق کا رنگ دینے لگے۔

''کیا ضرورت تھی خون دینے کی، اپنے آپ کو ہلکا کرنے کے دس طریقے دوسرے بھی ہیں، اور پھر آپ تو بالکل فٹ ہیں موٹے تو نہیں ہیں۔''

''اچھا، یہ آج معلوم ہوا۔ بات یہ ہے ماہم، لڑکے بھی اپنی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں۔'' وہ دھیمے سے مسکرائے۔

''مگر اس وقت، آپ نے سراسر بات ٹالی ہے۔'' میرا لہجہ استفہامیہ تھا۔

نرس نے خون کی بوتل اٹھا کر سرنج ان کی کلائی سے نکالی۔

''ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم کہ میں بات ٹالتا ہوں۔'' وہ بات کا سرا وہیں سے جوڑتے ہوئے اٹھتے ہوئے بولے۔

''پلیز، ابھی آپ کچھ دیر لیٹے رہیے، میں گلوکوز بھجواتی ہوں، فوراً اٹھے تو چکر آجائیں گے۔'' نرس نے تنبیہ کی۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا۔'' صفدر آستین کے کفلنگ بند کرتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

''بیٹے، تمہیں خدا خوش رکھے اور لمبی زندگی دے، تم واقعی ایک فرشتہ صفت انسان ہو، میری بیٹی کی زندگی صرف اور صرف، تمہاری وجہ سے چل رہی ہے۔'' ایک معمر شخص اپنے آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور صفدر کے ہاتھ چوم لئے۔

''ارے، یہ آپ کیا کر رہے ہیں، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا، زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔'' صفدر اس سچویشن سے خاصے نروس ہوگئے۔

''پھر بھی مجھ غریب پر تمہارا یہ احسان بہت بڑا ہے۔''

''اُفوہ چھوڑیئے ان باتوں کو۔''

''ماہم، یہ ہماری کمپنی کے منشی فضل الرحمان صاحب ہیں جن کی بیٹی فیروزہ تمہاری کلاس فیلو بھی ہے۔''

تب ہی فیروزہ اپنی والدہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ان کی بڑی لڑکی خون کے

سرطان میں مبتلا ہے۔

صفدر نہ صرف اس فیملی کی مالی اعانت کرتے ہیں بلکہ ہر تین ماہ بعد ایک خون کی بوتل بھی بطور عطیہ دیتے ہیں۔ کہ او پازیٹو خون ان کا بھی ہے۔

''صفدر بھائی! آپ نے بھی بتایا نہیں۔'' جملے میرے حلق میں اٹکنے لگے اور ذہن سے وہ تمام پردے فوراً سرک گئے جب میں صفدر اور فیروزہ کی بابت کیا کچھ سوچا کرتی تھی۔

''ماہم، اس میں بتانے والی کیا بات تھی۔'' صفدر شرمندہ سے ہو گئے اور لگے کھسیانے......!

''آج کل کوئی اپنے سگے رشتہ داروں کو نہیں پوچھتا، مگر صفدر بھائی ایک ایسے ہیرا انسان ہیں کہ کمپنی میں کام کرنیوالوں کے دکھ سکھ میں پوری طرح شریک ہوتے ہیں، جان سے بھی اور مال سے بھی، شاید ہمارا اپنا بھائی ہوتا تو اتنی جان نہ چھڑکتا۔'' فیروزہ آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''کیوں؟ کیا میں تمہارا بھائی نہیں ہوں جو ایسی بات کہہ رہی ہو؟'' صفدر نے سرزنش کی۔

''خدا تجھے سلامت رکھے، ہماری عمر بھی تجھے لگ جائے۔'' فیروزہ کی ماں صفدر کی پیشانی چوم رہی تھیں۔

اور میں خجل سی ہو رہی تھی، یہ صفدر ایسے بھی ہو سکتے ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''اچھا، میں چلتی ہوں باجی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''خیریت! ارتقاء کو کیا ہوا؟'' صفدر تشویش سے کھڑے ہو گئے۔

''کچھ نہیں، ضمیر بھائی ایکسرے کروانے آئے تھے تو کمال بھائی کے ساتھ میں اور باجی بھی آ گئے۔ آپ کو اسپتال میں دیکھا تو پریشان ہو گئے کہ آپ ہسپتال میں کیوں ہیں؟''

''آؤ میں تمہیں چھوڑ آؤں۔'' وہ میرے ساتھ ہی باہر نکل آئے۔

''خیریت تو ہے صفدر بھائی!'' باجی پریشانی سے ٹہل رہی تھیں۔

''ہاں، سب خیریت ہے، بس ایک دوست کی عیادت کے سلسلے میں آیا تھا۔'' صفدر نے اصل بات چھپائی میں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ صفدر نے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ تب میں خاموشی سے صفدر بھائی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی جن کے چہرے پر واقعی نور برس رہا تھا۔

♥♥♥

ضمیر بھائی کی ٹانگوں کا پلاسٹر کھل گیا تھا، خدا کا احسان تھا کہ ہڈی صحیح جڑی تھی مگر چال میں لنگ آ گیا تھا، لگتا ہے، ہڈی صحیح نہیں جڑی۔'' ضمیر بھائی لہرا کر چلتے اور دل مسوس کر رہ جاتے۔

''میں فزیوتھراپی کے لئے انگلینڈ جاؤں گا۔ میرے دوست کہہ رہے ہیں کہ فزیوتھراپی سے ٹانگوں کے مسلز صحیح کام کریں گے۔''

''انگلینڈ میں آپ کو کتنے ہفتے رہنا ہوگا؟'' باجی پوچھ رہی تھیں۔

''ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کم از کم آٹھ ہفتے ہو سکتا ہے کہ دو تین ہفتے مزید لگ جائیں، وہاں میرے بہت سے دوست ہیں، مجھے بالکل پریشانی نہیں ہوگی۔ ہاں ماہم کو تم اپنے گھر لے جانا یا تم اور کمال ماہم کے پاس آ جانا۔''

''ہمارے بارے میں آپ بالکل فکرمند نہ ہوں، بس اپنا خیال رکھیں۔ ماہم کو تو اب تین مہینے کا ویزہ امریکا کا مل رہا ہے، پتا نہیں ثمرین نے کیا چکر چلایا ہے، ابا جان نے دستی خط بھی بھجوایا ہے کہ ماہم کو ان کے پاس بھیج دو، پندرہ دن کے بعد ڈاکٹر ناہید جو ہماری فیملی ڈاکٹر ہیں۔ وہ کسی سیمینار میں شرکت کرنے کے لئے نیویارک جا رہی ہیں اگر آپ کہیں تو ماہم کو ان کے ساتھ امریکا بھجوا دیں۔'' ڈاکٹر ناہید کی وجہ سے

ماہم کا بھی ساتھ ہو جائے گا۔''

''کیوں، ابا جان کے تین مہینے ابھی تک ختم نہیں ہوئے؟ میں آج ہی بات کرتا ہوں کہ بہت رہ لئے اپنے بیٹے کے پاس، اب آ جائیں۔'' ضمیر بھائی نے کہا۔

''آپ تو علاج کے لئے انگلینڈ جا ہی رہے ہیں، انکل کو امریکا رہنے دیں۔ اچھا ہے کہ وہ بات جو انہیں ابھی تک پتا نہیں چلی ہے، یہاں آ کر بھی پتا نہ چلے، ماہم کو وہ یاد کر رہے ہیں اور اسکے جانے کی سبیل بھی نکل رہی ہے تو انہیں جانے دیں۔'' کمال بھائی نے ضمیر بھائی سے کہا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ماہم سے تو پوچھ لو۔'' ضمیر بھائی نے ہنس کر میری طرف دیکھا۔ میں چپ چاپ ٹی وی کا ایک بور سا پروگرام انتہائی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''ماہم، کیا خیال ہے تمہارا؟'' ارتقاء باجی نے رسان سے پوچھا۔

''یہ پروگرام اچھا ہے۔'' میں بے دلی سے پروگرام میں اپنی محویت بڑھاتے ہوئے بولی۔

''ٹی وی کے پروگرام کے بارے میں آپ محترمہ کی رائے نہیں لی جا رہی ہے۔'' انہیں ہنسی سی آ گئی۔

''تو پھر؟'' میں نے ریموٹ سے ٹی وی بند کر کے انہیں دیکھا۔

''ابا جان کے پاس امریکا جاؤ گی۔'' انہوں نے یوں پوچھا جیسے کوئی بچے سے پوچھے، ٹافی کھاؤ گے۔

''ہاں، ضرور جاؤں گی۔'' میں بے تاب سی ہو گئی اور آنکھیں علیحدہ جھلملا سی گئیں۔

''ارے، یہ تو بالکل تیار بیٹھی ہیں محترمہ۔'' باجی میری جلد بازی پر مسکرانے لگیں۔

''آپ سب کو کیا پتا، مجھے ابا جان کتنے یاد آ رہے ہیں اور میں ان کو کتنا یاد کر رہی ہوں۔'' میرے آنسو کناروں پر جگنوؤں کی طرح ٹمٹمانے لگے۔

''ڈیئر سسٹر، ہمیں بھی ابا جان اتنے ہی یاد آ رہے ہیں مگر ہم تمہاری طرح آنسو نہیں بہا رہے ہے۔'' ضمیر بھائی مجھے تھپکتے ہوئے قصداً ہنسے۔ ورنہ ان کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔

اور میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ابا جان کے پاس جانا اچھا لگ رہا تھا۔ کتنے عرصے بعد میں ظہیر بھائی کو دیکھوں گی۔ بڑے بھائی بہت یاد آ رہے تھے۔ ثمرین بھابھی اور ننھا منا سا بھتیجا، سب ہی مجھے شدت سے یاد آ رہے تھے میں سب کو یاد کر رہی تھی مگر آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔ نہ جانے ایسا کیوں ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے یا ماہم، اتنی اداس کیوں ہو رہی ہو؟'' باجی رات گئے میرے کمرے میں آئیں تو میں اسی پوزیشن پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''نہیں باجی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' (میں نے رخ پھیرے پھیرے جواب دیا)

''میری طرف دیکھو اور سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے دل میں آصف کی یاد ہے یا شہری کی خواہش۔''

باجی نے کیا پوچھ لیا تھا؟ میں گنگ سی ہو گئی!

''بولو ماہم! مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔'' وہ میرے سامنے ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے باجی، بس یہ آگاہی کا کرب ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' انہوں نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا۔

''ہاں باجی، یہ حقیقت ہے کہ انسان کو کبھی خود سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جب کبھی ایسا ہو جاتا ہے تو وہ پریشان ہو کر اپنے اندر کے سارے دروازے بند کر لیتا ہے اور تمام روشن دان بھی۔''

''ماہم جان، میں تمہاری باجی ہونے کے ساتھ ساتھ تمہاری دوست بھی ہوں۔ اپنی پریشانیاں اس طرح دروازوں کے پیچھے مقید کر دو گی، مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' وہ میرے یخ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہہ رہی

تھیں۔ سچائی ان کے لہجے میں گھلی ہوئی تھی اور میرا سر پھر گھوم سا گیا۔" باجی نے کیا پوچھ لیا تھا کہ......

"بھری برسات میں بہاروں سے سجے خوبصورت گھر، کس طرح جھلس جاتے ہیں۔"

"ساحل پر امیدوں کے سفینے کیوں کر ڈو دیتے ہیں۔"

"خواہشوں کے شگوفوں پر برف کیوں کر گرتی ہے۔"

"ماہم، کچھ تو منہ سے بول، یہ بیٹھی بیٹھی کھوسی کیوں جاتی ہے؟

باجی مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔

"کیا بتاؤں باجی، میرے پاس تو کہنے کے لئے کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ تو پوچھے بنا ہی سب جانتی ہیں کہ آصف کیسا تھا اور شہری کیا ہو گیا؟" میں نے پلکیں جھپکتے ہوئے باجی کو دیکھا۔

بے قراریوں کے تمام دکھ
بے چین، تمناؤں کے تمام عذاب
روح کے تمام ترسناٹے
شاید میری نگاہوں میں ہی تھے

"چاندنی، میری پیاری بہن!" باجی بے اختیار مجھ سے چمٹ گئیں۔

"چاندنی جل گئی۔" میں نے ہونٹ کاٹ لئے۔

"نہیں، غلط بالکل غلط، تیرے دم سے تو اجالے ہر آنگن میں ہوتے ہیں۔"

"مگر میرے اپنے من میں تو اندھیرا ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا تو بے فکر رہ، میں سب ٹھیک کر دوں گی۔"

"جو کچھ بھی ہوا شاید بہتر ہی ہوا اب تو میں اباجان کے پاس جاؤں گی اور شاید کبھی لوٹ کر نہ آؤں۔"

"ایسی باتیں نہیں کرو ماہم، کیوں مجھے ہولا رہی ہو۔ کیا میں اکیلی رہ لوں گی۔"

"آپ اکیلی کہاں ہیں؟ محبت کرنے والے کمال بھائی ہیں، پیار کرنے والی حرا ہے اور ابھی دو چار چیاؤں میاؤں آجائیں گے۔ تب یہ سب باتیں آپ کو خواب سی لگیں گی۔" میں پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"اگر ایسی باتیں کروں گی تو میں تمہیں امریکا نہیں جانے دوں گی اور اباجان کو بھی فون کر کے بلوالوں گی۔" باجی روہانسی ہو گئیں۔

"اب یہاں میرا دل بالکل نہیں لگ رہا ہے، امریکا تو میں ضرور جاؤں گی، شاید دل بہل جائے۔"

"مگر واپس آنا ہے، یہ وعدہ کر کے جانا ہوگا۔" باجی کا منہ ذرا سا نکل آیا تھا۔

"ٹھیک ہے آجاؤں گی مگر پہلے چلی تو جاؤں۔" باجی کی بات پر میں مسکرا دی۔

میں تو سمجھ رہی تھی کہ باجی میرے جواب سے کافی حد تک مطمئن ہو چکی ہیں مگر وہ دو دن کے بعد ہی مجھ سے ٹاکرا کرنے کے موڈ میں تھیں۔

"ماہم! ایک بہت ضروری بات کرنی ہے تجھ سے۔" وہ مجھے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"باجی، کیا یہ اچھا نہ ہو کہ اب آپ اپنی تمام ضروری باتیں اپنے میاں جی سے کر لیا کریں اور مجھ سے صرف عام سی باتیں کر لیا کریں، یعنی کہ آج میں کالج سے کتنے بجے آئی، مجیدن نے اروی گوشت کس قدر بدمزہ پکایا تھا اور میں نے رات کا مٹر قیمہ کتنے شوق سے کھایا، شام کے لئے پائے پک رہے ہیں، آج سب لوگ کیچڑ سے روٹی کھائیں گے اور......"

"دیکھو، میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں اور بات بھی بہت خاص ہے۔" انہوں نے میری بات کاٹتے

ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"جی فرمائیے، بندی ہمہ تن گوش ہے۔" میں مسکرائی۔

"فرجاد تم سے ملنا چاہ رہا ہے۔" وہ رازداری سے بولیں۔

"میں تو ان سے کئی بار مل چکی ہوں اور اگر آج ملنا چاہتے ہیں تو آپ اپنے ساتھ ہی لے آتیں۔" میں نے انتہائی بے پروائی سے کہا۔

"بے وقوف مت بنو، میری بات غور سے سنو۔" وہ جز بز ہو رہی تھیں۔

"باجی، جو بات میں سمجھنا نہیں چاہتی، آپ کیوں سمجھانا چاہتی ہیں؟" میں الجھ رہی تھی۔

"تم میرے ہاں آجاؤ، صرف ایک بار اس کی بات سن لو۔" باجی کا لہجہ خوشامدی سا تھا۔

"مرد کی فطرت ایک ہی قسم کی ہوتی ہے، وہ ہمیشہ ایک ہی بات کہتا ہے۔"

"محبت، وعدے، سچے مستقبل کی آس اور شادی۔ آپ کسی نئی کہانی میں مجھے مت الجھائیں، میں نے سوچا۔

"تو پھر کل آرہی ہیں ناں!" میری خاموشی کو انہوں نے رضامندی جانا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

"کیوں بھلا......... میں جو اتنا کہہ رہی ہوں، پھر بھی!"

"باجی، اب میں بہت تھک گئی ہوں، ہمت نہیں رہی۔" میرا لہجہ ٹوٹ رہا تھا کہ اب چاہوں بھی تو کسی نئی شاہراہ پر قدم نہیں رکھ سکتی۔

"ماہم، میری جان، صرف ایک بار، میری خاطر، ایک بار اس سے مل تو سہی مجھے پوری امید ہے کہ تو......" ان کا لہجہ گنگنانے لگا۔

"اچھا آپ کہتی ہیں تو کل آجاؤں گی۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں ہامی بھر لی۔

میں نے تو یہی سنا تھا کہ انسان محبت کی جیت میں بے خود ہو جاتا ہے، لہجے اور انداز میں زعم سا رچ جاتا ہے، اپنے اور اپنے محبوب کے سوا تمام دنیا ہیچ سی نظر آتی ہے اور ہر شے بے مایہ سی لگتی ہے اب سوچتی ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ شاید غلط سنا ہو میرے حصے کی سچائیاں تو ویسے بھی روٹھ گئی تھیں۔ سچے جذبے، سچے جملے، میرے پاس آنے سے ہمیشہ کتراتے رہے یا پھر یہ کلیہ ہر شخص پر لاگو نہیں ہو کیا جاسکتا۔ مجھے تو محبت کی ناکامی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ جدھر نظریں اٹھا کر دیکھتی کسی شے میں کوئی کشش ہی نظر نہیں آتی تھی۔

شاید غم کا نشہ ہی عجیب ہوتا ہے، انسان اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا ہے پاؤں دھرتا کہیں ہے اور پڑتا کہیں ہے، ان دنوں یہی حالت میری بھی تھی۔ گو میں ازلقاء باجی سے وعدہ کر چکی تھی کہ فرجاد سے ملنے ضرور چلوں گی۔ مگر جب وہ مجھے لینے کے لئے آئیں تو میں خالی الذہن سی رسالے کے اوراق پلٹ رہی تھی۔ بنا پڑھے، بنا دیکھے......!

"ارے، تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" باجی کے لہجے میں استعجاب گھلا تھا۔

""کیوں، کہاں جانا ہے؟"" میں حیرت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔
کل رات تم نے ہامی نہیں بھری تھی کہ فرجاد سے ملنے چلو گی؟"" انہوں نے یاد دلایا۔
""اوہ، میں تو واقعی بھول گئی تھی۔"" میں کھسیا کر ہنس دی۔
""چلو فٹافٹ تیار ہو جاؤ میں تمہارے لئے کپڑے نکال دیتی ہوں۔"" باجی الماری کھول کر کھڑی ہو گئیں۔
""میرے کپڑے ٹھیک ٹھاک ہیں۔"" میں نے ایک ناقدانہ نظر اپنے سیاہ سوٹ پر ڈالی۔
""نہیں بھئی، ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔"" انہوں نے نیوی بلیو کامدانی کا بڑا سا دوپٹہ اور نیلا سلک کا سوٹ میرے سامنے رکھ دیا۔ ""جلدی سے پہن لو۔""
""یہ پہن کر جاؤں گی۔"" میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
""کیا مضائقہ ہے! کیا اچھے کپڑے گھر میں نہیں پہنے جاتے؟"" وہ جذب سے مسکرائیں۔
""پلیز باجی، میں یوں دھوم دھام سے تیار ہو کر کہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"" لہجہ وزنی تھا۔
""ٹھیک ہے۔ دو من خاک سر میں بھی ڈال لو۔"" وہ برا مان گئیں۔
""اس کی ضرورت نہیں ہے۔"" میں چٹیا میں دو بل ڈال کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
""کیا کہے گا وہ کہ کیسی پژمردہ سی ہو رہی ہو تم۔"" باجی زیر لب بڑبڑائیں۔
""وہ کیا کہے گا اور کیا سوچے گا، جیسے معاملات ہیں تو آپ مجھے معاف رکھئے۔ اس وقت میں ان الجھنوں میں اپنے آپ کو شامل نہیں کرنا چاہتی، پلیز آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"" کاندھے سے بیگ اتار کر میں بیٹھ گئی۔
""تو کبھی نہیں سمجھے گی، چلو یونہی چلو۔"" باجی نے مجھے دونوں شانوں سے پکڑ کر اٹھایا اور مسکرا کر دیکھا۔ میں سر جھکائے جھکائے ان کے پیچھے ہولی۔
فرجاد لان میں ٹہل رہے تھے۔ لگ رہا تھا کہ انتظار کے پاپڑ بیلے جا رہے ہیں۔
""تم فرجاد کے پاس بیٹھو، میں اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔"" باجی مجھے وہیں چھوڑ کر قصداً اندر کی جانب تیزی سے بڑھ گئیں اور میں خفت سے کرسی پر ڈھیری ہو گئی۔
""ماہم، آپ جانتی ہیں کہ میں آپ سے کیوں ملنا چاہ رہا تھا؟""
""جی ہاں میں جانتی ہوں۔"" میرے ہونٹ تھرائے۔ ""آخر ایک مرد ایک لڑکی سے کیوں ملنا چاہتا ہے، کیا کہنا چاہتا ہے۔"" میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔
""اچھا! آپ کو کیسے پتا چلا......؟"" وہ ہنسا۔
میرا وجود طوفانوں کی زد میں آ گیا، کانوں میں شہری کی آواز گونجنے لگی۔ ""ماہم بتاؤ میں کون ہوں......؟"" شہری پیچھے سے آ کر میری آنکھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر پوچھتا۔
""شاہ جنات ہیں اور کون ہو سکتا ہے!"" میں اس کے بھاری بھرکم ہاتھوں کو بمشکل ہٹا کر کہتی۔
""میں جن ہوں کیا۔"" وہ برا ماننے لگتا۔
""اپنا قد تو دیکھو، تاڑ سے بھی لمبا ہے ہر وقت بن بلائے حاضر ہو جاتے ہو تم، میں ڈھنگ سے یاد بھی نہیں کر پاتی کہ تم آ موجود ہوتے ہو۔ انسانوں والی خصوصیت تو نہیں ہوگی ناں تم میں!"" میں اسے چڑاتی۔
""ماہم جی، اگر تم ہمیں ہمہ وقت یاد کرنے لگو نا، تو تمہاری نظروں سے کبھی اوجھل ہی نہ ہوں۔"" وہ بے ایمانی سے مسکراتا۔
""نہیں بھئی، میں پاگل تھوڑی ہوں کہ ہر وقت تمہارے نام کی مالا جپتی رہوں اور آپ جناب میرا ناطقہ بند کر دیں۔ کل رات بھی تم روٹیاں پکاتے پکاتے تھک گئی اور آپ موصوف کا پیٹ ہی نہیں بھرا۔ آج کالج

سے آ کر پتہ چلا کہ آپ جناب روٹیاں ٹی کوزی میں بھرتے رہے اور میں روٹیاں پکا پکا کر تھک گئی۔""
""مزہ آ رہا تھا تم روٹیاں لا کر دے رہی تھیں اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ زندگی یونہی بیت جائے۔""
""مجھے معلوم تھا کہ تم شرارت کے موڈ میں ہو، میری روٹی بھی نہیں بیلی جاتی تھی کہ تمہاری روٹی ختم ہو جاتی تھی۔""
""اچھا تو آپ کو کیسے پتا چلا......؟"" وہ شرارت سے ہنس رہا تھا۔
""بس پتا چل گیا۔"" میں دھیرے سے ہنسی!
""مگر میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں کہا، پھر آپ کو کیسے پتا چلا؟"" فرجاد حیرت بھرے لہجے میں مجھے کھوجتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔
""سوری، مجھے واقعی نہیں معلوم کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔""
""ماہم، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں!"" فرجاد دوسری کرسی میرے قریب گھسیٹ کر بیٹھ گئے، ان کی نظریں میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور میں شہری کے تصور سے اپنے آپ کو رہا کرا رہی تھی۔
""جی ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں، کچھ نہیں ہوا مجھے۔"" بکھرتی ہوئی لٹوں کو اپنے کان کے پیچھے اڑس کر قدرے مضبوط لہجے میں کہا۔
""ماہم، میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ مل کر کام کریں۔"" فرجاد ایک لمحے کے لئے رک گئے تھے۔ یوں جیسے میری پیشانی پر کچھ لکھا ہوا پڑھ رہے ہوں۔
""آپ کے ساتھ مل کر؟"" میں زیر لب بڑبڑائی۔
""ہاں، میرے ساتھ۔"" فرجاد کا لہجہ پرجوش سا تھا۔
""نہیں فرجاد صاحب، نہ میں کوئی کام جانتی ہوں اور نہ ہی کوئی کام کر سکتی ہوں۔"" خدا جانے وہ کام کے بہانے کیا کہنا چاہ رہے تھے۔
""آپ ماشاء اللہ ایک ٹیلینٹڈ لڑکی ہیں۔ آپ ایسا کیونکر کہہ سکتی ہیں اور ابھی تو آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کام کی نوعیت کیا ہے؟"" فرجاد نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔
عاشقی کے تمام کام چہیتے فقروں سے شروع ہوتے ہیں اور یہی محبت بھرے جملے معصوم لڑکوں کو ڈس لیتے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب فرجاد کھل کر اس موضوع کی طرف آئیں گے۔
""بس، اب کوئی بھی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"" انتہائی آلکسی بھرے لہجے میں میں نے جواب دیا۔
""مگر جب آپ کام کی نوعیت کو جانیں گی تو یقیناً آمادہ ہو جائیں گی۔"" فرجاد کے عزائم ان کے لہجے میں بول رہے تھے۔
""آپ کھل کر بتائیے کہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"" میں الجھ سی گئی تھی شہری بھی تو یونہی کیا کرتا تھا اور اسی طرح کہا کرتا تھا کہ ""ماہم پلیز، صرف ایک منٹ کا کام ہے۔ میرے ساتھ سامنے دوکان پر چلی جاؤ۔""
""میں کیوں جاؤں؟ خود چلے جاؤ ناں! تمہارے گھر کے سامنے اتنی بڑی مارکیٹ ہے۔ دوکان پر نہیں جایا جاتا۔ جب میں تمہارے گھر نہیں آئی، تب بھی تو دکانوں کے چکر تن تنہا لگاتے ہو گے۔ کیوں ممانی جان؟"" میں ممانی جان کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیتی۔
""میرا ایک دوست اپنی منگیتر کو تحفہ دینا چاہتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا دے، اس غریب نے یہ ذمے داری مجھ پر ڈال دی۔ اب پلیز کوئی اچھی سی چیز دلوا دو۔ وہ بے چارہ دعا دے گا۔ نیکی کا بھی کام ہے ثواب الگ ملے گا۔""
""کتنے پیسوں کا لینا ہے!"" میں سرشاری سی کھڑی ہو گئی۔

"پیسوں کی فکر مت کرو۔ وہ بہت جان دیتا ہے، اپنی فینسی پر، بس تحفہ بہترین ہونا چاہیے۔"

تب میں نے چونتیس گرام کی فرنچ شیفون کی نیلگوں ساری کے ساتھ، آبی نگینوں کا سیٹ دلوایا تھا۔ ایسا ہونا چاہیئے تحفہ کہ جب وہ یہ ساری پہن کر یہ چمکتا دمکتا سیٹ پہنے تو اس کا عاشق صرف اسی کو دیکھتا رہ جائے۔

"واقعی تمہاری چوائس تو بہت اچھی ہے۔" شہری پیکٹ بندھوا کر میرا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

اور ٹھیک دو دن کے بعد وہی پیکٹ میرے سر پر لئے کھڑا تھا۔

"کروا دیا ناں شرمندہ تم نے! یہ تحفہ دلوایا ہے کہ اس لڑکی نے میرے دوست کے منہ پر دے مارا۔ ماہم کی بچی یہ کس وقت کی دشمنی نکالی تھی؟"

"پاگل تو نہیں ہے وہ لڑکی جسے یہ ساری پسند نہیں آئی!" مجھے واقعی غصہ آ گیا تھا۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ اس نیلی ساری کو پہن کر مجھے یوں لگے گا کہ میرے سر پر آسمان گر گیا ہے اور اس آبی نگینوں کے سیٹ سے کہیں بہتر تھا کہ اصلی سونے کی انگوٹھی دے دی جاتی۔ کم از کم اس کی ری سیل ویلیو تو ہوتی۔ ماہم، صرف تمہاری وجہ سے نہ صرف میرا دوست مجھ سے ناراض ہوا بلکہ ڈھائی ہزار کی چپت علیحدہ پڑی، آخر یہ تھرڈ کلاس تحفہ تم نے مجھے کیوں دلوایا۔ جب کہ معلوم بھی تھا کہ میں کسی دوسرے کے لئے خرید رہا ہوں۔ وہ لڑکی تو میرے دوست سے ناراض ہو گئی ہے۔"

"لگتا ہے، وہ دونوں پاگل ہیں، لایئے مجھے یہ ساری دیں۔ میں ابھی پہن کر دکھاتی ہوں۔" میں چند ہی منٹ میں ساری اور نگینوں کا سیٹ پہنے کھڑی تھی اور شہری ایک ٹک مجھے ہی دیکھے جا رہا تھا۔

"ماہم، جب تم اصل بات کی نوعیت جانو گی تو یقیناً آمادہ ہو جاؤ گی۔" وہ میرے لمبے بالوں کو اپنے ہاتھ پر لپیٹتے ہوئے بولا۔

"میں کچھ نہیں جاننا چاہ رہی، پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ ساری بُری لگ رہی ہے؟"

"بہت اچھی لگ رہی ہے۔" وہ جذب سے بولا۔

"تو تمہارا دوست تو پاگل ہی ہوا ناں۔" میں ہنسی۔

"کون دوست؟" وہ مجھے تکتا ہوا بے خودی سے بولا۔

"وہی دوست جس نے اپنی منگیتر کے لئے یہ گفٹ خریدنے کو کہا تھا۔

"کس کی منگیتر......؟" وہ ہنسا۔

"ارے وہی جس کے لئے ہم بازار گئے تھے۔"

"ہم تو کسی کے لئے نہیں گئے۔ ہمارے پاس وقت اپنے ہی لیے کم ہے، دوسروں کے لئے بھلا کیوں بھاگتے پھریں گے!"

"پھر...... یہ ساری...... تمہارا دوست......" میں گڑبڑا سی گئی۔

"چاندنی...... سالگرہ مبارک ہو تمہاری وجہ سے یہ بے مایہ ساری کھل سی گئی ہے...... اور تم...... اور تم......" وہ گڑبڑایا۔

"بے ایمان! جھوٹ بولا تھا تم نے......" میں نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

"تم اپنی پسند کا سالگرہ کا تحفہ میرے ساتھ جا کر کسی طرح بھی نہ لیتیں۔" اس نے ہاتھ تھام لیا۔

"اب جاؤ تم، مجھے شرم آ رہی ہے۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ کھلے ہوئے بال ڈھلک کر منہ پر آ گئے۔

"آ، آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔" وہ میرے بال سنوارتے ہوئے بولا۔

"اس حلیے میں تمہارے ساتھ چلوں گی!" میں نے آنکھیں دکھائیں۔

"ہاں تو کیا ہوا! لوگ زیادہ سے زیادہ یہی سمجھ لیں گے ناں، کوئی نیا جوڑا گھوم رہا ہے۔" اس نے شوخی سے گھورا۔

"اب اگر کوئی لوز ٹاک کی ناں، تو یہ ساری کا پیکٹ تمہارے ساتھ گھر جائے گا۔" اس کی بہکتی نظروں کو باز رکھنے کے لئے یہ جملہ ضروری تھا۔

"اچھا بابا، اب کچھ نہیں بولوں گا۔ آئس کریم میں گھر ہی لے آتا ہوں، مگر یہ وعدہ کرو کہ جب تک میں گھر نہیں جاؤں گا، تم کپڑے تبدیل نہیں کرو گی۔"

"ابا جان ابھی نماز پڑھ کر آ جائیں گے، کیا سوچیں گے بھلا!" میں گڑبڑائی۔

"کیمرہ ساتھ لایا ہوں۔ تصویریں کھنچواتے وقت عموماً لوگ تیار ہوتے ہیں۔ دو تین تصویریں پھوپھا جان کی بھی کھینچ لوں گا۔" گو کہ اس کا قلق ہو گا۔" وہ شرارت سے ہنسا۔

"تمہاری تو ہر چھوٹی سی بات میں کوئی بڑی بات نکل آتی ہے۔" میں اپنی بے تابیاں سمیٹ کر کہہ رہی تھی۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ میں آپ سے کوئی چھوٹی سی بات کروں گا۔ میرے لئے تو یہ بات بہت بڑی اور اہم ہے۔" فرجاد سرشار لہجے میں کہہ رہے تھے۔

(شہری چلے جاؤ خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا)

"مس ماہم، یقیناً آپ کی طبیعت خراب ہے میں نے آپ کے چہرے سے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ آپ کچھ تھکی تھکی سی ہیں۔ فرجاد کچھ کہتے کہتے اچانک رک سے گئے۔ انہوں نے کیا کہا تھا مجھے قطعاً نہیں معلوم تھا کیونکہ میرا ذہن تو شہری کی باتوں میں ہی الجھا ہوا تھا، جن سے میں چاہتے ہوئے بھی اپنا پیچھا چھڑا نہیں پا رہی تھی۔ (خدایا یہ فرجاد کیا سوچ رہے ہوں گے، یک دم میں پسینے پسینے ہو گئی)

"میرے خیال سے ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔ لان کی تیز ہوا مجھے کچھ ناگوار سی معلوم ہو رہی ہے۔" ان کو چپ چاپ بیٹھا دیکھ کر میں نے از خود کہا۔

"آپ جو مناسب سمجھیں۔" وہ میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے اور چپ چاپ میرا مشاہدہ کرنے لگے (میں اپنی انگلیاں موڑ رہی تھی)

"فرجاد صاحب، آپ کچھ کہہ رہے تھے، پلیز جلدی کہہ ڈالئے مجھے گھر بھی جانا ہے۔" میں یہ جملے بمشکل ادا کر رہی تھی، ورنہ کوئی لفظ ادا کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پھر سہی،" ان کا سرشار سا لہجہ معدوم ہو گیا تھا۔

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے، آپ کہہ ڈالئے۔" میں نے انہیں بولنے پر اکسایا کہ اب کہہ بھی چکو۔

"ماہم صاحبہ، جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میری زندگی کا بیشتر وقت امریکا میں گزرا ہے۔ میرے والدین اور بہن بھائی وہیں سیٹل ہیں، اس لئے وہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہوں۔ الحمدللہ میں مسلمان ہوں اور اپنے پاکستانی ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ میں امریکا میں ایک ایسی اکیڈمی قائم کروں، جو وہاں مقیم پاکستانی اور تمام مسلمان گھرانوں کے بچوں میں اسلامی تشخص پیدا کرے۔ وہاں پروان چڑھنے والی نسل اپنے مذہب سے بے بہرہ ہے، اپنے وطن سے ناواقف ہے۔ کچھ گھرانے ایسے ضرور ہیں جو صرف لباس کی حد تک مسلمان ہیں۔ وہ سر پر اسکارف باندھتے ہیں۔ شلوار قمیص پہنتے ہیں مگر صرف لباس پہننے سے ہم مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ ہمیں اپنے اکابرین کے بارے میں معلومات ہونی چاہئے اپنے عقائد پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اپنے ملک سے محبت ہونی چاہیے۔ آگاہی ہونی چاہیئے اور یہ کام ہماری اکیڈمی کرے گی اور اس کے لئے مجھے آپ کی مدد درکار ہو گی۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں بھلا؟ یہ تو بہت مشکل کام ہے جب والدین اپنے بچوں کو اپنے ملک کے بارے میں نہیں بتا سکتے تو ہم بھلا کیا تیر مار سکیں گے۔"

"ماہم، یہ کام مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ تم کم از کم تین ماہ امریکا میں رہو گی۔ اس عرصے کے لئے میں تمہیں میٹر دوں گا بلکہ اس اکیڈمی میں بہت سے لوگ کام کریں گے۔ جو پاکستان سے جایا کریں گے۔ ان کے آنے جانے کا خرچہ مختلف اشتہاری کمپنیاں اسپانسر کیا کریں گی۔ اکیڈمی کا ہیڈ آفس پاکستان میں ہوگا۔ اس میں بھی مختلف لوگ کام کریں گے۔ تم جب پاکستان آؤ گی تو ہیڈ آفس سے وابستہ ہو جانا۔"

"فرجاد صاحب، میں بی اے کے فائنل امتحان سے فارغ ہو کر امریکا جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے، میرا وہاں اتنا دل لگ جائے کہ میں پاکستان واپس ہی نہ آؤں۔ پھر میں آپ کی کیونکر مدد کر سکوں گی۔"

"دل تو اپنے وطن میں ہی لگتا ہے، آزما کر دیکھ لیجئے۔ اپنوں سے دور ہو کر زندگی گزارنا اتنا آسان کام نہیں ہے، جتنا کہ آپ سمجھ رہی ہیں۔"

فرجاد مسلسل اپنی اکیڈمی کے بارے میں بتاتے رہے، امریکا کی گہما گہمی میں غرق پاکستانیوں کے مسائل پر پریشان ہوتے رہے۔ ان کے لبوں پر محبت، چاہت اور شادی کے لفظوں کی کوئی کلی نہیں پھوٹی۔

کیا مرد ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں لوگوں کی مشکلات دور کرنے سے محبت ہوتی ہے!

فرجاد کا وجود میری آنکھوں میں جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ ان کے لبوں سے پھول جھڑ رہے تھے اور میں مسحور سی بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

◆◆◆

شہری ممانی جان کو گھر چھوڑ کر گیا تھا، بلکہ دروازے سے ہی لوٹ گیا تھا ممانی جان مسلسل شہری کی باتیں کر رہی تھیں "کھانا وقت پر نہیں کھاتا، اپنا خیال نہیں رکھتا، طبیعت میں اتنا چڑچڑا پن آ گیا ہے کہ ہر بات پر جھنجھلا کر دوڑتا ہے گھر میں تو اس کا اب دل ہی نہیں لگتا، بس ہر وقت اڑا اڑا پھرتا ہے اور میرا ذہن پھر شہری کی جانب مرتکز ہو گیا تھا۔ میں جتنا اسے بھولنے کی سعی کر رہی تھی اتنا ہی وہ مجھے یاد آ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ میری زندگی کے تمام خوش رنگ اس کی یادوں سے ہی سجے تھے۔ اس کی ہمراہی میں بھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ اس کا وجود میری ساری زندگی پر محیط ہے، اور جب وہ مجھ سے منحرف ہو کر نغمی کے ساتھ اڑا اڑا پھر رہا تھا تو میرا دل اس کی یاد میں ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔

امرتا پریتم نے کیا سچ لکھا تھا۔ "مجھے بتانا، وہ لوگ کیسے ہوتے ہیں جنہیں کوئی اس طرح سے آواز دیتا ہے میں ساری زندگی تصور کے گیت لکھتی رہی لیکن میں جانتی ہوں، میں وہ نہیں ہوں جسے کوئی اس طرح آواز دے اور میں یہ بھی جانتی ہوں، تم وہی ہو جسے میں یہ آواز دے رہی ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری آواز کا کوئی جواب نہیں آئے گا۔"

شاید میری محبت میں وہ طاقت ہی نہیں تھی جو شہری کو واپس لے آتی۔ میں سر جھکائے چلی جا رہی تھی کہ میری آوازیں بے صدا بن چکی ہیں۔

"ماہم، تم امریکا جانے کا خیال دل سے نکال دو۔ تمہارا وہاں جانا سود مند نہیں رہے گا شہری اور ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔" ممانی جان مجھے سمجھا رہی تھیں۔

"وہ، جواب میرا نہیں رہا، اس کے بارے میں میں کیوں سوچوں؟ وہ جو دل چاہے کرتا پھرے، مجھے اس سے کیا!" میں دل ہی دل میں ہنسی۔

"میں جانتی ہوں، وہ تجھ سے لڑ کر رنجیدہ ہے، ہوگا اسے اپنی غلطی کا احساس، وہ نغمی کے ساتھ ہرگز خوش نہیں رہ سکتا تانیہ کا کردار کھل کر سامنے آنے کے بعد وہ یہ غلطی نہیں کرے گا جو ضمیر سے ہوئی۔" ممانی جان

میرے ساکت وصامت وجود کو کھوج رہی تھی۔

"انسان تو ہے ہی غلطیوں کا پتلا، ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کرتا ہے شاید غلط کام اپنے اندر مقناطیسیت رکھتے ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"نہیں، میرا شہری ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کے دل میں تیری کتنی چاہ ہے، ایک ماں ہونے کے ناتے یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" ممانی جان کا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

"محبت کرنے والوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ اعتماد کی روشنی انہیں اس قدر طمانیت بخشتی ہے کہ وہ کسی سمت نظر بھر کر دیکھنے کے قابل کہاں ہوتے ہیں۔" میں دل میں ہنسی۔

"تو جانتی ہے کہ ناں کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔" ممانی جان نے میرا چہرہ کسی مقدس کتاب کی طرح تھام لیا۔

"ہاں، آپ سچ کہہ رہی ہوں مگر یہ بھی کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ محبت صنوبر کی شاخوں کی طرح سے شاخ در شاخ پھوٹتی ہے۔ ایک شاخ کے ٹوٹ جانے سے باقی شاخیں مغموم ضرور ہوتی ہیں لیکن اپنا وجود نہیں کھو دیتیں بلکہ ٹوٹی ہوئی شاخ کو پوری توانائی کے ساتھ سینچتی ہیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہاں ایک نئی کونپل پھوٹ نکلتی ہے، آپ کی بات سچ ہونے کے باوجود یہ بھی ایک سچائی ہے کہ نغمی کا وجود شہری کے لئے اسی نئی کونپل کا سا ہے، جس کے لئے اس کے دل میں بڑی چاہتیں ہیں۔" میں نے بڑے ضبط سے کہا گو کہ ان جملوں کی ادائیگی میں میرا چہرہ ضبط گریہ کے سبب سرخ ہو چکا تھا۔

"اگر ایسا ہے تو شہری کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی ہے اور جب یہ پٹی کھلے گی تب اسے حقیقت کا ادراک ضرور ہوگا۔" ممانی جان کے لہجے میں بھی ملال گھل گیا۔

"پتا نہیں، وہ وقت کب آئے گا، آئے گا بھی یا نہیں، یا وقت گزرنے کے بعد آیا تو میرے لئے، بھلا کس کام کا۔" میں نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا کر سوچا۔

"شاید شہری اپنا راستہ بھٹک گیا ہے مگر اپنی منزل نہیں بھول سکتا تو یقین کر، اب بھی وہ تیرا نام سن کر چونک اٹھتا ہے تیرا ذکر ہو تو خاموشی سے سنتا رہتا ہے اگر تو امریکا چلی جائے گی تو خدا جانے کیا ہو جائے۔ میری بات مان لے، تو امریکا مت جا۔"

"مجھے تو ابا جان یاد آ رہے ہیں، اس لئے جا رہی ہوں۔" اب کیسے بتا دیتی کہ میں یہاں سے صرف تمہارے بیٹے کی وجہ سے بھاگ رہی ہوں جس کی بے اعتنائیوں نے مجھے پور پور زخمی کر دیا ہے۔

"تو اگر امریکا نہیں گئی تو بھائی صاحب پاکستان جلد لوٹ آئیں گے اور تیرے جانے کے بعد وہ خدا جانے کب تک لوٹیں، لوٹیں بھی یا نہ لوٹیں۔"

"یہی تو میں چاہتی ہوں کہ اب یہاں لوٹ کر نہ آؤں۔ اب میرا دل یہاں بالکل نہیں لگتا۔" میں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں، تیرا دل امریکا میں بھی نہیں لگے گا۔ شہری رات کو کہہ رہا تھا کہ تم وہاں جا کر ثمرین کی مما گیری کرو گی اور اس کے بچے پالو گی۔"

"شہری کی بلا سے، میں جو دل چاہے کروں۔" شہری کے حوالے سے یہ تنکتا ہوا جملہ سن کر میں کھول ہی تو گئی۔

"شہری دل سے یہ قطعی نہیں چاہتا کہ تم امریکا جاؤ، جب سے اس نے سنا ہے تمہارے جانے کا، اسے تم سے زیادہ ضمیر پر غصہ آ رہا ہے کہ وہ تمہیں کیوں جانے دے رہے ہیں۔" ممانی جان نے انکشاف کیا۔

"وہ کون ہوتا ہے ایسی باتیں کرنے والا؟ میرے ساتھ اس کا تعلق ہی کیا ہے......؟" مارے غصے اور بے بسی کے میرے آنسو ہی تو آ گئے۔

"ایسا نہ کہو چاندنی بیٹے کہ تیرا شہری کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو جب بہت چھوٹی سی تھی جب میں

نے نکہت آپا سے تمہیں اپنے شہری کے لئے مانگ لیا تھا۔ تب آپا نے تمہیں میری گود میں دیتے ہوئے کہا تھا اس دور میں بچپن میں رشتے طے کرنا سب سے بڑی حماقت ہوتی ہے، لیکن جب بچے بڑے ہو جائیں، آپس میں محبت بھی ہو اور چاہ بھی تو اس سے بڑھ کر کوئی اچھی بات نہیں ہو سکتی، خدا کرے کہ ہم سب میں یہ محبتیں اور چاہتیں قائم رہیں اور میری چاندنی تمہارے گھر میں بھی روشنی کرے۔"

"ٹھیک کہاں ناں اماں نے محبتوں اور چاہتوں کا ہی تو فقدان ہے۔ آج کل جو محبت کرتے ہیں ان کے بارے میں بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس پر قائم رہیں گے یا وقت کی آندھی انہیں کسی اور سمت اڑا کر لے جائے گی۔" میں نے یاسیت سے کہا۔

"میری جان، شہری کے دل میں تیری محبت زندہ ہے، جب ہی تو وہ تیرے جانے پر بے کل ہو رہا ہے ورنہ تو وہ......" ممانی جان ضمیر بھائی کو آتے دیکھ کر بقیہ جملہ پی گئیں۔

مگر میرے ذہن میں چھماکے سے ہوگئے، بہروپیا کہیں کا! بیکل ہو رہا ہے میرے جانے پر ناراض ہو رہا ہے، جھوٹا کہیں کا...... بے ایمان، اگر واقعی ایسا تھا تو کیا میرے پاس آ کر کہہ نہیں سکتا تھا کہ ماہم، اب بہت ہو چکا، لڑائی ختم کرو، آؤ دوستی کر لیں...... ہاں، اب تم امریکا نہیں جاؤ گی بلکہ میرے گھر آؤ گی، جس کے آنگن میں روشنی پھیلانا تمہارا فرض ہے۔

مگر وہ تو میرے سامنے آنے سے بھی گریز کر رہا تھا، یوں جیسے مجھے دیکھ کر اس کے وقت کا زیاں ہوتا ہو جب کہ وقت تو مجھ پر کڑا تھا۔ ایک ایک پل مشکل سے گزر رہا تھا۔ امتحانوں سے فارغ ہو کر کالج سے بھی ناتا ٹوٹ گیا تھا وہ وقت جو کالج میں گزر جاتا تھا، اب وہ بھی گھر میں گزر رہا تھا۔ بے کیف اور بدمزہ سا......!

میں سارا سارا دن چپ چاپ بیٹھی رہتی، مجیدن کھانا آگے رکھ دیتی تو کھا لیتی ورنہ تو یونہی بیٹھی رہتی۔ ان دنوں اماں اتنا یاد آ رہی تھیں کہ ان کا چہرہ ہمہ وقت آنکھوں میں رہتا، طبیعت کی خرابی، پریشانی، گھبراہٹ میں ہمیشہ ان کے پاس سینے میں منہ چھپا کر لیٹا کرتی تھی، اماں مجھے اپنی بانہوں کے ہالے میں لے کر لیسین شریف پڑھ کر پھونکا کرتی تھیں تب ساری پریشانیاں بھک سے اڑ جایا کرتی تھیں اور میں وہیں سو جایا کرتی تھی۔

ماں کی شفقت آمیز گود بھی کسی راحت سے کم نہیں ہوتی، بیٹیاں خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائیں، مگر انہیں ماں کی ضرورت ہمیشہ محسوس ہوتی ہے اپنے سکھ دکھ ماں سے ہی کہے جا سکتے ہیں اور ان دنوں مجھے اماں کی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ضمیر بھائی فزیوتھراپی کے لئے روزانہ ہاسپٹل جاتے۔ اور جب وہ آتے تو ان کے دوستوں کا تانتا بندھ جاتا۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے ان سے بات کئے ہوئے کئی کئی دن گزر جاتے۔ ارتقاء باجی کو جب سے پریگنینسی ہوئی تھی ان کے آنے میں بھی کمی آ گئی تھی۔ ہاں ان کا فون روز آ جاتا تھا۔

"ماہم ٹھیک تو ہو ناں۔" جیسے وہ صرف میری خیریت سننے کی متمنی تھیں۔

"ہاں باجی، آئی ایم پرفیکٹ، آل رائٹ۔" میں زبردستی کھکھلاتے لہجے میں انہیں جواب دیا کرتی۔

"کیا کر رہی تھیں اس وقت۔" یہ ان کا عموماً دوسرا سوال ہوتا تھا۔

"مووی دیکھ رہی تھی۔ بڑی زبردست ہے؟" میرا لہجہ وفورِ شوق سے مالا مال ہوتا۔

"گھر آ جاؤ۔" وہ پیار سے کہتیں۔

"نہیں بھئی، ضمیر بھائی آتے ہوں گے۔" میں خوامخواہ ہی کہتی۔

"ضمیر بھائی کے آنے کے بعد آ جانا۔ اکیلی پڑی بور ہوتی ہوگی۔" وہ قیافے سے کام لیتیں۔

"نہیں باجی، مجھے تو وقت کا پتا نہیں چلتا کہ کب ہوا ہو جاتا ہے۔"

"بہانے بنانے میں بہت آ گئے ہیں۔ میرے گھر آنے کو دل نہیں کرتا تمہارا؟"

"بہانے بنانے کی بات نہیں ہے باجی......!"

"پھر کیا بات ہے؟" بات بیچ میں سے ہی اچک لی جاتی۔

"آپ تو جانتی ہی ہیں کہ گھر میں ہر وقت کوئی نہ کوئی آتا رہتا ہے جب سے ضمیر بھائی کے انگلینڈ جانے کا پروگرام بنا ہے، ان کے ملنے والے آتے ہی رہتے ہیں۔ اپنے اپنے مشوروں کی گٹھڑیوں سمیت۔" میں نے ہنس کر بتایا۔

"خاطر مدارت کے لئے مجیدن کافی ہے، پہلے بھی تو تم آ جایا کرتی تھیں اب کیا بات ہے؟"

"بات کیا ہوگی باجی یونہی، بس اپنے گھر میں دل زیادہ لگتا ہے۔" سچی بات آخر میرے لبوں تک آ ہی گئی۔

"تمہاری بات درست سہی مگر فرجاد تم کو اکیڈمی کے بارے میں مزید بریف کرنا چاہتا ہے تم شام کو تھوڑی سی دیر کے لئے آ جایا کرو ناں۔"

"فرجاد صاحب کی بات میری سمجھ میں آ گئی ہے، مزید آپ سن لیں۔ ابھی امریکا تو پہنچی نہیں ہوں، اکیڈمی کے لئے اسباق رٹنا شروع کر دوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"امریکا بھی چلی جاؤ گی اور اگر نہیں بھی گئیں تو مذکورہ اکیڈمی کے لئے پاکستان میں بھی کام کر سکتی ہو۔"

"فی الحال تو میرے اپنے ہی ادھورے کام پڑے ہوئے ہیں کہ مجھے ان کو کرنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی۔"

"میں جانتی ہوں، یہ سب تمہارے بہانے ہیں تم فرجاد سے کتراتی ہو۔"

"ارے، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں......؟" میں حیران سی رہ گئی۔

"ہاں، فرجاد تم سے بہت زیادہ متاثر ہے ناں! شاید اس لئے۔" وہ اپنی ترنگ میں کہے چلی گئیں۔ "وہ تمہاری ہمیشہ بہت تعریف کرتا ہے۔" باجی کی سوئی ریکارڈ اٹک گئی تھی۔

"اچھا باجی، شاید ضمیر بھائی آ گئے ہیں، خدا حافظ۔" میں نے ان کی لن ترانی سننے کے بجائے فون کا سلسلہ منقطع کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔

گو ضمیر بھائی نہیں آئے تھے مگر میں اس نوعیت کی باتیں، باجی سے ہرگز نہیں سننا چاہتی تھیں کہ جنہیں سن کر میری وحشت بڑھے اور رتجگوں میں اضافہ ہو۔ مجھے قطعی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی کہ کوئی میری تعریف کرے یا میری خوبیوں کو سراہے۔ ان دنوں تو مجھے کسی کا اپنی جانب غور سے دیکھنا بھی برا سا لگا کرتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ فرجاد اپنی اکیڈمی کے بہانے مجھ سے باتیں کرنے کے خواہش مند ہیں۔ مگر میں کسی بھی سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے موڈ میں نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ میں نے ارتقاء باجی کے ہاں جانا کم کر دیا تھا۔

خبر واقعی دھماکا خیز تھی، سن کر مجھے انتہائی تعجب ہوا صفدر کا رشتہ فرحین کے لئے گیا تھا جو فوراً ہی منظور کر لیا گیا تھا۔

"فرجاد تو بتا رہے تھے کہ صفدر اور فرحین اکیڈمی کے لئے کام کریں گے۔" میں نے باجی سے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، وہ اکیڈمی میں کام ضرور کریں گے مگر اس سے پہلے انہوں نے اپنی اکیڈمی قائم کرنی ضروری سمجھی۔" باجی کو ہنسی آ گئی۔

"واقعی حیرت ہو رہی تھی مجھے کیونکہ میں نے تو سنا تھا کہ فرحین کا نکاح اپنے عزیزوں میں کہیں ہو چکا

ہے۔'' مجھے شہری کی بات یاد آرہی تھی۔

''ہاں، یہ اصل بات بھی مجھے یہاں آکر معلوم ہوئی کہ خاندانی اختلافات کی وجہ سے وہ نکاح ٹوٹ گیا تھا۔ نکاح ٹوٹ جانے کے باعث دوسرا کوئی اچھا رشتہ آیا ہی نہیں۔ کمال بھی اپنی شادی اسی لئے ٹالتے رہے تھے کہ پہلے چھوٹی بہن کے ہاتھ پیلے ہو جائیں، مگر انہیں فرحین کے لئے کوئی اچھا رشتہ نہیں ملا، جس کی وجہ سے وہ بڑے دل برداشتہ تھے مگر اب خدا کا شکر ہے کہ صفدر کی صورت میں انہیں ایک بہت اچھا رشتہ مل گیا ہے۔''

''صفدر بہت ہیرا انسان ہے، اس کی ہمراہی میں فرحین یقیناً بے حد خوش رہے گی۔ صفدر نے میرے ساتھ پبلشنگ کے ادارے میں کام کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کس قدر مخلص اور بے لوث انسان ہے وہ واقعی پوجنے کے قابل انسان ہے جو ہر ایک کے دکھ سمیٹنا چاہتا ہے اسے جیسے ہی اس بات کا علم ہوا کہ فرحین کا نکاح ٹوٹنے کے باعث اس کے لئے کوئی دوسرا اچھا رشتہ نہیں آیا اور میں ان کی جانب سے فکر مند ہوں، اس نے اگلے ہی دن اپنے آپ کو پیش کر دیا۔'' کمال بھائی فخر سے بتا رہے تھے۔

''صفدر ہیرا ہے۔''

''صفدر پوجنے کے قابل ہے۔''

''فرحین خوش قسمت ہے، جسے صفدر جیسا شخص مل رہا ہے۔''

مختلف آوازیں میرے کانوں میں شور مچا رہی تھیں۔ اور میں اس سچ کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہو کچھ اور جاتا ہے۔ قدرت کیا دکھانا چاہتی ہے اس کے آگے انسان ہمیشہ سے بے بس ہے اور رہے گا۔ آج جو چیز ہمیں ناپسند ہوتی ہے، کل پسند آجاتی ہے اور یہی پسند ناپسند کا چکر زندگی میں جیسے رواں پانی کا بہاؤ ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر کوئی چیز تعداد میں کم ہو تو انتخاب دشوار ہو کہ ایسی ہونی چاہیے تھی اور ویسی ہی نکلتی۔ مگر دیکھا یہ بھی گیا ہے کہ بعض دفعہ چیزوں کی بہتات بھی انتخاب کا معاملہ دشوار کر دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے اگر کوئی بزار ساٹھ ستر تھان کھول کر رکھ دیتا ہے تو دیکھنے والا بوکھلا کر رہ جاتا ہے، اچھی خاصی سرسبز و شاداب عقل الٹ کر رہ جاتی ہے اور انتخاب اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے جتنی کہ چیزوں کی کمی پر یہ دشواری لاحق ہوتی ہے۔

اب یہی صفدر، جو خاندان بھر میں لڑکیوں بالیوں کو چڑانے کے کام آیا کرتے تھے، کبھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک دن وہی ہیرو بن جائیں گے!

مگر صفدر واقعی ہیرو بننے کے اہل تھے، اپنی نیکی، شرافت اور دردمندی کی وجہ سے۔ میں دل کی گہرائیوں سے سوچ رہی تھی۔ شکل وصورت اور امارت انتہائی واجبی چیزیں ہوتی ہیں۔ صفدر تو ان تمام چیزوں سے بہت بلند تھے۔ شاید وہ پیدا ہی اس لئے ہوئے تھے کہ لوگوں کے دکھ درد میں کام آئیں گے۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

کمال بھائی نے ارتقاء باجی سے شادی کر کے جو نیکی کی تھی، قدرت نے اس کا صلہ انہیں دنیا میں بھی دے دیا تھا، فرحین کے لئے صفدر کا رشتہ انتہائی مناسب تھا۔

پھر چند ہی دن بعد صفدر اپنی شادی کا کارڈ لے کر آگئے، شرمائے شرمائے سے۔

''اماں نے کہلوایا ہے کہ آپ لوگوں نے مہندی سے آنا ہے۔ یہ نہ ہو کہ کھڑے چڑھے آئیں۔''

''آپ بے فکر رہیں، ہم بہت جلدی آئیں گے اور لڑکی والوں کو مہندی کے گیتوں میں ہرا دیں گے۔''

''یہ ہوئی ناں بات! ثریا اور پروین تو خواہ مخواہ پریشان ہوئی جا رہی تھیں۔''

''چلئے ہم نے آپ کی یہ پریشانی کم کر دی مگر ایک بات بتائیے کہ فرحین سے آپ نے بڑے چوری چھپے عشق کیا کہ ہوا نہیں لگنے دی۔ کیا واقعی فرحین آپ کو بے حد پسند تھی۔'' میں نے نہ جانے کیوں پوچھ ڈالا۔

''ماہم بی بی، پسند تو ہمیں بہت سے لوگ ہوتے ہیں مگر وہ ہماری دسترس میں نہیں ہوتے۔'' اور یہ عشق تو آگ ہے انسان کا سرمہ بنا دیتا ہے مجھ میں بھلا کہاں سکت تھی کہ عشق و عاشق کے مراحل میں پورا اترتا! میں تو سدا سے بارھواں کھلاڑی رہا ہوں جس کے کھیلنے کا ٹرن کبھی نہیں آتا۔''

''اور جب آیا تو چھکے اور چوکے اڑا دیئے۔'' میں ہنسی!

''یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے کہ فرحین جیسی لڑکی میری شریکِ حیات بن رہی ہے۔ کمال بھائی میری ان خوبیوں کے معترف ہیں جو مجھ میں ہیں ہی نہیں۔'' صفدر نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

''یہ تو آپ کا بڑا پن ہے کہ اس قدر کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں ورنہ تو آپ بے حد عظیم ہیں بے حد عظیم۔'' میں نے آنکھیں بند کر کے کہا جو آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔

''ماہم پلیز، مت روؤ۔ یقین کرو میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''پلیز صفدر بھائی۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے گا میں نے جانے انجانے میں آپ کا دل بہت دکھایا ہے شاید قدرت نے دل دکھانے کی سزا مجھے دی ہے۔'' جو میں ہر وقت پریشان رہتی ہوں۔ میں نے صاف دلی سے کہا۔

''پاگل بننے کی باتیں مت کرو تم ایک بہت اچھی اور پیاری سی لڑکی ہو۔ مجھے تم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ بے فکر رہو میں شہری کو سمجھاؤں گا کہ کیوں اپنی خوش بختی سے روٹھے ہوئے ہو۔'' صفدر نے آخری جملہ قدرے مسکرا کر کہا۔ جیسے وہ سب جانتے ہوں۔

''شہری کا ذکر چھوڑیئے، آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ بھی امریکا جا رہے ہیں؟'' باجی نے تذکرہ کیا تھا''

''امریکا تو صرف تین ماہ کے لئے جایا کروں گا، فرحین کے ساتھ۔ فرجاد بھائی کی اکیڈمی میں کام کرنے کے لئے، جو وہ امریکا میں مقیم پاکستانیوں کے لئے قائم کرنا چاہتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک تبلیغ کا کام ہے کہ مسلمان بچوں کو ان کے اپنے مذہب کے بارے میں معلومات پہنچائی جائیں۔ قرآن کریم گھر گھر پڑھانے کا انتظام ہو، اور پاکستانی بچے اپنے ملک کے بارے میں آگاہی رکھتے ہوں کہ انہیں کن کن مشکلات کا سامنا ہے، کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اور جب وہ اس کے بارے میں جانیں گے تب ہی وہ عملی میدان میں آکر اس کے لئے کچھ کر بھی سکیں گے۔'' ان کے لہجے میں عزائم مضمر تھے۔

''واقعی آپ جیسے لوگ ہی یہ مشکل کام کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔'' میں نے فخریہ نظروں سے انہیں دیکھا جو دھیمے انداز میں مسکرا رہے تھے اور ان کی یہ مسکراہٹ ان کے لبوں پر بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

پھر بالکل اچانک ہی فرجاد سے میری ملاقات ہوگئی۔ میں قریبی مارکیٹ سے حسبِ عادت پیدل مارچ کرتی ہوئی گھر آرہی تھی کہ بالکل قریب ہی کسی گاڑی کے بریک چرچرائے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرجاد اسٹیئرنگ تھامے مجھے ہی دیکھ رہے تھے کہ کہاں تک بھاگوگی! لو پکڑ لیا تمہیں۔

''مس ماہم، آپ پھر آئیں ہی نہیں، حالانکہ میں نے ارتقاء بھابھی سے کئی دفعہ کہا تھا۔''

''باجی نے مجھے بتایا تھا بس فرصت ہی نہیں ملی۔'' میں کھسیا کر مسکرا دی۔

''پہلے تو کالج جانے کی مصروفیت تھی، اب فارغ ہو کر فرصت نہیں مل رہی......'' فرجاد کا لہجہ ذومعنی ہو گیا تھا۔

''میرے بہت سے ادھورے کام ان دنوں پورے ہو رہے ہیں۔'' میں نے قطعاً گپ ماری۔

''مثلاً آپ کیا کیا کر رہی ہیں ان دنوں؟'' بڑے ذوق وشوق سے پوچھا گیا۔

"میں اپنی ادھوری پینٹنگز پر کام کر رہی ہوں، دو چار ادھورے ناولوں کو مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔ کچھ شاعری سے بھی شغف ہے، اس لئے ہاتھ میں برش آ جائے یا قلم، پتا ہی نہیں لگتا کہ میں کہاں ہوں۔" حال ہی میں پڑھے ہوئے ایک بیگماتی انٹرویو سے متاثر ہو کر میں نے بھی گپ ماری کہ خدایا، میری جان چھوڑ دو کہ میں تمہاری کسی اکیڈمی کے لئے کوئی کام وام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

"ارے، آپ تو واقعی مصروف ہیں، آپ کے پاس تو ایک لمحے کے لئے فرصت نہ ہو گی۔" فرجاد بہت زیادہ متاثر ہو گئے تھے اور انتہائی تکریم سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"جی ہاں، مجھے واقعی بالکل بھی فرصت نہیں ہے" میں اترائی۔

"جب ہی آپ ارتقاء بھابھی کے پاس بھی نہیں آ سکیں۔" فرجاد کو یقین آ رہا تھا۔

"ظاہر ہے، وقت نکالنا آسان کہاں ہے میرے لئے۔" میں اور قابل بن گئی۔

"ایسی صورت میں تو آپ اکیڈمی کے لئے کوئی کام بھی نہیں کر سکیں گی۔ آپ کی اپنی مصروفیات جو اتنی زیادہ ہیں۔" فرجاد نے میرے دل کی بات خود ہی کہہ دی۔

"جی ہاں، بالکل۔ ویسے یہ خاصا مشکل کام ہے۔" میں نے سرشاری سے کہا۔

"کام تو مشکل نہیں ہے مگر آپ کے پاس فرصت کہاں ہے۔" فرجاد گاڑی سے ٹیک لگائے بدستور اپنی گہری نظروں سے مجھے کھوج رہے تھے۔

"جی ہاں، کام تو بہت آسان ہے میں آپ کی اکیڈمی فوراً جوائن کر لیتی مگر میری مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ......" جملہ ادھورا چھوڑ کر میں نے انہیں دیکھا جیسے اس میں میرا کوئی دوش نہ ہو۔

"جی ہاں، مجھے اندازہ ہو گیا ہے آپ آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" فرجاد زیر لب مسکرائے۔

"آیئے چائے ہو جائے۔" گھر پر اترتے ہوئے میں نے قطعاً رسماً کہا۔

"اس وقت تو جلدی میں ہوں مگر بہت جلد ارتقاء بھابھی کے ساتھ آپ کی پینٹنگز اور ناول دیکھنے ضرور آؤں گا۔ جن پر آج کل آپ کام کر رہی ہیں۔" فرجاد نے دھماکا کیا۔ "اور پھر چائے بھی پئیں گے۔"

"جی......؟" میرا تو سر ہی گھوم گیا اور چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"دھیرج رکھو، ایک دو دن بعد آئیں گے جب تک کوئی شاہکار تکمیل کی حدود میں پہنچ ہی گیا ہو گا۔" فرجاد کی شوخی بدستور قائم تھی۔

"اب میں اتنی بڑی آرٹسٹ بھی نہیں ہوں کہ لوگ میرے فن پارے دیکھنے کے لئے آئیں۔" میں روہانسی تو ہو گئی۔

"بات چھوٹے بڑے آرٹسٹ کی نہیں ہے، صرف فن پاروں کی ہے۔ میں تو صرف وہی دیکھوں گا، ایک ڈاکٹر بھلا کہاں مصور جیسی آنکھ رکھ سکتا ہے۔" بات تو ساری ہی گڑبڑ ہو گئی ہے، میں اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"اچھا، خدا حافظ، جلد ملیں گے۔" مجھے یوں ساکت و صامت کھڑا دیکھ کر فرجاد نے ہاتھ ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"اللہ...... یہ میں نے کیا کہہ دیا! خواہ مخواہ کی مصیبت گلے پڑ گئی۔ آ جائیں گے موصوف، دل جلانے کے لئے۔ اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ ان کی اکیڈمی جوائن کر لیتی......" میں جتنا ان کی قربت سے دور بھاگ رہی تھی اتنے ہی ان کے پاس آنے کے مواقع بن رہے تھے۔ اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ شام کو ہی ارتقاء باجی کا فون آ گیا۔

"مصورہ صاحبہ سے بات کرنی ہے۔" میری آواز سن کر انہوں نے ہنس کر کہا۔

"کر دی ساری بکواس انہوں نے! کیسے ہیں دل کے ڈاکٹر! ذرا سی بات بھی دل میں نہیں رکھی گئی۔"

مجھے تو غصہ ہی آ گیا۔

"وہ دل کی دل میں نہیں رکھتے، ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں، کوئی معمولی بات نہیں ہے۔" باجی کو مزہ آ رہا تھا۔

"میں ان کے ساتھ کوئی کام بھی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ ان کو بتا دیجئے گا۔" آخر میں نے دوٹوک لہجے میں کہہ ہی دیا۔

"یہی خیال فرجاد کا ہے کہ آج کل تم سب سے ملنے سے گریز کر رہی ہو یاد رکھو یہ خواہ مخواہ کی اپنے اوپر پابندیاں عائد کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔" باجی نے سرزنش کی۔

"یہ بھی انہوں نے ہی کہا ہو گا۔" میں جل کر بولی۔

"ظاہر ہے، اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی...... تم آج کل اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔ کیا کہہ رہی ہو کیا کر رہی ہو، اس تک کا تمہیں علم نہیں ہے۔" باجی تشویش بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"کیا خیال ہے موصوف کا! مجھے پاگل ثابت کرنا چاہتے ہیں؟" باجی کی تشویش جان کر مجھے غصہ ہی تو آ گیا۔

"نہیں بھئی، آپ کو مصورہ اور ناول نگار کی حیثیت سے تسلیم کرنا چاہتے ہیں۔" باجی ہنسیں۔

میں گنگ سی ہو گئی۔ مزید کچھ کہہ کر اپنے آپ کو مزید پھنسوانا تھا۔ باجی اس وقت ویسے بھی سنانے کے موڈ میں تھیں۔

"ماہم، چپ کیوں ہو گئیں؟"

"اب آپ کے آگے کیا بولوں!" میں کھسیا کر ہنس دی۔

"آئیں گے ہم کسی دن تمہارے جواہر پارے دیکھنے" باجی نے ریسیور کریڈل پر رکھنے سے قبل کہا۔

میں خدا حافظ بھی نہیں کہہ سکی۔ یہ فرجاد صاحب نے تو خاصا مذاق اڑا ڈالا تھا۔ "کیا سمجھتے ہیں آپ۔ میں آپ سے اپنا مذاق اڑا دوں گی؟ نہیں فرجاد صاحب، میرا آپ کے ساتھ ایسا کوئی بے تکلفی کا رشتہ نہیں ہے کہ آپ میرے بارے میں قہقہے اچھالتے پھریں۔" دماغ میں میری آندھیاں سی چل رہی تھیں کچھ ہی دیر بعد، میں نصرت کو فون کر رہی تھی!

"یار، تمہاری باجی کی پینٹنگز کیسی چل رہی ہیں آج کل؟" چھوٹتے ہی میں نے پوچھا۔

"خیریت؟ یہ آپ کا نزلہ باجی کی پینٹنگز پر کیوں گر رہا ہے؟ جب کہ کبھی آ کر آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔" نصرت کو حیرت سی ہوئی۔

"وقت، وقت کی بات ہے۔ آج تم سے زیادہ باجی کی اور ان کی پینٹنگز کی خیریت پوچھنے کو دل چاہ رہا ہے۔" میں نے حسرت سے کہا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟ ایسی کیا افتاد آن پڑی ہے؟" نصرت کی چھٹی حس نے اسے چونکا دیا۔

تب میں ساری کہانی سے سناتی چلی گئی اور وہ مسلسل ہنستی رہی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں باجی کی ادھوری اور مکمل کئی تصویریں، ایزل، برش، کلرز، کل ہی لا کر تمہارے کمرے میں سیٹ کر دوں گی۔ جب انسپکشن ختم ہو جائے تو واپسی ہو جائے گی۔"

اور جب باجی فرجاد کے ساتھ آئیں تو میں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے، بھئی؟" فرجاد شوخی سے پوچھ رہے تھے۔

"بس ابھی ابھی اپنی ایک تصویر مکمل کر کے بیٹھی ہوں۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"باجی نے چونک کر تنبیہی نظروں سے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہوں کہ ایسے جھوٹ بولنے کا فائدہ جن کا

مذاق بھی اڑے۔

''آیئے بھابھی، ایک نظران کی پینٹنگز بھی دیکھ لیں'' فرجاد نے مسکرا کر ارتقاء باجی سے کہا۔

''ارے کس کی باتوں میں آرہے ہو تم؟ یہ یونہی بے وقوف بنا رہی ہے۔'' باجی صوفے پر ڈھے گئیں۔

''مجیدن چائے بناؤ، فرسٹ کلاس سی۔'' انہوں نے وہیں سے آواز لگائی۔

''میرے خیال سے آپ لوگ چائے بعد میں پیجئے گا۔ پہلے میری پینٹنگز دیکھ لیجئے۔ ورنہ میں اکثر اپنی فرینڈز کو تحفے میں دے دیا کرتی ہوں۔''

''ماہم، اب بس بھی کرو۔ مذاق صرف مذاق تک ہی ہونا چاہیے۔'' باجی نے سرزنش کی

''باجی، یہ مذاق نہیں حقیقت ہے آیئے پلیز۔'' میں نے اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا، جہاں نصرت کی باجی کی کئی نامکمل اور مکمل تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ ایزل پر ایک ادھورا خاکہ بنا ہوا تھا رنگ، برش اور دیگر ضروریات سب موجود تھیں۔ باجی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں اور فرجاد متبسم لبوں سے تمام چیزوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

''آیئے، اب چائے پیتے ہیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد ان دونوں کی محویت میں نے توڑتے ہوئے کہا۔

''ویری فائن! آپ واقعی ایک عظیم مصورہ ہیں۔'' فرجاد نے کھلے دل سے تعریف کی۔

''جی نہیں، میں تو ابھی بالکل اناڑی ہوں۔'' میرا جملہ تمام تر سچائیاں لئے ہوئے تھا اور باجی آسودگی سے مسکرا رہی تھی مگر فرجاد کے چہرے سے قطعی یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اصل حقیقت جان پائے ہیں۔ بھاڑ میں جاؤ کچھ بھی سمجھو وقتی طور پر تو میرے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا تھا۔

مگر واپسی پر فرجاد ارتقاء باجی سے مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔'' میں شاید یقین بھی کر لیتا کہ یہ تصاویر ماہم نے بنائی ہوں گی اگر یہی جہازی ٹائپ تصاویر ماہم کی سہیلی نصرت کے ڈرائنگ روم میں نہ دیکھتا۔''

''آپ نے نصرت کا ڈرائنگ روم کیونکر دیکھ لیا......؟'' باجی نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کو شاید علم نہ ہو، میری مس ماہم سے پہلی ملاقات نصرت کے گھر میں ہی ہوئی تھی، میں کمال بھائی کے پروپوزل کے بارے میں گیا تھا کہ آپ لوگ انکار نہ کریں۔''

''ہاں، یاد آگیا، باجی کچھ یاد کر کے مسکرائیں۔

فرجاد ڈرائیونگ کرتے ہوئے شاید کچھ گنگنا رہے تھے۔

ضمیر بھائی کا رویہ بہت تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ گھر میں جتنا وقت بھی رہتے، انہیں میری ہی فکر رہتی۔

ماہم، کھانا کھالو، اتنا کم کیوں کھاتی ہو اور کھاؤ۔

ماہم، بیٹھی کیوں ہو، سو جاؤ چہرہ دیکھو تھکی تھکی لگ رہی ہو۔ کیا بیمار ہو؟

میں لاکھ انہیں یقین دلاتی کہ میں بالکل ٹھیک ہوں مگر ان کی جرح قائم رہتی۔

''گھر میں اکیلے پڑے پڑے بور نہیں ہو جاتیں؟'' ارتقاء کے پاس ہو آیا کرو......

''نہ میں بور ہوتی ہوں، اور نہ ہی کہیں جانے کو دل چاہتا ہے۔ میرا دل بس اپنے گھر میں لگتا ہے۔'' میں انہیں باور کراتی۔

''یہ تو کوئی اچھی علامت نہیں ہے کہ کہیں تمہارا جانے کو بھی دل نہیں چاہتا۔'' آج کل فارغ ہو، ڈرائیونگ سیکھ لو۔ کچھ عرصے پہلے تو بڑا خبط تھا کہ ڈرائیونگ سیکھوں گی۔''

''گاڑی چلانی تو میں نے سیکھ لی ہے بہت اچھی تو نہیں، ہاں بس گزارے لائق۔'' میں نے جھجکتے ہوئے انہیں بتایا۔

''اچھا......مگر کب سیکھی؟'' وہ اشتیاق سے پوچھ رہے تھے۔

''جب آپ انڈیا میچ کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ گاڑی دروازے پر بے کار ہی کھڑی رہتی تھی ڈرائیور باہر کرسی ڈالے اونگھتا رہتا ہے یا بے وجہ گاڑی کو چمکاتا رہتا، تب انہی دنوں میں نے گاڑی چلانی سیکھ لی۔''

''یہ تو بہت اچھا کیا کہ تم نے کریم سے ہی گاڑی چلانی سیکھ لی، ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ کوئی ڈرائیونگ سینٹر جوائن کرلو وہ لوگ پیسے تو لیتے ہیں مگر لائسنس بنوا کر دینے کی بھی ان کی ذمے داری ہوتی ہے۔ بہر حال میں تمہارا ڈرائیونگ لائسنس بنوا دوں گا۔ گاڑی لے جایا کرو۔'' وہ وسیع القلبی سے بولے

''نہیں بھائی جان، اب دل نہیں چاہتا، آپ کی غیر موجودگی میں گاڑی بہت چلائی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی کچھ سوچ کر میں مسکرا دی۔

''میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں بی بی، آپ گاڑی چلانا نہیں سیکھ سکتیں۔'' ڈرائیور دو ہی دن میں عاجز آگیا تھا۔

''کیوں نہیں سیکھ سکتی میں؟ شہر میں کیا لڑکیاں گاڑیاں نہیں چلاتیں؟'' مجھے غصہ ہی تو آگیا تھا۔

''جو لڑکیاں گاڑی چلاتی ہیں ان میں کم از کم تحمل اور صبر کا مادہ ضرور ہوتا ہوگا اور آپ کو ابھی گاڑی ٹھیک سے چلانی آئی نہیں ہے مگر اس قدر تیز چلاتی ہیں کہ الٰہی توبہ، بغیر اشارا دیئے مڑ جاتی ہیں، رک جاتی ہیں، ہارن کے استعمال کو فضول سمجھتی ہیں، بی بی، آپ کہیں تو میں حلف اٹھا سکتا ہوں کہ گاڑی چلانا آپ کے بس کا کام نہیں ہے۔''

''اے کریم، زیادہ نصیحتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا بڑا اسا، ایل ہم نے کس لئے لگایا ہے۔ جس کو بچنا ہے وہ خود بچ جائے گا۔''

''بی بی! مجھے تو ڈر لگتا ہے جو بچنا بھی چاہے گا، اسے بھی کچھ نہ کچھ ہو کر ضرور رہے گا۔ آج صبح بھی دو آدمیوں نے اچھل کر اپنی جان بچائی۔ عورت اچھل کر شاخ پر بیٹھ گئی۔ یقین کیجئے بی بی، اگر ان میں سے کسی کو کچھ ہو جاتا تو آپ کا تو شاید کچھ نہ بگڑتا۔ مگر میں با آسانی بند ہو جاتا۔ صاحب بھی یہاں نہیں ہیں، میری تو کوئی ضمانت کرانے والا بھی نہیں ہوگا۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔

''پریشان مت ہو۔ بالفرض اگر ایسا کچھ ہوا تو میں تمہاری ضمانت کرا دوں گی۔''

''گویا آپ گاڑی چلائیں گی ضرور، چاہے کچھ بھی ہو۔'' وہ پھر اترانے لگا۔

''کریم، اب زیادہ قابل بننے کی کوشش مت کرو، میں کوئی انوکھی تو نہیں ہوں جو تم یوں خوف زدہ ہو رہے ہو۔ میرے کالج کی ہر دوسری لڑکی گاڑی چلانا جانتی ہے۔''

''بی بی! میں قسم کھا سکتا ہوں کہ سیکھنے کے دوران کوئی بھی لڑکی اتنے فراٹے سے گاڑی نہیں چلاتی ہوگی آپ تو جانے بوجھے بغیر گاڑی یوں ہینڈل کرتی ہیں کہ جیسے بڑی ماہر ہوں۔''

''حد ہے کہ تم اس خوبی کے بھی معترف نہیں خیر آج سے تم گاڑی کے پیچھے ایک بورڈ لگا دو ڈرائیور تربیت پر ہے، ہوشیار، خبردار۔''

شہری جو دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھے خاموش میری باتیں سن رہا تھا بے اختیار ہنس کر بولا۔'' کریم، گاڑی کے پیچھے دوسرے بورڈ پر یہ شعر بھی لکھ دینا۔

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثناء
یہ گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

''اے، یہ کیوں؟'' میں نے اسے گھورا۔

''جب آپ ٹرکوں پہ لکھی ہوئی تحریریں اپنی گاڑی کے پیچھے لگا رہی ہیں کہ ہوشیار خبردار، ڈرائیور تربیت

پر ہے، تو شعر لکھنے میں کیا حرج ہے! بلکہ اس سلسلے میں تو بڑے قیامت کے اشعار لکھے جا سکتے ہیں۔ خیر نال جا، خیر نال آ، ماں کی دعا، سجن چلے، دشمن جلے۔ پھر ملیں گے، جیسے جملے بھی لکھوا دو۔"

"آپ سے کسی نے مشورہ نہیں مانگا، جو ٹر ٹر کرنے لگے۔ نصیحتیں کرنے اور مشورے دینے کے لئے یہ کریم ہی تم نہیں ہے۔"

"سنا ہے کہ جب اپنا بندہ تکلیف میں ہو تو اس کی مدد کرنی چاہئے۔" شہری کی آنکھیں شوخی سے چمکنے لگیں۔

"تکلیف کیسی! میں نے تو دو دن میں گاڑی چلانی سیکھ لی۔ یقین نہ آئے تو میرے ساتھ بیٹھ کر دیکھ لو۔ کہو کہاں چھوڑ دوں؟" میں اسٹیرنگ تھام کر فخر سے بولی۔

"میں بقائمی ہوش و حواس کہہ رہا ہوں کہ ابھی اور پرے نہیں جانا چاہتا، تم بہت آہستہ آہستہ ایک مارکیٹ کا چکر لگا لو کارنر سے ایک کافی کا مگ پلا دو اور بس......"

"چلو، تم بھی کیا یاد کرو گے کس سخی سے پالا پڑا تھا!" میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اسے تیسرے گیئر میں ڈال دیا گاڑی تیزی سے چلی......!

"واہ بھئی واہ! یہ ہوئی ناں بات! تم تو ہماری بائیک کی طرح گاڑی چلاتی ہو۔" شہری ہنسا۔

جب تیسرے اسپیڈ بریکر پر بھی گاڑی کی رفتار ہلکی کئے بنا میں نے گاڑی اچھالی تو شہری نے اسٹیرنگ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے گو میں گاڑی چلا رہی تھی مگر اسے ہینڈل شہری کر رہا تھا اور میرے ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں کے نیچے دبے، پسینے پسینے ہو رہے تھے۔ گاڑی سڑک پر لہرا رہی تھی۔

"یہ کیا ہے بھئی، اگر خود چلانا چاہتے ہو تو آ جاؤ ڈرائیونگ سیٹ پر۔" میں نے کھسیا کر کہا۔

"آ جاؤ تم دوسری سیٹ پر۔ میرے خیال سے میری ڈرائیوی میں سفر زیادہ پر سکون رہے گا۔" وہ گہرے لہجے میں بولا تب نہ جانے کیوں میں جھینپ سی گئی۔

شہری کی ڈرائیونگ بہت شاندار تھی۔ گاڑی پانی کی طرح تیرتی ہوئی کافی کارنر پہنچ گئی۔

"چلو بھئی ماہم، گرما گرم کافی پلاؤ، اپنے وعدے کے مطابق۔"

"ارے، میرا پرس تو گھر میں ہی رہ گیا۔" میں نے پریشان ہو کر کہا۔

"دعوت کرنے سے قبل سوچا نہیں تھا کہ پرس نہیں ہے یا یہ یقین تھا کہ تمہاری گاڑی یہاں تک پہنچ ہی نہیں پائے گی۔" وہ ہنسا۔

"اب اتراؤ نہیں۔ پلا دو کافی، ساتھ میں چھولے کی چاٹ بھی، گھر جا کر لے لینا پیسے۔" میں نے زعم سے کہا۔

چھولے کی تیز مسالے کی چاٹ، سوں سوں کر کے کھاتے ہوئے میری آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

"اے اپنے آنسو تو صاف کر لو، ورنہ کوئی دوسرا یہ سمجھے گا کہ میں تمہیں مار مار کر کھلا رہا ہوں۔" شہری نے رومال دیتے ہوئے کہا۔

"ہوش میں تو ہو! مجھے کوئی مار سکتا ہے بھلا!" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"اور تم جو ہمہ وقت مجھے مارتی رہتی ہو، اس سنگینی کا بھی احساس ہے تم کو؟" آنکھوں میں اترتے ہوئے بڑے جذب سے کہا گیا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم۔ میں نے کہاں مارا ہے!" گرما گرم کافی پیتے ہوئے میں ہنس رہی تھی۔ شہری کی باتوں کی گہرائی میں جائے بغیر اور اب ضمیر بھائی نے گاڑی سیکھنے کا تذکرہ کیا تو پرانی یادیں لو دینے لگیں۔

"شہری تمہارا ساتھ میری زندگی کے ہر پہلو میں یوں رچا ہوا ہے کہ میں اسے الگ کرنا بھی چاہوں تو

نہیں کر سکتی۔" میں سوچ رہی تھی اور اپنے آپ پر نفریں بھی بھیج رہی تھی۔

"لگتا ہے، اس حادثے کے سبب اللہ تعالیٰ کو مجھے تانیہ سے بچانا تھا۔" ضمیر بھائی اب تانیہ سے بالکل متنفر ہو گئے تھے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ تانیہ جیسی ابن الوقت لڑکی سے ان کی جان چھوٹی تھی۔

میں حیران تھی کہ دن میں دس دس دفعہ فون کرنے والی تانیہ اب ضمیر بھائی کو بالکل ہی بھولی بیٹھی تھی یوں جیسے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

سیٹھ احسانی نے نہ صرف ہمارے گھر آنا جانا چھوڑ دیا تھا بلکہ اب اپنے گھر میں ہونے والی تقاریب میں کبھی ضمیر بھائی کو مدعو تک نہیں کیا کرتے تھے۔ آج ہی کے اخبار میں شہر میں ہونے والی سرگرمیوں میں، تانیہ کی سالگرہ کی تصاویر شائع ہوئی تھیں۔ شام کے اخبارات نے تو تقریب کی پوری کوریج کر دی تھی۔ ضمیر بھائی نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تمام اخبارات اٹھا لائے تھے۔ فلم اسٹاروں سے لے کر تمام گلوکار اس میں مدعو تھے۔ کرکٹ اور ہاکی کے کھلاڑیوں کی ایک بڑی تعداد اس میں موجود تھی۔ ہاکی کے ابھرتے ہوئے نوجوان کھلاڑی کے ساتھ اس کے خصوصی پوز شائع ہوئے تھے۔ وہ نوجوان کھلاڑی ہر تصویر میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ کھاتے ہوئے، باتیں کرتے ہوئے، گاتے ہوئے اور ناچتے ہوئے۔ ایک تصویر میں تو وہ اس کھلاڑی کی سگریٹ تک لائٹر سے جلا رہی تھی۔

"لگتا ہے، میرا نعم البدل اسے مل گیا ہے، اب یہ فتنہ بن کر اس شخص کی زندگی عذاب کر دے گی۔" ضمیر بھائی تصویریں دیکھ کر بڑبڑا رہے تھے۔

اور میری نظریں شہری کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں گو وہ بالکل خاموش بیٹھا تھا مگر اس کے برابر کی نشست پر نغمی موجود تھی۔

"یوں تو شہری آپ کی دوستی کے بڑے گن گاتا ہے۔ روزانہ آپ کے پاس آتا ہے مگر سیٹھ احسانی کے ہاں تقریب میں جائے بغیر نہیں رہا گیا اس سے۔" میں نے جل کر کہا۔

"اس کے اپنے ٹرمز ہیں ان لوگوں سے میں کیوں منع کروں اسے؟" ضمیر بھائی شکستہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"اس بات کا تو اسے خود خیال ہونا چاہیے کہ اسے کس کا ساتھ دینا چاہیے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میں کہہ اٹھی۔

"وقت سب سے بڑا استاد ہوتا ہے۔ اب وہ دور نہیں رہا کہ جب لوگ دوسروں کے تجربوں سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے اب ہر شخص اپنا تجربہ خود کیا کرتا ہے۔ اسے بھی آگ سے کھیلنے دو، کیا پتا وہ اس کے لئے گلزار بن جائے۔" ضمیر بھائی گہرے لہجے میں بولتے چلے گئے۔

اور میں روہانسی ہو گئی کہ شاید شہری اس مقام تک چلا گیا ہے کہ جہاں سے اس کی واپسی کی کوئی امید ضمیر بھائی تک کو نہیں تھی۔ "شہری! اب تمہیں بھولنا ہی ہو گا ہر حال میں اور ہر صورت میں۔" میں اپنے دل کو سمجھا رہی تھی۔ احمد فراز نے بھی اپنی نظم میں شاید میرا ہی دکھ لکھا تھا۔

بھول جائیں تو یہ ہی بہتر ہے سلسلے قرب کے، جدائی کے
بجھ چکیں خواہشوں کی قندیلیں لٹ چکے شہر آشنائی کے
رائیگاں ساعتوں سے کیا لینا زخم ہوں، پھول ہوں ستارے ہوں
موسموں کا حساب کیا رکھنا، جس نے جیسے بھی دن گزارے ہوں
زندگی سے شکایتیں کیسی اب نہیں ہیں مگر گلے تھے بھی

بھول جائیں کہ جو ہوا سو ہوا بھول جائیں کہ ہم ملے تھے کبھی

♥♥♥♥♥♥

بلاوا دونوں گھروں سے آیا تھا۔ صفدر بھائی کی اماں بھی کہہ گئی تھیں کہ آج صفدر کی مہندی فرحین کے گھر سے آئے گی اور کل ہمارے گھر سے جائے گی۔ کمال بھائی کا بھی یہی اصرار تھا کہ ان کے ہاں مہندی لے کر صفدر کے ہاں جایا جائے۔ دونوں ہی عزیز تھے، مگر باجی اور فرحین کی وجہ سے میں صبح سے ہی باجی کے ہاں پہنچ گئی تھی، جہاں شہری اور فرجاد ہر معاملے میں پیش پیش تھے۔ شہری خود ہی کسی بیوٹی پارلر سے جا کر مہندی بھی ڈیکوریٹ کروالایا تھا۔

''یہ بیوٹی پارلر والے مہندیاں بھی سجا کر دیتے ہیں!'' باجی حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔

''ہاں باجی، اب ہر کام بازار میں ہو جاتا ہے۔ فرحین بے چاری تو مہندی سجانے سے رہی، آپ کو حرا نہیں چھوڑ رہی، باقی لوگ مہمان بنے بیٹھے ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ میں یا فرجاد بھائی تو مہندی سجانے سے رہے!'' وہ کن اکھیوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ارے، نغمی سے جا کر مہندی سجوا لیتے۔ وہ آدھ گھنٹے میں سجا دیتی۔'' فرحین آخر بول ہی اٹھی۔

''یہ اب دلہنیں بھی بولنے لگی ہیں۔ مجال ہے کہ ذرا شرما کر دو دن چپ رہ لیں۔'' شہری نے شرارت سے کہا۔

''مسٹر، اصل بات کا جواب دیں۔ آئیں شائیں مت کریں۔'' فرحین بھی کم نہیں تھی۔

''بھئی، نغمی کا تعلق برگر فیملی سے ہے وہ کیا جانے مہندی لگانا سجانا، اس کی ہتھیلی پر ذرا سی مہندی لگا دو گی تو اس کا تو مارے چھینکوں کے بُرا حال ہو جائے گا۔'' شہری نے مضحکہ اڑایا۔

''کچھ دنوں بعد تمہارا حال بھی کچھ مختلف نہیں ہوگا کہتے ہیں کہ صحبت کا اثر ضرور پڑتا ہے۔'' فرحین نے بھی نہیں بخشا۔

''یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ کس کا کیا حشر ہوگا۔'' شہری نے ذو معنی لہجے میں کہا۔

اور مجھے یوں لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ ماہم، اب تمہیں پتا لگے گا جب میں تمہاری زندگی سے بہت دور چلا جاؤں گا اور تم میری شکل تک دیکھنے کو ترسو گی، حشر تو اب تمہارا خراب ہونے والا ہے، میرا نہیں......!

تب میں ایک کونے ہو کر بیٹھ گئی۔ فرحین کی سہیلیاں، کمال بھائی کی دوستوں کی بہنیں، مہندیوں کی سجی سجائی تھالیاں اٹھائے ارتقاء باجی کی ہمراہی میں گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں اور میں چپ چاپ سب کے پیچھے ایک کونے میں کھڑی تھی، یوں جیسے زبردستی کی شرکت ہو رہی ہو۔ شہری سوزوکی میں اپنے ڈرم، گٹار اور کانگو رکھوا رہا تھا۔

''ارے، تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔'' فرجاد کی ڈھونڈتی ہوئی نظروں نے مجھے جا لیا۔

''میں یونہی ٹھیک ہوں۔'' میں نے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''نہیں بھئی، آپ تو فرحین کی خاص الخاص دوست ہیں۔ آپ کو تو اپنی دوست کی مہندی میں سب سے زیادہ ایکٹو ہونا چاہیے۔ لیجئے فی الحال یہ باسکٹ پکڑ لیجئے۔'' فرجاد نے پھولوں سے بنائی ہوئی خوبصورت باسکٹ میرے ہاتھوں میں پکڑا دی۔

صفدر کے گھر کے سامنے جب کاریں رکیں تو مووی بننے کی وجہ سے سب لڑکیاں ایک لائن میں کھڑی ہو گئیں۔ کوئی اپنا ڈوپٹہ درست کر رہی تھی تو کوئی مہندی پر لگی ہوئی موم بتیاں جلا رہی تھی۔ شہری لائٹر ہاتھ میں لئے سب کی موم بتیاں روشن کرتا پھر رہا تھا۔ میں قصداً سب سے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی۔ تب فرجاد دل کی شکل میں بجی ہوئی مہندی کی بڑی سی تھالی میں موم بتیاں جلا کر میرے پاس لے آئے۔

''ماہ، اسے تم اٹھا لو۔'' موم بتیاں جگہ جگہ چمک رہی تھیں۔

''مگر میرے پاس تو پھولوں کی ٹوکری ہے۔'' میں نے پس و پیش کیا۔

''اسے ہاتھ میں کنگن کی طرح ڈال لو اور تھالی اٹھا لو۔'' انہوں نے ٹوکری میرے ہاتھ میں خود ہی ڈال دی جو پھسل کر کہنی پر تک گئی اور جب میں اپنے سبز کاہی راجھستانی گھاگرے میں سنبھل سنبھل کر چلتی ہوئی شہری کے پاس سے گزری تو وہ آنکھیں پھاڑے مجھے یوں تک رہا تھا جیسے اسے قطعی امید نہیں تھی کہ میں مہندی کی رسم میں خوش دلی سے شرکت بھی کروں گی۔

''کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے بغیر میں مر جاؤں گی! دل نے راہ سمجھائی۔ نہیں شہری، موت تو اپنے وقت پر ہی آئے گی مگر تم جیسے سفاک کے لئے اب میں کبھی نہیں کڑھوں گی۔'' میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا۔

میں گاتی ہوئی لڑکیوں کے درمیان جا بیٹھی۔ خود ہی دف اٹھا لیا۔ شہری گٹار بجا رہا تھا اس کے دوسرے دوست بقیہ انسٹرومینٹس پلے کر رہے تھے۔ میری آواز سب سے نمایاں تھی۔ اس نے کئی بار چونک کر مجھے دیکھا، مگر میں نے اسے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا۔

دف بجاتے ہوئے میرے ذہن میں صرف یہی خیال تھا کہ آج میری پیاری سہیلی کی مہندی ہے، جس میں مجھے بھرپور طریقے سے شرکت کرنی ہے۔ صفدر کی بہنوں نے بھی مقابلے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ ان کی جانب سے بھی خوبصورت گیت گائے جا رہے تھے۔ تب میں نے سجی سجائی مہندی کی تھالی ہاتھ میں تھام کر نیا گیت شروع کیا۔

میں نے دیکھا کہ شہری کن اکھیوں سے مجھ دیکھ رہا تھا، مگر میں واقعی مست ہو چکی تھی۔ شاید فرجاد کی بات نے اثر کیا تھا۔ میری سریلی آواز نے سب کو دم بخود کر دیا تھا۔ لڑکے والوں کا گروپ محویت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں مائیک تھامے وسط میں کھڑی تھی۔ میرے اطراف لڑکیاں لڈی کر رہی تھیں اور میں سرشاری گا رہی تھی۔

مہندی کہتی ہے یہ حال
بنو لاگا سولھواں سال
ہم سب کا ہے یہی خیال
تجھے اب رخصت کر دیں
خط لکھنا ہم سب کے نام
رستہ دیکھیں گے ہر شام
کب آئے کوئی پیغام
تجھے اب رخصت کر دیں
سب کی تقدیریں
ہاتھ کی لکیریں
ان لکیروں پر بنائے
مہندی تصویریں
تیرے خوابوں کی تعبیر
آ گئے ہے تیری تقدیر
تجھے اب رخصت کر دیں
مہندی کی پہیلی

تو ہی نہیں اکیلی
آج تیری تو کل میری
باری او سہیلی
ہر لڑکی کے یہ سنجوگ
سب کو لگتا ہے یہ روگ
سب کہتے ہیں یہ لوگ
تجھے اب رخصت کر دیں

"ونس مور، ونس مور۔" لڑکیوں کے ساتھ ساتھ تمام مہمان بھی تالیاں بجا رہے تھے۔ میں نے شہری پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ایک ٹک مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے کسی نے اس پر سحر طاری کر دیا ہو۔ ہاں فرجاد کیمرے سے کھٹا کھٹ صرف میری ہی تصویریں اتار رہے تھے۔ جیسے اسی کام کے لئے آئے ہوں۔

"فرجاد بھائی، ریل بچا کر رکھئے، ابھی صفدر بھائی کی بھی تصویریں کھینچنی ہیں۔" ارتقاء باجی نے فرجاد بھائی کی دیوانگی محسوس کر لی تھی۔

"کئی ریلیں ہیں میرے پاس، بے فکر رہو۔" فرجاد نے ہر اینگل سے تصویریں کھینچتے ہوئے بے خودی میں کہا۔

"مووی کا کیمرہ مسلسل میرے ہاتھ چہرے پر تھا، شہری یہ سب دیکھ کر اپنی انگلیاں چٹخا رہا تھا اور مجھے کوفت ہو رہی تھی تپ میں دف وہیں چھوڑ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ جہاں صفدر بھائی کی اماں، مہمانوں کے لئے پان لگا رہی تھی۔ میں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

واپسی پر فرجاد بھائی ڈرائیو کرتے ہوئے سیٹی پر شوخ سے دھن بجا رہے تھے۔

"اللہ کرے مرو۔" میں دانت کچکچا کر دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"کچھ کہہ رہی ہو کیا......؟" باجی نے دھیرے سے پوچھا۔

"آپ لوگ مجھے گھر پر ڈراپ کر دیں۔" میں نے قصداً زور سے کہا۔

"میں کسی کو ڈراپ نہیں کروں گا، سیدھے سب گھر جائیں گے۔" فرجاد نے میری بات سن لی تھی۔

"مگر کیوں......؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"ہر بات کا جواب نہیں دیا جاتا۔" فرجاد ہنسے اور پھر سیٹی بجانے لگے جس کے بول مجھے سلگا رہے تھے۔

"اچھی طرح سے بتا ناں کہ وہاں کیا کیا ہوا۔" فرحین آنکھوں میں نشہ بھر کر پوچھ رہی تھی۔

"سب ٹھیک ٹھاک رہا۔ اچھی طرح سے مہندی کی رسم ہو گئی اور ہم چلے آئے۔" میں نے اپنی ہنسی دبائی۔

"دیکھ ماہم، زیادہ اترانے کی نہیں ہو رہی، صاف صاف بتا دے کہ......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر شرما سی گئی۔ گویا اسے یقین ہو کہ اس کی بات میں سمجھ گئی۔

"یار، صاف صاف تو بتا رہی ہوں کہ بہت اچھا کھانا تھا، لگتا ہے کہ کسی اچھے باورچی سے پکوایا تھا کھانے کے بعد آئس کریم بھی تھی۔ اتنی افراط سے تھی کہ نہ تو بھگدڑ مچی اور نہ ہی صرف میرے ہاتھ آئی۔ سب کو ملی اور خوب ملی کہ مزہ آ گیا۔"

"ماہم کی بچی، میں یہ سب نہیں پوچھ رہی۔" فرحین نے دانت کچکچائے۔

"ہاں گانوں کا تو خوب ہی مقابلہ ہوا۔ ہم نے صفدر بھائی کی تمام بے سری بہنوں کے گروپ کو ہرا دیا۔ یقین نہ آئے تو اپنی مووی دیکھ لینا کہ ہم نے کتنی محنت کی تھی۔ جو بالآخر سارا ہو گئی۔"

"افوہ! میں یہ کب پوچھ رہی ہوں!" وہ اپنی بے تابیوں کو دبا کر بولی۔

"ارے گا گا کر حلق سوکھ گیا۔ اب وہاں کی تمام کہانیاں دو دن بعد اپنے میاں صاحب سے خود ہی پوچھ لینا۔ میں تو تھک گئی۔ فرجاد بھائی گھر ڈراپ کر دیتے تو چین سے گھر میں ہوتی۔"

"اچھا، اب تم سوؤ گی......" فرحین نے آنکھیں نکالیں۔

"اور کیا، اتنی رات ہو گئی ہے! یہ مہندی کی رسمیں تو ہلکان کر کے رکھ دیتی ہیں۔ خبردار جواب کوئی بات پوچھی جو بات کرنی ہے صبح ناشتے کے بعد کرنا۔" میں نے اپنی ہنسی چھپا کر اے سی فل اسپیڈ پر کیا اور پیٹھ موڑ کر لیٹ گئی۔

"دیکھ، ماہم سچ سچ بتا دے ورنہ لگا دوں گی ایک ہاتھ۔" فرحین نے میرے سر کے نیچے سے تکیہ چھین لیا۔

"کیا سننا چاہتی ہو؟" میں نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا کہ صاف صاف بتاؤ......

"وہ کیسے لگ رہے تھے؟" آنکھیں جھکائے جھکائے پوچھا گیا۔

"چپڑ قناتی سے بالوں میں تیل بہائے، آنکھوں میں کاجل لگائے اپنی بہنوں کے ساتھ ڈھولک بجاتے ہوئے پنڈال میں داخل ہوئے اور آتے ہی بڑی چچی کی دلہن سے لال دوپٹہ چھین کر اوڑھ لیا۔ ایسا شاندار ڈانس کیا کہ ہنستے ہنستے سب کا برا حال ہو گیا۔ مگر وہ خوب لہک لہک کر گا رہے تھے۔

گھونگھٹ نکالوں کہ گھونگٹ اٹھالوں
سیاں جی کا کہنا میں مانوں کہ ٹالوں

"دیکھ ماہم، بکواس کرنے کو نہیں کہا، میں نے تم سے......" فرحین اپنی ہنسی روک کر کھسیا کر بولی۔

"ارے وہ تو بہت شاندار شخصیت کے حامل ہیں۔ اپنی ڈگریاں ہاتھوں میں سمیٹ کر، گاؤن پہنے ہال میں آئے اور آتے ہی انگریزی میں تقریر کر دی جو خواتین میں تو کسی کے پلے نہیں پڑی۔ ہاں لڑکے سمجھ گئے تھے مگر سب الگ الگ سمجھے۔"

"ماہم کی بچی، یہ تو میری دوست ہے کہ مسلسل مجھے کلسائے جا رہی ہے۔ جب تیری باری آئے گی ناں، تب دیکھوں گی۔ فرحین نے ایک تکیہ کھینچ کر مارا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

"بس، ہار گئیں! اتنی ہمت ہے تمہاری!" میں نے اسے گدگدایا۔

"ہاں، نہیں ہے میرا حوصلہ تمہارے اور شہری کی طرح، جو ایک جان دو قالب ہوتے ہوئے بھی الگ الگ روش پر چل رہے ہو۔"

"ارے شہری کا کیا ذکر لے بیٹھی ہو، اپنی سنو، صفدر بھائی واقعی بہت اچھے لگ رہے تھے۔ آف وائٹ کرتے شلوار میں ہمیشہ سے زیادہ سوبر۔ ان کی آنکھوں میں شاید تیری ہی تصویر تھی، جب ہی آنکھیں خوب جگمگا رہی تھیں۔"

''مہندی لگائی انہوں نے کیا دی؟'' فرحین نے پوچھا۔

''میں نے ایک ہزار مانگی تھی مگر انہوں نے تو پورا پرس ہی میرے ہاتھ میں دے دیا۔ یار، شادی کے بعد ان کا پرس اپنے پاس رکھا کرنا، وہ تو بڑے دیالو ہیں۔''

''ہاں واقعی ان کا دل بہت بڑا ہے۔ میں رخصتی سے قبل ہی مطلقہ ہونے کا اعزاز لئے بیٹھی تھی۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی انہوں نے مجھ سے عقد کرنا منظور کیا۔'' فرحین کے لہجے میں ستائش تھی۔

''صفدر بھائی واقعی گریٹ پرسنالٹی ہیں جن کے دل میں سب کے لئے محبتیں ہی محبتیں ہیں۔'' میرا رواں رواں اعتراف کر رہا تھا۔

''اور کوئی خاص بات۔'' فرحین کرید رہی تھی۔

''خوشی میں باتیں کہاں سوجھتی ہیں! انسان اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔ یہی حال صفدر بھائی کا تھا۔ انکے چہرے سے سرشاری چھلکی پڑ رہی تھی۔ انہیں یاد تھی تو صرف یہی بات یاد تھی کہ فرحین کا کھانا یاد سے لے جایئے گا۔ میں نے پیک کروا دیا ہے۔'' میں نے ہنس کر بتایا۔

''مجھے فون بھی کر دیا تھا کہ کھانا پہلے سے مت کھا لینا، اپنی مہندی کا کھانا میں بھجوا رہا ہوں۔'' فرحین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''تم نے کہہ دیا ہوگا کہ میں جلدی کھانے کی عادی ہوں۔ رات ایک بجے تک بھوکی نہیں رہ سکتی۔''

''ہاں، یہی کہا تھا۔ میں نے، ایمان سے۔'' فرحین ہنسی۔

''پھر کیا فرمایا موصوف نے؟''

''یہی کہ ساتھ کیوں نہیں آئیں، جس کی مہندی ہو، اس کو تو کم از کم آنا چاہیے۔ تمہارے لئے گیت گائے جا رہے ہیں اور تم اپنے گھر میں چھپی بیٹھی ہو۔''

''آپ نے فرما دیا ہوگا کہ ارتقاء بھابھی ساتھ لے کر نہیں آئیں ورنہ میں تو آ رہی تھی، گاڑی تک میں بیٹھ گئی تھی۔ گھر والوں نے زبردستی گھر میں چھوڑا ہے، بلکہ کمرے سے باہر تالا لگا کر آئے ہیں۔''

''اپنی باتیں مت کرو، یہ سب تمہارے ساتھ ہوگا۔ جب شہری فون پر کہے گا، ماموں کا گھر ہے، اپنا ہی گھر ہے۔ آ جاؤ مل کر گائیں گے پھر دیکھوں گی؟''

''دیکھو بور مت کرو، صاف صاف بتاؤ کہ تم نے کیا کہا تھا۔'' میں نے اپنی سفید پڑتی ہوئی رنگت پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا۔

''کہتی کیا، بس یہی کہہ دیا کہ اکٹھی ہی آؤں گی۔ آپ کہتے ہیں تو کھانے کا انتظار کر لیتی ہوں۔''

''جب ہی مر بھکوں کی طرح کھایا ہے میں نے کھانا لا کر رکھا اور محترمہ ٹوٹ پڑیں۔''

''کیوں نہ کھاتی! آخر انہوں نے بھیجا تھا بڑے پیار کے ساتھ۔'' فرحین اترائی۔

♥ ♥ ♥

''اللہ کیا واقعی؟'' میں خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔

''ہاں، ماہم میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فزیکل تھراپی کے اتنے بہتر نتائج سامنے آئیں گے کہ مجھے انگلینڈ جانے کی ضرورت پیش ہی نہیں آئے گی۔ خدا کا ہزار ہا احسان ہے کہ ٹانگ بالکل صحیح ہو گئی ہے نہ صرف غیر متوازن چال ٹھیک ہو گئی ہے بلکہ ڈاکٹرز کے پورے پینل نے کہہ دیا ہے کہ اب میں پہلے کی طرح دوڑ سکتا ہوں اور اپنی ٹیم جوائن کر سکتا ہوں۔'' ضمیر بھائی کے لہجے میں گلاب سے کھل رہے تھے۔

''واقعی، اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ اس نے کتنی بڑی خوشی دکھائی ہے۔'' میں خوشی سے سرشار تھی۔

''ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے مگر بندہ نہیں سمجھتا۔ اس حادثے کے طفیل اللہ تعالیٰ کو مجھے تانیا سے بچانا تھا، ورنہ حادثہ اگر شادی کے بعد ہوتا اور تانیا مجھے چھوڑ کر چلی جاتی تو یقیناً مجھے اس کا دکھ زیادہ ہوتا۔''

''یہ بھی اچھا تھا کہ آپ جلد صحت مند ہو گئے۔ تانیا کی ابھی کہیں شادی بھی نہیں ہوئی، وہ آپ کو صحت مند دیکھ کر یقیناً رجوع کرے گی۔'' یہ بات میں نے ضمیر بھائی کی خوشی کے لئے کہی کیونکہ خوشی مجھے احساس تھا کہ تانیا سے ان کا ناتا محبت کا تھا جو اتنی آسانی سے ٹوٹنے والا نہیں تھا۔

''نہیں ماہم، اب ایسا نہیں ہو سکتا، جو معاملہ ختم ہو گیا، اسے ختم ہی سمجھو۔ آزمائے ہوئے کو آزمانا کوئی عقل مندی نہیں ہوتی۔'' ضمیر بھائی کے لہجے میں دکھ عود کر آئے تھے۔

''محبت کرنے والوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ تانیہ آپ کی محبت ہے، آپ اس کو معاف کر دیجئے گا۔'' میں نے رائے دی۔

''محبت اور مکاری میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ میں نے تو واقعی محبت کی تھی مگر اس کے انداز مکاری کے تھے اور اگر اس نے بھی محبت کی تھی تو محبت میں غلطیاں معاف کی جا سکتی ہیں مگر کمینگیاں نہیں۔ اب آئندہ اس کا نام میرے سامنے مت لینا۔ نفرت ہے ایسی لڑکی سے مجھے جو ابن الوقت ہو۔'' ضمیر بھائی نے نفرت سے کہا اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

اگلے دن تمام اخبارات میں یہ خبر شہ سرخی کے ساتھ شائع ہوئی کہ ممتاز بیٹس مین ضمیر احمد روبہ صحت ہیں اور اپنی ٹیم جوائن کر رہے ہیں۔ خبر کا لگنا تھا کہ وہ دوست جو کنی کترانے لگے تھے، وہ پھولوں اور مٹھائیوں کے ساتھ گھر پر آنے لگے۔

''یار، مصروفیت کے سبب تم سے رابطہ منقطع رہا مگر ہم تو تمہیں بھولے ہرگز نہیں تھے۔'' وہ وضاحتیں کر رہے تھے اور ضمیر بھائی اپنی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اذیتیں پی رہے تھے جو دوستوں کی بے اعتنائیوں پر انہیں محسوس ہوئی تھیں۔

اور پھر بہت جلد ہی کیپٹن کی جانب سے بلاوا آ گیا کہ نیٹ پریکٹس کے لئے آ جاؤ۔ وہ دن بہت پُرمسرت تھا جس صبح بھائی نیٹ پریکٹس کے لئے گئے۔ ان کی شوخیاں، شرارتیں، سب لوٹ آئی تھیں اور وہ پہلے ہی جیسے بن گئے تھے۔ ہنس مکھ اور زندہ دل سے۔ ایک شام وہ شاور لے کر گنگناتے لہجے میں اپنی پریکٹس کی دلچسپ باتیں بتا ہی رہے تھے کہ تانیا کا فون آ گیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ فون ضمیر بھائی نے ہی ریسیو کیا تھا۔

''کون تانیا؟ میں نہیں پہچانتا۔'' وہ برہم سے لہجے میں بولے۔ میں قصداً ان کے سامنے سے ہٹ گئی مگر اندر آ کر دوسرے سیٹ کا ریسیور اٹھا لیا۔ جاننا چاہ رہی تھی کہ تانیا بیگم کتنے پانی میں ہیں۔

''ہنی! اپنی ناراضگی ختم کرو اور فوراً میرے پاس آ جاؤ۔ تمہیں کیا معلوم کہ میں نے تمہارے لئے کتنی دُعائیں مانگی ہیں جب ہی تو تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو۔'' (لاڈ سے کہا گیا)

''تانیا، میں تمہیں خوب پہچان گیا ہوں۔ غلطی شاید میری ہی تھی جو تمہیں اپنا آئیڈیل سمجھ کر پوجنے لگا ور آخر منہ کی کھائی۔ ٹانگ ٹوٹتے ہی تم نے مجھ سے یوں ناتا توڑ لیا جیسے میں کوئی آسیب ہوں۔'' ضمیر بھائی کے لہجے میں زہر گھل رہا تھا۔

''ضمیر، میں ایک مشرقی لڑکی ہوں، یہ تو سوچو میں کس طرح اسپتال آ کر تمہاری دلداریاں کر سکتی تھی۔ آخر شرم بھی کوئی چیز ہے۔'' تانیا مکاری کی حدوں کو چھو رہی تھی۔

''ہاں، تانی، تم ٹھیک کہتی ہو، تم جیسی مشرقی لڑکی کے بہت سے مسائل ہوتے ہیں۔ ہاں، راشد تو ٹھیک

ہے یا اس کے ساتھ بھی کوئی حادثہ رونما ہو گیا ہے جو تم نے اس وقت مجھے یاد کیا؟" ضمیر بھائی تمسخر سے کہہ رہے تھے۔

"کون راشد!" ڈھٹائی کی حد تھی۔

"وہی راشد جو ہاکی کی ٹیم میں سینٹر فارورڈ کی حیثیت سے کھیلتا ہے۔ برطانیہ کے ساتھ کھیلے گئے افتتاحی میچ کا واحد گول راشد نے ہی کیا تھا جس کی واہ واہ ہر جگہ ہو رہی ہے" ضمیر بھائی نے فخر سے بتایا۔

"ہوں! ہو گا کبھی وہ کھلاڑی، اب تو بھرتی کا بندہ رہ گیا ہے۔ حالیہ ٹورنامنٹ میں اس نے کم از کم سات ایسے چانس کھوئے جن پر بہ آسانی گول ہو سکتا تھا اور اس کی ناقص کارکردگی کو دیکھتے ہوئے میچ کے پچاسویں منٹ پر اس کو تبدیل کر دیا گیا۔ آسٹریلیا کے ساتھ جب میچ ہوا تو صرف راشد کی وجہ سے پانچ پینلٹی کارنر ضائع ہوئے۔ پپا بتا رہے تھے کہ اس کا وزن اتنی تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ مشکل ہی ہے جو آئندہ اسے کسی ٹورنامنٹ میں شامل کیا جائے۔" تانیا نے تنک کر معلومات پہنچائیں۔

"اوہ، بات یہ ہے کہ راشد آپ کی نظروں سے اتر گیا، ورنہ میری اطلاع کے مطابق تو آپ اس کے نام کی انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن چکی تھیں۔ بہر حال میں اسے بھی خوش قسمت سمجھوں گا جو آپ کی نظروں سے گر گیا۔" ضمیر بھائی ہنسے۔

"ضمیر، میں نے دوستی کے لئے فون کیا ہے اور تم مسلسل جلی کٹی سنا رہے ہو، پرانی باتیں بھول کر آج کا ڈنر ہمارے ساتھ کرو۔ پپا بھی تمہیں یاد کر رہے ہیں۔"

"میں ضرور آتا اگر میرے پاس فرصت ہوتی۔ میری مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ مشکل ہے کبھی وقت مل سکے۔ آئندہ فون کرنے کی زحمت نہ کرنا۔ خدا حافظ۔" ضمیر بھائی نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اب شاید ان میں اتنی برداشت نہیں رہی تھی کہ تانیا کی بکواس کا جواب دیتے رہتے۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تانیا تو نادم تھی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میں بول اٹھی۔

"ماہم، جب اعتبار کھو جائے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ اب میں اس وقت کے انتظار میں رہوں گا کہ میرا اعتبار بحال ہو جائے اور جب ایسا ہو جائے تب ہی میں کسی لڑکی کے ساتھ انسپائر ہو سکوں گا۔" فی الحال تو میرا کسی بھی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ ابا جان کو کتنا ارمان ہے آپ کی شادی کا۔" ایسی باتیں اگر ان کے کانوں میں پڑ گئیں تو انجام جانتے ہیں؟" میں نے ہنس کر کہا۔

یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ وہ دور تھے اور ان کے کانوں میں وہ کچھ نہیں پڑا جو ہم سے زیادہ آتشیں تھا جب وہ آئیں گے تب دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو میں بھارت جانے کی تیاریاں کر رہا ہوں میچ کے سلسلے میں۔"

❤ ❤ ❤

"میں سچ کہہ رہا ہوں بھابی، آپ سے، میں نے بغور جائزہ لیا ہے۔" فرجاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"بظاہر تو ایسا نہیں لگتا۔ وہ ہنستی مسکراتی نظر آتی ہے۔" ارتقاء کا لہجہ مغموم ہو گیا۔ یوں بھی ان دنوں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں چل رہی تھی۔

"ماہم، ذہنی طور پر خاصی ڈسٹرب ہے۔ آپ تو بہن ہیں، اس سے پوچھئے کہ کیا بات ہے؟ وہ اتنی الجھی الجھی کیوں نظر آتی ہے؟ پل میں کچھ اور پل میں کچھ۔ کبھی یوں بے نیازی، جیسے اسے کسی کی بھی پرواہ نہ ہو اور کبھی یوں پریشان جیسے کچھ چھن جانے کا خوف ہو۔" فرجاد ٹھہر ٹھہر کر ماہم کے بارے میں سنجیدگی سے بتا رہے تھے۔

"وہ تو مجھے کچھ بھی نہیں بتاتی، بتاؤ میں کیا کروں؟" ارتقاء زچ سی ہو گئیں۔

"آپ اس کے پاس جا کر خود اندازہ لگائیے اور اس کے ڈپریشن کو ختم کرنے کی سعی کیجئے۔"

"میں طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اس کے پاس نہیں جا پا رہی اور وہ خود فرحین کی شادی کے بعد سے کہاں آئی ہے۔" ارتقاء کے لہجے میں تاسف گھل گیا۔

"فرحین کی شادی کی تقریبات میں بھی وہ بوجھل دل سے شریک ہوئی تھیں میں تو ابھی تک حیران ہوں کہ مہندی کے دن انہوں نے گانا کیسے گا لیا، ورنہ وہ تو مہندی کی تھالی پکڑنے تک میں پس و پیش کر رہی تھیں۔" فرجاد نے بتایا۔

"یہ امریکا سے گھوم آئے تو ابا جان سے کہوں گی کہ ماہم کی شادی کر دیں۔ دو چار اچھے رشتے ہیں اس کے لئے میری نظر میں، ان میں سے ہی کسی کا انتخاب کیا جائے گا۔" باجی نے خوش دلی سے کہا۔

"بھابی، بصرف شادی ہونا، ڈپریشن کا علاج نہیں ہے۔ ماہم بے حد ٹیلینٹڈ اور پیاری لڑکی ہے، میری خواہش تھی کہ وہ اپنے تمام تفکرات سے نجات حاصل کر لے۔" فرجاد کا لہجہ بدستور سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

"تم مانو یا نہ مانو مگر شادی بہر حال ان لڑکیوں کے لئے بہترین علاج ہے جو اپنے خود ساختہ مسائل میں اپنے آپ کو الجھا لیتی ہیں۔ شادی ہو جاتی ہے تو وہ سب کچھ بھول بھال کر نئے رشتوں اور نئے راستوں پر سفر شروع کر دیتی ہیں۔ ماہم چوں کہ اکیلی رہ رہی ہے اس لئے الجھی الجھی سی ہے۔"

دعوت خاصی بڑی تھی۔ ارتقاء باجی کمال بھائی کے ساتھ فرجاد بھی آئے ہوئے تھے۔ ضمیر بھائی نے ماموں جان کو بھی فون کر دیا تھا سو ممانی بھی موجود تھیں مگر شہری غائب تھا، ماموں جان کا خیال تھا کہ وہ دیر سے آئے گا۔ آج کی یہ دعوت صفدر بھائی اور فرحین کے اعزاز میں تھی۔ صفدر کا پورا گھرانا بھی موجود تھا۔ فرحین آف وائٹ غرارے میں بہت پیاری لگ رہی تھی اور صفدر بھی آف وائٹ سوٹ میں بہت پروقار سے لگ رہے تھے انکی پرشوق نظریں، فرحین کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

فرجاد کی گفتگو ضمیر بھائی سے ہو رہی تھی، وہ اپنی اکیڈمی کے پروگرام ان سے ڈسکس کر رہے تھے۔

فرجاد بتا رہے تھے کہ "امریکا سے پاکستانی بچوں کو ایک گروپ اگلے ماہ پاکستان آ رہا ہے۔ ہماری اکیڈمی ان بچوں کو نہ صرف پاکستان کی سیر کرائے گی، بلکہ علاقے کے توسط سے انہیں پاکستان کے بارے میں معلومات بھی بہم پہنچائے گی۔ بچوں کے آنے جانے کا خرچہ ادارۂ سیاحت نے اپنے ذمے لیا ہے جب کہ سیر و تفریح اور ان کی رہائش گاہ کی ذمے داری اکیڈمی کی جانب سے ہے۔ اس سلسلے میں بھی مختلف ادارے اسپانسر کر رہے ہیں۔"

"ارے بھیا جب ان بچوں کو پاکستان میں رہنا ہی نہیں تو ان کو پاکستان کی سیر و تفریح کرانے کا فائدہ؟ وہ تو عادی ہوں گے امریکا کی شاندار جگہوں پر گھومنے پھرنے کے یہاں آ کر تو وہ بور ہی ہو رہی ہوں گے۔"

صفدر کی اماں نے فرجاد کی باتیں سن کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ کی بات بھی کسی حد تک درست ہو مگر میرا یہ خیال ہے، جب وہ بچے اپنے والدین کی سرزمین دیکھیں گے تو یقیناً انہیں اس سے محبت بھی ہو گی۔ یہاں کے مسائل کا اندازہ بھی ہو گا۔ ہم انہیں یہ باور کرائیں گے کہ جب وہ پڑھ لکھ لیں تو اپنے وطن واپس آئیں کیوں کہ اس ملک کو ان کی بے حد ضرورت ہو گی۔ شاید ان معصوم ذہنوں میں یہ بات ان کا مقصد حیات بن جائے کہ انہیں اپنے وطن کیلئے کچھ کرنا ہے، جس کو حاصل کرنے میں، ان کے آبا و اجداد کی قربانیاں شامل ہیں۔"

"ارے، جب ان کے اماں باوا ہی پاکستان آنے پر تیار نہیں ہوں گے تو بچے بڑے ہو کر کیوں کر آئیں گے۔" صفدر کی اماں بدستور اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

''ایسا نہ کہیے خالہ جان، بندہ بے شک جہاں دل چاہے رہ لے، مگر اپنا ملک اور اپنی شناخت بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ لاکھ ہم لوگ گرین کارڈ یا وہاں کی نیشنلٹی حاصل کر لیں، مگر وہاں دو نمبر کے شہری کہلاتے ہیں۔ اوّلیت وہ اپنے امریکن سٹیزن کو دیتے ہیں، غیر ملکیوں کو ہرگز نہیں دیتے۔''

''ارے، جب یہاں کے لوگوں کو، امریکا جا کر، خوب سہولتیں ملتی ہیں تو وہ اپنے غریب ملک کو کیوں یاد کریں گے! یہاں کے مسائل پر کیوں پریشان ہوں گے!''

''اللہ سب کو بُرے وقت اور بُرے حالات سے بچائے رکھے ورنہ سب نے دیکھ ہی لیا کہ بش اور صدام حسین کے ٹکراؤ سے خلیجی ریاستوں میں بسنے والے کتنے پاکستانی صرف تن کے کپڑوں میں پاکستان آئے، اور ان لٹے پٹے مفلوک الحال پاکستانیوں کو ان کے وطن نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ تب بہت سے لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ بے شک وہ ملازمت یا تعلیم کی غرض سے کہیں بھی رہیں، مگر اپنے ملک سے اپنا رابطہ ہمیشہ رکھیں گے کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے اور ہماری عافیت بھی' ویسے بھی بے شناخت آدمی کی کوئی اوقات نہیں ہوتی۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں فرجاد، ان کی اکیڈمی انشاء اللہ وہ کام کر دکھائے گی جس کا ثمر ہماری سرزمین کو ضرور ملے گا کہ نیک نیّتی سے کیے جانے والے کام کا اللہ تعالیٰ اجر ضرور دیتا ہے۔'' صفدر بھائی نے فرجاد کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''کیا خیال ہے، بچوں کو سیر کرانے کے لئے تم اور فرحین بطور گائیڈ چلے جاؤ یوں تمہاری بھی سیر ہو جائے گی۔'' فرجاد نے صفدر سے کہا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اچھا ہے، ہمارا پہلا سفر کسی نیک کام کے حوالے سے ہو۔'' صفدر نے مسکرا کر کہا۔

''ہمارے ساتھ اگر ماہم بھی چلے تو مزہ آئے گا۔'' فرحین نے خاموش بیٹھی ماہم کو ٹہوکا دے کر کہا۔

''ناں ناں، میں تم دونوں کے ساتھ بھلا کیوں جانے لگی کہ بچوں کو کمرے میں بند کر کے تم دونوں ہواؤں اور دریاؤں سے خطاب کرنے چل دو، اور میں اکیلی پڑی بور ہوتی رہوں۔'' ماہم نے شرارت سے دھیمے لہجے میں فرحین سے کہا۔

''ایسا سمجھ رکھا ہے تم نے ہمیں۔'' فرحین شرم سے سرخ ہو گئی۔

''کیا کہہ رہی ہیں ماہم؟'' فرجاد نے فرحین سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس یوں ہی مذاق کر رہی تھی۔'' میں گڑبڑا سی گئی۔

''بتا دوں ماہم کہ......؟'' جملہ ادھورا چھوڑ کر فرحین نے شرارت سے آنکھیں دکھائیں کہ تمہیں چلنا پڑے گا۔

''ہاں، ہاں بتا دو کہ میں تم لوگوں کے ساتھ جا رہی ہوں۔'' سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میری رضامندی پر فرجاد خوش نظر آ رہے تھے۔

''جب شہری آیا تو بڑے دلچسپ ماحول میں کھانا کھایا جا رہا تھا۔ صفدر کی اماں کھانے کے دوران کوئی نہ کوئی شگوفہ چھوڑ رہی تھیں اور میں نہ جانے کیوں مسلسل ہنسے چلی جا رہی تھی کہ شاید ان کی باتیں ہی دلچسپ تھیں، سب ہی مسکرا رہے تھے۔

شہری نے سرزنش کرتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا، جیسے میرا ہنسنا اسے ناگوار گزر رہا ہو اس کی نظریں باجی نے بھی محسوس کر لیں۔

''کیا تم مجھے ہنستا ہوا دیکھ بھی نہیں سکتے؟'' یک بارگی میں نے سوچا اور پھر صفدر کی اماں سے مخاطب ہو

تے ہوئے بولی۔ ''ہاں چچی، آپ کیا بتا رہی تھیں کہ صفدر بھائی کے لئے جب آپ لڑکی دیکھنے گئیں تو شادی شدہ لڑکی پسند کر آئیں۔'' میں نے بات کا تسلسل وہیں سے جوڑا جس پر میں ہنس رہی تھی۔

''ہاں بھئی، جب آنکھیں پٹ ہوں گی تو ایسے ہی کام ہوں گے۔ ثریا (بیٹی) بے چاری لاکھ اشارے کرتی رہی کہ فیروزی دوپٹے والی اصل لڑکی ہے، مگر ہم نیلے سوٹ والی لڑکی یعنی اس کی بڑی بہن کے گلے لگ گئے کہ جلدی سے ہمارے گھر آ کر روشنی کر دو۔ وہ بے چاری بدحواس ہو گئی اور لگی اپنے چاروں بچوں کو آوازیں دینے کہ خالہ کو پانی پلاؤ۔''

''پھر فیروزی ڈوپٹے والی کو بھی دیکھا یا نہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے پوچھا اور شہری کی نظریں آتشیں ہو گئیں اس نے ناگواری سے باجی کو دیکھا کہ اسے کچھ سمجھاؤ۔

''ناں بھئی، مجھے اچھی نہیں لگی، تھی تو چھوٹی مگر بڑی لگ رہی تھی۔ اس سے اچھی تو بڑی تھی۔'' چچی نے ہنس کر کہا۔

''خالہ جان، پھر آپ بڑی سے کر لیتیں چار بچے بھی پلے پلائے مل جاتے، جو آتے ہی دادی دادی کر کے آپ کے گلے میں جھول جاتے۔'' فرجاد نے شوشہ چھوڑا۔ میں پھر کھلکھلائی، باجی نے میرے پاؤں پر اپنا پیر رکھا کہ چپ ہو جاؤ مگر میں تو دل بھر کر ہنسنا چاہتی تھی چنانچہ اتنا ہنسی کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اے ہٹو کیوں کر لیتی! میرے بیٹے کی قسمت میں تو فرحین جیسی شہزادی تھی۔ جب ہی تو یہ سلسلہ اٹک اٹک کر چل رہا تھا۔ یہ رشتے تو آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔ جو پلو سے بندھی ہوئی ہو وہی ملتی ہے خدا کا احسان ہے کہ جیسی میں چاہتی تھی ویسی ہی دلہن اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔'' چچی فرحین کو محبت سے دیکھ رہی تھیں اور میں اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ صرف صفدر تھے جو انتہائی ترحم سے مجھے دیکھ رہے تھے یا شاید وہ میرے دل کے حال سے واقف تھے۔

''ماہم، جاؤ اچھی طرح سے کافی بنا کر لاؤ بہت دن ہو گئے، تمہارے ہاتھ کی کافی پیئے ہوئے۔'' صفدر بھائی نے مجھ وہاں سے اٹھانا مناسب سمجھا۔

میں نے تشکر بھری نظروں سے صفدر کو دیکھا میرے لئے وہاں بیٹھنا واقعی مشکل ہو رہا تھا۔ میں تیزی سے باورچی خانے میں آئی اور برسات ہو گئی۔

کیا ہوا چھوٹی بی بی؟'' مجیدن حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی کہ ابھی چند منٹ پہلے ڈائننگ ٹیبل پر میرے قہقہے رکنے میں نہیں آ رہے تھے اور اب میں یوں بلک بلک کر رو رہی تھی کہ نہ جانے کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے۔ تم کافی بنا کر سب کو دے دو۔'' میں نے اپنے کمرے کی جانب جاتے ہوئے کہا۔ سب مہمانوں کے ہنسنے کی آوازیں میرے کمرے تک پہنچ رہی تھیں مگر میرا ذہن شاید سن ہو گیا تھا کوئی بھی بات سوچنے یا سمجھنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ تب تکیے میں منہ چھپا کر میں، نے اپنی آنکھیں موند لیں کہ ایک عرصے سے یہی میری پناہ گاہ تھا۔

♥ ♥ ♥

''وکیل صاحب، پہلے آپ میری فائل دیکھ لیجئے اور پھر مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں۔'' شہری نے فائل فرجاد کے سامنے رکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''یار، میں تو ڈاکٹر ہوں، وکیل کیوں کہہ رہے ہو؟'' فرجاد مسکرائے۔

''دونوں صورتوں میں کیس ہی نمٹاتے ہو ناں، مگر میرے لئے تو ڈاکٹر سے زیادہ ایک وکیل بھی ثابت ہوئے کہ تمہارے مدلل خیالات دل کو لگتے ہیں۔''

''نہیں یار، مریض تو تم بھی ہو، یہ دوسری بات ہے کہ مریضِ عشق ہو، اس لئے تعلق ہارٹ سے ہی ہے اور میں ہارٹ اسپیشلسٹ ہوں اس لئے صحیح جگہ انگلی رکھ دی ہے۔''

''کچھ بھی کہو مگر میرا کیس تو نمٹاؤ۔'' شہری شوخی سے بولا۔

''صاحب زادے، دھیرج رکھو، یہ دل کے معاملے ہیں۔ آہستہ آہستہ ہی طے ہوتے ہیں اتنی جلدی نہیں، پہلے جب میں نے سمجھایا تھا تو تنگ کر آ گئے تھے اور اب......'' فرجاد جملہ چھوڑ کر ہنسے۔

''فرجاد، پہلے میرا اعتبار ختم ہو گیا تھا میں کوئی فلمی لڑکا تو تھا نہیں جو بے اعتباری کی چوٹ بھول جاتا، مگر اب ایسا نہیں ہے۔ دیکھو ذرا ان خطوط کو۔ ان میں سے ایک خط آصف نے ماہم کو لکھا ہے باقی سب ماہم کی جانب سے جوابات ہیں۔ جنہیں میں فائل میں لگا کر لایا ہوں۔''

''اوہ مائی گاڈ! ایک خط کے اتنے سارے جوابات!'' فرجاد نے خطوط کا پورا بنڈل سا دیکھ کر کہا۔

''ہاں، مگر یہ خطوط ہیں جو پوسٹ نہیں کئے گئے۔'' صرف لکھ کر دل کی بھڑاس نکالی گئی ہے۔ اور ان خطوط کو پڑھ کر میرا دل ماہم کی جانب سے شیشے کی طرح صاف ہو گیا ہے۔''

''گویا جو تم اس کو سمجھے بیٹھے تھے وہ، وہ نہیں ہے۔'' فرجاد نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں یار، کچھ ایسا ہی ہے۔'' شہری نے اپنے ہاتھ مروڑے۔

''اور جب میں نے اور صفدر نے تمہیں سمجھایا تھا کہ ماہم ایک آئیڈیل لڑکی ہے، اس وقت جناب اچھل اچھل کر لڑنے آ رہے تھے۔''

''میں یقین کی منزلیں خود طے کرنا چاہتا تھا۔ دوسروں کے مشاہدات اور ان کے تجربات سے میں نے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ میں زندگی کو اپنی نظر سے دیکھنے کا قائل ہوں۔''

''پھر بھی دوستوں کے مشوروں پر عمل کر ہی لیا کرتے ہیں۔ خود بھی تکلیف اٹھائی اور اسے بھی پریشان رکھا، جانتے ہو وہ اس وقت ایکسٹریم ڈیپریشن کا شکار ہے، ایسی صورت میں، دماغ کی رگ پھٹ سکتی ہے۔ ہارٹ کولیپس ہو سکتا ہے۔'' فرجاد نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں، یار، تمہاری ساری باتیں درست ہیں مگر یہ خطوط ان کو پڑھ کر میں اپنا حوصلہ کھو رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے مخاطب کروں تو کس طرح کروں؟ اسے سب سے چھپا کر رکھوں تو کہاں رکھوں اور کیوں کر رکھوں! فرجاد یقین کرو اب میری یہی خواہش ہے کہ اس پر میرے سوا کسی کی نظر نہ پڑے میرے سوا اسے کوئی نظر بھر کر دیکھے بھی نہیں۔'' شہری کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''پاگل ہونے کی ضرورت نہیں ہے کوئی بھی رویہ شدت اختیار کر لے وہ درست نہیں ہوتا۔ اعتدال کی راہ اپناؤ کہ یہی ہماری مذہب کی بھی تعلیم ہے وہ بہت پیاری لڑکی ہے مان جائے گی مگر یہ بتاؤ کہ تم نے نک ویلویٹ کی طرح یہ خطوط کی چوری کیوں کر کی؟ بظاہر تو نہیں لگتا کہ تم ایسے کام بھی کرتے ہو گے۔ آئندہ اپنی قیمتی دستاویزات تم سے چھپا کر رکھنی پڑیں گی۔'' فرجاد نے شہری کی سنجیدگی کو توڑنے کے لئے کہا۔

''ایک شام، جب میں ضمیر بھائی سے ملنے گیا تو ماہم لاؤنج میں غصے سے ٹہل رہی تھی اور پیپر باسکٹ میں لکھ لکھ کر گولیاں ڈال رہی تھی۔ وہ اپنے آپ میں اتنی مگن تھی کہ اس نے مجھے داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے مجیدن سے آہستگی سے پوچھا۔

''پتا نہیں صاحب، چھوٹی بی بی کو کیا ہو گیا ہے۔ کوئی صاحب ایک خط دے گئے تھے اس کو پڑھ کر لگتا ہے، دماغ خراب ہو گیا ہے چار گھنٹے ہو گئے ہیں مسلسل بڑبڑائے جا رہی ہیں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا، تم چائے بنا کر بی بی کو پلاؤ اور کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے لگتا ہے کہ سر میں درد

ہوگا۔'' میں نے مجیدن کی نظروں سے بچا کر ایک نائیلون کی تھیلی میں وہ تمام چرمرے خطوط اکٹھے کئے اور گھر کی راہ لی۔ آج پندرہ دن ہو گئے ان خطوط کو پڑھتے ہوئے۔ روز پڑھتا ہوں اور سر گھوم کر رہ جاتا ہے دل چاہتا ہے کہ ماہم کو منانے سے پہلے آصف کو قتل کر دوں کہ یہ ساری پریشانیاں اسی کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ تم بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو۔'' شہری نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''میرے دوست، جذباتی مت بنو، یہ مسئلے جلد بازی سے حل ہونے والے نہیں ہیں۔ آصف کو قتل کرنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اس ٹائپ کے لوگ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ مسئلے کا حل صرف یہی ہے کہ اس ٹائپ کے لوگوں سے بچ کر رہا جائے۔ ان کے ہتھکنڈوں میں نہ آیا جائے، پیار و محبت کے ڈائیلاگ ان کا ہتھیار ہوتے ہیں اور عاشقی ان کا بزنس، خدا کا شکر ہے کہ ماہم آصف کے شکنجے میں نہیں آئی، جب ہی تو اس نے دوسری بساط بچھائی کہ معافیاں مانگ کر اور تمہاری ناراضگی کا فائدہ اٹھا کر اسے حاصل کر لیا جائے، مگر آفرین ہے ماہم کی ذہانت پر کہ اس نے آصف کی خباثت دیکھ لی تھی۔ اس لئے اس نے اس پر اعتبار ہی نہیں کیا۔ ماہم کے خطوط پڑھ کر اس کی ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ ہو رہا ہے۔''

''مگر اب مجھ سے قطعی برداشت نہیں ہو رہا۔ اس کمینے کی یہ ہمت کہ پچاس لاکھ روپے تاوان کے دینے کے بہانے ماہم کو ہوٹل میں بلائے، وہ تو احسان ہے صفدر بھائی کا کہ اس بھیڑیئے سے میری ماہم کو انہوں نے بچایا، وہ بے چارے تو اپنے لبوں پر یہ بات بھی نہ لاتے، مگر جب میں نے یہ خطوط ان کے سامنے رکھے تو انہوں نے زبان کھولی۔ اور اس شرط پر کہ اب اس موضوع پر زندگی بھر بات نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ بھولی بھالی لڑکی اپنی بھانجی کی رہائی کے لئے کوشاں تھی۔ گھر کے حالات اور ضمیر بھائی کی بے پروائی نے اس کے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔ وہ اپنی بہن کو دل گرفتہ حالت میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔'' شہری اپنا سر تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

''شہریار صاحب، آپ تو خوش قسمت ہیں کہ خزاں آپ کے آنگن میں آتے آتے مڑ گئی۔ پریشانیوں کا دور جب گزر گیا تو اب لکیر پیٹنے کا فائدہ! آصف اور اس کی مکروہ شخصیت پر لعنت بھیجئے۔ جس طرح باسط بھائی کا کوئی گزر، کوئی تذکرہ کمال بھائی اور ارتقاء بھابھی کی زندگی میں نہیں ہے، اسی طرح آپ دونوں بھی اس منحوس باب کو یہیں ختم کیجئے اور اپنی نئی زندگی شروع کیجئے اور آخر کار آپ نے آصف کو شکست دے ہی دی۔'' فرجاد نے مشفقانہ لہجے میں سمجھایا۔

''آصف کو شکست تو بہت پہلے ماہم نے ہی دے دی تھی مگر مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس حقیقت کا مجھے بہت دیر سے پتا چلا۔'' شہری کا لہجہ تاسف بھرا تھا۔

''آپ جناب ماش کے آٹے کی طرح جو اکڑے ہوئے تھے۔ کسی کے سمجھانے تک کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ فرض کرو کہ اگر یہ خطوط تمہارے ہاتھ نہ لگتے تو تم کبھی ماہم کو معاف نہ کرتے۔ اس کی معصومیت پر یقین نہیں کرتے۔'' فرجاد استفسار کر رہے تھے۔

''نہیں فرجاد، ایسا تو کبھی نہ ہوتا، میں تو جب بھی اس کی معصوم سی شکل دیکھتا تھا سب کچھ بھول جاتا تھا یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ بات کیا ہے اور جب اپنے حواسوں میں آتا تھا تو حقیقت کا احساس پریشان کر دیتا تھا کہ آج کی یہ لڑکیاں اتنی کم فہم کیوں ہیں۔'' ''اتنی ذہین ہونے کے باوجود مرد کی چاپلوسی کا شکار کیوں ہو جاتی ہیں؟ جانتے بوجھتے ہوئے اندھے کنوؤں میں کیوں گرتی ہیں؟''

''بس بس بہت ہو چکا، شکر ہے کہ آپ کی آنکھیں کھل گئیں ورنہ عقل کے اندھے ہی رہتے۔ تو ہم بھلا آپ کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ آپ نے نہ صرف اپنے آپ کو سزا دی ہے بلکہ اس معصوم بچی کو بھی پریشان کیا ہے، جس کا کوئی قصور ہی نہ تھا۔ اب آپ یہاں تقریریں کرنے کے بجائے ان کے پاس جائیے، اور

تفصیلات میں جائے بغیر ان سے معافیاں تلافیاں کیجئے۔'' فرجاد نے متبسم لہجے میں کہا۔

''وہ تو فوراً مان جائے گی۔ اتنا یقین ہے مجھے۔'' شہری نے زعم سے کہا۔

''پھر تو بڑے لکی ہو یار۔'' فرجاد ہنسے۔

''ہاں، اس میں کوئی شک نہیں ہے ماہم میری بچپن کی ساتھی ہے۔ ہم دونوں میں خواہ مخواہ کتنی ہی لڑائیاں کیوں نہ ہو جائیں، ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔'' شہری نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''رشک آرہا ہے تمہاری باتیں سن کر۔'' فرجاد گھمبیر لہجے میں بولے۔

''ایسے ہی مواقع تمہاری زندگی میں بھی آسکتے ہیں اگر تم بھی دل میں کسی کے لئے کوئی سافٹ کارنر پیدا کرلو۔'' شہری نے چھیڑا۔

''ایسے سافٹ کارنر بھی پیدا ہو جائیں گے، فی الحال میں اپنی اکیڈمی کو بھرپور طریقے سے چلانا چاہتا ہوں کہ ایسا کام کر جاؤں کہ میرا ملک مجھ پر فخر کر سکے اور آنے والی نسلیں مجھے یاد رکھ سکیں۔'' فرجاد کے لہجے میں کچھ کرنے کا نشہ بھر گیا۔

''اگر یہ کام ہو گیا جس کی سو فیصد امید بھی ہے، تو تم پاکستان کے دوسرے عبدالستار ایدھی ہو گئے۔ بے فکر رہو، ہم بھی تمہارا ہاتھ بٹائیں گے، فی الحال ہم اپنی اکیڈمی بنالیں اس کے بعد ہم دونوں تمہاری اکیڈمی کے لئے کام کریں گے۔'' شہری نے شرارت سے کہا۔

''میری پرخلوص دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔'' فرجاد نے محبت سے کہا۔

♥♥♥

''ہیلو! کون بول رہا ہے؟ آواز نہیں آرہی۔'' فون میں نے ہی اٹھایا تھا۔

''میں بول رہا ہوں۔'' شہری نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''کون میں؟'' نخوت سے کہا گیا۔ حالاں کہ اسی لمحے پہچان گئی تھی۔

''تمہارا شہریار۔'' لہجے میں شادیانے بج رہے تھے۔

''سوری، رانگ نمبر۔'' میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

فون کی ٹرن ٹرن ٹرن، جب ہتھوڑے برسانے لگی تو ریسیور اٹھالیا۔

''چاندنی، اب خفگی ختم کر دو، لڑائی ختم، دوستی کر لو، شاباش!'' وہ اسی پرانے لہجے میں بول رہا تھا جس کو یاد کر کے میرے دل و دماغ میں برچھیاں سی چبھتی محسوس ہوتی تھیں۔

''چاندنی صرف چار دن کی ہوتی ہے۔ وہ ختم ہو گئی ہے۔'' میرا لہجہ کٹیلا تھا۔

''یار، اب بس بھی کرو۔ میں آرہا ہوں۔ پیاس بھی بہت لگ رہی ہے۔ تم اچھی سے چائے چڑھا دو۔ جب تک پانی کھولے گا تب تک میں بھی آجاؤں گا۔

''مسٹر، یہ میرا گھر ہے، کسی ملباری کا ہوٹل نہیں ہے جو آپ کے کہنے پر چائے بنا کر پیش کرے گا، نہ تو اس وقت گھر میں ضمیر بھائی ہیں اور نہ ہی مجیدن، اس لئے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے تند لہجے میں کہا۔

''ہُرا! یہ تو بہت اچھی بات ہے میں آرہا ہوں۔'' اس نے خوشی سے چہکتے ہوئے فون بند کر دیا۔

''نہیں شہری، میں شاخ کا وہ پھول نہیں ہوں جسے تم آسانی سے توڑ لو۔ میں نے فلیٹ بند کیا اور رکشا کر کے باجی کے پاس چلی آئی۔''

''خیریت! اس وقت کیسے چلی آئیں۔'' میں تمہاری خوشامدیں کر کے تھک گئی مگر تم سے نہیں آیا گیا۔'' باجی خفگی سے بولیں۔

''آپ یاد آئیں اور میں فوراً چلی آئی کہ جب اس وقت گھر میں بھی کوئی نہیں ہے۔'' مجیدن اپنے بیٹے کے گھر سے آئے گی تو پڑوس سے پہلے چابی لے گی تب گھر میں قدم رکھے گی، ضمیر بھائی تو کہہ کر گئے تھے کہ آج دیر سے آئیں گے۔''

''چلو اچھا ہوا کہ تم آگئیں، آج میرا 'بی پی' خاصا ہائی ہے۔''

''ڈاکٹر ناہید سے چیک اپ کروایا آپ نے؟''

''ہاں، صبح گئی تھی کمال کے ساتھ، وہ کہہ رہی تھی کہ بیڈ ریسٹ کریں۔''

''آپ مجھے فون پر بتادیتیں اپنی کنڈیشن! میں فوراً چلی آتی۔'' میں نادم سی ہو گئی۔

''ویسے بلاؤں گی تو نہیں آؤ گی۔'' باجی کو غصہ ہی تو آگیا۔

''ارے باجی، آپ تو میری جان ہیں، آپ کا کہنا بھی میں ٹال سکتی ہوں۔؟'' میں نے اپنی دونوں بانہیں باجی کے گلے میں ڈال دیں۔

''بڑا لاڈ ہو رہا ہے ہماری بھابھی سے۔'' فرحین باجی کے کمرے میں آئی تو مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''تم کب آئیں اپنے دولہا صاحب کو چھوڑ کر۔'' میں نے پوچھا۔

''میں تو صبح سے آئی ہوئی ہوں۔ بھابھی کی طبیعت جو خراب تھی۔ ابھی حرا کو دوسرے کمرے میں سلا کر آئی ہوں کہ بھابھی کو تنگ نہ کرے۔''

''صفدر بھائی کیسے ہیں؟''

''فرسٹ کلاس، فی الحال اکیڈمی کے کام میں مصروف ہیں، امریکا سے جو بچوں کا گروپ رہا ہے، انہیں پاکستان کے بارے میں اس کے تاریخی پس منظر کے ساتھ گائیڈ کرنا ہے۔ بس انہی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔''

''بچے کب تک پاکستان پہنچ جائیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''خیال ہے کہ ان کے آنے میں ابھی پندرہ بیس دن تو لگیں گے تمہارا پروگرام تو پکا ہے ناں! ہمارے ساتھ چلو گی۔''

''ہاں، ضرور چلوں گی، بلکہ میرا دل تو آج کل کراچی میں اتنا گھبرا رہا ہے کہ دل چاہ رہا ہے کہ کہیں دور چلی جاؤں۔''

''دور دراز مقامات کی سیر تو تم شہری کے ساتھ شادی کے بعد کرنا۔ کیا تمہیں یہ پتا نہیں کہ شہری نے نغمی سے شادی کے لئے انکار کر دیا؟'' فرحین نے انکشاف کیا۔

''کیا نغمی اور شہری کی منگنی وغیرہ ہوئی تھی جو انکار کر دیا۔'' میں نے بظاہر بے پروائی سے پوچھا۔

''نہیں یار، نہ کوئی منگنی تھی اور نہ ہی کوئی بات چیت، صرف ملنا جلنا تھا کہ احسانی صاحب تمہارے ماموں کے پاس خود ہی آگئے کہ شہری بہت پیارا بچہ ہے اسے میں اپنا بیٹا سمجھتا ہوں اس کا مستقبل بہت روشن ہے۔ انشاء اللہ اب وہ انٹرنیشنل میچز میں حصہ لے گا۔ انگلش کاؤنٹی کے لئے میں زور ڈالوں گا میرے مراسم بہت بڑے بڑے لوگوں سے ہیں۔ آپ نغمی کو اپنی بیٹی بنا لیجئے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہیں۔''

''تو پھر.....'' میں نے چپل سے قالین کا رواں نوچتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے ماموں جان نے احسانی صاحب کو تو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ اس سلسلے میں پہلے شہری سے بات کریں گے، پھر ہی کچھ کہہ سکیں گے کہ وہ اس بارے میں قطعی لاعلم ہیں اور جب شہری آیا تو اس کی خوب خبر لی کہ عشق لڑاتے پھر رہے ہو اور گھر والوں کو خبر تک نہیں ہے اگر نغمی سے شادی کرنی ہے تو خود جا کر

کرلو، ہمیں کیوں بیچ میں ڈال رہے ہو، احسانی صاحب کو سفارش کے لئے تم نے ہمارے پاس کیوں بھیجا؟ اگر ایسی بات تھی تو پہلے اپنی اماں سے بات کرتے۔"

"میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا۔" شہری حیرت زدہ تھا۔

"پھر ان لوگوں کا یہ حوصلہ کیوں کر ہوا کہ انہوں نے خود آکر تمہارے رشتے کی بات کی۔ یقیناً تم نے نغمی کو ایسے خواب دکھائے ہوں گے جن کی تعبیر لینے کے لئے آج ان کے والد صاحب کو ہمارے گھر آنا پڑا۔"

"ابا جان، میں نغمی جیسی لڑکی کے ساتھ ہرگز شادی نہیں کرسکتا، جب تانیہ نے ضمیر بھائی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تو نغمی سے میں کیوں کر کوئی اچھی توقع رکھ سکتا ہوں۔"

"نہیں، تم نغمی سے شادی کرلو، یہ رات دن کی بک بک تو ختم ہو۔" ماموں جان کا غصہ کسی صورت ختم نہیں ہو رہا تھا۔

"ابو جان! آپ ناراض نہ ہوں میری شادی وہیں ہوگی جہاں آپ سب چاہتے ہیں وہیں میں بھی چاہتا ہوں۔ میں ماہم سے ہی شادی کروں گا۔" شہری نے آخر اعتراف کرلیا۔

"ہوں، تو ماہم نہ ہوئی کوئی کاٹھ کی گڑیا ہوگئی۔ جب دل چاہا پھینک دیا اور جب چاہا سینے سے لگالیا۔ ویسے بھی تم نے بہت ستایا ہے مجھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم نے مجھے شک بھری نظروں سے دیکھا، یہ تو میں بھی کبھی برداشت نہیں کرسکتی۔" میں ہونٹ کاٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"پاگل، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے مگر تم یوں منہ بنائے بیٹھی ہو کہ جیسے کوئی خوشی نہ ہوئی ہو۔" فرحین نے گدگدایا۔

"بعض لوگوں کو خوشیاں، شاید راس نہیں آتیں۔ میرا شمار بھی تم ان لوگوں میں کرسکتی ہو۔" میں بے دلی سے ہنسی۔

"ایمان سے ایک لگاؤں گی ہاتھ، یہ سارا پاگل پن ہوا ہو جائے گا۔ بھئی جب صبح کا بھولا شام کو گھر آرہا ہے تو اسے بھولا ہی سمجھو، مکار کیوں سمجھ رہی ہو۔" فرحین نے سرزنش کی۔

"وہ اس لئے کہ وہ صبح کا بھولا نہیں تھا۔" میں نے اپنے ہونٹ کاٹے۔

"ارے بھئی، سحری کا بھولا ہوگا، ماشاءاللہ روزے بھی پورے رکھتا ہے، روزے دار بندے کی کوتاہیاں گننی نہیں چاہئیں۔" وہ شوخی سے بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ مجھے کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔ اس نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا، قصداً کیا یہ سب اس کی جانی بوجھی اسکیم تھی جس پر میرا ذہن کسی بھٹی کی طرح سلگ رہا ہے۔" میں نے بمشکل کہا۔

"ارے، پچھلی باتوں پر مٹی ڈالو اور اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لو۔ وہ خود چل کر تمہارے پاس آئے گا شاید ایک آدھ روز میں۔" شہری کے پلان سے وہ بھی واقف تھی۔

♥♥♥♥♥♥

نہ جانے کتنی دیر میں یوں ہی گم صم کھڑی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی صبح کا اجالا پھیل رہا تھا۔ رات بھر کی بارش سے درختوں اور پودوں کے پتے ڈھل کر نکھر آئے تھے فضا میں سوندھی مٹی کی خوشبو رچ سی گئی تھی آم اور پیپل کے درختوں پر پھوٹتی ہوئی ننھی ننھی ہری کونپلیں صبح کے اجالے میں ہوا کے سنگ جھول رہی تھیں۔ چنبیلی کی بیل گراؤنڈ فلور کے فلیٹ سے اوپر تک کے فلیٹوں پر بڑی بے باکی سے چڑھتی چلی جارہی تھی۔ دور تک دکھائی دینے والے ہرے بھرے درختوں، لہلہاتے پھولوں اور سبزے کی تراوت دیکھ کر احساس ہو رہا تھا کہ ہر شے میں نمو کی ایک بے پناہ قوت ہے، اعلان ہے، میں نے اپنا منہ کھڑکی سے باہر نکال لیا۔ ہوا

کا ایک سرد جھونکا تیزی سے آیا اور میری آنکھوں کی نمی پر اپنی ٹھنڈک کا احساس چھوڑ گیا۔

"ارے، یہ آنسو اب تک میری آنکھوں میں رکے ہوئے ہیں۔" میں نے پلکوں سے نمی کو سمیٹ لیا۔ نہ جانے میں کب سے رو رہی تھی اور کاتب تقدیر نے یہ رونا نہ جانے کتنا اور میری قسمت میں لکھ دیا تھا۔

"خدایا! میں کیسی چاندنی ہوں جو روشنی کے جھماکے پیدا کرنے کے بجائے قطرہ قطرہ پگھل رہی ہوں۔"

میں نے دکھ سے سوچا۔ بارش دوبارہ شروع ہو چکی تھی۔ بادل گرج رہے تھے میں نے کھڑکی بند کی اور بے دلی سے اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گئی کہ سوچ سوچ کر میں تھکی چلی جارہی تھی۔

پہلے یہ غم تھا کہ شہری ناراض ہے، دوستی کی جانب ہاتھ نہیں بڑھاتا، نغمی کی جانب ضرورت سے زیادہ متوجہ ہے اور اب، جب کہ وہ نغمی سے بددل ہوگیا تھا اور انہی راستوں پر گامزن تھا جن کی میں تمنائی تھی تو اس کی ساری زیادتیاں یاد آرہی تھیں۔

نہ جانے لوگ کس طرح منہ پھاڑ کر کہہ دیتے ہیں کہ جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

میرے لئے تو یہ سب سے مشکل کام تھا کہ میں اپنے دل میں اتنی وسعت پیدا کروں کہ اس کی ساری زیادتیاں بھلا بیٹھوں۔

"شہری، میں تمہیں کیسے معاف کردوں؟" میں اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہاری ذات سے مجھے اتنی اذیتیں پہنچی ہیں کہ اب تک یاد کر کے سسک اٹھتی ہوں۔"

"بولو، شہری کیا تمہیں معاف کرنا میرے لئے آسان ہوگا؟" میں منہ پر کہنی رکھے، اپنی سوچوں کی لگامیں تھامے دوڑ رہی تھی۔ اور سوچ کا صحرا تھا کہ عبور نہیں ہو رہا تھا۔

ناشتا خاصی تاخیر سے کیا تھا۔ ضمیر بھائی سویرے ہی چلے گئے تھے میں جاگتی آنکھوں سے رات کی کڑیاں ملا ہی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا تو وہی ظالم جان تھا۔

"ہاں ماہم، کہاں تک بھاگو گی مجھ سے۔" وہ اترا رہا تھا۔

"جہاں تک ہمت ہوگی۔"

"مگر میں تمہیں بھگوڑی تو نہیں سمجھتا کہ تم ایسی ہوگی۔"

"شہری، میں تمہاری کوئی بات بھی سننے کی روادار نہیں ہوں۔"

"سچ سچ بتانا، ایمان سے کہہ رہی ہو؟" وہ ہنسا۔

"آپ زیادہ خوش فہمی کا شکار مت ہوں سمجھتے کیا ہیں آپ اپنے آپ کو؟" میں نے دانت پیسے۔

"ارے آپ کو ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ ہم کیا ہیں۔ محترمہ خیر سے آپ کا شہری فرسٹ کلاس کرکٹر ہے جس کے چھکوں اور چوکوں کی خوب دھوم ہے۔"

"جو آپ کی دھوم دھام سے متاثر ہو، اسی کو جا کر متاثر کیجئے، میں ان باتوں سے رعب میں نہیں آتی۔"

"ارے ماہم صاحبہ، غصہ تھوک دیجئے خوشی سے دو پیار بھرے حوصلہ افزا جملے کہہ دیجئے تاکہ اس وقت میں اپنے میچ میں اچھی پرفارمنس دے سکوں۔"

"مسٹر، غلط جگہ فون کیا ہے آپ نے۔ نغمی کو فون کیا ہوتا۔ وہ نہ صرف آپ کو آشیرباد دیتی بلکہ آپ کے ساتھ ساتھ گراؤنڈ تک جاتی۔ وی آئی پی انکلوژر میں بیٹھ کر ٹھاٹ سے تالیاں بجاتی۔"

"جان لو کہ یہ آئندہ کی ذمے داری تمہاری ہوگی، نغمی کی نہیں۔"

"بے چاری نغمی کے ساتھ یہ بے وفائی کیوں!" میرا لہجہ تمسخر بھرا گیا۔

"مل جائے گا اسے کوئی اچھا سا ساتھی، مگر میں نغمی ٹائپ کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرسکتا۔"

"ہاں، دوستیاں کرسکتا ہوں۔" میں نے اس کی نقل اتاری۔

''یار، اب بندہ اپنے حلقہ احباب کی تمام لڑکیوں سے تو شادی نہیں کر سکتا نا! تمہیں کیا پتا کہ کتنی لڑکیاں میری فین ہیں اور کتنی ہی لڑکیاں مجھ سے شادی کی خواہش مند بھی ہیں۔ ایک کرکٹر ہونے کے ناتے میں ان سے بہت اچھی طرح ملتا ہوں ان کی تقریبات میں بھی شرکت کر لیتا ہوں مگر شادی تو قطعی پرسنل معاملہ ہوتا ہے نا اور جب یہ معاملہ برسوں پہلے طے ہو چکا ہے تو تم یا میں اس میں بولنے والے کون ہوتے ہیں؟ کسی دن، امی اور ابو آئیں گے، ضمیر بھائی سے بات کریں گے۔ پھوپھا جان کو امریکا بھی فون کریں گے کہ بس یہ معاملہ جلدی سے بھگتا دیں کہ اب صبر نہیں ہو رہا۔'' وہ شوخ ہو گیا۔

''اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں انکار کر دوں گی۔ کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو۔'' میں نے غصے سے کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

♥ ♥ ♥

باجی کے قبل از وقت ڈلیوری ہو گئی تھی، ست وانسا لڑکا ہوا تھا بچہ انتہائی کمزور تھا اور خصوصی نگہداشت کے یونٹ میں تھا۔ باجی کی حالت بھی خاصی تشویش ناک تھی۔ کمال بھائی سخت پریشان تھے ان کا سارا وقت ہی اسپتال میں گزر رہا تھا۔ فرحین اور صفدر بھائی سنگاپور گئے ہوئے تھے۔ ایسے میں ضمیر بھائی نے مجھے باجی کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ حرا کو سنبھالنا مشکل کام تھا۔ فرجاد بھائی اپنے اسپتال سے باجی کے پاس چلے جاتے تھے اور حرا گھر میں پڑے پڑے بور ہو جاتی۔

شام کو ضمیر بھائی آئے تو خاصے پریشان تھے باجی کی حالت بگڑ رہی تھی مسلسل ڈرپس دینے کے باوجود ان کا پی پی خاصا لو تھا۔

''ارتقا بہت کمزور ہو گئی ہے۔ دن میں کئی دفعہ آکسیجن ماسک لگانا پڑ رہا ہے۔'' ضمیر بھائی افسردگی سے بتا رہے تھے۔

''خدایا! تو میری بہن کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔'' میرے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔

''میں ارتقاء کے پاس اسپتال میں ہی ہوں۔ جیسے ہی اس کی طبیعت سنبھلی۔ میں فون پر بتا دوں گا۔'' انکے چہرے اور لہجے سے گھبراہٹ کا اندازہ ہو رہا تھا۔

پاک پروردگار، میری باجی کو صحتِ کلی عطا فرما، ان کی خوشیوں پر کسی کی نظر نہ لگے۔ میں سجدے میں گر کر گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی۔

مغرب سے عشاء کا وقت آ گیا۔ کسی کا بھی کوئی فون گھر نہیں آیا۔ اے میرے مولا، میری باجی کو کچھ نہ ہو...... وہ زندہ سلامت رہیں، اب میرا وجود زلزلوں کے جھٹکے محسوس کر رہا تھا۔ ہاتھ بارگاہ ایزدی میں برابر اٹھے ہوئے تھے مگر لب ساکت تھے۔ یہ دوسری بات تھی کہ میرا رواں رواں دُعا گو تھا۔

وقت مزید گزرتا گیا۔ شاید بارہ کا عمل تھا میں خوفناک حد تک زرد ہوئی جا رہی تھی۔ میرے لرزتے ہوئے وجود میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ جائے نماز سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ جاؤں۔ تب ہی فون کی گھنٹی چیخی اور میں اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی فون کی طرف لپکی، خدایا خیر کیجیو، میری زبان پر بس یہی کلمہ تھا۔

''ہیلو! ماہم مبارک ہو۔'' یہ آواز ضمیر بھائی کی تو نہیں تھی۔

''جی، آپ کون بول رہے ہیں؟'' میرا غم سے نڈھال وجود اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔

''حیرت ہے پہچانا نہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''میں آصف بول رہا ہوں۔''

''کیوں فون کیا ہے مجھے؟'' نہ جانے کیوں کر کہا گیا۔

''ارتقاء کے بیٹا ہوا ہے، کیا مبارکباد نہیں لو گی؟'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

''آپ سے مطلب؟ خبردار جو اتنے جلال میں! ابھی دھیرج رکھو، ایک منٹ میری بات سنو۔ ارتقاء اپنے

دوسرے شوہر سے ساتھ ان کا ولی عہد پیدا کر چکی ہیں اس لئے اب حرا کی کوئی قدر و قیمت کمال صاحب کی فیملی میں تو نہیں ہو گی، لہٰذا میری یہ خواہش ہے کہ آپ حرا کو باسط بھائی کو دے دیں۔ اس سلسلے میں، میں ان کو قائل کر لوں گا کہ بالآخر وہ باپ ہیں، کوئی غیر نہیں، اور اپنی اولاد پال کر ہر شخص خوش ہوتا ہے کمال صاحب جتنا خوش اپنے بیٹے کو دیکھ کر ہوں گے، وہ مسرت حرا کو دیکھ کر ان کے چہرے پر نہیں آ سکے گی۔''

''کمینے انسان! خبردار جو تم نے حرا کا نام بھی لیا۔ حرا میری باجی کی زندگی ہے اور ہم سب کو بے حد عزیز ہے۔'' میرا لہجہ رندھ سا گیا۔

''جب ہی آپ لوگوں کو اس کی پروا تک نہیں ہے۔ سارا خاندان ارتقاء کے پاس اسپتال میں مرا ہوا ہے اور میری بھتیجی کو کوئی نظر بھر کے نہیں دیکھ رہا ابھی سے یہ حال ہے تو بعد میں کیا ہو گا۔ ابھی تو کمال بھائی صاحب کے ولی عہد نے گھر میں بھی قدم نہیں رکھا۔'' وہ مسخرے سے بولا۔

''بکواس مت کرو، حرا سو رہی ہے۔'' میں نے کمرے میں نظر ڈال کر کہا جہاں حرا نظر نہیں آ رہی تھی۔

''بے ایمان لڑکی، ذرا حرا سے بات تو کرو۔'' آصف نے فون حرا کو دے دیا۔

''آنٹی میں چاچا کے پاس ہوں۔ چاچا مجھے منا بھائی دکھانے لے جائیں گے۔ چاچا بہت اچھے ہیں میرے لئے بہت ساری آئس کریم لائے ہیں۔'' حرا چہک رہی تھی۔

''اب تو یقین آ گیا نا کہ حرا گھر میں نہیں ہے۔'' وہ خباثت سے ہنسا۔

''حرا کو کیوں لے گئے ہو تم؟ وہ تو گھر میں تھی۔'' میں روہانسی ہو رہی تھی۔

''وہ ضمیر کی گاڑی کے پیچھے بھاگ رہی تھی کہ ماموں جان میں امی کے پاس جاؤں گی یہ بھی اتفاق تھا کہ کمال صاحب کے گھر کے قریب میرا ایک دوست رہتا ہے، میں وہاں اکثر آتا رہتا ہوں حرا کو دیکھ کر تقویت بھی ہوتی رہتی ہے بچی کو یوں تن تنہا دیکھ کر میں نے اس سے پوچھا کہ وہ امی کے پاس کیوں جانا چاہتی ہے تو اس نے بتایا کہ ہمارا منا بھائی آیا ہے میں اس کو دیکھنے جاؤں گی۔ سو میں اسے لے آیا کہ اب کمال بھائی کو حرا کی کیا ضرورت ہو گی۔ ویسے یہ بھی سنا ہے کہ انہیں باسط بھائی سے سخت نفرت ہے۔ حرا کے باپ سے نفرت کرنے والے شخص کو اس کی بیٹی سے محبت کیوں کر ہو سکتی ہے۔''

''ان تمام باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟'' میں نے ہولتے ہوئے پوچھا۔

''ماشاء اللہ عقل مند ہو، اب آئی ہو راہ راست پر ماہم، میری تشنگی مٹا دو اور حرا کو لے جاؤ۔ میں واقعی کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں مگر اپنی بات کا پکا ہوں۔ ضدی کہہ سکتی ہو تم مجھ کو، تم میرے ہاتھ میں آ کر جس طرح نکل گئیں، اس ہزیمت کو میں آج تک نہیں بھول سکا، پلیز میرے پاس آ جاؤ، میرے بہت قریب!

''آصف! میں تمہیں کمینہ تو ضرور سمجھتی تھی مگر یہ احساس نہیں تھا کہ یہ لفظ تمہاری شخصیت کا احاطہ کرنے کے لئے بہت چھوٹا ہے، تم تو انتہائی گھٹیا، رزیل اور ننگِ خاندان ہو۔'' مارے غصے کے میری مٹھیاں بھینچ گئیں۔

''جو دل چاہے کہو۔ چاندنی کے لبوں سے جھڑی ہوئی شبنم میرے لئے ٹھنڈک کا ہی احساس لاتی ہے ہاں یہ بات یاد رکھنا کہ اگر تم نے زیادہ عقل مند بننے کی کوشش کی تو حرا کی لاش اسی فلیٹ میں تمہاری منتظر ہو گی جہاں ارتقاء بیاہ کر لائی گئی تھیں۔ میں وہیں ہوں اور آج رات تمہارا منتظر ہوں۔'' وہ انتہائی خباثت سے ہنسا۔ اور میں نے اپنا سر تھام لیا۔

''خدایا! میں کیا کروں!'' میں نڈھال سی ہو گئی۔ اسپتال میں ارتقاء باجی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھیں۔ کمال بھائی، فرجاد اور ضمیر بھائی باجی کے پاس موجود تھے ایسے وقت میں انہیں کچھ بتانا نامناسب تھا......؟ میں لرزہ براندم وجود کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

کیا یہ سب باتیں شہری کو بتادوں کہ آؤ میری مدد کرو۔ چند لمحے کے لئے میں نے سوچا۔
''نہیں، کیا کہے گا وہ! مجھے کیا سمجھے گا! میں لرز کر رہ گئی۔
پھر بھی کچھ تو کرنا ہی ہے۔ میں جلے پر کی بلی کی طرح بے چین گھوم رہی تھی۔
اور پھر کچھ سوچ کر میرے ہاتھ جانے بوجھے نمبروں پر بڑھ گئے۔ میں فون کر رہی تھی، یہ سوچے بغیر کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔
اور دوسری طرف مسلسل ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

''ہیلو......'' جمائی لے کر کہا گیا
''جی، میں بول رہی ہوں۔'' آصف کی ممی کی آواز سن کر میں یکبارگی جھجک سی گئی کہ بات کروں تو کیونکر کروں۔
''اوہ، یہ تم ہو؟'' لہجہ کاٹ کھانے والا تھا۔
''جی!'' میں ان کے یک دم پہچان لینے پر حیران تھی کہ ایک طویل عرصے کے بعد وہ میری آواز فوراً ہی پہچان گئی تھیں۔
''شہلی تم سے تو میں عاجز آگئی ہوں۔ نہ جانے وہ کون سا وقت تھا جب میں نے باسط کی شادی تمہارے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تمہارے ساتھ باسط کو نتھی کر کے تو میں نے اس کی زندگی بھی خوار کر دی ہے۔ اب رات کے اس پہر فون کر کے تم ہمیشہ کی طرح یہی اطلاع دے رہی ہوگی کہ باسط شراب میں مست کسی محفل میں پڑا ہوا ہے۔ تم اسے چھوڑ کر اپنی ممی کے فلیٹ میں چلی گئی ہو اور میں ڈرائیور کو بھیج کر اسے گھر بلوالوں۔'' (وہ جھلائے ہوئے انداز میں مسلسل بول رہی تھیں) اور باسط کی زندگی کا یہ روپ مجھے حیران کر رہا تھا۔
''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے پلیز آپ میری......'' ان کے بجتے ہوئے ٹیپ کو روکنے کی میں نے ایک ناکام سی سعی کی۔
''بکومت، مجھے تمہارے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہی ہے۔ اچھی بیویاں تو اپنے شوہروں کو سدھار دیا کرتی ہیں مگر تم عجیب عورت ہو، اپنے سہاگ کی صحت سے خود کھیل رہی ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق باسط کیلئے شراب زہر کا درجہ رکھتی ہے مگر تم پھر بھی اسے ان محفلوں میں جان بوجھ کر لے جاتی ہو جہاں وہ شراب دل کھول کر پیتا ہے اور جب وہ بدمست ہو کر گر پڑتا ہے تو تم فون کر کے مجھے مطلع کرتی ہو۔'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے اشتعال بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
''پلیز، میں شہلی نہیں ہوں۔'' میں روہانسی ہو کر بولی۔
''کیا کہا تم شہلی نہیں ہوں؟'' انہوں نے میری بات از خود دہرائی۔
''جی ہاں، میں شہلی نہیں ہوں۔''
''تو پھر کون ہو تم؟ اس وقت کیوں فون کیا ہے مجھے؟'' ان کے لہجے میں لاتعلقی سی آگئی۔

''میں ماہم بول رہی ہوں۔'' میں نے جھجک کر کہا۔
''کون ماہم'' ان لے لہجے میں لاتعلقی کے انداز ہنوز رچے ہوئے تھے۔
''ارتقاء کی چھوٹی بہن......'' میں نے ہچکچا کر کہا۔
''اوہ یہ تم ہو مگر تمہارا اب اس گھرانے سے کیا ناتا رہ گیا ہے جو یوں رات گئے مجھے پریشان کیا۔ جانتی بھی ہو، اس وقت کیا ٹائم ہوا ہے؟ یہ وقت ہے فون کرنے کا ہے بھلا؟'' ان کی اکتاہٹ بھری گہری سانسوں کے زیروبم میں محسوس کر رہی تھی۔
''پلیز، آپ میری بات تو سن لیجئے۔ اس وقت مجھے آپ کی مدد کی سخت ضرورت ہے۔'' مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ فون نہ بند کردیں۔
''میری مدد اور تمہیں؟'' وہ ہنسیں اور ہنستی چلی گئیں۔
''ہاں، مجھے واقعی اس وقت آپ کی مدد کی شدید ضرورت ہے۔'' میرے حلق میں گولے سے پھنسنے لگے۔
''اچھا!'' انہوں نے چبا کر کہا۔ لہجہ تمسخر بھرا تھا۔
''آپ میری......''
''اب تو سنا ہے کہ تم لوگوں کے دن بھی پھر گئے ہیں پھر بھی میری مدد کی ضرورت ہے؟'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے تحقیر سے بولیں۔
''پلیز، آنٹی فار گاڈ سیک......'' باقی جملے میری سسکیوں میں ڈوب گئے۔
''کیا بات ہے بھئی، کیوں پریشان کر رہی ہو اس وقت؟'' وہ جھنجھلائیں۔
''آصف حرا کو اٹھا کر لے گیا ہے۔'' میں نے رقت سے بتایا۔
''بکواس مت کرو۔ پہلے بھی اسے ڈاکوؤں نے ہی اٹھایا تھا اور اب بھی وہی لوگ لے گئے ہوں گے۔ جب تاوان کی چاٹ پڑ جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔''
''مگر میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں؟''
''میں کسی ایسے سچ پر یقین نہیں کرسکتی جس کی بنیاد جھوٹ پر قائم ہو اور پھر آج کی نوجوان لڑکیاں جس سچائی سے جھوٹ بولتی ہیں شاید ہی کوئی بولتا ہو۔'' (وہ قصداً تمسخر سے ہنسیں)
''آصف نے فون کر کے ابھی مجھے بتایا ہے بلکہ حرا سے بھی بات کروائی ہے۔''
''کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ آصف ڈاکو بن گیا ہے یا ڈاکوؤں کے ساتھ مل گیا ہے اور اب وہ حرا کے بدلے بہت سارا پیسہ مانگ رہا ہے تو یہ بات غلط ہوگی۔ آصف کے باپ کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ کبھی تم نے تصور میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ صرف پاکستان میں ہی ہماری کروڑوں کی جائیداد ہے اور باہر کے ملکوں میں ہمارا روپیہ اس کے علاوہ ہے۔''
''یہ بات نہیں ہے۔'' میرا لہجہ خجل سا ہو گیا کہ اس کی کمینگی کا تذکرہ کروں تو کیونکر کروں!
''پھر کیا بات ہے؟ تم نے کس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے؟ صاف صاف بتاؤ'' اب حیران ہونے کی ان کی باری تھی۔
تب میں آصف کی تمام کمینگیوں پر سے پردہ اٹھاتی چلی گئی اور ایک ایک بات ان کے گوش گزار کر دی کہ اگر میں اس فلیٹ میں نہ پہنچی تو وہ حرا کو قتل تک کرسکتا ہے۔
''تم نے اس بات کا ذکر کسی اور سے تو نہیں کیا؟'' ان کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔
''نہیں، آصف کا فون سن کر میں نے آپ سے ہی رابطہ قائم کرنا بہتر سمجھا کہ آپ مجھے بہتر مشورہ دے سکیں گی۔''

''تم فلیٹ پر ایک گھنٹے کے بعد پہنچو میں بھی وہیں پہنچ رہی ہوں۔'' ایک گہرا سانس لے کر انہوں نے کہا۔

''حرا کو تو کچھ نہیں ہوگا ناں۔'' میں تذبذب میں تھی۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ حرا بالآخر اس کا اپنا خون ہے وہ اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔'' ان کے لہجے میں نرمی سی آ گئی تھی۔

''مگر اس نے تو کہا تھا کہ......'' جملہ ادھورا چھوڑ کر میں نے سسکی بھری۔

''ماہم، اس نے جو کچھ بھی کہا تھا بھول جاؤ اور اب صرف یہ یاد رکھو کہ تم ایک گھنٹے کے بعد فلیٹ پر پہنچ رہی ہو۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

میں ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے پھر سوچ کے صحرا میں جھلستی چلی گئی۔ آصف کی ممی کی بات پر مجھے یقین کرنا چاہیے یا نہیں؟ شاید میرا ذہن کسی قسم کا کوئی فیصلہ کرنے کی قوت نہیں رکھتا تھا۔ اگر میں فلیٹ پر چلی گئی اور اس کی ممی فلیٹ پر نہیں پہنچیں تو اس کے بعد مجھے آصف کی شکل کسی خونی درندے کی سی نظر آ رہی تھی جو مجھے جھنجھوڑ کر ختم کر دے گا۔

آصف کی ممی نے کسی موقع پر بھی ہمارا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اب وہ کیوں میری ہمنوا بن کر میری مدد کریں گی۔ دل کی یہ تاویل خاصی وزنی تھی۔ ان کی تو شاید یہ پوری کوشش ہوگی کہ آصف میرا تیا پانچہ کر کے رکھ دے مجھے ٹوٹا ہوا دیکھ کر شاید انہیں بھی ذہنی آسودگی حاصل ہوگی۔

مجھے شہری کو ضرور بتانا چاہیے اگر میں اپنے حواس کھو بیٹھی تو شہری ہی حرا کے لئے کچھ کر سکے گا۔ یہی سوچ کر میں نے ماموں جان کے گھر کے نمبر ڈائل کئے فون کی گھنٹی بج رہی تی مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ یا تو فون خراب تھا یا گھر کے سب لوگ سو چکے تھے۔

خدایا میں کیا کروں! میں جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے میں چکر لگاتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

مجھے فرجاد کو بتا دینا چاہیے...... نہیں مجھے فرجاد کو ہرگز نہیں بتانا چاہیے۔ مجھے باجی کی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ فرجاد مجھے ذہنی طور پر ڈسٹرب خیال کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ میں ہمہ وقت الجھی الجھی سی رہتی ہوں۔ اس نے باجی پر زور دیا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

''کیا میں واقعی نفسیاتی مریضہ بن چکی ہوں؟ یہ سوال میں اپنے آپ سے کر رہی تھی اب اگر اس وقت میں نے فرجاد کو فون کیا تو وہ یقیناً سمجھے گا کہ یہ پریشانی بھی میری خود کی پیدا کردہ ہے نہ جانے کیا کیا وسوسے اس کے دل میں آ بیٹھیں۔ باجی کی کی ہوئی تمام باتیں کسی ٹیپ کی طرح میرے دماغ میں بج رہی تھیں۔ وسوسے آتے ہیں تو آ جائیں مگر میں اس کو ضرور بتاں گی دل کی شہ پر میں نے اسپتال میں فون کر دیا۔ ٹیلی فون کسی ڈیوٹی نرس نے اٹھایا تھا۔

آپ ڈاکٹر فرجاد سے بات کرا دیں۔'' میں نے پریشان سے لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر صاحب اس وقت بزی ہیں۔'' نرس کا لہجہ خاصا روکھا سا تھا۔

''میں ان کے گھر سے بات کر رہی ہو۔ پلیز، آپ میری بات کرا دیں۔'' میرا لہجہ ملتجی سا ہو گیا کہ خدارا یہ بات جیت ضروری ہے۔

''یہ پہلے بتانا تھا ناں؟'' وہ ہنسی اور دو منٹ میں فرجاد کو بلا لائی۔

''ہیلو فرجاد اسپیکنگ،'' متانت بھری آواز ائیر پیس پر سنائی دے رہی تھی۔

''میں ماہم بول رہی ہوں۔'' میرا لہجہ یقیناً گھبرایا ہوا تھا۔

''ارتقا بھابھی کی طبیعت اب بہت بہتر ہے میں فون کرنے والا تھا۔'' فرجاد کی بشاشت بھری آواز سنائی

دی۔

''اسپتال میں کون کون ہے؟'' میں متوحش سی پوچھ رہی تھی۔

''یہاں سب ہی لوگ ہیں۔ ماموں جان اور ممانی بھی ہیں۔''

''کیا شہری نہیں ہے یہاں پر؟'' میں نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔

''شہری بھی موجود ہے تم بات کرنا چاہو تو بلا دوں۔

''نہیں، مجھے شہری سے بات نہیں کرنی۔ باجی تو بالکل ٹھیک ہیں ناں!''

''ہاں، میں نے بتایا ناکہ اب بھابھی کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے خطرے کی کوئی بات نہیں۔'' فرجاد نے تسلی دی۔

''اچھا تو شہری سے بات کرا دیں۔'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''تم دو منٹ ہولڈ کروں میں شہری کو بلا لاتا ہوں۔'' فرجاد نے رسان سے کہا۔

''میرے خیال سے یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' شاید یہ بات میں نے خود سے کہی تھی جو فرجاد نے بھی سن لی۔

''ماہم کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اپنے آپ کو سنبھالو، بھابھی اب بالکل ٹھیک ہیں۔ اب پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔'' فرجاد سمجھا رہے تھے۔

''بس، میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' میرا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''تم حرا سے باتیں کرو، دو گھنٹے میں ہم سب گھر پہنچ رہے ہیں۔'' فرجاد نے تسلی دی۔

''حرا سے میں کس طرح باتیں کر سکتی ہوں؟'' میں بے اختیار سسکنے لگی۔

''ماہم پلیز، مت پریشان ہو، میں نے شام کو ڈرائیور سے کہہ دیا تھا کہ مجیدن کو گھر پہنچا دے۔ تم مجیدن کو اپنے پاس بلا لو وہ سرونٹ کوارٹر میں یقیناً مالی کی بیوی سے باتیں کر رہی ہوگی۔''

''میرا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ بس دل بہت گھبرا رہا ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو تم شہری سے ضرور بات کر لو شاید گھبراہٹ میں کچھ کمی آ جائے۔'' فرجاد شرارت سے مجھے چھیڑ رہا تھا۔

''نہیں، اس وقت شاید مجھے کسی سے بھی بات نہیں کرنی چاہیے۔'' میں نے دھیرے سے کہا اور فون بند کر دیا۔

کافی دیر تک یونہی ساکت وصامت بیٹھی رہی، جیسے مجھ میں جان نہ ہو مجیدن بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو میں یک دم چونک سی گئی اور بے اختیار وال کلاک پر نظر اٹھ گئی۔ آصف کی ممی سے بات کرنے کے بعد بیس منٹ گزر گئے تھے۔

''یہ مالی کی بیوی بھی باتوں میں لگا لیتی ہے، اپنی ساس کے مرنے کا نقشہ پورے دو گھنٹے میں کھینچا، اتنی مہلت تو جبرئیل نے بھی نہ دی ہوگی جتنی دیر شگن نے سنانے میں لگائی۔'' مجیدن مسلسل بول رہی تھی شگن کی باتیں دہرا رہی تھی۔

میں اپنے پیر سنساتے ہوئے وجود کو سنبھال کے بڑی دقتوں کے ساتھ گھسیٹ کر خود کو کھڑکی تک لانے میں کامیاب ہو سکی تھی پردہ ہٹا کر شیشے سے جھانکا تو بڑی جان لیوا اور پراسرار خاموشی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

اس سیاہ خوفناک رات میں میں کس طرح اکیلی فلیٹ تک جا سکتی ہوں! مارے خوف کے میرا تو راستے میں ہی دم نکل جائے گا۔ میں نے اندھیرے میں یوں نظریں گاڑیں جیسے میری آنکھوں کے طلسم سے یہ گھٹا ٹوپ اندھیرا مٹ جائے گا۔

سب غبار دھل جائیں گے۔

تمام پریشانیاں بہہ جائیں گی۔
تمام الجھنیں نیست و نابود ہو جائیں گے۔
حرا صحیح و سلامت از خود گھر میں قدم رکھے گی۔
تب میری آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آئیں گے۔''

میں بجھی بجھی سی اندھیرے میں نظریں جمائے، غم و یاس کا مرقع بنی ہوئی تھی۔ ایک آصف کا فون آجانے سے میری ہستی میں بگولے سے اٹھ رہے تھے۔

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا آصف جو تم میری جان کے پیچھے پڑ گئے ہو۔'' میں بڑبڑائی۔

''لو میں مالی کی بیوی کی باتوں میں اٹک گئی تو آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ طبیعت خراب ہو گئی ہو تو سب مجھے ہی نام رکھیں گے کہ مجیدن نے چھوٹی بی بی کے کھانے پینے کا خیال تک نہیں رکھا۔'' مجیدن نہ جانے کب ٹرے میں کھانا لگا کر میرے سامنے لے آئی تھی۔

''مجیدن، کھانا لے جاؤ اس وقت میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے میں نے کہا (آصف کا آسیب بغلیں بجاتا ہوا نظر آرہا تھا)

''کھانا تو آپ کو کھانا ہی پڑے گا، چاہے دو ہی نوالے کھائیں۔'' مجیدن ہمیشہ کی طرح مصر تھی۔

''کہہ دیا ناں کہ اس وقت میں نہیں کھا سکتی۔'' میرا دل آپ ہی آپ بھر آیا۔ اپنی کم ہمتی اور آصف کی کمینگی پر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ آنسو جب رخساروں پر پھسلنے لگے تو مجیدن چونک سی گئی۔

''چھوٹی بی بی، کیا پھر طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ آپ کی؟ گلوکوز پانی میں ملا کر لاؤں، دل کو سکون ملے گا، سر کا درد بھی ختم ہو جائے گا۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں تم آرام کرو،'' مجیدن کے سامنے میں اپنی کسی پریشانی کا تذکرہ کرنے کے حق میں کسی طور بھی نہیں تھی۔

''ارتقا بی بی ٹھیک ہو جائیں گی، میں نے بہت سارے نفل مانے ہیں۔ روزہ بھی رکھوں گی۔ ارتقاء بی بی گھر آجائیں تو کہوں گی، ہر جمعرات کی شام سوا پانچ روپے خیرات کرنے کی عادت ڈالیں۔ آنے والا ہر ہفتہ ساتھ خیریت سے گزرا کرے گا یہ میرا آزمودہ نسخہ ہے۔''

''مجیدن، تم اندر جا کر سو جاؤ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' میں اس وقت کسی بھی موضوع پر بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ میرا رواں رواں خود مجھ سے ہم کلام جو تھا۔

''میں باہر ہی سیٹر پر لیٹی ہوں، کسی کام کی ضرورت ہو تو آواز دے لیجئے گا مگر کمال میاں کو فون آئے تو یاد سے کہہ دینا کہ پہلے ارتقاء بی بی کا صدقہ دیں پھر دوا پلائیں، تب دیکھنا کہ دوا کیسے اثر کرے گی۔'' مجیدن باہر جاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اندھیرے میں مسلسل آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے سے آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو رہی تھیں۔ باہر لگے ہوئے اونچے اونچے درخت اندھیرے میں خوفناک سے نظر آرہے تھے اور میرا دل کسی چڑیا کی طرح سہم رہا تھا۔

''خدایا، میں اس اندھیرے میں کیونکر کودوں اور آصف تک کیسے جاؤں؟'' میں نے دھڑ دھڑ کرتے ہوئے دل سے پوچھا اور کوئی جواب نہ پا کر فون کے پاس رکھے ہوئے فوم کے صوفے پر دھنس گئی۔

''آصف ایک کمینہ شخص ہے اس کے پاس مجھے ہرگز اکیلا نہیں جانے چاہئے۔ میں آصف کی ممی کو تو فون کر کے کہتی ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ لیتی ہوئی چلی جائیں۔'' دماغ کی سرگوشی خاصی حوصلہ مند تھی۔

اور میری انگلیاں پھر وہی نمبر ڈائیل کر رہی تھیں جن کو اس سے قبل ڈائل کرتے ہوئے سارا وجود

کپکپا رہا تھا۔

''ہیلو۔'' پہلی ہی بیل پر ریسیور اٹھا لیا گیا یا شاید وہ کسی فون کی منتظر تھیں۔

''آنٹی، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں؟'' اس وقت اتنی رات کو اکیلے جاتے ہوئے میری ہمت نہیں ہو رہی۔'' ان کی آواز سن کر میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں آجاتی ہوں۔ میرا خیال ہے ڈرائیور تمہارا فلیٹ جانتا ہے۔''

''اس وقت میں ارتقاء باجی کے گھر ہوں۔'' ایڈریس سمجھاتے ہوئے میں نے بتایا۔

''پھر تو میں آدھ گھنٹہ میں ہی پہنچ رہی ہوں۔ یہ گھر تو ہمارے گھر سے خاصا قریب ہے۔ انکا لہجہ خاصا اطمینان بخش تھا۔

''ٹھیک ہے میں آپ ہی کی منتظر ہوں۔'' ٹیلی فون بند کر کے میں پھر صوفے میں دھنس گئی۔

کچھ ہی دیر بعد میں آصف سے ملنے جانے والی تھی اور بہت دیر سے اپنے اندر کی ہمتوں کو یکجا کر رہی تھی کہ اس کے خود سر سوالوں کے جوابات کیونکر دوں گی۔ داناؤں نے کتنا صحیح کہا ہے کہ کمینے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے خود کمینہ بننا پڑتا ہے اور یہ سب مجھے بہت مشکل لگ رہا تھا کہ میں اپنی کینچلی بدل نہیں سکتی تھی میں آصف جیسے رزیل شخص کا سامنا کیونکر کرونگی!

اس کی غیر شریفانہ گفتگو سن کر کیونکر تابو پا سکوں گی۔

کیا کہوں گی اس سے کہ میں آگئی ہوں۔ میرا کوئی چھپر سائبان نہیں جو میری حفاظت کرے لو تم مجھے تار تار کر دو کہ تمہاری باتوں میں آنے کی سزا کچھ تو ملنی چاہیے۔ میرا دل غم سے پھٹنے لگا اور درد کی ایک تیز لہر میری سانس میں اتر گئی۔'' اماں، تم مجھے اکیلا چھوڑ گئیں...... دیکھو تو تمہاری چاندنی کتنی تکلیف میں ہے۔'' میں کراہی۔

شاید میری زندگی کا سورج ڈھل رہا ہوں۔ میری موت اسی طرح لکھی ہو۔

میں جو یوں رات کی تاریکی میں اس عورت کے ساتھ جا رہی ہوں جس پر میں نے کبھی اعتماد نہیں کیا میں نے گھبرا کر اپنی سیاہ آنکھیں رگڑ ڈالیں جو مسلسل بھیگ رہی تھیں۔ ذلت کی زندگی سے یقیناً موت بہتر ہے میں اپنے آپ کو تقویت دے رہی تھی۔

گاڑی کا ہارن سن کر یکبارگی میں اچھل پڑی۔ آصف کی ممی شاید آگئی تھیں دل میں اٹھتے ہوئے طوفان کی تباہ کاریاں میرے چہرے سے ہویدا تھیں۔ اندرونی خلفشار یوں بڑھا کہ میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی صوفے سے اٹھی تو یک دم خود ہی صوفے پر گر پڑی، شاید قدموں میں آگے بڑھنے کی طاقت ہی نہیں رہی تھی۔

گاڑی شاید پورچ میں آگئی تھی اور میری روح سلب ہوئی جا رہی تھی۔

''مجیدن،'' مہمان خاتون کو اندر لے آؤ۔'' میں نے بمشکل پکارا اور پکارتی چلی گئی

''اس وقت تو کوئی بھی نہیں آیا۔'' مجیدن آنکھیں ملتے ہوئے باہر تک دیکھ آئی تھی۔ ''آپ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے بی بی، خواہ مخواہ ہی مجھے اٹھا دیا۔

''مگر میں نے تو آواز سنی تھی گاڑی کی، گاڑی کا ہارن بھی بجا تھا اور گاڑی پورچ میں بھی آئی تھی۔'' میرا لہجہ سراسیمہ سا تھا۔

''لگتا ہے، آپ کی آنکھ لگ گئی ہوگی۔ سپنا دیکھ رہی ہوگی آپ کوئی، ارتقاء بی بی کا مکان بھی سڑک پر ہے گاڑیاں تو رات بھر گزرتی رہتی ہے۔ اب ہر بار ہارن سن کر ہم گیٹ کھول کر تو نہیں دیکھیں گے کہ کون ہمارے گھر آیا ہے آنے والا جو آئے گا وہ خود گھنٹی بجائے گا۔'' مجیدن اپنی سیٹر پر جا کر دوبارہ لیٹ گئی۔

اور میں نے اپنے پھوڑے کی طرح دکھتے ہوئے سر کو تھام لیا، جہاں ہر طرف سے گھنٹیاں سنائی دے رہی تھیں ٹرن ٹرن ٹرن۔

"بی بی، فون تو اٹھالو۔ تمہارے پاس پڑا چیخ رہا ہے اور تم سر تھامے بیٹھی ہو۔" مجیدن نے کمرے میں گھستے ہی دوبارہ کہا۔

تب میں نے جھپٹ کر فون اٹھالیا دل لرز رہا تھا کہ کہیں آصف نے نہ کیا ہو کہ تم اب تک کیوں نہیں آئی ہو؟ وقت بہت بیت رہا ہے جلدی کرو مگر یہ فون شہری کا تھا خلاف توقع اس کی آواز سن کر میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

"ہیلو۔" میری آواز خاصی دھیمی تھی جیسے پاتال سے آرہی ہو۔

"ماہم، از یو آل رائٹ؟" وہ تفکر سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں بالکل ٹھیک۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ارتقاء باجی اب بالکل ٹھیک ہیں، ان کو خصوصی نگداشت کے یونٹ سے ان کے کمرے میں منتقل کردیا گیا ہے اب صرف ڈرپ لگی ہوئی ہے۔ آکسیجن ماسک بھی ہٹالیا گیا ہے۔"

"ہاں، بتایا تھا فرجاد صاحب نے مجھے۔" میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

"بچہ بھی اب ٹھیک ہے، باجی کے پاس جھولے میں لیٹا ہے اور باجی اسے دیکھ کر خوش ہورہی ہیں۔ بڑا پیارا سا بیٹا ہے باجی کا۔"

"اچھا، ٹھیک ہے۔" میں پریشان سے لہجے میں بولی۔

"ماہم، آج شام کی نیوز نہیں معلوم ہے۔" شہری شوخی سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں، مجھے کچھ نہیں معلوم۔" میں نے عام سے لہجے میں کہا، جیسے اس کی باتوں سے مجھے وحشت ہو رہی ہو یا جس کو سننے کی چاہ ذرہ برابر بھی نہ ہو۔

"پھر سنو گی تم؟" وہ چاہت سے کہہ رہا تھا۔

"اتنی ایکسائٹڈ نہیں ہوں۔"

"پھر وہی جھوٹ! یار کیا ہوگیا ہے تمہیں۔"

"کچھ نہیں ہوا، مجھے کیا ہونا تھا بھلا۔"

"ایک بات سچ سچ بتادو، پھر میں تمہیں وہ نیوز سناؤں گا۔"

"کیسا سچ؟ کیا سننا چاہتے ہو تم؟"

"تم نے کچھ دیر پہلے فرجاد کو فون کیا تھا نا!"

"ہاں کیا تھا پھر!"

"تم نے اس سے یہی کہا تھا کہ شہری کہاں ہے مجھے بات کرنی ہے۔"

"کہا ہوگا پھر۔"

"بے ایمان لڑکی، کہا ہوگا نہیں، آپ نے کہا تھا اور سو فی صد کہا تھا!"

"ان تمام باتوں سے تمہارا کیا مقصد ہے۔" میں نے روکھے لہجے میں کہا۔

"ماہم جی، تم ڈھونڈ رہی تھیں مجھے میرا انتظار کررہی تھیں۔"

"تمہارا انتظار؟" میں خود سے بڑبڑائی۔

"ہاں، میرا انتظار......" وہ جذب سے بولا۔

"تمہارا انتظار کرکے اب مجھے کیا کرنا تھا۔" میں اپنے زخموں پر ہنسی کی پھوار چھڑک کر بولی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو دل پر ہاتھ رکھ کر کہنا ذرا۔" وہ پھر شوخ ہوگیا۔

تب فیض کی نظم میری سانسوں میں تحلیل ہونے لگی۔

میری تیری نگاہ میں
جو لاکھ انتظار ہیں
جو میرے تیرے تن بدن میں
لاکھ دل فگار ہیں
جو میری تیری انگلیوں کی بے حسی سے
سب قلم نزار ہیں
جو میرے تیرے شہر کی
ہر اک گلی میں
میرے تیرے نقشِ پا کے بے نشاں مزار ہیں
جو میری تیری رات کے
ستارے زخم زخم ہیں
گلاب چاک چاک ہیں
یہ زخم سارے بے دوا
یہ چاک سارے بے رفو
کسی پہ راکھ چاند کی
کسی پہ اوس کا لہو
یہ ہے بھی یا نہیں بتا
یہ ہے کہ محض جال ہے
مرے تمہارے عنکبوت وہم کا بنا ہوا
جو ہے تو اس کا کیا کریں
نہیں ہے تو بھی کیا کریں
بتا، بتا
بتا، بتا

"یار، تو چپ کیوں ہوگئیں؟ سچی بات کہتا ہوں تو منہ سے کوئی بات ہی نہیں نکلتی۔" وہ اترا رہا تھا۔

"اب بولنے کو کچھ نہیں رہا، کیا کروں گی، کچھ کہہ کر......!"

"یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا۔ یار ہم تو کبھی چپ رہے ہی نہیں۔

ہمارے پاس تو بولنے کا اسٹاک ہمیشہ وقت کو شکست دیتا رہا۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولا اور......!

"مگر اب وقت نے ہمیں شکست دے دی اور وقت کی شکست سب سے بڑی شکست ہوتی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"خدا نہ کرے کہ کوئی ہمیں شکست دے، وقت کی باگیں ہمارے ہاتھوں میں ہیں، جہاں جہاں سے ہم گزریں گے، اپنی محبتوں کے چراغ روشن کرتے ہوئے چلے جائیں گے۔" اس نے زعم سے لبالب لہجے میں کہا۔

''یہی تھی تمہاری گرینڈ نیوز۔'' میں تمسخر سے ہنسی۔

''یار، یہ تو زندگی کی اٹل حقیقت ہے۔''

''شاید!'' میں نے کہا۔

''پھر سنو گی وہ گرینڈ نیوز؟'' وہ ہنسا۔

''پھر کبھی سن لوں گی اس وقت مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' میں نے بمشکل کہا۔

''کہاں کے لئے دیر ہو رہی ہے تمہیں؟'' وہ چونک سا گیا۔ ''کیا کہیں جانا ہے اس وقت؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ہاں، جانا ہے مجھے لیکن شاید نہ جا پاؤں۔'' میرا لہجہ میری بات کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

''جانا بھی ہے اور نہیں بھی جانا، کیسی باتیں کر رہی ہوں، ماہم!''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس وقت پھر کبھی سن لی جائیں گی یہ باتیں۔'' میں نے شہری کو ٹالا۔

''اچھا ایک بات سچ سچ بتاؤ کیا اپنے شہری سے تم ناراض نہیں ہونا!'' وہ بڑے جذب سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں شہری، تم سے تو میں واقعی بہت ناراض ہوں۔ دل سے خفا ہوں اگر تم مجھے یوں اگنور نہ کرتے تو شاید میں اتنی پریشان نہ رہتی جتنی کہ ہوں مگر تم نے تو مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میری عزت، میرا وقار، میری انا، سب نغمی کے سامنے تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ تم ان اذیتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے جو تمہارے رویے سے مجھے پہنچی ہیں محبت کرنے والے اتنی کڑی سزا تو نہیں دیا کرتے جو تم نے میرے لئے تجویز کی تھی!'' میرے آنسو میرے اندر اتر رہے تھے۔

''ماہم! محبت میں جب دیوانہ پن بھی شامل ہو جائے تو انسان اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے اور یہی میرے ساتھ بھی ہوا۔

آصف کو تمہارے ساتھ بہت زیادہ کلوز دیکھ کر جس طرح میں رقابت کی آگ میں جلتا تھا، یہ میں ہی جانتا ہوں اور جب نغمی کے ساتھ میں قصداً تمہارے سامنے آتا تھا تو انجانے میں میری یہی خواہش ہوتی تھی کہ تم نغمی کو دیکھ کر کلسو، تمہاری یہ جلن اور کڑھتی ہوئی شکل میری آسودگی کا سبب بنتی تھی کہ ماہم صرف مجھ سے پیار کرتی ہے۔''

''ماشاء اللہ بہت اچھا انداز تھا تمہارے پیار کا جو میرے لئے عذابوں کے موسم طویل کرتا چلا گیا۔'' میں اذیت بھری ہنسی اپنے لبوں پر سمیٹ کر بولی۔

''یار، اب تو معاف کر دو۔ اب تو میں نغمی سے بھی صاف صاف کہہ چکا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو، ماہم میرے بچپن کی ساتھی ہے اسی کا ساتھ دینا ہے اور بس۔''

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ کس کا ساتھ دینا ہے کیا پتا کس کا کب سفر ختم ہو جائے۔'' میرا لہجہ غمناک ہو گیا۔

''اللہ نہ کرے کہ ہمارا ساتھ چھوٹے۔ ابھی تو ہم نے پیار کا پہلا سفر شروع بھی نہیں کیا اور تم ناامیدی کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔ شارجہ جانے والی کرکٹ ٹیم میں میرا نام کیا سلیکٹ ہوا کہ نغمی خود ہی گھر دوڑی چلی آئی۔'' شہری نے ہنس کر سنایا اور آتے ہی کہنے لگی۔

''شہری، ہم فٹافٹ شادی کر لیتے ہیں ہنی مون شارجہ سے شروع کریں گے جو انگلینڈ تک جاری رہے گا تم انگلینڈ بھی جاؤ گے ناں!''

''یہ تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے شادی کروں گا۔'' میں نے بپھر کر کہا۔

''تم ماہم سے شادی نہیں کرو گے، یہ میں جانتی ہوں۔'' وہ بے اختیار ہنستے ہوئے بولی۔ ''تو ظاہر ہے کہ

مجھ سے ہی کرو گے۔''

''نغمانہ صاحبہ، نہ تو آپ مجھے جانتی ہیں اور نہ ماہم کو، کچھ دنوں کے لیے میں اپنی منزل سے بھٹک کر دوسری راہ پر آ گیا تھا مگر میرا راستہ اسی راہ سے مل جاتا ہے جو میری منزل ہے۔ اس کے بغیر میں جینے کا تصور تک نہیں کر سکتا یہ بات آپ اپنے اسکارف میں باندھ لیں کہ دوپٹہ آج اوڑھا نہیں ہے ورنہ میں پلو ہی کا لفظ استعمال کرتا۔

''بعض مسافتیں بڑی کٹھن ہوتی ہیں، منزل پر پہنچ کر دم توڑ دیتی ہیں اور بعض دفعہ منزل سراب ہوتی ہے کہ مل ہی نہیں پاتی۔'' میں دکھ سے بوجھل لہجے میں بولی کہ شہری کی تمام باتوں کا یہی جواب تھا۔

''اے! فلسفہ بھگارنے کی نہیں ہو رہی، یہ نغمی اپنے پلے پڑا ہے اور نہ پڑے گا۔ نغمی کے بعد پندرہ لڑکیاں اور آ گئیں۔ جب ان کو پتا چلا کہ میں انگلش کاؤنٹی کھیلوں گا تو ان سب کی الگ الگ یہی خواہش تھی کہ میں ان سے شادی رچاؤں، مختلف ماہناموں اور روزناموں میں ان کی تصویریں سجادوں اور وہ میرے توسط سے شہرت کا نشہ پورا کر لیں۔

''میرا خیال ہے آپ پھر کسی وقت فون کیجئے گا میں مصروف ہوں اس وقت۔'' میری نظر وال کلاک پر پڑی تو تھرا گئی کہ کسی وقت بھی آصف کی ممی آ سکتی تھیں وقت دھیرے دھیرے کافی بیت چکا تھا۔

''نہیں، ماہم فون مت بند کرنا، پتا نہیں کیوں میرا دل اس وقت یہی چاہ رہا ہے کہ تم بولتی جاؤ اور میں سنتا رہوں۔'' شہری کا لہجہ ملتجی سا ہو گیا۔

''رات بہت ہو گئی ہے اور مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔'' میں نے ٹالنا چاہا۔

''نہیں ماہم، تمہارا لہجہ نیند بھرا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں جب تک ضمیر بھائی گھر نہیں پہنچیں گے تم اس وقت تک نہیں سوؤ گی۔''

''میں بہت پریشان ہوں شہری، پھر کسی وقت بات کرنا۔

''ماہم، اتنی ناراضگی اچھی نہیں۔ مجھے معاف کر دو کہ میں نے بھی تم سے الگ رہ کر کچھ کم سزا نہیں پائی اور اب تم مجھ سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتیں۔''

''اونہہ! نغمی کے ساتھ کو تم سزا کا نام دو گے؟ مجھے اذیتوں کے صحرا کے حوالے کر کے تمہارا وقت تو بہت خوبصورت گزرا۔ ممانی جان بتاتی تھیں کہ تم گھر میں ٹکتے ہی نہیں تھے ہمہ وقت نغمی کے ساتھ گھومتے پھرتے تھے۔'' میں نے کسیلے لہجے میں کہا۔

''یار، گھومنے پھرنے کی سزا اتنی زیادہ تو نہ دو جب کہ بندہ خود نادم ہے۔'' وہ ہنسا۔

''شہری، اپنی مردہ محبت میں زندگی کی جوت پھونکنے کی کوشش نہ کرو کہ اب یہ سب لاحاصل ہے۔'' میں نے لاتعلقی سے کہا۔

''اے لڑکی، خواہ مخواہ ٹر ٹر ہی کئے جاؤ گی یا دوسرے کی بھی سنو گی؟ میری محبت کو مردہ کہہ کر میری توہین نہ کرو۔ قصوروار میں ضرور ہوں مگر اس کی اتنی بڑی سزا کا حقدار نہیں۔ پگلی، میری بات یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ محبت نہ مرتی ہے اور نہ ہی مٹتی ہے ہاں کبھی کبھی رنگ دیکھ کر دو چار قدم غلط راستے پر بڑھا دیتی ہے مگر جب اسے احساس ہوتا ہے تو سرپٹ بھاگ کر اپنے راستے پر گامزن ہو جاتی ہے۔ محبت کا سوز نہ ہو تو دل صحراؤں سے زیادہ ویران ہو۔ میری محبت زندہ ہے بلکہ پھل پھول ہی ہے۔ اسے مردہ کہہ کر کبھی میری تذلیل نہ کرنا۔'' شہری کا گھمبیر لہجہ میری سماعت سے ٹکرا رہا تھا۔

''کچھ اور کہیں گے یا بس! میں نے آپ کی خاطر آپ کی تمام باتیں سن لیں گو کہ اب اس کی نہ ضرورت رہی ہے اور نہ ہی وقت۔'' میں نے یاسیت سے کہا۔

"یار، ابھی تو تم سے کچھ کہا نہیں اور جب کہیں گے تو تم بھی چاہو گی کہ میں بولتا رہوں اور تم سنتی رہو کہ محبت کرنے والوں کے یہی دستور ہوتے ہیں۔ نغمی اور آصف رانگ نمبر تھے جو ہم سے ٹکرائے تھے، اس لئے اب ان کا ذکر نہیں ہوگا۔ آج بھی نہیں اور آئندہ بھی نہیں۔" اس نے فیصلہ سنایا۔

"شہری، اب ان باتوں کو چھوڑو، غلطی میری ہی تھی جو جانے بوجھے بغیر کانٹوں بھری باڑ کو خوش رنگ پھولوں کی شاہراہ جان کر لپکی تھی۔ بعض جذبوں پر شاید لڑکیوں کو اختیار نہیں ہوتا۔ یہ کچے جذبے گلنار لمحوں میں نہ جانے کیوں مضبوط اور طاقت ور دکھائی دیتے ہیں جب کہ بالکل بودے ہوتے ہیں اور ناپائیدار بھی۔ جو بعد میں بے رحم بھی بن جاتے ہیں۔"

"آصف رانگ نمبر ضرور تھا اور ہے کہ اس کے توسط سے مجھے صرف دکھ اور اذیتیں ہی ملی ہیں مگر نغمی رانگ نمبر نہیں تھی۔ تم نے اس کا ساتھ اس وجہ سے نہیں دیا تھا کہ تم مجھے چڑانا چاہتے تھے بلکہ تمہارا وقت پربہار ہو گیا تھا تم ہمیشہ سے یہی چاہتے تھے کہ کوئی تم پر ہمہ وقت پروانہ وار نثار ہوتا رہے اور نغمی میں یہ وصف موجود تھا۔ تم اس کی ہمراہی میں اپنے کو معتبر سمجھنے لگے تھے۔"

"یہ سب غلط ہے، بہتان ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوا۔" شہری کے لہجے میں غصے کی آمیزش رچ گئی۔

"نہیں، یہ سب سچ ہے، ایسا کیوں ہوا؟ یہ شاید تم جان نہیں پائے مگر ایسا ہو جاتا ہے یا شاید مقدر کے لکھے دکھ سکھ ہوتے ہیں جو انسان کو ہر صورت میں ملتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے، اس بارے میں شاید کوئی رویہ وجود میں ہی نہیں آیا ہے کہ جو نہیں ہونا ہوتا وہ ہو جاتا ہے اور جو ہونا ہوتا ہے۔" وہ "نہیں" کی لامحدود وسعتوں میں کسی جگہ جا چھپتا ہے۔ کیوں چھپتا ہے اس کے متعلق کبھی ادراک ہی نہیں ہو سکتا۔"

"بی بقراطن، شاید کسی کو بُرا آدمی بنانے کے لئے سب سے آسان نسخہ یہی ہوتا ہے کہ آپ اس میں تمام برائیاں زبردستی ٹھونس دیں کہ وہ اپنی برائیوں کا وزن لادے پھر رہا ہے۔" شہری ہنسا۔

"مجھ میں بھلا یہ کہاں ہمت کہ آپ پر کوئی قدغن لگاؤں گی! مگر جو سچ ہے، وہ سچ ہے خواہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو۔"

"ماہم، میری زندگی میں تمہاری چاہت اور محبت معمولی باتیں نہیں ہیں کہ ہم چھوٹی چھوٹی رنجشوں میں اپنے آپ کو بھول بیٹھیں، ہماری محبت فلمی محبت نہیں تھی کہ ایک دوسرے کی کوتاہیوں پر آنکھیں بند کر لیتے۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا ہے، پرکھا ہے اور پاس ہو گئے ہیں۔ اب پرانی باتوں کو بھول جاؤ بلکہ بھاڑ میں جھونک دو۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"کاش ایسا ہو سکتا ہے" میں نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوچا اور تب ہی گیٹ پر گاڑی کے ہارن چیخ اٹھے۔ ریسیور میرے ہاتھ سے گر گیا۔

"مجیدن، آصف کی ممی آ گئی ہیں، میں ان کے ساتھ جا رہی ہوں۔" میں نے آواز لگائی۔

"ماہم بی بی، اس وقت جائیں گی آپ!" مجیدن آنکھیں ملتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

"ہاں مجیدن، اس وقت جانا بہت ضروری ہے۔ آصف حرا کو باسط بھائی کے پرانے فلیٹ پر لے گیا ہے میں حرا کو لے کر ابھی آتی ہوں۔"

"میں بھلی چلوں آپ کے ساتھ؟ مجیدن بھی متفکر ہو گئی۔

"نہیں، تم گھر میں رہو، ہم ابھی آتے ہیں۔" آصف کی ممی جو کمرے میں داخل ہو گئی تھی، مجیدن کا آخری فقرہ سن کر بولیں۔

"جیسی آپ کی مرضی، مگر جلدی آیئے گا کہ مجھے ہول ہو گی۔" مجیدن آصف کی ممی کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بس یوں گئے اور یوں آئے۔" آصف کی ممی نے چٹکی بجائی۔

"میں تو جائے نماز پر بیٹھی رہوں گی جب تک آپ لوگ نہیں آ جاتے۔ خدا میری حرا بی بی اور ماہم بی بی کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔" مجیدن نے چلتے وقت ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بدبدا کر مجھ پر پھونکتے ہوئے کہا۔

"کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہم جلدی آئیں گے، کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔" آصف کی ممی نے چلتے وقت مجیدن کو وارن کیا۔

"آپ کہتی ہیں کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے، میں تو سمجھتی ہوں کہ اس سے بڑھ کر کوئی پریشانی ہی نہیں۔ آپ جلدی سے حرا بی بی کو لے آیئے ورنہ ارتقاء بی بی بے موت مر جائیں گی۔" مجیدن گیٹ بند کرتے ہوئے منہ باہر نکال کر آصف کی ممی سے بولی اور کھٹاک سے گیٹ بند کر دیا، گاڑی زن سے ہوا ہو گئی۔

شہری، گرے ہوئے ریسیور سے سنائی دینے والے جملوں کو جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس کے چہرے پر پریشانی، غم و غصے میں ڈھلی چلی جا رہی تھی۔

❤❤❤

ظہیر کے ساتھ تو کئی بار ایسا ہو چکا تھا کہ کالے امریکیوں نے انہیں مار پیٹ کر ان سے ساری رقم چھین لی تھی اور نو دو گیارہ ہو گئے تھے، مگر ان دنوں یہ واقعات کچھ زیادہ ہی بڑھ گئے تھے۔ ظہیر جہاں کام کرتے تھے۔ وہاں ہر ہفتہ انہیں معاوضہ ملا کرتا تھا اور جیسے ہی وہ اپنی رقم لے کر نکلتے کہیں نہ کہیں دھر لئے جاتے اور لٹ لٹا کر گھر آتے۔ اس طرح نہ صرف مالی نقصان ہو رہا تھا، بلکہ جسمانی چوٹیں بھی لگ رہی تھیں۔

"ایسے کمانے کا فائدہ کہ ہر ہفتے لٹ جاتے ہو اور پٹ کر علیحدہ آتے ہو؟" ابا جان نے ملال سے کہا۔

"پہلے ایسے **کیسز** کم ہوتے تھے مگر اب ان جرائم کی رفتار بڑھ گئی ہے اور یہ بھی اتفاق ہے کہ میرے ساتھ ایسا زیادہ ہو رہا ہے۔" وہ ہنسے۔

"کسی دوست کے ساتھ گھر تک آیا کرو، کم از کم اکیلا دیکھ کر تو کوئی زدوکوب نہیں کرے گا۔؟" بعض چوٹیں خاصی شدید تھیں۔

"ابا جان، یہ پاکستان نہیں ہے کہ لوگوں کے پاس فرصت ہی فرصت ہے۔ یہاں کے لوگ اپنا وقت صرف اور صرف اپنے اوپر صرف کرنے کے عادی ہیں، انسانی ہمدردی اور مروّت یہاں بالکل نہیں ہے، جب میں یہاں نیا نیا آیا تھا، ایک دفعہ سڑک کراس کرنے میں دقت ہوئی تو میں نے ایک صاحب سے کہا کہ ذرا میری ہیلپ کر دیں کہ میں راستوں سے نابلد ہوں۔ ان صاحب نے ہاتھ پکڑ کر مجھے سڑک کراس کرا دی مگر یہ بھی فرمایا کہ اس کام کے پیسے آپ مجھے دیجئے۔ میں نے انہیں دو ڈالر دیئے تب انہوں نے میری جان چھوڑی۔"

"اس کے باوجود بھی تم اپنے وطن سے بیزار ہو، جہاں محبتوں کے خزانے ہر ایک کے لئے ہیں۔" ابا جان کو تاسف ہو رہا تھا۔

"کیا کریں، کہ اب یہاں آ ہی گئے ہیں۔ گزارا تو کرنا ہی ہے اور پھر امریکا کا نام پوری دنیا میں ہے۔" احساس کمتری کی حد تھی۔

"پیارے بیٹے! تم کولمبس نہیں ہو جو امریکا کی وجہ سے پہچانے جاؤ۔ تم ظہیر ہو جہاں بھی رہو گے، پاکستان کے نام سے پہچانے جاؤ گے، پاکستان تمہاری اپنی شناخت ہے جب یہاں کوئی بچت نہیں ہے۔ کھانا اور پینا ہی ہے تو اپنا ملک کیا بُرا ہے؟ اتنی محنت جو یہاں کرتے ہو اپنے ملک میں کرو تو چار پیسے کم ہی سہی، مگر ذہنی سکون تو حاصل ہوگا جو کم از کم مجھے یہاں نظر نہیں آتا۔ رات دن تم دونوں محنت کرتے ہو اور

اس کے باوجود پریشانیاں ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ مجال ہے کہ ذرا جو سکون اور فرصت نصیب ہو اور اب مسلسل لٹ رہے ہو۔"

"ابا جان، یہ محض اتفاق ہی ہے کہ میرے ساتھ یہ واقعات ہو گئے۔ ورنہ ضروری تو نہیں کہ یہ واقعات ہر پاکستانی کے ساتھ ہوں۔" ظہیر اپنی چوٹوں کو سلاتے ہوئے تاویل پیش کر رہے تھے۔

"میں تو جب سے آیا ہوں، اکثر ایشیائی لوگوں کے ساتھ اسی قسم کے واقعات دیکھ رہا ہوں۔ جس فلیٹ میں تم رہتے ہو، ہر ہفتے وہاں دو چار لوگ لٹ پٹ کر آتے ہیں قرب و جوار کے فلیٹوں میں رہنے والوں کے ساتھ بھی یہی معمولات ہیں۔"

"انکل، یہ صرف اتفاقات ہیں اور بس۔ ورنہ میں تو اتنے عرصے سے یہاں ہوں، آج تک ایسا نہیں ہوا۔ یہاں کے لوگ جتنے مہذب ہیں، شاید ہی کہیں کے ہوں۔" ثمرین کے بھائی ساجد نے کہا جو قریبی ہی فلیٹ میں رہتا تھا۔

اور پھر یہ واقعی ایک اتفاق یہ تھا کہ اگلے دن وہ نیویارک سے ورجینا جا رہا تھا، اسٹیشن پر اس کا بریف کیس پاس ہی رکھا تھا کہ کالا امریکی وہ بریف کیس لے کر ایسا اڑن چھو ہوا کہ ساجد اس کی گرد تک کو نہ پا سکا، معلوم ہوا کہ بریف کیس میں کافی رقم تھی۔

"چلو اب تم بھی لٹ گئے۔" ظہیر اسے چھیڑ رہے تھے۔ "ابا جان کے سامنے بہت بول رہے تھے کہ یہاں ایسا نہیں ہوتا پاکستان میں زیادہ واقعات ہوتے ہیں، لو دیکھ لو کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو گیا۔"

"یہ شکر کرو کہ تم پٹے نہیں ورنہ زدوکوب والے واقعات یہاں زیادہ عام ہیں۔ میں تو جس کو بھی مرہم پٹی سمیت دیکھتا ہوں، سمجھ لیتا ہوں کہ آج یہ بھی کسی کے ہتھے لگ گیا۔" ابا جان نے تاسف سے کہا۔

"جرائم کی رفتار تو پوری دنیا میں بڑھ رہی ہے۔ اس میں امریکا ہی اکیلا شامل نہیں ہے۔" ظہیر اپنی چوٹوں کو سہلانے کے باوجود امریکا کی طرف داری سے باز نہیں آرہے تھے۔

"یہ تمہیں ہر حال میں ماننا پڑے گا کہ پاکستان میں اس کا ریشو بہت کم ہے۔"

"آپ یہ بات ہم مان بھی لیں تو دیگر سہولتیں تو زیادہ ہیں کھانے پینے کی چیزیں سستی اور خالص ہیں، جو ہماری اور ہمارے بچوں کی اچھی صحت کی ضامن ہیں۔" ظہیر وکالت کرنے پر مجبور تھے کہ ثمرین کو امریکا سے عشق تھا اور پاکستان سے بیر۔

"بے حیائی کتنی ہے، یہ بھی کبھی غور کیا ہے۔ گرمیوں میں پورا امریکا ہی ننگ دھڑنگ سا نظر آتا ہے کہ عورتیں تو کیا مردوں کو دیکھتے ہوئے بھی حجاب آتا ہے ہماری نسل پر اس کے کتنے مضر اثرات ہوں گے۔ کبھی سوچنے کی زحمت کی ہے؟ ذرائع ابلاغ کتنا خطرناک ہے؟ یہ بھی محسوس کیا ہے کہ نئے سال کی تقریبات ٹی وی کے تمام چینل ڈائریکٹ دکھاتے ہیں شراب کے نشے میں جھومتے ہوئے جوڑے، ناچتے اور بدفعلیاں کرتے ہوئے افراد ٹی وی کی اسکرین پر ہوتیہیں۔ بارہ بجے بڑا سا ایپل کٹتے ہوئے دکھایا جاتا ہے تب امریکیوں کے ساتھ اسپینش لوگوں کی حرکات ہرگز دیکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، مگر یہاں کے ایک ایک گھر میں یہ تمام تقاریب بڑے ذوق و شوق سے دیکھی جاتی ہیں۔" ابا جان جب سنانے پر آتے تھے تو کسی کو بخشنا نہیں جانتے تھے اور یہ ان کی پرانی عادت بھی تھی۔

"ہمارا بچہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے اس پر بھلا کیا بُرے اثرات ہو سکتے ہیں! جب بڑا ہو گا تو ہم ان تمام باتوں کا خیال رکھیں گے۔" ظہیر نے بور ہو کر کہا۔

"یہ یاد رکھو، چھوٹے بچے پر جتنے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اتنے بڑے پر نہیں۔ آج یہ چھوٹا ہے، گھر میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہا ہے، کل کو جب یہ بڑا ہو گا تو تمہارے روکنے سے بھی نہیں

رکے گا اور اسی غول میں شامل ہو کر "ہوہا" کرے گا جس پر ہم نفرین بھیجتے ہیں اور جو ہمارے اسلام کے منافی بھی ہے۔"

"چھوڑیے ابا جان، آپ تو تبلیغ ہی کرنے لگے جب ایسا ہو گا تو دیکھا جائے گا، فی الحال تو ہم یہاں خوش و خرم ہیں اور پاکستانیوں کے مقابلے میں یہاں زیادہ آرام سے ہیں۔" ثمرین نے ایک لمبی چھڑ جانے والی بحث کا اختتام کرتے ہوئے کہا تب ابا جان بھی خاموش ہو گئے کہ کسی ناسمجھ کو سمجھانا واقعی مشکل کام تھا!

ثمرین اور ظہیر دونوں ہی جاب پر جاتے تھے۔ ثمرین جلدی آجاتی تھی اور ظہیر قدرتے دیر سے، ایک دن جب ثمرین اپنے ٹائم پر نہیں آئی تو ابا جان پریشان ہو گئے اور جب ظہیر بھی آگئے تو ان کی یہ پریشانی اور بڑھ گئی۔ "کہاں رہ گئی یہ ثمرین!" وہ اضطراب میں ٹہل رہے تھے۔

"شاپنگ کرنے چلی گئی ہو گی، ایسا اکثر ہو جاتا ہے۔" ظہیر مطمئن تھے۔

"تم سے ذکر کیا تھا اس نے شاپنگ کرنے کا؟" وہ کہہ رہے تھے۔

"نہیں، مجھ سے تو نہیں کہا، مگر میرا خیال ہے کہ دیر اسی وجہ سے ہوئی ہو گی۔"

"جب ثمرین گھر آئی تو خاصی روہانسی سی تھی۔ آج اس کے ساتھ ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا کہ نہ صرف اسے زدوکوب کیا گیا تھا بلکہ اس کی تمام رقم ہتھیاء لی گئی تھی۔ کانوں میں پڑے ٹاپس اور ہاتھوں کے کڑے تک چھین لئے گئے تھے۔

"میں اب جاب پر نہیں جاؤں گی اور نہ ہی گھر سے باہر نکلوں گی۔ یہ اٹھارہ سال سے کم عمر امریکیوں نے تو جان عذاب کر رکھی ہے، نہ تو یہاں قانون ہی انہیں کچھ سزا دیتا ہے اور نہ ہی ان کی ہٹ دھرمیوں میں کمی آتی ہے۔ چھلاوے کی طرح آتے ہیں، لوٹ مار کر کے یوں غائب ہو جاتے ہیں کہ معلوم نہیں ہوتا کہ گئے کہاں! رات دن دوسروں کی کہانیاں سنتے تھے، آج اپنے ساتھ بھی ہو گیا۔" ثمرین رو سی دی۔

"ارے، یہ تو محض اتفاق ہے کہ ایسا ہو گیا، ورنہ کہاں پاکستان اور کہاں امریکا، یہاں تو بہت سہولتیں ہیں تم لوگوں کو!" ابا جان کا لہجہ تمسخر بھرا ہو گیا۔

"نہیں ابا جان، اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے بلکہ بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں، ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب یہاں مقیم تمام ایشائیوں کو یہ سوچنا پڑے گا کہ ہمیں اپنے وطن واپس جانا چاہیے یا نہیں رہنا چاہیے۔" ظہیر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو جو تم ہمہ وقت یہاں کے گن گاتے ہو؟" ابا جان نے مسکراہٹ پی کر پوچھا۔

"ہاں ابا جان، اصل حقیقت یہی ہے جو شاید ہم اپنے آپ سے بھی چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، مختلف فیکٹریوں میں بھی مشینی آدمیوں کی بھرتی سے یہاں بے روزگاری پھیلنی شروع ہو گئی ہے۔ جاب میں امریکیوں کو پہلے فوقیت دی جاتی ہے۔ معاوضوں میں کمی کی جا رہی ہے۔ خصوصاً ایشیائیوں کو معاوضہ کافی کم کر دیا جاتا ہے۔ تنخواہیں بڑھنے کے بجائے گھٹ رہی ہیں، اسپتال اور ڈاکٹر، مہنگے سے مہنگے ہو رہے ہیں۔ بیمار پڑ جائیں تو تن کے کپڑے تک بک جانے کی نوبت آجاتی ہے۔" ظہیر اعتراف کر رہے تھے اور ثمرین کا سر جھکتا چلا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ زمین کو چھو لے گا خجالت اور ندامت ہم وزن ہو کر اس کے رخساروں پر پھیل سی گئی تھی۔

"تم لوگ تو ماہم کو بھی یہیں بلا رہے ہو کہ امریکا آکر دیکھے کہ کس قدر ترقی یافتہ ملک ہے۔ جاب کر کے دیکھے کہ یہاں کام کرنے میں کتنا مزہ ہے کیا یہی نظارے تم اس کو بھی دکھانا چاہتے ہو؟" ابا جان نے سوالیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھا جو شرمندگی سے نظریں چرا رہے تھے۔

"ماہم کو تم ہم سیر کروانے کے لئے بلا رہے تھے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ پریشانیاں ایک ایک کر کے ہم

پر ہی وارد ہوں گی۔"

"اب تو سب کچھ دیکھ لیا، یا ابھی مزید کچھ دیکھنے کے تمنائی ہو؟"

"یہاں کی ایجوکیشن پوری دنیا میں مانی جاتی ہے یہاں ہمارے بچے پڑھیں گے تو نام پیدا کریں گے۔ اب تو بس یہی خیال ہے، ورنہ روشنیوں کی چکا چوند اور بڑی بڑی عمارتوں سے اب امپریس نہیں ہوتے۔" ثمرین رک رک کر بولی۔

"تمہاری بات ہو سکتی ہے کہ وزن دار ہو مگر ایک بات صدق دل سے سوچو کہ پاکستان میں بچے نہیں پڑھتے؟ کیا وہاں ذہانت ناپید ہے؟ کتنے ہی پاکستانی بچے ماشاءاللہ اتنے قابل ہیں جو امریکی بچوں سے زیادہ قابل ہیں میری مانو تو اپنے بچوں کو پاکستان میں پڑھاؤ۔ ماشاءاللہ تم دونوں تعلیم یافتہ ہو، بہتر توجہ دے سکتے ہو اور جب بچے بڑے ہو جائیں تو اعلیٰ تعلیم کے لئے انہیں امریکا بھی بھیج سکتے ہو مگر اپنی زندگی کیوں خوار کرنے پر تلے ہوئے ہوں؟"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ، اب ہمیں پاکستان جانے کے بارے میں سوچنا ہی پڑے گا۔" ظہیر ثمرین کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب سوچنا نہیں، بلکہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم پاکستان جائیں گے بلکہ ابا جان کے ساتھ ہی چلیں گے۔" ثمرین اپنے ماتھے کی چوٹ کو سہلاتے ہوئے وثوق بھرے لہجے میں بولی۔

"کیا واقعی!" ابا جان کی خوشی دیدنی تھی۔

"ہاں ابا جان، یہاں آ کر رہ کر، برت کر، ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے اس سے کٹ کر رہنا کوئی آسان کام نہیں۔ وہاں بھی ہم جاب کریں گے اور انشاءاللہ ہماری گزر بسر اچھی ہو جائے گی۔" ظہیر کا چہرہ بھی دمک رہا تھا۔

"تو پھر میں ضمیر کو فون کر کے بتا دوں کہ انشاءاللہ ہم پاکستان آنے والے ہیں؟" ابا جان نے پر مسرت لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، ہاں، بالکل بتا دیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ بہت جلد۔" ثمرین نے چاہت بھرے انداز میں ظہیر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر دوسرے ہی لمحے ابا جان کی انگلیاں ٹیلی فون پر ڈائل کر رہی تھیں یہ خوش خبری سنانے کے لئے۔ ان کی انگلیاں نمبروں پر لرز رہی تھیں اور دل بار بار یہی سوچ رہا تھا نگہت آرا، تم نے جانے میں جلدی کر دی، دیکھو تو میں تمہارے ظہیر کو لے کر پاکستان آ رہا ہوں۔ تم ہوتیں تو کس قدر خوش ہوتیں کہ تمہارا لاڈلا بیٹا تمہارے پاس آ رہا ہے جس کی جدائی تم سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

"کیا نمبر نہیں مل رہا ہے؟" ابا جان کو بار بار ڈائل کرتے دیکھ کر ظہیر اٹھ کر پاس آئے تو حیران رہ گئے۔ ابا جان کا وجود لرز رہا تھا اور تمام آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا!" ظہیر نے باپ کے یخ ہوتے ہوئے ناتواں ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لے لئے۔

"ہاں، بالکل ٹھیک ہوں، کچھ نہیں ہوا مجھے۔" وہ آنسو پی کر بولے۔

"مگر یہ آنسو؟" ظہیر کی سوالیہ آنکھوں نے پوچھا!

"خوشی کے ہیں۔" ابا جان قصداً مسکرا دیئے۔ وہ یہ قطعی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کسی بات سے ظہیر کو صدمہ پہنچے۔

"میں وطن پہنچتے ہی ائیر پورٹ سے سیدھا اماں کی قبر پر جاؤں گا مجھے ان سے معافی مانگنی ہے کہ بیماری

میں ان کی خدمت سے محروم رہا اور ان کو ناراض کر کے یہاں آن بسا۔" ظہیر کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں باپ کے آنسو دیکھ کر اصل صورت حال وہ شاید جان گئے تھے۔

"ماں باپ کبھی اپنی اولاد سے دل سے ناراض نہیں ہوتے۔ زبان سے خواہ وہ کتنی ہی ناراضگی کا اظہار کر دیں، مگر دل اپنے بچوں کی ہی مالا جپتا رہتا ہے۔ تمہاری ماں تم سے کبھی ناراض نہ رہی۔ ہاں منتظر ضرور رہی کہ مرنے سے پہلے ظہیر کو دیکھ لوں۔ یہی وجہ تھی کہ انتقال کے وقت بھی ان کی آنکھیں کھلی تھیں، جیسے وہ کسی کی راہ تک رہی ہوں۔"

"اماں، مجھے معاف کر دینا، میں ابا جان کو کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے واقعی زیادتی ہوئی کہ بیمار ماں کی خدمت کرنے بجائے یہاں آ گیا۔" ظہیر بچوں کی طرح منہ پر ہاتھ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

ثمرین کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ اس نے اپنے بچے کو سینے سے چمٹاتے ہوئے سوچا۔

"خدایا! میرا بچہ کبھی ہمیں چھوڑ کر کہیں نہ جائے کہ ہمیں اس سے محبت اپنی ذات سے بھی زیادہ ہے۔"

♥ ♥ ♥

"تم اور اس وقت؟" ضمیر اسپتال کی راہداری سے گزرتے ہوئے پارکنگ لاٹ کی جانب جا رہے تھے کہ تانیا سامنے آ کر کھڑی ہو گی۔

"میری فرینڈ نے فون کر کے ابھی مجھے بتایا کہ تم اس وقت اسپتال میں پائے جاتے ہو، تو میں نے سوچا، یہاں میں تم سے مل لوں۔ گھر پر فون کرتی ہوں تو تم اٹینڈ تک نہیں کرتے۔"

"میرا تمہارے ساتھ کیا ناتا باقی رہ گیا ہے جو میں تم سے ملوں گا؟" ضمیر کا لہجہ زہر خند ہو گیا۔

"ایسا تو نہ کہو۔ یاد کرو کہ ہم نے مستقبل کے کتنے خوبصورت خواب دیکھے تھے، ان کی تعبیر اتنی خوفناک تو نہ تھی۔" وہ دوپٹہ منہ میں دبا کر بولی۔

"تعبیر تو واقعی خوف ناک نکلی، ایسا نہ ہوتا تو میری ٹانگیں ہرگز نہ ٹوٹتیں۔"

"اب تو تم ماشاءاللہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو۔ میچز میں بھی اچھا پرفارمز کر رہے ہو، ہمارے خوابوں کی تعبیر تو حسین ہو سکتی ہے، جب کہ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے کہ جتنی مجھے تم سے۔" تانیہ نے قدرے بے باکی سے کہا۔

"مجھے اپنی اس بے وقوفی کا صدمہ شاید ہمیشہ رہے گا کہ میں نے ایسا کیوں کیا، میں بہ قائمی ہوش و حواس یہ اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے تاسف ہے ان لمحات پر جو آپ کی معیت میں گزرے۔" ضمیر نے دانت پیس کر کہا۔

"لگتا ہے اترا گئے ہو یا کسی حسینہ کے دام میں گرفتار ہو گئے ہو۔ ورنہ اتنے اکل کھرے تو تم کبھی نہ تھے۔" تانیا کے لئے یہ چوٹ برداشت کرنا واقعی مشکل تھا۔

"کیا تم یقین کرو گی کہ اب مجھے کوئی حسینہ بھی حسین نہیں لگتی۔ تمہارا تجربہ اتنا یادگار رہے گا کہ زندگی میں آئندہ غلطیاں کرنے سے محتاط رہوں گا۔"

"اوہ یہ بات ہے بیچلر رہ کر عمران خان بننے کی ناکام کوشش کریں گے آپ!" اس نے مضحکہ اڑایا۔

"عمران خان تو میرا آئیڈیل بیسٹ مین ہے اس کو فالو کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بہترین کھلاڑی اور بہترین انسان، میں کہاں اور کہاں عمران خان۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ میرے غم میں ساری زندگی گزار دیں گے۔" وہ طنز سے بولی۔

"خدا نہ کرے کہ میں تمہارے نام کا غم مناؤں۔ یہ تو خدا کا احسان ہے کہ تمہارا نام میری زندگی میں شامل ہی نہیں ہو سکا۔ اس کے لئے میں اپنے پروردگار کا جتنا بھی شکر ادا کروں، وہ کم ہو گا، ایک محبت کرنے

والی ایثار پسند اور دکھ سکھ میں شریک بیوی واقعی قسمت والوں کو ملتی ہے۔ ان صفات کی حامل لڑکی جب بھی نظر آئی وہ میری زندگی کی ساتھی بنے گی۔"

"پھر تو ہو جانا بڈھے اسی کے انتظار میں۔ مگر اب میں تمہاری خوشامد ہرگز نہیں کروں گی کہ میں کوئی گری پڑی لڑکی نہیں ہوں۔ اسی شہر میں سینکڑوں لڑکے ایسے ہیں جو مجھ سے شادی کے خواہش مند ہیں۔" تانیا تفاخر سے گردن اکڑ کر بولی۔

"سچ سچ، پھر کیوں ان سب کو بے موت مار رہی ہیں؟ کسی ایک کے گلے میں مالا پہنا دیجئے نا! کیوں دوسرے لوگوں کی راہوں میں آ رہی ہیں جو نہ آپ کو جانتے ہیں اور نہ ہی جاننا چاہتے ہیں؟" ضمیر نے جلے کٹے لہجے میں کہا اور تیزی سے سیڑھیاں اتر گئے۔ اس تیزی سے کہ سائیڈ میں برآمدے میں کھڑے فرجاد کو بھی نہیں دیکھ سکے جو بظاہر ڈیوٹی پر موجود کسی ڈاکٹر سے بات کر رہے تھے مگر ان کے کان ضمیر اور تانیا کی نوک جھوک پر لگے ہوئے تھے اور ان کے لب مسکرانے کو بے تاب ہو رہے تھے۔

ضمیر کے جاتے ہی وہ یہ سب سنانے کو شہری کی جانب لپکے جو ڈیوٹی روم میں فون پر ماہم سے گفتگو کر رہا تھا، ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہ اسے باتیں کرتا چھوڑ آئے تھے اس سے پہلے کہ فرجاد، شہری تک پہنچتے وہ پریشان حال بھاگ رہا تھا اور چہرے پر دکھ کی تحریریں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟" فرجاد نے بلند آواز میں پوچھا۔

"میرے پیچھے جاؤ۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا اور اپنی بائیک اسٹارٹ کر دی، آج پھر وہ طوفانی انداز سے اپنی بائیک اڑائے چلا جا رہا تھا۔

چنتا کیسی ہے من میرے، پپتا جیسی ہو کچھ جیسے
برہا جیسی وہ کچھ جیسے، یادیں جیسے ہوں کچھ ٹوٹی

♥♥♥

وہ شاید میرا ہی منتظر تھا۔ شب خوابی کے لباس میں ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر کھل سا گیا جیسے کوئی بے وقوف لڑکی از خود کسی چلتر کی باتوں میں آ گئی ہو اور لپک کر سامنے آ گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک کسی ماہر شکاریوں کی فتح مندی جیسی تھی۔

"خاہ! زہے نصیب، آخر آپ ہی آ گئیں۔" وہ جذب سے مزید آگے بڑھا۔ دروازہ کھلا تھا اور میں ساکت وصامت وسط میں کھڑی تھی، یوں جیسے میرے قدم من من بھر کے ہو گئے ہوں۔" آصف کی ممی خود باہر ٹھہر گئی تھیں۔

"آہا، آنٹی آ گئیں، اب وہ بھی ہمارے ساتھ منے بھائی کو دیکھنے اسپتال جائیں گے۔" حرا آئس کریم چھوڑ کر میرے پاس چلی آئی۔

"حرا بیٹے آپ اپنی آئس کریم کے پیکٹ کے ساتھ اپنے کھلونے بھی باہر لے جائیں تھوڑی دیر میں ہم بھی آپ کے پاس آ جائیں گے۔" آصف کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"تم اس حد تک گر جاؤ گے۔ یہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی دنیا کی نظروں میں معزز بنے پھرتے ہو، فن کار کہلاتے ہو، فن کی خدمت کرتے ہو اور حقیقت میں کسی گندی نالی کے کیڑے سے بھی بدتر ہو۔" میں نے نفرت سے کہا۔

"کتنی بھولی ہو تم ماہم! میرے دل میں اپنے بجلیاں گراتے وجود سے آگ لگا دی اور جب میرا حلق پیاس سے سوکھ گیا تو تم سے یہ بھی نہیں ہوا کہ دو بوند امرت کی میرے حلق میں بھی ٹپکا دیتیں۔" وہ مکروہ سی ہنسی ہنسا۔

"تم اپنے مذموم خیالات کو اپنے دماغ سے کھرچ کر پھینک دو اور آئندہ کبھی ایسی رکیک حرکت کی تو وہ کڑی سزا دلواؤں گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکو گے۔" میری آنکھوں میں یک دم خون سا اتر آیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اپنی پرواہ کیے بنا اسے تہس نہس کر ڈالوں۔

"ہاں ہاں، جانتا ہوں اپنے پاپا سے گرفتار کروا دوں گی۔" وہ تمسخر سے ہنسا جیسے میری بات کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

"دولت مند لوگوں کی تعلیم یافتہ اولاد بدکاروں سے بھی بدتر ہو سکتی ہے۔ یہ آج معلوم ہو رہا ہے کہ تم کتنے نیچ ہو۔" میں نے زمین پر تھوک کر کہا، جیسے فرش کا وہ حصہ آصف کا چہرہ ہو۔ "اپنی مکروہ زبان پر آئندہ کبھی میرا نام مت لانا کہ تم اس قابل کبھی بھی نہ تھے کہ مجھے پکارنے کے اہل ہوتے۔ تم تو وہ بے حس انسان ہو جسے رشتے ناتوں کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ آج اپنی بھتیجی کو اغوا کیا تو کل ہی اپنی بھانجی کو اغوا کر لینا۔ تم جیسے رذیل انسان کو دیکھنا بھی میں اپنی توہین سمجھتی ہوں جو مہا نیچ ہے۔" میں تیزی سے مڑی اس سے قبل کہ میں برق رفتاری سے باہر نکل جاتی اس کی آہنی گرفت میرے بازو میں پڑ چکی تھی۔

"ارے، کہاں جاؤ گی ماہم، تم تو وہ چاند ہو جس کی چاندنی میں، میں نہانا چاہتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ چاند کی چاندنی صرف چار دن کی ہوتی ہے چلو تم ایک دن ہی کی کر جاؤ تاکہ ہم بھی اپنے یادوں کے خزینے میں ایک تمہارے نام کا بھی اضافہ کر دیں۔" اس کے لہجے کی خباثت اس کی آنکھوں میں ناچ رہی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے والا آصف تھا جو اپنے لفظوں سے میری سماعت میں رس سا گھول دیتا تھا۔

جو انتہائی مذہب اور شریف نظر آتا تھا۔

جس کے ساتھ چلتے کرتے ہوئے میں مسحور سی ہو گئی تھی۔

جس کی شوخی اور شرارتوں میں کبھی ناشائستگی کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔

"یہ لفظ اور لہجے بھی کیا ہوتے ہیں۔" یکبارگی میں نے سوچا۔

"یہ کبھی تو سماعت میں زہر سا گھول دیتے ہیں اور کبھی شہد، زہر بھی ایسا کہ اپنے آپ سے بھی آنکھیں ملاتے ہوئے شرم محسوس ہو، جیسی کہ اس وقت مجھے اپنے آپ سے ہو رہی تھی کہ کیا یہ وہی شخص تھا جو مجھے اچھا لگنے لگا تھا۔"

"ہم لڑکیاں ظاہری خوبو سے کتنی چوٹیں کھا لیتی ہیں۔" میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوچ رہی تھی لہجے اور لفظ سب سے زیادہ بے ایمان ہونے لگے ہیں۔

لہجوں میں جب شہد گھل جائے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے آسمانوں سے اتری ہفت رنگوں خوشیوں سے جھولیاں بھری چلی جا رہی ہوں۔

اور پھر یہی لہجے، لہجوں میں دامن خالی کر دیتے ہیں۔

کبھی تو یوں معتبر بنا دیتے ہیں کہ انسان کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے۔

اور کبھی اتنا بے مایہ کر دیتے ہیں کہ دھرتی کے اندر دھنس جانے کو جی چاہتا ہے۔

"اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟" اس نے مزید قریب آتے ہوئے کہا۔ میرا ہاتھ ہنوز اس کی گرفت میں تھا۔

"آصف، مجھے تمہاری کمینگی اور اپنی کم ہمتی پر حیرت ہو رہی ہے، دل چاہ رہا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ دوں۔"

"تمہارے ہاتھوں تو ہم مر ہی چکے ہیں اور کتنا مارو گی؟" اس نے دوسرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچنا چاہا۔

"رک جاؤ آصف!" عین اسی وقت اس کی ممی کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔

"ممی آپ؟ اور اس وقت؟" اس نے حیرت سے دیکھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے ساتھ آئی ہوں گی۔

"میں قصداً باہر کھڑے ہو کر یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ میرا بیٹا کتنا گر چکا ہے۔"

"اوہ، یہ بات ہے۔ ماہم کے ساتھ آئی ہیں آپ، بڑی مکاری سے گیم کھیلا ہے اس خبیث لڑکی نے۔" وہ ہنسا۔

"آصف، کس نہج پر پہنچ گئے ہو تم کہ مجھے افسوس ہو رہا ہے ماہم سے کہیں خوبصورت لڑکیاں تمہارے اپنے خاندان اور احباب میں موجود ہیں کہ تم انگلی بھی اٹھاؤ تو میں ان میں سے کسی ایک کو تمہاری دلہن بنا دوں۔ مال و دولت، عزت و شہرت تمہاری باندی ہے، پھر بھی تمہارا یہ اندازِ فکر......" ممی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"ممی، آپ کو تو اس لڑکی سے چڑ تھی تو پھر آج یہ طرف داری کیسی؟ اس کی بہن نے باسط بھائی کو بے وقوف بنا کر شادی کر لی تھی۔ اس کے خاندان سے تو آپ کو صدمات ہی ملے ہیں۔ پھر یہ طرف داری کیسی؟"

"تمہاری حیرت بجا ہے بیٹے مگر میں ایک عورت بھی ہوں، میرے سینے میں بھی دل ہے۔ ارتقاء سے شادی خود باسط نے کی تھی مگر پھر اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ واقعی ناروا تھا۔ شاید یہ اسی کی آہیں اور بددعائیں ہیں کہ باسط کا بیٹا ذہنی طور پر معذور پیدا ہوا ہے۔ باسط ہارٹ کے مریض ہونے کے باوجود اپنے آپ کو شراب سے ختم کیے جا رہے ہیں۔ شہلی جو اطاعت گزار، فرماں بردار بہو تھی اب اس کی زبان ہمہ وقت کندھوں پر پڑی رہتی ہے، نہ وہ میری عزت کرتی ہے اور نہ ہی اپنے شوہر کی، بات بات پر دھمکی دیتی ہے کہ مجھے ارتقامت سمجھنا۔ چالاک اور مکار اتنی زیادہ ہے کہ باسط کے نام کی جائیداد اس نے اپنے نام کروا لی ہے۔ زندگی اجیرن کر دی ہے سب کی اس نے۔"

"مگر ممی، اس ماہم نے مجھے بہت ستایا ہے ہمیشہ اپنے آپ کو مجھ سے بچا کر رکھا۔ کیا اس کی اوقات اتنی زیادہ تھی کہ اپنے آپ کو مجھ پر سے وار بھی نہ سکی؟" خوب صورت، دولت مند نوجوان مرد کی اتنی ویلیو بھی نہ ہو۔"

"بیٹا، باعزت لڑکیوں کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے مول نہیں کرتیں۔ خدا کے قہر سے ڈرو اور اسے چھوڑ دو کہ میرے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا۔" ممی مسلسل آصف کو سمجھا رہی تھیں۔

"کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ یہ ماہم آج بھی میری دسترس سے یوں ہی نکل جائے ہمیشہ کی طرح؟" وہ اب میرا بازو چھوڑ کر دروازے کے وسط میں آ کھڑا ہوا تھا کہ میں باہر نہ جا سکوں۔

"جی آصف، اب یہ تمہاری ماں کی خواہش ہے۔"

"کیا اس کو تسخیر کرنے کے لئے مجھے شادی کا ڈھونگ رچانا ہوگا؟ باسط بھائی کی طرح؟" وہ باچھیں چیر کر مسکرایا۔

"اونہہ! میں کروں گی تم سے شادی؟ اس گمان میں بھی نہ رہنا۔" میں نے نفرت سے اسے دیکھا۔

"زبردستی کی شادی تو میں دس منٹ میں کر سکتا ہوں۔ میرے ایک فون پر چار گواہ اور قاضی صاحب پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔ مگر میں اس بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ تم کس قسم کے بکھیڑے میں پڑنا چاہتے ہو۔" شہری تیزی سے دروازے پر ٹھوکر۔ رتا ہوا اندر داخل ہوا کہ آصف متحیر سا رہ گیا۔

"تم اور یہاں؟" آصف کی پریشانی دیدنی تھی۔

"ہاں، میں نے سوچا کہ آج تمہارے سارے ہی بکھیڑے ختم کر دوں۔" شہری نے آصف کا کالر پکڑ کر

ایک زوردار ہاتھ اس کے منہ پر جمایا اور پھر لگا تار ہی چلا گیا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے شہری!" پھٹے ہوئے ہونٹ سے خون صاف کرتے ہوئے آصف ہکلایا۔ شہری کے ہاتھوں کے نشان ثبت ہو گئے تھے۔

"نہیں یار، ہوش میں تو آج آیا ہوں کہ تمہاری دوستی نہیں پہچان سکا تھا کہ تم کتنے کمینے ہو۔" دوسرا ہاتھ اس کی کمر پر پڑا اور ایک کک اس کی ٹانگوں پر جمائی۔

"شہری، ہم بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں، مارنے پیٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔" آصف کی ممی نے ملال بھرے انداز میں شہری سے کہا۔

"ایسے انسان کو تو ختم کر دینا چاہیے جسے کسی کی عزتِ نفس کا کوئی احساس نہ ہو۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟ میں تو اپنے فلیٹ میں ہوں۔" وہ نیچے سے اٹھتے ہوئے کراہتے ہوئے بولا۔

"ہاں، ابھی تم نے کچھ کیا ہی نہیں۔ حرا کو بغیر پوچھے اٹھا لائے فون کر کے ماہم کو بلیک میل کیا۔ اس پر بھی تم نے کچھ کیا ہی نہیں؟ ارے بے غیرت انسان، آج کے ڈاکو بھی باغیرت ہیں۔ اگر انہیں کسی کو یرغمال بنانا ہوتا ہے تو مردوں کو بناتے ہیں؟ عورتوں کو نہیں۔ ڈاکے ڈالنے جاتے ہیں تو مردوں عورتوں کو کمروں میں بند کر دیتے ہیں۔ کسی کی عزتیں لوٹنے کی سعی نہ کرتے مگر تم نے تو حد ہی کر دی۔" شہری نے ایک زوردار لات اس کی کمر پر پھر جمائی، اور ایک گھونسا ناک پر جڑا۔ جوڈو کراٹے کا تو وہ ویسے ہی ماسٹر تھا اور یہ بات آصف بھی جانتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو بچا رہا تھا۔ شہری پر ہاتھ اٹھانے کی اس نے ایک بار بھی کوشش نہیں کی تھی۔

"حرا کہاں ہے؟" شہری نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے غصے سے پوچھا۔

"تم بے فکر رہو، حرا میری گاڑی میں ہے۔ ڈرائیور اس کے پاس ہے۔" ممی نے تسلی دی، وہ یہ مار پیٹ کے مناظر دیکھ کر خاصی ہراساں ہو رہی تھی۔

"شہری کے بچے میں تجھ پر کیس کر دوں گا کہ میرے گھر آ کر تو نے مجھے زدوکوب کیا۔ بند کروا دوں گا تجھے۔" شہری کی ایک اور لات کھا کر آصف غصے سے چلایا۔

"ہم آپ کی یہ حسرت ابھی پوری کر دیتے ہیں کہ کون جیل میں جائے گا۔ شہری یا آصف۔" فرجاد فلیٹ میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔ ان کے ہمراہ ایف آئی اے کا انسپکٹر بھی تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" آصف کے چہرے پر پریشانی مترشح تھی۔

"یہی کہ اب تمہاری ایف آئی آر کٹے گی، کہ بچی کو اغوا کیا لڑکی کو فون پر ہراساں کر کے بلایا۔ ہمارے پاس تمام ثبوت اور شواہد موجود ہیں۔" فرجاد مسکرائے۔

"مگر حرا میری بھتیجی ہے۔" وہ اکڑ کر بولے۔

"بچی پہلے بھی ایک دفعہ اغوا ہو چکی ہے اس سے پہلے بھی تم پر شبہ کیا گیا تھا اور اب تم بچی کو اٹھا کر پہلے شبے کو بھی تقویت پہنچا چکے ہو، شاید ڈاکوؤں سے بھی تمہارا کوئی سلسلہ بنتا ہو جیل میں سڑو گے تو سب کچھ سچ اگل دو گے۔" انسپکٹر آصف کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا کر اسے باہر دھکیلتا ہوا بولا۔

شور شرابے سے پاس پڑوس کے فلیٹ کے لوگ نکل آئے تھے جو آصف کو ہتھکڑی لگی دیکھ کر آپس میں معنی خیز اشارے کر رہے تھے۔ سرگوشیاں جاری تھیں کہ یہ شخص پہلے بھی معتبر نہیں لگتا تھا چہرے پر عجیب سی خباثت سی تھی۔

"یہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔" آصف کی ممی جو سکتے کی سی حالت میں بیٹھی تھیں یکدم منہ ڈھانپ کر سسکیاں بھرنے لگیں۔

"آنٹی، سب ٹھیک ہو جائے گا" کچھ نہیں ہوگا اسے وہ آپ کے پاس واپس بہر حال آ ہی جائے گا۔"

شہری جو مجیدن سے تمام صورت حال معلوم کرتا ہوا آ رہا تھا۔ انہیں تسلیاں دینے لگا۔

"مگر بیٹے، میں نے آج تک اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کی شرارتوں اور غلطیوں پر کبھی جھڑکا تک نہیں۔ اور یہ پولیس والے نہ جانے اس کا کیا حشر کریں گے۔ وہ تو تمہارے دو چار ہاتھ نہیں سہہ سکا لہولہان سا ہو گیا میرا بچہ۔ پولیس والوں کے ہاتھوں میں جا کر، نہ جانے اس کا کیا حشر کیا ہو گا۔" اب وہ بری طرح بلک رہی تھیں۔

"آنٹی، اگر درخت بھی غلط سمت بڑھے تو مالی اس کی چھٹائی کر دیتا ہے تو ایک انسان جب غلط روش اپنائے تو اسے بھی سرزنش کرنا چاہیے۔ اگر آپ آصف کو اس کی غلط حرکتوں پر شروع سے ہی ڈانٹتیں تو یہ نوبت ہی نہیں آتی۔"

"ایک بچے کے لئے اگر پیار ضروری ہے تو اسی طرح اس کے لئے ڈانٹ ڈپٹ اور سزا بھی ضروری ہے کہ اسے شروع سے ہی جزا اور سزا کا فرق معلوم ہو۔ آصف کی کمینگیوں کا سلسلہ عرصہ سے دراز تھا۔ اس کی سزا اس کو بہرحال ملنی چاہیے۔" فرجاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"ذلالت کی بھی حد تھی۔ اسے یہ بات میں نے شروع سے بتا رکھی تھی کہ ماہم میری منگیتر ہے۔ پھر بھی، وہ بری نظر رکھتا تھا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا، یہی میرا احسان ہے۔" شہری اپنی آستین ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔

"آصف، تم نے بہت بُرا کیا، بہت بُرا۔" ممی مسلسل اپنی سسکیاں اپنے لبوں سے کچل رہی تھیں چہرے پر تاسف اور ندامت کے ساتھ انہوں نے وہاں سے جانا ہی مناسب سمجھا۔

میرا سر گھوم رہا تھا اور میں کرسی کو مضبوطی سے تھامے کھڑی تھی۔

شہری سب کچھ جانتا ہے۔ شہری ہر بات سے آگاہ تھا۔ اس آگاہی کے بعد میرا بدن طوفان میں گھری نازکِ عشق پیچاں کے بیلوں کی مانند ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"ماہم، آؤ گھر چلیں۔" شہری نے اپنا مضبوط ہاتھ میرے لرزتے ہاتھ پر رکھ دیا تھا، فرجاد حرا کو لئے نیچے چلے گئے تھے۔

میں نے ایک اچٹتی سی نظر شہری پر ڈالی۔

شہری مسکرا رہا تھا۔ اور اس کی مسکراہٹ کے ساتھ خوشبو کی لپٹیں بھی وہی مانوس سی تھیں جن میں میرا دم اٹکا رہتا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ تم بہت تھک گئی ہو۔ دکھ بھی بہت اٹھائے ہیں تم نے، اب اپنے تمام تر دکھ اور تمام پریشانیاں میرے حوالے کر دو کہ شہری صرف تمہارا ہے اور تمہارا رہے گا۔ اب کوئی بُری آنکھ یا بُری نظر تم پر نہیں ڈال سکے گا کہ تم میری ہو،"

"اُف یہ شہد آگیں جملے، یہ بوند بوند ٹپکتی شبنم، یہ رس کی پھواریں، فردوسی ٹھنڈک کا جانفزا احساس، مجھے بے خود سار کر گیا اور میں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

"ماہم یار، میری طرف آنکھیں کھول کر دیکھو۔"

میں نے اپنی جھلملاتی آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ اپنی شوخ بھری آنکھوں میں سارے جہاں کی دلکشی اور محبت کی سجل سجل روشنیاں سجائے مجھ ہی کو تک رہی تھا۔

اس کے لبوں سے پھوٹتی مسکراہٹ محبت کے سارے رنگ لئے ہوئے تھی۔

"اب گھر جا کر فرسٹ کلاس سی چائے پلانا، ایک عرصہ ہو گیا کہ مجھے چائے میں مزہ نہیں آیا۔" وہ حسبِ عادت میری لمبی چوٹی اپنے ہاتھ پر لپیٹ رہا تھا۔

"پہلے تم میرے لئے آئس کریم لانا۔ اتنے چائے کی پتی گل جائے گی۔" میں دھیرے سے ہنسی۔

"پتی گلانے کا پاؤڈر ہے گھر میں یا ختم ہو گیا ہے؟" وہ ہنس رہا تھا۔

"شاید ختم ہو گیا ہے انتظار تو کرنا پڑے گا" وہ شرمائی شرمائی سی ہنس دی۔

"ٹھیک ہے کر لیں گے۔ جب تک چائے ملے گی، اتنے پھوپھا جان سے امریکا بات کر لیں گے۔" اس نے شوخی سے مجھے گھورا۔ اس کی آواز اس کی قربت سے میرا دل دھڑک رہا تھا یہ ساری روشنیاں یہ بہارِ رنگ میرے ہی تو تھے۔ شہری کی باتوں پر میں بے اختیار مسکرا رہی تھی اور سجل چاندی ہر سو پھیلی نظر آ رہی تھی۔

"اب تو ناراض نہیں ہونا مجھ سے!" وہ اگلے دن میرے پاس بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" میں نے نظریں چرائیں۔

"اے، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتاؤ، کھلاڑی اسی طرح بات کیا کرتے ہیں۔"

"کیا بتاؤں۔" میں نے شرمیلی مسکراہٹ سے کہا۔

"ایک نظر مجھے دیکھو، میں تمہارے دل کا سب حال جان جاؤں۔" وہ پھر شرارت پر آمادہ ہو رہا تھا۔

میں نے اسے دیکھا' جہاں میرے لئے پیار کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"ویری گڈ، یہ ہوئی نا بات کہ تمہاری آنکھیں میری محبت کا واضح اعلان کر رہی ہیں۔" اس نے چھیڑا۔

"اعلان؟" میں نے جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جی ہاں، برملا اعتراف کر رہی ہیں مابدولت کی محبت کا کہ چھ فٹ کے خوبصورت کھلاڑی سیّد شہریار ہمارے ہیں۔"

"تو پھر؟" میں نے اپنی بہتی ہوئی ہنسی کو روکتے ہوئے پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ اب اپنے شہر کی تمام مساجد میں بھی اعلان کرا دوں...... حضرات، توجہ فرمایئے، مسمی شہریار عمر چوبیس سال، رنگ گورا، قد چھ فٹ، آنکھیں شربتی، ان کی زندگی چاندنی سے وابستہ ہو رہی ہے۔"

"اعلان غلط لگ رہا ہے۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"غلط کیوں لگ رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے اعلان سے یہ تاثر ابھر رہا ہے کہ مسمی شہریار عمر چوبیس سال، آنکھیں شربتی کہیں کھو گئے ہیں۔ ڈھونڈ کر لانے والے کو انعام دیا جائے گا۔" میں ہنسی۔

"پھر تو یہ انعام تم ہی حاصل کر سکتی ہو کہ میں اب اپنی چاندنی کے من میں کھو رہا ہوں۔ ایمان سے!" اس کی آواز سحر زدہ سی تھی۔

تب میں نے سوچا کہ شاید کسی شاعر نے یہ بند میرے شہری کے بارے میں ہی کہا تھا۔

مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
اور اس کی دیوارِ جاں نہ ٹوٹے وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے

میرے ساتھ تو واقعی ایسا ہی تھا۔